اندھیری رات کے مُسافر
نسیم حجازی

اندھیری رات کے مسافر

نسیم حجازی

فہرست

پیش لفظ

میرے سامنے تاریخ کے اوراق بھرے پڑے تھے جب اندلس کے مسلمانوں کی آخری سلطنت غرناطہ کی تباہی کے بعد وہ عظیم قوم بھی مٹ گئی تھی جس کے غازیوں نے آٹھ صدیوں قبل جبل الطارق کے سامنے اپنی کشتیاں جلاڈالی تھیں۔

میں کتنی ہی دیر ساحل پر اترنے والے ان قافلوں کو دیکھتا رہا جن کی راہوں کے گردوغبار میں فرزندانِ اسلام کے ماضی کی عظمتیں پوشیدہ ہیں اور پھر میری آنکھوں کے سامنے وہ لمحات پھر اُبھر اُبھر آتے جب فرڈنینڈ کی افواج غرناطہ میں داخل ہو گئی تھیں۔

طارق اور عبدالرحمٰن کی بیٹیوں کی آہ وبکا میں برابر سنتا رہا۔۔۔ غرناطہ کے

ان بوڑھوں اور جوانوں کی ذلّت ورسوائی کے دِلخراش مناظر بھی دیکھتا رہا جن پر رحم و بخشش کے سارے دروازے ہمیشہ کے لیے بند ہو چکے تھے۔۔۔

کئی بار، سوتے جاگتے غرناطہ کے پر شکوہ ایوانوں، با رونق بازاروں اور گلیوں کے باہر کھڑے میں ان غدّاروں کے قہقہے بھی سنتا رہا جو ایک مدّت سے دشمن کے استقبال کی تیاریاں کر رہے تھے۔۔۔ میرے سامنے دراصل اس کارواں کی سرگزشت کھلی پڑی تھی جس کے مستقبل پر دائمی اندھیروں کے پردے ڈال دیے تھے۔۔۔۔

اندلس کی تاریخ کی ورق گردانی میں نے اس وقت شروع کی جب ایک ہندو مہاسبھائی لیڈر نے یہ کہا تھا۔۔۔ اگر آٹھ سو سال کی حکومت کے بعد بھی سپین میں مسلمانوں کا نام و نشان مٹ سکتا ہے تو ہندوستان میں ایسا کیوں نہیں ہو سکتا! اور پھر جب ۱۹۶۵ء کی جنگ ایک حقیقت بن کر ہمارے سامنے آگئی تو یہ سمجھنا مشکل نہ تھا کہ عدم تشدد کے لبادے سے برہمنی سامراج کا عفریت نمودار ہو چکا ہے اور بھارت کے طول و عرض میں اندلس کی تاریخ دہرانے کی ابتدائی مشقیں شروع ہو گئی ہیں۔۔۔۔

یہ کتاب شروع کرتے ہوئے میرا خیال تھا کہ جو واقعات متارکہ جنگ کے معاہدے اور غرناطہ کے سقوط کے درمیان پیش آئے تھے وہ ابتدائی تین چار ابواب میں ختم ہو جائیں گے اور اس کے بعد میں ۱۵۰۲ء تک کے تاریک رات کے مسافروں کی سرگزشت بیان کر سکوں گا لیکن ایک طویل داستان کی تمہید کو مختصر کرنا میرے بس کی بات نہ تھی۔

پھر جب میں نصف سے زیادہ کام ختم کر چکا تھا تو ڈھاکہ کے سقوط کا عظیم المیہ پیش آیا۔

اور اس کے بعد تقریباً تین مہینے کسی پرسانِ حال کو اتنا بھی نہ لکھ سکا کہ میں زندہ ہوں میں اپنے دل سے بار بار یہ پوچھا کرتا تھا۔۔۔ کیا سقوطِ بغداد اور سقوطِ غرناطہ کی داستانیں مسلمانوں کی عبرت کے لیے کافی تھیں؟ کیا ڈھاکہ کے سقوط کے نتائج صرف مشرقی پاکستان تک ہی محدود رہ سکیں گے؟

۱۹۷۲ء کی گرمیوں کے آغاز میں ذرا سنبھلتے ہی میں نے اپنے دل میں یہ عہد کیا تھا کہ اگلے سال مارچ تک یہ کتاب ختم کر لوں گا لیکن میرے

ذہن پر سقوطِ ڈھاکہ کے شدید اثرات ابھی تک باقی تھے چنانچہ نومبر میں اعصاب کی تھکن نے ایک مستقل بیماری کی صورت اختیار کر لی اور قریباً چھ ماہ تک میں چند صفحات سے زیادہ نہ لکھ سکا۔

اور اب اس کتاب کو ختم کرتے ہوئے مجھے یوں محسوس ہو رہا ہے جیسے سقوطِ غرناطہ اور سقوطِ ڈھاکہ ایک ہی المناک داستان کی دو کڑیاں ہیں۔۔۔ وہی آنسو ہمارے سامنے ہیں۔ وہی دِلخراش مناظر اور بوڑھوں اور جوانوں کی وہی ذلّت و رسوائی جو ۱۵۰۲ء میں غرناطہ کو اپنی لپیٹ میں لیے ہوئے تھی۔۔۔ ۱۹۷۱ء میں ڈھاکہ کو اپنی آغوش میں دبائے نظر آتی ہے۔۔۔

لیکن مشرقی پاکستان کا المیہ اس لحاظ سے انتہائی دردناک ہے کہ وہ مقامی اور مہاجر جو آخری وقت تک اپنے لرزتے ہوئے ہاتھوں سے ملت اسلام کا دامن تھامے ہوئے تھے۔۔۔ جو پاکستان کی سالمیت پر ایمان رکھتے تھے، وہ اپنے ہی بھائیوں کے ہاتھوں ذبح ہوئے۔

اور پھر بہار کے مسلمان!

جنہوں نے آگ اور خون کے دریا عبور کر کے پاکستان کے حصار میں پناہ لی تھی، ان کی ایک نسل کے بوڑھے، دوسری نسل کے جوان اور تیسری نسل کے کمسن بچے آج انسانیت کے ضمیر سے پوچھ رہے ہیں کہ ہماری قوم اور ہمارا پاکستان کہاں ہیں؟ اور اللہ کی زمین پر وہ کون سی جگہ ہے جہاں ہمیں پناہ مل سکتی ہے؟

قومیں اتفاقی حادثات سے تباہ نہیں ہوتیں۔۔۔ وہ اس وقت ہلاک ہوتی ہیں جب ان کا اجتماعی احساس ختم ہو جاتا ہے۔ سنگلاخ چٹانیں سمندروں کی تند و تیز لہروں میں بھی اپنی جگہ قائم رہتی ہیں لیکن ریت کے تودے اور تنکوں کے انبار وقت کی آندھیوں کے سامنے نہیں ٹھہرتے۔

ہمیں ایک لمحہ کے لیے بھی نہیں بھولنا چاہیے کہ ملّت اسلام کے جس خون کی روشنائی سے ۱۹۴۷ء میں پاکستان کے نقشے کی لکیریں کھینچی گئی تھیں، ان میں بہار کے ستم رسیدہ مسلمانوں کا خون بھی شامل تھا اور وہ بھارت کی ایک طفیلی ریاست کے باشندے نہیں بلکہ ملک پاک کے وجود کا ایک مستقل حصہ ہیں۔

آخر میں اگر میں شیخ محمد حسن صاحب (مالک قومی کتب خانہ) کا شکریہ ادا نہ کروں تو یہ دیباچہ نامکمل رہ جائے گا۔

علالت کے دوران میں مجھے اپنے کام کی اہمیت کا احساس دلانا اور میرا عزم اور حوصلہ قائم رکھنے میں ان کی ذاتی کوششوں کو بڑا دخل تھا۔ اگر ان کا مخلصانہ تعاون میرے شاملِ حال نہ ہوتا تو یہ کتاب شاید دن مہینے اور شائع نہ ہو سکتی۔ مسوّدے پر نظر ثانی کے لیے انہوں نے میرے حصّے کا بہت سا کام اپنے ذمے لے لیا تھا۔

احسن صاحب صرف پبلشر ہی نہیں، میرے دوست بھی ہیں اور مجھے ایک دوست کے سامنے شکریہ کے رسمی الفاظ دہراتے ہوئے ہمیشہ الجھن محسوس ہوتی ہے۔

ایبٹ آباد ۱۵ جنوری ۱۹۷۴ء

نسیم حجازی

سینٹافے

۱۴۹۱ء کے آخری مہینے کی ایک صبح افق مشرق پر ابھرتا ہوا سورج اپنی سنہری اور روپہلی کرنوں کے جال پھیلا رہا تھا۔ جنوب کے کوہستانوں میں خوابیدہ دُھندلکے آہستہ آہستہ اپنا دامن سمیٹ رہے تھے اور سیرانوادا، الفجارہ اور الحمہ کی بلند چوٹیوں پر برف کے تاج جگمگا رہے تھے۔

سینٹافے کے فوجی کیمپ میں چہل پہل شروع ہو چکی تھی۔ ملکہ ازابیلا شاہی خیمے سے کچھ دور ایک پہاڑی پر کھڑی تھی اور غرناطہ کا دھندلا سا منظر اس کے سامنے تھا۔ کبھی کبھی اس کی نگاہیں ارد گرد پھیلے ہوئے خیموں یا پڑاؤ سے آگے ویگا کے نشیب و فراز میں ان ویران بستیوں میں جا رُکتیں جہاں جلے اور اجڑے ہوئے مکانات جنگ کی ہولناکیوں کی گواہی

دے رہے تھے لیکن چند ثانیے کے بعد یہ طلسماتی شہر جسے وہ چھ میل کے فاصلے سے بارہا دیکھ چکی تھی اور جس کے بلند مینار اور گنبد اس کے ذہن پر نقش ہو چکے تھے، پھر اس کی نگاہوں کے سامنے آجاتا۔

جنگ کے ایام میں جب اس نے پہلی بار اس پہاڑی سے غرناطہ کا منظر دیکھا تھا، اس وقت سورج ڈوب رہا تھا اور اسے ایسا محسوس ہوا تھا کہ سینٹا فے اور الحمرا کا درمیانی فاصلہ یکا یک کم ہو گیا ہے۔ اس کے بعد پہاڑی اس کے لیے ایک مستقل سیر گاہ بن چکی تھی۔ اس کی سہولت کے لیے اوپر چڑھنے کا راستہ کشادہ کر دیا گیا تھا اور چوٹی پر ایک خوب صورت شامیانہ بھی لگا دیا گیا تھا۔ عام طور پر جب وہ شاہی خیمے سے باہر نکلتی تو خادماؤں اور کنیزوں کی پوری فوج اس کے ساتھ ہوتی تھی لیکن جب کوئی ذہنی الجھن پیش آتی تو اسے اپنی خاص سہیلیوں کی رفاقت بھی ناگوار گزرتی تھی اور آج اس کی یہ حالت تھی کہ جب وہ شاہی خیمے سے نکلی تو صرف دو خادمائیں اس کے ساتھ تھیں، لیکن اس نے پہاڑی پر ہی انہیں بھی رخصت کر دیا۔

ازابیلا اس بات سے پریشان تھی کہ قسطلہ کے بشپ اور کلیسا کے محکمہ احتساب کے سربراہ نے اپنے خط میں جنگ بندی کے معاہدے کے خلاف شدید اختلاف کیا تھا اور فرڈنینڈ کو یہ مشورہ دیا تھا کہ متارکہ جنگ کے معاہدے کو بلا تاخیر منسوخ کر کے غرناطہ پر بھرپور حملہ کردے۔

اس خط کا جواب دینا ضروری تھا لیکن فرڈنینڈ نے زیمینس کے خط پر ایک سرسری نظر ڈالنے سے زیادہ کچھ نہیں کیا تھا۔۔ رات کا کھانا کھاتے وقت ملکہ نے تیسری بار اس خط کا ذکر کیا تھا لیکن فرڈنینڈ نے یہ کہہ کر ٹال دیا تھا کہ "ہم صبح غور کریں گے۔۔۔اس وقت ہم بہت تھکے ہوئے ہیں۔"

اور صبح ہوئی تو وہ گشت پر جا چکا تھا۔

☆☆☆

ازابیلا کچھ دیر شامیانے کے قریب کھڑی رہی پھر وہ پیچھے ہٹ کر ایک کرسی پر بیٹھ گئی۔ اچانک اسے گھوڑے کی ٹاپ سنائی دی اور وہ اُٹھ کر دائیں طرف دیکھنے لگی۔ فرڈنینڈ ٹیلے پر پہنچتے ہی گھوڑے سے کود پڑا اور

اس نے آگے بڑھ کر ملکہ کے ہاتھ کو بوسہ دیتے ہوئے کہا۔ ”آج سردی زیادہ تھی۔ آپ کو کچھ دیر اور آرام کرنا چاہیے تھا!“

ملکہ نے جواب دیا۔ ”جب منزل اتنی قریب آچکی ہو تو مسافر آرام نہیں کر سکتے۔ آج صبح ہوتے ہی میں آپ کو یہ یاد دلانا چاہتی تھی کہ جنگ بندی کے دس دن گزر چکے ہیں اور معاہدے کے مطابق ہمیں سینٹا فے اور غرناطہ کے درمیان یہ چھ میل کا فاصلہ طے کرنے میں ساٹھ دن اور لگ جائیں گے۔“

فرڈنینڈ نے جواب دیا۔ ”ملکہ! آپ یہ کیوں نہیں سوچتیں کہ یہ ساٹھ دن اور چھ میل اس قوم کی زندگی اور موت کے درمیان آخری حدِّ فاصل ہیں جس نے آٹھ سو سال اس زمین پر حکومت کی ہے۔ مجھے معلوم ہے کہ آپ کے ذہن میں ابھی تک زیمینس کے خط کا اثر ہے لیکن اس بوڑھے پادری کو کیا معلوم کہ جس قوم کو ہم ہلاکت کے آخری کنارے پر لے آئے ہیں، اس نے چند برس کے اندر اندر جبل الطارق سے لے کر پیرے نیز کی چوٹیوں تک کلیسا کے سارے پرچم سرنگوں کر دیے تھے۔“

”زیمینس کو کون یہ سمجھا سکتا ہے کہ جب اس قوم کا زوال شروع ہو چکا تھا تو بھی کلیسا کی متحد قوت کو دریائے ٹاگس اور وادی الکبیر کے درمیان چند منازل کا فاصلہ طے کرنے میں چار صدیاں لگ گئیں تھیں اور ان چار صدیوں میں جب کبھی ان کا مدافعانہ جذبہ پیدا ہوا تھا وہ دنوں میں برسوں کا حساب چکا دیتے تھے۔“

وہ دونوں کرسیوں پر بیٹھ گئے۔ ازابیلا نے کہا۔ ”میرا مقصد آپ کی رائے سے اختلاف نہ تھا۔ میں اس بات پر فخر کرتی ہوں کہ جن ہاتھوں سے اندلس کی آزادی کا چراغ بجھنے والا ہے وہ میرے شوہر کے ہاتھ ہیں۔ میں صرف اشتیاق کا مظاہرہ کر رہی تھی۔ اگر آپ زیمینس کے خط کو اچھی طرح پڑھ لیتے تو آپ کو یہ غلط فہمی کبھی نہ ہوتی کہ وہ آپ کی عظیم کامیابیوں کو کوئی اہمیت نہیں دیتا۔“

”میں نے اس کا خط پڑھ لیا تھا۔ وہ چاہتا ہے کہ ہم بلا تاخیر متارکہ جنگ کا معاہدہ منسوخ کر کے غرناطہ پر چڑھائی کر دیں۔۔۔ وہ صرف ایک پادری ہے اور میں تمام حالات پر نگاہ رکھنے والا سپاہی ہوں۔ وہ یہ سمجھتا ہے کہ

اہلِ غرناطہ مر چکے ہیں اور اب صرف ان کی لاشیں نوچنے کا کام باقی رہ گیا ہے لیکن میرے نزدیک غرناطہ ایسی حالت میں بھی ایک ایسا آتش فشاں پہاڑ ہے جس کی تہہ میں ابھی تک لاوا ابل رہا ہے۔۔۔ اس آتش فشاں کے دہانے پر کلیسا کے اقتدار کی مسند سجانے سے پہلے مجھے اس اطمینان کی ضرورت ہے کہ وہ لاوا ٹھنڈا ہو چکا ہے۔۔۔"

"یہ درست ہے کہ ہماری فوجیں غرناطہ سے صرف چھ میل دور ہیں لیکن متارکہ جنگ کا معاہدہ کرنے سے پہلے میں نے یہ اطمینان کر لیا تھا کہ ہماری جنگ اب غرناطہ کے مضافات کی بجائے اس کی چار دیواری کے اندر لڑی جائے گی اور جو کام ہمارے لشکر برسوں میں نہیں کر سکے وہ اب ان لوگوں کے ہاتھوں سے پورا ہو رہا ہے جو غرناطہ کے اندر رہ کر اپنی قوم کے ذہنی حصار کی بنیادیں توڑ سکتے ہیں۔ کیا میری کامیابی معمولی ہے کہ جو مقصد ہمیں ہزاروں سپاہیوں کی قربانی پیش کرنے کے بعد حاصل ہونا تھا وہ اس شخص کے ہاتھوں پورا ہو رہا ہے جسے ہمارے دشمن اپنے آخری قلعہ کا محافظ سمجھتے ہیں۔"

ازابیلا نے کہا۔ ”میں ہر لمحہ دعا کرتی ہوں کہ جو توقعات آپ نے ابو عبد اللہ سے وابستہ کی ہیں وہ پوری ہوں، لیکن کبھی کبھی مجھے یہ بات بہت پریشان کرتی ہے کہ وہ ایک بار آپ سے وعدہ خلافی کر چکا ہے۔ اس لیے اس پر دوبارہ اعتماد کرنا دانشمندی نہیں۔“

فرڈنینڈ بولا۔ ”قسطلہ کے بشپ نے بھی اپنے خط میں یہی بات لکھی ہے لیکن یہ بالکل غلط ہے کہ میں اس پر اعتماد کرتا ہوں۔ وہ ایک عیاش، کاہل اور متلون مزاج آدمی ہے۔ مگر مجھے اس کی ضرورت ہے۔ مجھے اس لیے اس کی ضرورت ہے کہ اپنی قوم کی تذلیل کے لیے جو سامان اس نے پیدا کیے ہیں وہ اور کوئی نہیں کر سکتا۔ آج غرناطہ کی حالت اس شیر کی سی ہے جو زخمی ہونے کے بعد کسی جھاڑی کی اوٹ میں اپنے زخم چاٹ رہا ہو۔ اب میں آگے بڑھ کر آخری وار کرنے سے پہلے ابو عبد اللہ کو اس بات کا موقع دینا چاہتا ہوں کہ وہ اس زخمی شیر کو باندھ کر میرے قدموں میں ڈال دے۔“

ملکہ نے کہا۔ ”آپ کو یقین ہے کہ اگر آئندہ ساٹھ دن کے اندر اندر اہل

غرناطہ نے لڑنے کا فیصلہ کر لیا تو ابو عبد اللہ ان کے جوش و خروش کے سامنے ٹھہر سکے گا؟"

فرڈ ننیڈ نے جواب دیا۔ "ابو عبد اللہ جیسے لوگ ہر آندھی کے ساتھ اُڑنے اور ہر سیلاب کے ساتھ بہنے کے لیے تیار رہتے ہیں۔ اسے ہمیشہ کسی سہارے کی تلاش رہتی ہے۔ جب ہم نے اسے سہارا دیا تھا تو اس نے اپنے باپ کے خلاف بھی بغاوت کر دی تھی۔ اور پھر جب موسیٰ بن ابی غسان نے اس کا ہاتھ پکڑ لیا تھا تو وہ ہمارے خلاف کھڑا ہو گیا تھا۔ اب غرناطہ میں کوئی دوسرا موسیٰ نہیں ہے اور ابو عبد اللہ آج ایک ایسے آدمی کے قبضے میں ہے جسے میں اپنی فتح کی ضمانت سمجھتا ہوں۔ وہ اسے ایسے مقام پر لے آیا ہے جہاں سے واپس جانے کے لیے کوئی راستہ باقی نہیں رہا۔ ہمیں خدا کا شکر ادا کرنا چاہیے کہ جس آدمی کو موسیٰ بن ابی غسان نے اہل بربر اور ترکوں کے پاس اپنا ایلچی خاص بنا کر بھیجا تھا، وہ مالٹا کے قید خانے میں پڑا ہوا ہے۔ اور اگر وہ بیرونی اعانت حاصل کرنے میں کامیاب ہو جاتا تو ہمارا بنا بنایا کھیل بگڑ سکتا تھا۔"

”خدا کا شکر ہے یہ آخری خدشہ بھی دور ہو چکا ہے۔“

فرڈ نینڈ نے جواب دیا۔ ”یہ خدشہ اس وقت دور ہو گا جب وہ ایک قیدی کی حیثیت سے میرے سامنے کھڑا ہو گا اور اسے جاننے والے یہ گواہی دیں گے کہ حامد بن زہرہ یہی ہے۔“

ملکہ نے پریشان ہو کر سوال کیا ”کیا یہ بھی ممکن ہے کہ مالٹا والوں نے کسی اور آدمی کو حامد بن زہرہ سمجھ کر گرفتار کر لیا ہو اور ہمارے سفیر نے بھی اس سے متعلق مزید چھان بین کی ضرورت محسوس نہ کی ہو؟“

”نہیں! مالٹا میں ہمارا سفیر ایک ہوشیار آدمی ہے۔ مجھے صرف تشویش ہے کہ ہم نے جو جہاز قیدی کو لانے کے لیے بھیجا تھا اس کی واپسی کے متعلق ابھی تک کوئی اطلاع نہیں ملی۔“

ملکہ نے فکر مند ہو کر کہا۔ ”آپ کہتے تھے کہ ترکوں کے جنگی جہاز ان دنوں بحیرہ روم میں گشت کر رہے ہیں۔ خدا نہ کرے ہمارے جہاز کو کوئی حادثہ پیش آ گیا ہو؟“ فرڈ نینڈ نے جواب دیا۔ ”اگر ایک جہاز کی قربانی سے

وہ خطرات ٹل جائیں جو ہمیں حامد بن زہرہ کے زندہ واپس آنے کی صورت میں پیش آسکتے ہیں تو یہ سودا مہنگا نہیں ہو گا۔"

"آپ اسے اتنا خطرناک سمجھتے ہیں؟"

فرڈنینڈ نے جواب دیا۔ "کبھی کبھی رات کے سناٹے میں ایک ہی پہریدار کی چیخ سے ساری بستی جاگ اُٹھتی ہے۔ میری پہلی ذمہ داری ہے کہ میں جس بستی پر شب خون مارنا چاہتا ہوں وہاں کسی جاگتے ہوئے پہریدار کی چیخیں اس کے حلق سے باہر نہ نکل سکیں اور ہمیں ایک جیتی ہوئی جنگ دوبارہ لڑنے کی ضرورت پیش نہ آئے۔" ملکہ آزردہ ہو کر اپنے شوہر کی طرف دیکھنے لگی۔ اس کی حالت اس بچے کی سی تھی جس کے ہاتھ سے کوئی خوبصورت کھلونا چھینا جا رہا ہو۔

فرڈنینڈ نے اسے تسلّی دیتے ہوئے کہا۔ "ازابیلا! میرا مقصد آپ کو پریشان کرنا نہیں تھا۔ مجھے یقین ہے کہ میں نیا سال شروع ہوتے ہی آپ کو غرناطہ کا تحفہ پیش کر سکوں گا۔ تاہم بعض جنگی تدبیریں ایسی ہوتی ہیں جن کا علم

صرف سپہ سالار تک محدود رہنا چاہیے۔ میرے دل میں کئی ایسی باتیں ہیں جو میں نے ابھی تک آپ پر ظاہر نہیں کیں۔ اس لیے نہیں کہ میں کس مسئلہ میں آپ کو اعتماد میں نہیں لینا چاہتا تھا۔ بلکہ میری خواہش تھی کہ میں کسی دن اچانک خوشخبری سناؤں اور آپ کو زیادہ سے زیادہ خوشی ہو۔" ازابیلا کا چہرہ خوشی سے تمتما اٹھا۔ وہ اٹھ کر چند قدم آگے بڑھی اور فرڈنینڈ نے مشرق کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا "آپ وادی کے نشیب و فراز سے ذرا آگے دیکھنے کی کوشش کریں!"

ملکہ چند ثانیے بغور دیکھتی رہی پھر اس نے کہا۔ "ہاں بہت سے آدمی نظر آتے ہیں لیکن وہ کیا کر رہے ہیں؟"

"وہ سڑک کی مرمت کر رہے ہیں۔ آپ نے یہ خیال نہیں کیا کہ یہ کام گزشتہ تین دن سے ہو رہا ہے اور اگر آپ کی نگاہ ایک میل اور آگے دیکھ سکے تو وہاں آپ کو غرناطہ کے آدمی دکھائی دیں گے جنہوں نے اپنے حصّے کا کام قریباً ختم کر لیا ہے۔"

ملکہ نے حیرت زدہ ہو کر سوال کیا۔ ”آپ کا مطلب ہے ابو القاسم نے انہیں ہماری فتح کا راستہ کشادہ اور ہموار کرنے کے کام پر لگا دیا ہے؟“

فرڈنینڈ نے جواب دیا۔ ”ابو القاسم نے اہلِ غرناطہ کو یہ یقین دلایا ہے کہ انہیں سینٹا فے سے رسد خریدنے کی اجازت ملنے والی ہے اور وہ یہاں آ کر اپنی مصنوعات بھی فروخت کر سکیں گے۔ اب ذرا اس طرف چلیے!“

ازابیلا فرڈنینڈ کے ساتھ ٹیلے کے کونے کے قریب پہنچی تو اس نے کہا۔ ”شمال اور مغرب کی سمتوں سے سینٹا فے کی طرف آنے والے راستوں پر نظر دوڑایئے۔ آپ نے ان راستوں پر اتنی بیل گاڑیاں پہلے کبھی نہ دیکھی ہوں گی۔“

”لیکن وہ کیا کر رہے ہیں؟“ ملکہ نے اُدھر دیکھنے کے بعد پوچھا۔

فرڈنینڈ نے مسکرا کر جواب دیا ”غلہ، پھل، سبزیاں، ایندھن، گھاس، مرغیاں، انڈے اور شاید آپ کو بھیڑ بکریوں کے ریوڑ بھی نظر آ جائیں۔ کل میں نے حکم دیا تھا کہ دو دن کے اندر اندر سینٹا فے کو بہت بڑی منڈی

بن جانا چاہیے اور ابو القاسم کو یہ پیغام مل چکا ہے کہ پرسوں ہم سینٹا فے کا راستہ کھول دیں گے۔ مجھے صرف اس بات کا افسوس ہے کہ میں یہ کام ذرا دیر سے کر رہا ہوں۔"

ملکہ بڑی مشکل سے اپنی پریشانی چھپانے کی کوشش کر رہی تھی۔ اس نے جھجکتے ہوئے کہا: "کیا آپ واقعی تجارت کا راستہ کھولنا چاہتے ہیں؟"

"ہاں۔ میں اس بات کا عملی ثبوت دینا چاہتا ہوں کہ قسطلہ کی رحمدل ملکہ کو اپنی نئی رعایا کا بھوکوں مرنا پسند نہیں۔۔۔۔ ویسے زیمینس یقیناً اسے پسند کرے گا۔"

ملکہ نے کہا۔ "میرا تو خیال ہے کہ وہ ایسی باتیں سُن کر خودکُشی پر آمادہ ہو جائے گا۔" فرڈنینڈ مسکرایا۔

"کیا اس سے یہ کہہ دینا کافی ہو گا کہ اہلِ غرناطہ کو چند دن اچھی خوراک مہیا کرنے کے عوض انہیں دائمی غربت و افلاس کے جہنّم میں جھونک دینے کا سودا ہمارے لیے مہنگا نہیں۔ آپ حیران ہوں گی کہ یہ تجویز بھی

ابو القاسم نے پیش کی تھی۔ اسے یہ شکایت ہے کہ اگر اہلِ غرناطہ جنوب کے پہاڑی علاقوں سے رسد حاصل کرتے رہے تو قبائل کے ساتھ ان کے روابط گہرے ہوتے جائیں گے۔ میں نے ان کی یہ شکایت دور کر دی ہے۔ اب ہماری یہ کوشش ہونی چاہیے کہ اہل غرناطہ کو کھانے پینے کا سامان انتہائی مناسب قیمتوں پر دیا جائے۔ بھوکا انسان پیٹ بھرنے کے بعد لڑنے کی بجائے آرام سے سونا زیادہ پسند کرتا ہے۔"

ملکہ نے کہا۔ "اگر مجھے ان منصوبوں کا علم ہوتا تو میں اس قدر پریشان نہ ہوتی۔ لیکن ایک بات میری سمجھ میں نہیں آتی کہ ہمارے دشمن آٹھ سو سال اس ملک پر حکومت کرنے کے بعد اپنے مستقبل سے اتنے بے خبر ہیں۔ کیا وہ اتنا بھی نہیں سوچ سکتے کہ ہمارے لیے غرناطہ کے دروازے کھل جائیں گے تو ان کا یوم حساب شروع ہو جانے کا؟"

فرڈنینڈ نے جواب دیا "وہ سب کچھ جانتے ہیں لیکن جب کسی قوم پر زوال آتا ہے تو وہ اپنی سلامتی کے سیدھے راستے سے انحراف کے بہانے تلاش کرتی ہے اور ہمیشہ خود کو فریب دیتی ہے کہ اس کے حیلے اس کی قوت و

توانائی کا نعم البدل ہو سکتے ہیں اور قوموں کی اخلاقی انحطاط کا آخری مرحلہ یہ ہوتا ہے کہ وہ اپنی بقا کی جدوجہد کے بجائے خودکُشی کر لینا زیادہ آسان سمجھتی ہیں۔ آج یہی حالت ہمارے دشمن کی ہے۔ وہ اجتماعی زندگی کی ذمہ داریوں سے بچنے کے لیے اجتماعی ہلاکت کے خطرے سے آنکھیں بند کر لینا زیادہ آسان سمجھتے ہیں۔ یہ ہماری خوش قسمتی ہے کہ جن آدمیوں کی ذہانت اور مکاری کو اپنا آخری سہارا سمجھتے ہیں، وہی اپنا مستقبل ہمارے ساتھ وابستہ کر چکے ہیں۔"

ازابیلا نے کہا۔ "ابو عبداللہ کو یہ معلوم ہے کہ چند ہفتوں کے بعد اس کی بادشاہت ختم ہو جائے گی اور اس کے عوض الفجارہ میں ایک چھوٹا سا علاقہ حاصل کرنے کے بعد بھی اس کی حیثیت ایک معمولی جاگیر دار کی ہو گی۔ ہم جب چاہیں گے اسے ملک سے باہر نکال دیں گے۔ ابو القاسم کو بھی یہ خوش فہمی نہیں ہو سکتی کہ جب ابو عبداللہ کی بادشاہت ختم ہو جائے گی تو اس کی وزارت باقی رہے گی۔ پھر وہ کس امید پر یہ کھیل کھیل رہے ہیں؟"

فرڈنینڈ مسکرا دیا۔ "کھیل صرف میرا ہے وہ دونوں تو شطرنج کے مہرے

ہیں ابو عبداللہ ان لوگوں میں سے ہے جو نزع کے عالم میں بھی موت کو فریب دینے کی کوشش کرتے ہیں اور ابو القاسم جیسے عیار آدمی کے لیے اُسے یہ اطمینان دلانا مشکل نہ تھا کہ ہم جو کچھ کر رہے ہیں، وہ سب اس کے فائدے کے لیے ہے۔ جب متارکہ کی جنگ سے متعلق گفتگو ہو رہی تھی تو اس کی سب سے بڑی خواہش یہ تھی کہ اُسے ہتھیار ڈالنے کے بعد بھی کم از کم ایک سال کے لیے الحمرا کے شاہی محلات اور قلعہ سے بے دخل نہ کیا جائے۔"

"اور آپ نے میرے احتجاج کے باوجود تسلیم کر لیا تھا۔"

"آپ کو احتجاج کرنے کی ضرورت نہ تھی۔ میں نے یہ مطالبہ تسلیم کرنے سے پہلے اس بات کا اطمینان کر لیا تھا کہ جب ہمارا لشکر غرناطہ میں داخل ہو گا تو ابو عبداللہ الحمرا میں نہیں ہو گا۔"

"لیکن یہ کیسے ممکن ہے۔ ہم کس بہانے اپنی تحریری معاہدے کی خلاف ورزی کر سکتے ہیں؟" ملکہ نے حیران ہو کر سوال کیا۔

"ہمیں کسی بہانے کی ضرورت نہیں پیش آئے گی۔ جب وقت آئے گا تو ابو القاسم ایک دن کے اندر اندر ایسے حالات پیدا کر دے گا کہ وہ رضا کارانہ طور پر الحمرا سے نکل جائے۔ لیکن سر دست اُسے خود فریبی میں مبتلا رکھنا ضروری ہے اور یہی وجہ ہے کہ میں اس کا کوئی مطالبہ نہیں کرتا بلکہ اس کے ایلچیوں کو یہ تاثر دینے کی کوشش کرتا ہوں کہ ہم نے اسے اور بہت کچھ دینا چاہتے ہیں۔ معاہدے کے دوسرے روز ہی میں نے اسے یہ خفیہ پیغام دیا تھا کہ غرناطہ کی مسلم رعایا کا اعتماد حاصل کرنے کے لیے مجھے ان میں سے ایک نائب السلطنت تلاش کرنا پڑے گا اور اب وہ بے وقوف یہ سمجھتا ہے کہ الفجارہ میں اسے جاگیر دینے کے اعلان سے میرا مقصد صرف اس کی وفاداری کا امتحان لینا تھا۔ ورنہ میں اسے اپنا نائب السلطنت بنانے کا فیصلہ کر چکا ہوں۔ وہ خود فریبی میں مبتلا رہنا چاہتا ہے اور میں اسے خود فریبی میں مبتلا رکھنا جانتا ہوں۔"

فرڈنینڈ چند ثانیے داد طلب نگاہوں سے ملکہ کی طرف تکتا رہا پھر وہ اطمینان سے کہنے لگا۔ "جہاں تک ابو القاسم کا تعلق ہے، مجھے اس سے کوئی وعدہ

کرنے کی ضرورت نہیں۔ وہ اپنی قوم کی کشتی گرداب میں دیکھ کر ہماری کشتی میں سوار ہوا ہے اور وہ یہ سمجھ چکا ہے کہ اب اسے زندہ رہنے کے لیے بھی ہمارے سہارے کی ضرورت ہے۔ اس لیے وہ اپنی قوم سے غدّاری میں اتنا آگے جا چکا ہے کہ اب اس کے لیے واپسی کا کوئی راستہ باقی نہیں رہا۔ میرا خیال ہے کہ اب آپ مطمئن ہو گئی ہوں گی۔"

"ہاں" ملکہ مُسکرائی۔ "اب مجھے ہر طرح کا اطمینان محسوس ہو رہا ہے کہ میری تمام دعائیں قبول ہو چکی ہیں۔ آج میں فادر زیمینس کو یہ لکھوں گی کہ میرے شوہر کو سیاسی اور جنگی معاملات میں آپ کے مشوروں کی ضرورت نہیں، آپ کو صرف دعا کرنی چاہیے۔ کاش آج حامد بن زہرہ کے متعلق بھی میں کوئی اطلاع مل جائے۔"

فرڈنینڈ نے کہا۔ "آپ کو اس کے متعلق پریشان ہونے کی ضرورت نہیں۔ میں نے کئی دن پہلے یہ سوچ لیا تھا کہ یہاں غرناطہ کو اگر کوئی رہنما مل گیا اور اس نے عوام کو ابو عبداللہ اور ابوالقاسم کے خلاف مشتعل کر دیا اور اس کے ساتھی اہل بربر یا ترکوں کے چند دستے بھی ان کی اعانت کے

لیے پہنچ گئے تو ہمارے یہ سارے منصوبے خاک میں مل جائیں گے۔"
ملکہ مُضطرب ہو کر شاہ کی طرف دیکھنے لگی۔ "آپ نے اس کا کیا علاج سوچا ہے؟"

"میں آپ کو یہ مژدہ سنا سکتا ہوں کہ میں ان خطرات کا سدِّباب کر چکا ہوں۔ آپ کو معلوم ہے کہ جنگ بندی کا معاہدہ کرتے ہی میں نے یہاں سے تھوڑی دور مغرب کی طرف فوج کے لیے ایک نیا مستقر تعمیر کرنے کا حکم دیا تھا۔۔۔۔اب سینکڑوں آدمی وہاں رات دن کام کر رہے ہیں۔"

"ہاں! لیکن اب بھی میں سمجھتی ہوں کہ وہ تنگ وادی فوج کے لیے قطعاً موزوں نہیں۔ اور پھر جب آپ غرناطہ کی فتح کو اس قدر یقینی سمجھتے ہیں تو ہمیں مزید لشکر کی ضرورت ہی باقی نہیں رہتی۔ پھر وہاں اس عارضی چھاؤنی تعمیر کرنے کی کیا ضرورت ہے؟"

"اگر میں آپ کو یہ بتاؤں کہ جب یہ چھاؤنی تعمیر ہو جائے گی تو غرناطہ کی کنجی آپ کے ہاتھوں میں ہو گی تو آپ یقین کر لیں گی؟"

ملکہ نے شکایت کے لہجے میں کہا۔ ”آپ کوئی بھی شہر بنانے سے پہلے میری ذہانت کا امتحان لینا کیوں ضروری سمجھتے ہیں؟ خدا کے لیے بتایئے ناں وہاں کیا ہونے والا ہے؟“

فرڈنینڈ چند ثانیے کے لیے فاتحانہ انداز سے اس کی طرف دیکھتا رہا، پھر اس نے کہا: ”میں اپنی فوج کے لیے کوئی نیا پڑاؤ نہیں بلکہ دشمن کے لیے ایک پنجرہ تیار کروا رہا ہوں جس میں غرناطہ کی روحِ آزادی بند کر دی جائے گی۔ اس مہینے کے اختتام سے پہلے غرناطہ کے چار سو افسر یرغمال کے طور پر ہمارے حوالے کر دیے جائیں گے اور یہ چار سو آدمی فوج کے علاوہ ان بااثر خاندانوں سے منتخب کیے جائیں گے جن کی تائید و حمایت کے بغیر غرناطہ کے اندر کوئی تحریک کامیاب نہیں ہو سکتی۔“

ازابیلا چند ثانیے اپنے شوہر کی طرف دیکھتی رہی۔ پھر اس نے کہا۔ ”آپ کا مطلب ہے کہ ابو عبداللہ اور اس کا وزیر انہیں بھیڑ بکریوں کی طرح باندھ کر ہمارے حوالے کر دیں گے؟ فوج اور عوام کی طرف سے کوئی مزاحمت نہیں ہو گی؟“

”نہیں! یہ ابو القاسم کی ذمہ داری ہے کہ کسی قسم کی کوئی مزاحمت نہ ہو اور وہ اس ذمہ داری سے اس صورت میں عہدہ برا ہو سکتا ہے کہ اہلِ غرناطہ کو امن کی طرف مائل کرنے میں میری تجاویز کامیاب ہوں۔ تجارت کا راستہ کھولنے اور فوری طور پر انہیں زندگی کی ضروریات مہیا کرنے کا مقصد یہی ہے کہ وہ ہمیں دشمن کے بجائے اپنا محسن خیال کریں۔“

”چار سو معزّز انسان۔“

”ہاں چار سو ایسے انسان جنہیں زندہ واپس لانے کا مسئلہ ان کے ہزاروں عزیزوں اور رشتہ داروں کے لیے غرناطہ کی آزادی یا غلامی کے مسائل سے زیادہ اہم بن جائے گا اور ہم ان سے اپنی ہر بات منوا سکیں گے۔“

ملکہ نے کہا۔ ”مجھے ایسا محسوس ہوتا ہے کہ میں خواب دیکھ رہی ہوں۔ کیا آپ کو یہ یقین ہے کہ ابو القاسم آپ کا یہ مطالبہ مان لے گا اور عوام سے کوئی خطرہ محسوس نہیں کرے گا؟“

”وہ یہ مطالبہ تسلیم کر چکا ہے اور اس کے نزدیک عوام سے بچنے کی واحد

صورت یہی ہے۔ اس کا خیال ہے کہ اگر کوئی سر پھرا انہیں مشتعل کرنے کی کوشش کرے تو با اثر لوگ اسے اپنے بیٹوں اور بھائیوں کی سلامتی کا دشمن سمجھ کر اس پر تلواریں سونت لیں۔"

ازابیلا نے کہا۔ "اب ریمینس کے خط کے متعلق ہمیں کسی بحث کی ضرورت باقی نہیں رہی۔ ان کا ایلچی واپس جانے کے لیے سخت بے چین ہے۔ اگر آپ اُسے چند منٹ دے سکیں تو اسے کل صبح رُخصت کر دیا جائے۔"

"میں کل اسے ملاقات کے لیے بُلالوں گا۔ آج میں بہت مصروف ہوں۔ مجھے ابو القاسم کے ایلچی کا انتظار ہے۔"

ماضی کے اجالے اور مستقبل کے اندھیرے

پہاڑ کے دامن میں ایک بستی کے تین اطراف پھیلے ہوئے باغات میں خزاں کے اثرات ظاہر ہو رہے تھے۔ جنوب کی سمت سیرانوادا کی بلند چوٹیوں پر دور دور تک پہلی برف باری ہو چکی تھی۔

سلمیٰ اپنے قلعہ نما مکان کی چھت پر دھوپ میں لیٹی ہوئی تھی۔ پچاس سال کی عمر میں بھی اس کے چہرے پر جوانی کی تازگی تھی۔ عاتکہ ایک چودہ پندرہ سال کی صحت مند لڑکی جس کا ذہین اور خوبصورت چہرہ عرب، بربر اور ہسپانیہ کی بہترین نسوانی خصوصیات کا آئینہ دار تھا، ہاتھ میں کتاب لیے زینے سے نمودار ہوئی اور آگے بڑھ کر سلمیٰ کے پاس قالین پر بیٹھ گئی۔

''چچی جان!'' اس نے کتاب کھولتے ہوئے کہا۔ ''میں سعید کے گھر کتاب لینے گئی تھی۔ میرا خیال تھا کہ جلد واپس آجاؤں گی لیکن زبیدہ سے باتیں کرنے میں دیر ہو گئی۔ سعید ابھی تک غرناطہ سے واپس نہیں آیا۔ منصور بہت مغموم تھا۔ جعفر اور زبیدہ بھی خاصے پریشان تھے۔ جعفر کہتا تھا کہ اگر وہ شام تک واپس نہ آیا تو میں خود غرناطہ جا کر پتا چلاؤں گا۔ اسے خدشہ ہے کہ کہیں غرناطہ کی آزادی کا سودا کرنے والے اسے بھی عیسائیوں کے حوالے نہ کر دیں۔''

سلمیٰ اٹھ کر بیٹھ گئی۔ اس نے نوعمر لڑکی کو تسلّی دیتے ہوئے کہا۔ ''عاتکہ مجھے معلوم ہے کہ سعید کے متعلق اس کے بھانجے اور نوکروں کی نسبت تم کہیں زیادہ پریشان ہو۔ لیکن تمہیں اطمینان رکھنا چاہیے۔ عنقریب ابو عبداللہ چار سو آدمیوں کو یرغمال کے طور پر فرڈیننڈ حوالے کر دے گا۔ اس کے بعد یہ خدشہ نہیں ہو سکتا کہ اہل غرناطہ معاہدہ صلح کے خلاف کسی کو زبان کھولنے کی اجازت دیں۔ ہماری بستی میں انہیں تمہارے چچا کے متعلق بھی پریشانی تھی۔ اس لیے غرناطہ کے اکابر کو اصرار تھا کہ امین اور

عبید کو شامل کرنا ضروری ہے۔ تاہم یہ کوشش ہو رہی ہے عمیر کی طرح انہیں بھی فہرست سے نکال دیا جائے۔"

عاتکہ نے کہا۔

"چچی جان! میں سعید کے متعلق اس لیے پریشان ہوں کہ اس کے سوا منصور کا کوئی سہارا نہیں۔"

سلمٰی نے کہا۔ "بیٹی! میں تمہارے چچا سے کہوں گی کہ وہ کسی کو غرناطہ بھیج کر اس سے متعلق پتا چلائیں۔ لیکن تمہیں بار بار سعید کے گھر نہیں جانا چاہیے۔ اب تم بڑی ہو گئی ہو۔ سعید بڑا اچھا لڑکا ہے اور تمہارے چچا بھی اسے بیٹوں کی طرح چاہتے ہیں۔ لیکن عمیر پسند نہیں کرتا کہ تم اس کے ساتھ میل جول رکھو۔"

عاتکہ کا چہرہ غصّے سے تمتما اٹھا اور اس نے کتاب ایک طرف رکھتے ہوئے کہا۔ "اور آپ کو معلوم ہے کہ میں عمیر کا نام سننا پسند نہیں کرتی۔"

سلمٰی مُسکرائی۔ "مجھے معلوم ہے اور مجھے خود بھی اس کی عادات پسند

نہیں۔ لیکن تمہارے چچا اسے عبید اور امین سے زیادہ پیار کا مستحق سمجھتے ہیں اور ان کا خیال ہے کہ جب تم بڑی ہو جاؤ گی تو ممکن ہے وہ تمہیں اس قدر قابلِ نفرت نظر نہ آئے۔"

"چچی جان! آپ کیا کہہ رہی ہیں؟"

"بیٹی میرا یہ مطلب نہیں کہ تمہیں کوئی مجبور کر سکتا ہے۔ لیکن تمہارے چچا جان کہتے تھے کہ عمیر چند دن تک گھر پہنچ جائے گا اس کی موجودگی میں تمہیں ذرا احتیاط برتنی پڑے گی۔ یوں بھی اب تمہارا گھر سے نکلنا اچھا معلوم نہیں ہوتا۔ میں جعفر کی بیوی سے کہوں گی کہ وہ ہمارے گھر آجایا کرے۔"

عاتکہ کچھ دیر خاموش رہی۔ پھر اس نے کہا۔ "اگر چچا جان عمیر کی سفارش کر سکتے ہیں تو بھائی امین اور عبید نے کیا قصور کیا تھا؟"

سلمیٰ نے جواب دیا۔ "وہ انہیں بھی بچانا چاہتے تھے لیکن ابوالقاسم نے یہ کہا تھا کہ اگر آپ کے تینوں بیٹے نکال لیے جائیں تو دوسرے بھی یہ مطالبہ

کریں گے۔ اس لیے ان میں سے صرف ایک کو روک لینے کا وعدہ کر سکتا ہوں۔" عاتکہ نے کہا "اور چچا جان نے امین یا عبید کے بجائے عمیر کا نام پیش کر دیا؟"

"ہاں! میرا سوتیلا بیٹا ان کی کمزوری ہے۔"

"اور اس کی ماں بھی ان کی ایک بہت بڑی کمزوری تھی۔"

سلمٰی نے کہا۔ "ہاں بھئی! وہ میرے لیے ایک قیامت تھی۔ اگر تمہارے چچا کو حامد بن زہرہ کی ملامت کا خوف نہ ہوتا تو اس گھر میں میرا زندہ رہنا مشکل ہو جاتا۔ لیکن اب وہ مر چکی ہے اور ہمیں اس کے لیے دُعا کرنی چاہیے۔"

عاتکہ نے کہا۔ "زبیدہ کہتی تھی کہ وہ اشبیلیہ کے کسی یہودی خاندان سے تعلق رکھتی تھی اور اس کے والدین غرناطہ میں پناہ لینے کے بعد مسلمان ہوئے تھے۔ ابّا جان کو اس سے سخت نفرت تھی۔ اور امی جان بھی اس سے بات کرنا پسند نہیں کرتی تھیں۔"

”بیٹی! تمہارے والدین میرے طرف دار تھے اور ایک مرتبہ جب انہیں معلوم ہوا کہ تمہارے چچا میرے بچوں کے ساتھ اچھا سلوک نہیں کرتے تو وہ ہمیں غرناطہ لے گئے۔ تمہارے چچا ابّا سے صرف ڈیڑھ سال چھوٹے تھے لیکن نصیر کے سامنے ان کی پیش نہیں جاتی تھی۔ وہ بہت جابر تھا۔۔۔ اس علاقے کا کوئی آدمی اس کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر بات نہیں کر سکتا۔ عاتکہ! جب تمہیں غصہ آتا ہے تو تمہارا چہرہ بھی اسی طرح تمتماتا ہے اور تمہاری آنکھیں تو بالکل نصیر جیسی ہیں۔“

”چچی جان! مجھے ان دنوں کا تھوڑا تھوڑا ہوش ہے۔ لیکن آپ جلد ہی غرناطہ واپس آگئی تھیں۔“

”ہاں عمیر کی ماں کی وفات کے بعد تمہارے چچا کو اپنی زیادتی کا احساس ہوا اور مجھے ان کے ساتھ واپس آنا پڑا۔“

”چچی جان! اگر آپ برا نہ مانیں تو میں ایک بات پوچھنا چاہتی ہوں؟“

”پوچھو؟“

”کیا یہ ممکن ہے کہ چچا جان دشمن کی غلامی پر مطمئن ہو جائیں؟“

”نہیں بیٹی وہ آدمی جس کے تین بھائی شہید ہو چکے ہوں، جس کے اپنے جسم پر زخموں کے کئی نشان موجود ہوں اور ایک ہاتھ بھی کٹ چکا ہو، وہ عیسائیوں کی غلامی پر کیسے رضامند ہو سکتا ہے؟“

”لیکن انہوں نے اپنے بیٹوں کو یرغمال بنا کر بھیج دیا ہے۔ کیا اس سے یہ ظاہر نہیں ہوتا کہ وہ دل سے اہل غرناطہ کی شکست تسلیم کر چکے ہیں۔“

سلمٰی نے جواب دیا۔ ”یہ بات کسی کے وہم و گمان میں بھی نہ تھی کہ ابو عبد اللہ اور اس کے مشیر متارکہ جنگ کی مدّت ختم ہونے سے قبل چار سو آدمیوں کو یرغمال کے طور پر عیسائیوں کے حوالے کرنے پر آمادہ ہو جائیں گے۔ کاش! تمہارے چچا کو غرناطہ کے اکابر اور حکومت کا فیصلہ رد کرنے کا اختیار ہوتا!“

عاتکہ نے کہا۔ ”چچی جان! فرض کر لیجیے کہ اگر حامد بن زہرہ اپنے مقصد میں کامیاب ہو جائیں اور ہمیں کسی دن اچانک یہ اطلاع ملے کہ اہلِ

مراکش، مصریوں یا ترکوں کا بیڑا ہماری امداد کے لیے اندلس کا رُخ کر رہا ہے تو چچا جان کیا کریں گے؟ سعید کہتا تھا کہ اندلس کے مسلمان پھر کسی یوسف بن تاشفین کے منتظر ہیں۔ اسے یقین ہے کہ حامد بن زہرہ ناکام واپس نہیں آئیں گے۔"

سلمیٰ چند ثانیے کرب کی حالت میں عاتکہ کی طرف دیکھتی رہی۔ پھر اس نے سنبھلنے کی کوشش کرتے ہوئے کہا۔ "تمہیں یہ نہیں سوچنا چاہیے کہ اسلام کے مجاہد میدان میں نکل آئیں گے تو تمہارے چچا کو اندلس کی آزادی کی بجائے اپنے بیٹوں کی جان بچانے کی فکر ہو گی۔ لیکن اب امیدوں کے سارے چراغ بجھ چکے ہیں۔ اب باہر سے کوئی ہماری اعانت کے لیے نہیں آئے گا۔ ہم سے پہلے قرطبہ، اشبیلیہ اور طلیطلہ کے مسلمان یہی خواب دیکھا کرتے تھے کہ قدرت کا کوئی معجزہ انہیں عیسائیوں کی غلامی سے بچالے گا۔ لیکن اس دنیا میں لوگوں کے لیے کوئی جائے پناہ نہ تھی جنہوں نے اپنے ہاتھوں سے اپنی ہلاکت کے سامان پیدا کیے تھے۔"

"یوسف بن تاشفین ان لوگوں کی قربانیوں کا صلہ اور انعام تھا، جنہوں

نے طوفانوں میں امید کے چراغ جلائے تھے۔ اس مردِ مجاہد نے ان علمائے حق کی دعوت پر لبیک کہا تھا جو اسلام کی سربلندی کے لیے قید و بند کی صعوبتیں برداشت کیا کرتے تھے۔ اس زمانے کے ملوک الطوائف گمراہی کا راستہ اختیار کر چکے تھے۔ ان کی باہمی رقابتوں نے اندلس کو تباہی کے کنارے پر پہنچا دیا تھا لیکن قوم کا سوادِ اعظم اپنے حال و مستقبل سے غافل نہ تھا۔ عوام اپنی آزادی کے اندرونی و بیرونی دشمنوں کو پہچانتے تھے اور ان کی صفوں میں وہ رہنما موجود تھے جو گروہوں، قبیلوں اور نسلوں کے درمیان ابھرنے والی منافرت کی دیواریں توڑ سکتے تھے۔ یہی وجہ تھی کہ جب یوسف بن تاشفین نے اندلس کے ساحل پر قدم رکھا تو پوری قوم اس کے استقبال کے لیے کھڑی تھی۔ عوام کا اجتماعی شعور اس قدر بیدار تھا ملوک الطوائف بھی اس کے جھنڈے تلے جمع ہونے پر مجبور ہو گئے تھے۔ لیکن غرناطہ کے امرا آج امن کے لیے اپنی آزادی کا سودا کرنا چاہتے ہیں۔ عوام کے اجتماعی احساس کی دولت لٹ چکی ہے اور ہمارے علما اس خود فریبی میں مبتلا ہیں کہ جب فرڈنینڈ غرناطہ پر قابض ہو جائے گا تو وہ آرام کی نیند سو سکیں گے۔ غازیانِ اسلام نے اپنا خون پیش کیا

تھا لیکن اہلِ غرناطہ اس مقدس خون سے اپنی آزادی کا چراغ روشن نہ کر سکے۔ اگر اس قوم میں زندگی کی کوئی رمق باقی ہوتی تو موسیٰ بن ابی غسان کے حوصلے اس کے لیے ایک آہنی حصار کا کام دے سکتے تھے۔ لیکن جب وہ عظیم مجاہد اپنی آخری تقریر کے بعد ابو عبداللہ کے دربار سے نکل رہا تھا، اس وقت اس کی آنکھیں آنسوؤں سے لبریز تھیں۔"

عاتکہ نے کہا۔ "چچی جان! ہمیں مایوس نہیں ہونا چاہیے۔ آپ کو معلوم ہے کہ بدر بن مغیرہ اپنے مٹھی بھر جان بازوں کے ساتھ ابھی تک بر سر پیکار ہے۔ اور دشمن کی قوت اس حالت میں بھی اس کے حوصلے پست نہیں کر سکی۔ جب کہ عقاب کی وادی چاروں طرف سے گھیرے میں آ چکی ہے۔"

"مجھے معلوم ہے لیکن یہ مٹھی بھر مجاہدین پوری قوم کے گناہوں کا کنارہ ادا نہیں کر سکتے۔ تمہارے چچا کہتے تھے کہ عقاب کی وادی غرناطہ سے کٹ چکی ہے اور ہمیں یہ بھی معلوم نہیں کہ وہ اب کیسے حوصلہ شکن حالات میں دشمن کا مقابلہ کر رہے ہیں۔ ان کی رگوں میں کتنا خون باقی رہ

گیا ہے۔ اور اس خون سے وہ کتنی مدت تک اپنی آزادی کے چراغ روشن رکھ لیں گے۔ ہم صرف اتنا جانتے ہیں کہ انہوں نے غلامی کے بجائے شہادت کا راستہ اختیار کیا ہے اور وہ ان انسانی عظمتوں کے امین ہیں جو ایک مردِ مومن کو فتح و شکست سے بے نیاز کر دیتی ہے۔ اہلِ غرناطہ میں اتنی ہمّت نہیں کہ وہ ان کی تقلید کر سکیں۔ ہم صرف زندہ رہنا چاہتے ہیں اور زندگی ہم سے اپنا دامن چرا رہی ہے۔ ہماری حالت اس انسان کی سی ہے جو موت کے خوف سے خود اپنا گلا گھونٹ رہا ہو۔ اہلِ غرناطہ کی بے حسی کا اس سے بڑا اور ثبوت کیا ہو سکتا ہے کہ موسیٰ جیسے اولوالعزم سپاہی کی باتیں بھی ان کے ضمیر کو بیدار نہ کر سکیں اور جب وہ شہادت کی تمنا لے کر ابو عبداللہ کے دربار سے نکلا تھا تو تنہا تھا۔“

عاتکہ نے کہا۔ ”لیکن غرناطہ کے چند امرا اور علما پوری قوم کی قسمت کا فیصلہ نہیں کر سکتے۔ مسلمانوں کو صرف کسی حوصلہ دینے والے کی ضرورت ہے۔ خدا کرے حامد بن زہرہ اپنے مقصد میں کامیاب ہوں۔ پھر آپ دیکھیں گی کہ سیرانوادا کے دامن میں مسلمانوں کی ہر بستی

حریت پسندوں کا قلعہ بن چکی ہے اور غرناطہ کے عوام بھی جاگ اٹھے ہیں۔ سعید کہتا تھا کہ غرناطہ کے عوام اب بھی کسی اشارے کے منتظر ہیں۔“

”غرناطہ کے عوام اس دن کا انتظار کر رہے ہیں جب فرڈنینڈ الحمرا میں داخل ہو گا اور چند ہفتوں کے بعد ان کے مقدر کی وہ تاریک رات شروع ہو جائے گی جس کے لیے کوئی سحر نہیں ہو گی۔ اللہ سے دعائیں مانگو کہ اگر اس ملک سے باہر ہمارا کوئی مدد گار ہے تو وہ جنگ بندی کی مدّت کے اختتام سے پہلے پہلے یہاں پہنچ جائے۔ جہاں تک اہلِ غرناطہ کا تعلق ہے انہیں تو اس بات کا بھی یقین نہیں رہا کہ حامد بن زہرہ زندہ ہے۔“

”خدا کے لیے ایسا نہ کہیے۔ وہ زندہ ہیں اور ضرور آئیں گے۔“

”بیٹی میں تمہیں موہوم امیدوں کے چراغ جلانے سے نہیں روک سکتی۔ لیکن میری نگاہوں کے سامنے ایسی تاریکیاں ہیں کہ میں کسی طرح بھی روشنی کا تصور نہیں کر سکتی۔“

”چچی جان! میں فرڈنینڈ کی غلامی نہیں کر سکوں گی۔ جس دن مجھے یقین ہو جائے گا کہ اب ہمارے لیے غلامی کا کوئی چارہ نہیں تو میں یہاں نہیں رہوں گی۔ میں اپنے ماموں کے پاس چلی جاؤں گی اور الفجارہ کے حریت پسندوں کے ساتھ بھوکا رہنا پسند کروں گی۔ ابا جان کہا کرتے تھے کہ اس دنیا میں ایک مسلمان کے لیے آزادی کی زندگی سے بڑا انعام شہادت کی موت ہے۔“

عاتکہ کی آنکھوں سے آنسو چھلک رہے تھے۔ وہ اچانک اٹھی اور آنسو پونچھتی ہوئی چھت کے کنارے پہنچ کر جنوب مشرق کی طرف سیر انوادا کی برفانی چوٹیوں کی طرف دیکھنے لگی۔

سلمیٰ نے اٹھتے ہوئے کہا۔ ”عاتکہ آؤ اب ہوا سرد ہو رہی ہے؟“

عاتکہ نے مڑ کر دیکھے بغیر جواب دیا ”چچی جان! آپ چلیے میں ابھی آتی ہوں۔“ سلمیٰ زینے کی طرف چل پڑی۔

عاتکہ تھوڑی دیر بعد دائیں طرف مُڑی اور چھت کے دوسرے کنارے

ایک گز اونچی منڈیر پر کہنیاں ٹیک کر مغرب کی طرف دیکھنے لگی اور ماضی کے دھندلکوں میں کھو گئی۔ اب اس کے سامنے وہ کھڈ تھا جو اس پہاڑی بستی کو دو حصّوں میں تقسیم کرتا ہوا شمال کی وادی کے نشیب میں ایک ندی کے کنارے تک چلا جاتا تھا۔ کھڈ زیادہ گہرا نہ تھا۔ بستی کے دنوں حصّوں کے درمیان تھوڑے تھوڑے فاصلے پر آمد و رفت کے تنگ راستے موجود تھے لیکن سواروں کو یا تو وادی کے نشیب سے اس کھڈ کے دونوں کناروں پر جدا جدا راستوں سے آنا پڑتا تھا یا کوئی نصف میل اوپر اس پہاڑی پر سے گزرنا پڑتا تھا جہاں سے یہ کھڈ شروع ہوتا تھا۔ اس کی نگاہیں کھڈ کے دوسرے کنارے پر ایک مکان پر مرکوز تھیں اور وہ ان دنوں کا تصوّر کر رہی تھی جب وہ اپنی ماں کی انگلی پکڑ کر وہاں جایا کرتی تھی۔ یہ محمد بن عبد الرحمٰن کا گھر تھا۔ اس کی بیوی آمنہ، اس کی ماں کی سہیلی تھی اور بستی کے لوگ کہا کرتے تھے کہ اس کا باپ حامد بن زہرہ غرناطہ کا بہت بڑا عالم ہے۔ عاتکہ کے باپ کو اس کے ساتھ بہت عقیدت تھی تو حامد بن زہرہ کا گھر ان سے بہت قریب تھا۔ سعید حامد کا تیسرا بیٹا اس سے صرف تین سال بڑا تھا اور اس کے کھیل کا زمانہ اس کی رفاقت میں گزرا تھا۔ سعید کے

دو بڑے بھائی جنگ کے ابتدائی ایام میں شہید ہو چکے تھے اور عاتکہ کے والدین ان کے مجاہدانہ کارناموں اور بوڑھے باپ کے صبر و استقلال کی داستانیں بیان کیا کرتے تھے۔

حامد بن زہرہ کے گھر میں عاتکہ کے لیے سب سے بڑی دلچسپی اور کشش اس کی بیٹی آمنہ تھی جسے وہ خالہ کہا کرتی تھی۔ آمنہ اپنے گھر میں پڑوس کی لڑکیوں کو تعلیم دیا کرتی تھی اور پانچ سال کی عمر میں عاتکہ بھی اس کی شاگرد بن چکی تھی۔

محمد بن عبد الرحمٰن اس بستی کے ایک معزز خاندان سے تعلق رکھتا تھا۔ وہ نصیر سے چند سال چھوٹا تھا اور اگر کبھی اسے غرناطہ جانے کا موقع ملتا تو نصیر کے ہاں ضرور جاتا۔ پھر نصیر کی بدولت حامد بن زہرہ کے ساتھ اس کے تعلقات استوار ہوئے اور ایک دن اس نے یہ خبر سنی کہ اس کی خوب صورت اُستانی جسے وہ خالہ کہا کرتی تھی محمد عبد الرحمٰن کی رفیقِ حیات بنے والی ہے۔

جب وہ چھ برس کی تھی تو نصیر کو ایک سرحدی قلعہ کی کمان سونپی گئی اور اس نے عاتکہ اور اس کی ماں کو اس بستی میں پہنچایا۔ شادی سے چند ماہ بعد محمد بن عبدالرحمٰن بھی اپنی بیوی کو گھر چھوڑ کر محاذ پر چلا گیا۔ اس کی رخصت کے دو ماہ بعد منصور پیدا ہوا۔

حامد بن زہرہ نے اپنے وفادار نوکر جعفر اور اس کی بیوی زبیدہ کو آمنہ کے گھر بھیج دیا تھا۔ عاتکہ غرناطہ کی طرح اس گاؤں میں بھی آمنہ سے تعلیم حاصل کیا کرتی تھی اور اس کی دیکھا دیکھی گاؤں کے دوسرے لوگوں نے بھی اپنی بچیوں کو آمنہ کے گھر بھیجنا شروع کر دیا تھا۔ چنانچہ ان کے مکان کی نچلی منزل ایک مدرسے میں تبدیل ہو چکی تھی۔

سعید غرناطہ سے کبھی حامد بن زہرہ اور کبھی کسی نوکر کے ساتھ اپنی بہن کے پاس آتا تو اس کی چھوٹی سی دنیا مسرتوں سے لبریز ہو جاتی۔ وہ صبح ہوتے ہی آمنہ کے گھر پہنچ جاتا۔ اگر مکان کا پھاٹک بند ہوتا تو جعفر کو آواز دیتی۔ جعفر مُسکراتا ہوا دروازہ کھولتا۔ وہ بھاگتی ہوئی اندر داخل ہوتی۔ ”سعید، سعید“ پکارتی اور سعید کہیں چھُپ جاتا۔ وہ آمنہ کے پاس

جاتی "خالہ جان سعید کہاں ہے؟" آمنہ انجان بن کر اِدھر اُدھر دیکھتی۔ عاتکہ مکان کا ایک ایک کونا چھان مارتی اور پھر اچانک سارا گھر قہقہوں سے گونجنے لگتا۔ اسے بستی میں سعید کے قیام کے دن انتہائی خوش گوار محسوس ہوا کرتے تھے۔ جب مکتب سے چھٹی ملتی تو باقی سارا دن وہ اس کی رفاقت میں گزار دیتی۔ کبھی وہ اسے اپنے گھر لے جاتی اور وہاں سے وہ دوسرے بچوں کے ساتھ گاؤں سے باہر باغات، ندی یا بلند پہاڑیوں کی طرف نکل جاتے۔

پھر ذرا بڑے ہو کر وہ گھوڑوں پر سواری کیا کرتے تھے۔ سعید دس سال کی عمر میں ایک اچھا خاصا سوار بن چکا تھا اور وہ اسے خطرناک راستوں پر گھوڑا دوڑاتے دیکھ کر اپنی ماں سے اصرار کیا کرتی تھی کہ میں بھی سواری کروں گی۔ عمارہ کچھ عرصہ سے ٹالتی رہی لیکن جب اس نے بہت ضد کی تو اسے اس شرط پر سواری کی اجازت مل گئی کہ نوکر گھوڑی کی باگ پکڑ کر اس کے ساتھ چلا کرے گا۔

ایک بار نصیر چند دن کی رخصت پر گھر آیا۔ اس نے اپنی بیٹی کا شوق دیکھ

کر اسے ایک چھوٹی سی گھوڑی خرید کر دی اور تین دن بعد وہ اپنی بیوی سے کہہ رہا تھا کہ اب ہماری بیٹی کو کسی نوکر کی حفاظت کی ضرورت نہیں۔ چنانچہ اگلی صبح نصیر گھوڑے پر سوار ہو کر سیر کے لیے نکلا تو عاتکہ اس کے ساتھ تھی۔ اس کے بعد سعید جب بھی کبھی گاؤں میں آتا تو اس کی رفاقت میں سواری کی مشق کیا کرتی تھی۔

پھر یہ دن بھی ایک سہانے خواب کی طرح گزر گئے اور اس کو ایسا محسوس ہونے لگا کہ سنِ شعور کی ابتدا کے ساتھ وہ زندگی کے چہرے پر جو مسکراہٹیں دیکھنے کی عادی تھی اب آہستہ آہستہ اپنا دامن سمیٹ رہی ہیں۔ کھڈ کے پار وہ گھر اب بھی اس کی نگاہوں کے سامنے تھا لیکن حامد بن زہرہ کی بیٹی اور داماد جسے وہ فخر سے خالہ جان اور خالو جان کہا کرتی تھی، وہاں موجود نہ تھے۔

☆☆☆

منصور کی پیدائش کے تیسرے سال محمد بن عبدالرحمٰن جنوب کے محاذ پر

جا چکا تھا اور اسے مالقہ کے مشرق میں چند ساحلی مقامات کی حفاظت سونپی گئی تھی۔ ایک دن آمنہ کو یہ اطلاع ملی کہ وہ زخمی ہو چکا ہے اور اسے ساحل سے چند میل دور ایک قلعے میں پہنچا دیا گیا ہے۔ یہ خبر ملتے ہی آمنہ نے اپنے باپ کو یہ خبر بھیجی کہ منصور کو جعفر اور زبیدہ کی حفاظت میں چھوڑ کر اپنے شوہر کے پاس جا رہی ہوں۔ عاتکہ اور اس کی ماں بھی منصور کا خیال رکھیں گی تاہم سعید کو بھی چند دن کے لیے یہاں بھیج دیں۔ میں منصور کے باپ کی حالت کے متعلق اطمینان ہوتے ہی واپس آجاؤں گی۔

اس کے چچا ہاشم نے بستی کے چار سوار آمنہ کے ساتھ روانہ کر دیئے اور انہوں نے چند دن بعد آکر یہ اطلاع دی کہ محمد بن عبد الرحمٰن کی حالت زیادہ تشویش ناک نہیں۔ تاہم اس کے زخم ایسے ہیں کہ وہ دو تین ہفتے بعد چلنے پھرنے کے قابل ہو سکے وہ اور اس کی ماں صبح و شام آمنہ کے گھر جایا کرتی تھیں۔ جب ایک ماہ تک کوئی اطلاع نہ ملی تو ہاشم نے اپنا نوکر روانہ کر دیا۔ لیکن اس کی روانگی کے تیسرے دن اس بستی کا ایک مجاہد جنوبی محاذ سے واپس آیا اور اس نے گاؤں کے لوگوں کے سامنے محمد بن عبد الرحمٰن

اور اس کی بیوی کی شہادت کے واقعات بیان کرتے ہوئے کہا:

”عیسائیوں نے ساحلی علاقے پر قبضہ کرنے کے بعد پہاڑی علاقے پر کئی حملے کیے لیکن انہیں کامیابی نہ ہوئی۔ محمد بن عبد الرحمٰن نے روبہ صحت ہوتے ہی قلعے کے لشکر کی کمان سنبھال لی تھی اور جوابی حملے کر کے دشمن کو ساحل کی طرف سمٹنے پر مجبور کر دیا تھا۔ لیکن اس عرصہ میں دشمن مالقہ پر حملہ کرنے کے لیے مزید افواج ساحل پر اتار چکا تھا۔ ایک لشکر ساحلی علاقے کے ساتھ ساتھ مشرق اور دوسرا مغرب کی طرف پیش قدمی کر رہا تھا۔ اس کے علاوہ سواروں کے دستے مالقہ کی طرف پیش قدمی کر رہے تھے۔ چنانچہ مالقہ کے سپہ سالار کو اس لے پاس کی چوکیاں خالی کرنی پڑیں اور اس نے محمد بن عبد الرحمٰن کو بھی حکم دیا کہ وہ باقاعدہ فوج کے ساتھ مالقہ پہنچ جائے اور قلعے کی حفاظت مقامی قبائل کے رضاکاروں کو سونپ دے۔ قلعے کے اندر تین سو سپاہی اور کوئی چالیس عورتیں موجود تھیں۔ محمد بن عبد الرحمٰن نے غروب آفتاب کے بعد انہیں تیاری کا حکم دیا اور عشا کی نماز کے بعد ہم لوگ مالقہ کا رخ کر رہے تھے۔ ساحل کے کشادہ اور

ہموار راستے پر سفر کرنے پر دشمن کے حملے کا خطرہ تھا اس لیے ہم نے پہاڑ کا طویل اور دشوار گزار راستہ اختیار کیا۔ رات کے پچھلے پہر ہم ایک تنگ گھاٹی عبور کر رہے تھے کہ اچانک دائیں ہاتھ کی پہاڑی سے تیروں اور پتھروں کی بارش ہونے لگی۔ آن کی آن میں ہمارے کئی آدمی شہید ہو گئے اور کتنے ہی زخمی ہوئے۔ کئی سوار گھوڑوں سمیت سڑک کی دوسری طرف کھڈ میں جا گرے۔ محمد بن عبد الرحمٰن پوری قوّت سے چلّا رہا تھا کہ پیدل دستے پہاڑی پر قبضہ کر لیں اور سوار عورتوں اور بچوں کے ساتھ سفر جاری رکھیں لیکن رات کی وحشت ناک تاریکی میں عورتوں بچوں اور زخمیوں کی چیخ و پکار کے باعث اس کی آواز بے اثر ثابت ہوئی۔"

خوش قسمتی سے آنے والے سپاہیوں نے جو تیروں اور پتھروں کی زد سے محفوظ تھے، اپنی ذمہ داری محسوس کی اور وہ پہاڑی پر چڑھ گئے۔ رات کی تاریکی میں دشمن کو تلاش کرنا آسان نہ تھا لیکن جب حملہ آوروں کو اپنے عقب میں اللہ اکبر کے نعرے سنائی دینے لگے تو وہ بھاگ نکلے۔ تاریکی میں ہمیں زخمیوں اور شہیدوں کی صحیح تعداد معلوم نہ ہو سکی۔ خاوند اپنی

بیویوں کو، بچے اپنے والدین کو اور سپاہی اپنے سالاروں کو آوازیں دے رہے تھے لیکن محمد بن عبدالرحمٰن کا کوئی پتا نہ تھا۔ ہمارا خیال تھا کہ عورتوں اور بچوں کی حفاظت کرنے والے سواروں کے ساتھ وہ آگے جا چکا ہے۔ نائب سالار نے ایک سوار کو حکم دیا کہ تم آگے جانے والوں کا پتا لگاؤ۔ اگر سالار ان کے ساتھ ہو تو اسے مشورہ دو کہ ہمارے لیے تاریکی میں آگے بڑھنے کی بجائے پہاڑی پر رات گزارنا بہتر ہو گا۔ پھر اس نے اپنے چند آدمیوں کو حکم دیا کہ وہ آس پاس کی بستیوں کے لوگوں کو مدد کے لیے بلالائیں۔

تھوڑی دیر بعد آگے جانے والے سوار عورتوں اور بچوں کے ساتھ واپس آگئے۔ ان کی زبانی معلوم ہوا کہ دو میل آگے جانے کا پل ٹوٹا ہوا تھا اور چند سوار بے خبری کی حالت میں نیچے گر گئے تھے۔ تاہم محمد بن عبد الرحمٰن اور اس کی بیوی کا کوئی پتا نہیں تھا۔ پو پھٹنے سے پہلے آس پاس کی بستیوں سے سینکڑوں آدمی وہاں پہنچ گئے۔ مشعلوں کی روشنی میں شہیدوں کی لاشوں اور زخمیوں کو تلاش کیا گیا۔ چند آدمی مشعلیں لے کر کھڈ میں

اتر گئے اور چند نالے کی طرف بھاگے۔ کھڈ میں کوئی چالیس لاشیں بکھری ہوئی تھیں اور آمنہ کی لاش اس کے گھوڑے کے نیچے دبی ہوئی تھی محمد وہاں نہیں تھا۔ نالے میں گیارہ لاشیں تھیں۔ وہاں پانچ زخمی بھی پڑے ہوئے تھے لیکن محمد وہاں بھی نہیں تھا۔

پھر صبح ہوئی تو ایک سپاہی نے ایک ٹیلے سے آواز دی:

"ادھر آؤ۔ محمد بن عبدالرحمٰن یہاں ہیں۔"

ہم بھاگتے ہوئے وہاں پہنچے۔ محمد بن عبدالرحمٰن کی لاش ٹیلے کے دوسری طرف پڑی ہوئی تھی اور اس کے گرد دو مسلمان اور پانچ نصرانی سپاہیوں کی لاشیں بکھری ہوئی تھیں۔ ایک نصرانی اس سے چند قدم دور دم توڑ رہا تھا۔ محمد بن عبدالرحمٰن کے جسم پر پندرہ زخم تھے اور تلوار ابھی تک اس سے ہاتھ میں تھی۔ اب سالار نے اپنی قبا اُتار کر اس کے اوپر ڈال دی اور پھر ہماری طرف متوجہ ہو کر کہا:

"میں آج خدا اور اس کے بندوں کے سامنے شرمسار ہوں۔ مجھے یہ سوچنا

بھی نہیں چاہیے تھا کہ محمد بن عبد الرحمٰن کسی خطرے سے بھاگ سکتا ہے۔ میں ابھی تک یہی سمجھ رہا تھا کہ حملہ آور ہمارے پیچھے آنے والے ساتھیوں کے نعرے سن کر بھاگ گیا تھا۔ ایسے لوگوں کی رفاقت میں جینا اور مرنا ایک سعادت ہے۔ اس کی بیوی کی لاش یہاں پہنچادو۔"

نائب سالار کو معلوم تھا کہ ہم ایک ہی بستی رہنے والے ہیں چنانچہ اس نے مجھے حکم دیا کہ تم فوراً روانہ ہو جاؤ اور اپنے سالار کی تلوار ان کے گھر پہنچا دو۔"

☆☆☆

حامد بن زہرہ اور سعید آمنہ اور اس کے شوہر کی شہادت کی خبر ملتے ہی پہنچ گئے۔ حامد چند دن وہاں رہ کر واپس چلا گیا۔ وہ منصور کو بھی اپنے ساتھ لے جانا چاہتا تھا لیکن عاتکہ کی ماں نے اس کی پرورش اپنے ذمّے لے لی۔

محمد بن عبد الرحمٰن کے کھیتوں اور باغات کی نگرانی اور گھر کی حفاظت جعفر کے سپرد تھی۔ اس کی بیوی زبیدہ بھی منصور کا جی بہلانے کے لیے عمّارہ

کے گھر چلی جاتی تھی۔ اور کبھی اسے اپنے ساتھ لے آتی تھی۔ عمّارہ اسے مستقل طور پر اپنے پاس رکھنا چاہتی تھی اور اس نے جعفر کو بھی اپنے نوکروں کے ساتھ رہنے کی دعوت دی تھی لیکن انہوں نے کہا کہ ہم اپنے آقا کا گھر غیر آباد نہیں ہونے دیں گے۔ یہی حالت سعید کی تھی۔ وہ عاتکہ اور اس کی ماں کے اصرار کے باوجود چند دن سے زیادہ ان کے گھر نہ ٹھہر سکا۔ تاہم وہ اپنے بھانجے کو دیکھنے کے لیے دن میں ایک دو بار ان کے گھر ضرور آتا۔ جب وہ واپس جانے لگتا تو منصور اس کے ساتھ جانے کے لیے ضد کرتا۔

عاتکہ کہتی۔ ”ننھے بھائی! میرے پاس نہیں رہو گے؟“

”نہیں۔ میں ماموں کے ساتھ جاؤں گا۔“

”تمہیں کہانیاں کون سنائے گا؟“

”ماموں جان سنائیں گے!“

سعید اسے کندھے پر بٹھا کر چل پڑتا لیکن اپنے گھر پہنچتے ہی اسے عاتکہ کی

یاد ستانے لگتی اور وہ تھوڑی دیر بعد اسے واپس لے آتا۔ ”لو عاتکہ سنبھالو اسے۔“

وہ پوچھتی۔ ”کیوں منصور! ماموں سے لڑائی ہو گئی۔“

”ہاں!“ وہ منہ بسور کر جواب دیتا۔

”ماموں کہانی نہیں سناتا؟“

”میں ماموں سے کہانی نہیں سنوں گا۔“

ان دونوں کتنے ہی واقعات عاتکہ کے دل پر نقش تھے لیکن زمانے نے ایک اور کروٹ لی اور قہقہوں اور مسکراہٹوں کی یہ حسین دنیا ان آنسوؤں میں ڈوب کر رہ گئی جو قوم کے اجتماعی احساس کے آئینہ دار تھے۔ اب مستقبل کے افق پر تاریکیاں چھا رہی تھیں اور گاؤں کے دوسرے لڑکوں اور لڑکیوں کی طرح سعید اور عاتکہ بھی ان ملّت فروشوں کی داستانیں سنا

کرتے تھے جن کی بے حسی اور غدّاری نے غرناطہ کے لشکر اور قبائل کے مجاہدین کی عظیم فتوحات کو شکستوں میں بدل دیا تھا۔

پھر آلام و مصائب کا وہ دور شروع ہوا جب غرناطہ کے گرد فرڈنینڈ کا گھیرا بتدریج تنگ ہوتا جارہا تھا۔

عاتکہ کے باپ نصیر بن عبدالملک کو، جو کئی میدانوں میں دادِ شجاعت دے چکا تھا، اس بستی کے شمال میں کوئی پانچ میل دور ایک قلعے میں اور اس کے دائیں بائیں ان چوکیوں کی کمان مل چکی تھی، جن کا مقصد سیرا ورمیجا اور الفجارہ کی جانب سے غرناطہ کے لیے رسد و کمک کے راستے محفوظ رکھنا تھا۔ نصیر کو یہ اہم ذمہ داری تفویض کیے جانے کی ایک بڑی وجہ ایک بااثر خاندان سے تعلق رکھنا تھا اور حملے کے وقت اپنے ذاتی اثر رسوخ کے باعث آس پاس کی بستیوں سے ہزاروں رضاکاروں کو باقاعدہ فوج کی مدد کے لیے بلا سکتا تھا۔

عاتکہ کے باپ نے نئی ذمہ داری قبول کرتے ہی پہاڑی قبائل میں جوشِ

جہاد پیدا کرنے کے لیے حامد بن زہرہ کی خدمات کی ضرورت محسوس کی۔ چنانچہ وہ غرناطہ کے سپہ سالار کی خدمت میں حاضر ہوا اور یہ درخواست کی کہ اگر حامد بن زہرہ غرناطہ کی بجائے ہمارے گاؤں کو اپنا مرکز بنا لیں تو سیرا نوادا تک تمام پہاڑی قبائل ان کی آواز پر لبیک کہیں گے۔ جب ہمارا گاؤں رضاکاروں کا مستقر بن جائے گا تو غرناطہ کے راستے کی چوکیوں کا عقب زیادہ محفوظ ہو جائے گا۔

حامد بن زہرہ ویسے بھی مجاہدین کا حوصلہ بڑھانے کے لیے گاؤں گاؤں پھرا کرتا تھا۔ اس کے لیے سپہ سالار کا اشارہ کافی تھا۔ چنانچہ وہ غرناطہ چھوڑ کر گاؤں میں آ گیا۔

گاؤں میں چچا ہاشم، حامد بن زہرہ کا بہترین معاون ثابت ہوا۔ عاتکہ کے باپ کی طرح وہ بھی حامد بن زہرہ کو برسوں سے جانتا تھا۔ اس کے بڑے بیٹوں نے فوج میں شامل ہونے سے پہلے دین کی تعلیم حاصل کی۔ غرناطہ میں قیام کے دوران میں اس نے خود بھی کئی بار حامد بن زہرہ کی روح پرور تقریریں سُنی تھیں۔ اس لیے جب اس نے اپنے بھائی سے یہ سنا کہ حامد

غرناطہ چھوڑ کر اس کے گاؤں میں آ رہا ہے تو اس کی خوشی کا کوئی ٹھکانا نہ تھا۔ اس نے اپنے علاقے کے سر کردہ لوگوں کو پیغام بھیجا کہ وہ ندی کے پار اس مردِ مجاہد کا استقبال کرنے کے لیے جمع ہو جائیں۔

پھر عاتکہ تصور کی نگاہوں سے وہ روح پرور نظارہ دیکھ رہی تھی جب ہزاروں آدمی ایک والہانہ خوشی کے ساتھ حامد بن زہرہ کا استقبال کر رہے تھے۔

تھوڑی دیر بعد وہ، اس کی ماں، چچی اور گاؤں کی دوسری عورتیں مکان کی ڈیوڑھی کے قریب مہمان خانے کی چھت سے چاند کی آمد کا منظر دیکھ رہی تھیں۔ ہاشم نے اس کے گھوڑے کی باگ پکڑ رکھی تھی اور لوگوں کا ہجوم ان کے پیچھے آ رہا تھا۔ جلوس کا رُخ کھڈ کے دوسرے کنارے محمد بن عبد الرحمٰن کے گھر کی بجائے ہاشم کے گھر کی طرف بڑھ رہا تھا۔

پھر وہ ڈیوڑھی کے سامنے رُکے۔ حامد گھوڑے سے اُتر کر دائیں طرف ایک چھوٹے سے ٹیلے پر چڑھا اور وہ اس کی روح پرور تقریر سن رہی تھی۔

اس کی تقریر میں ایک جادو تھا اور حاضرین میں سے کوئی ایسا نہ تھا جس کی آنکھوں میں آنسو نہ تھے۔ اس کے آخری الفاظ آج بھی عاتکہ کے دل پر نقش تھے۔ وہ کہہ رہا تھا:

"میرے عزیزو!

قوموں کی زندگی میں ایک وقت ایسا بھی آتا ہے جب کہ اجتماعی بقا کے تقاضے ہر فرد کو دشمن کے سامنے سینہ سپر ہونے پر مجبور کر دیتے ہیں۔ جوانوں کی طرح بوڑھوں، بچوں اور عورتوں کو بھی تلوار اُٹھانی پڑتی ہے اور آج الحمرا کی دیواروں کے پتھر بھی یہ کہہ رہے ہیں کہ اب غرناطہ کی آزادی کے بجھتے ہوئے چراغوں کو دوبارہ روشن کرنے کے لیے صرف قوم کے فرزندوں کا خون ہی کافی نہیں۔ بلکہ قوم کی بیٹیوں کو بھی اپنا خون پیش کرنا ہو گا۔"

اور وہ اپنے دل میں کہہ رہی تھی کاش! میں اپنی قوم کی ایک بیٹی کی حیثیت سے اپنے حصے کی ذمہ داریاں پوری کر سکوں! اور جب دو دن بعد اس کا

باپ تھوڑی دی کے لیے گھر آیا تو اس نے کہا تھا: "ابّا جان! حامد بن زہرہ کہتے تھے کہ آج قوم کے ہر فرد کو سپاہیانہ تربیت کی ضرورت ہے۔"

"ہاں بیٹی! ہم بہت نازک حالات کا مقابلہ کر رہے ہیں اور مجھے اس بات کی خوشی ہے کہ میری بیٹی سواری اور تیر اندازی سکھ چکی ہے۔"

"لیکن ابّا جان! میں اس سے بھی زیادہ سیکھنا چاہتی ہوں؟"

"تم کیا سیکھنا چاہتی ہو بیٹی؟"

"میں جہاد کا عملی تجربہ حاصل کرنا چاہتی ہوں۔ آپ مجھے قلعے میں اپنے پاس کیوں نہیں لے چلتے۔ وہاں مجھے استاد بھی مل سکتے ہیں۔"

"تمہارا قلعہ یہ گھر ہے بیٹی! اور خدانخواستہ اگر کوئی بُرا وقت آجائے تو مجھے یقین ہے تم اپنی حفاظت کر سکو گی۔ لیکن انشاء اللہ ایسا وقت نہیں آئے گا اور تمہیں سعید سے بہتر استاد کون مل سکتا ہے؟ میں نے رضاکاروں کے ساتھ اُسے تیر اندازی کی مشق کرتے ہوئے دیکھا ہے۔ وہ تیغ زنی میں بھی کافی مہارت حاصل کر چکا ہے۔ وہ اپنی عمر کے لحاظ سے دو سال اور فوج

میں بھرتی نہیں ہو سکتا اور میں اس سے کہوں گا کہ جب تک وہ یہاں ہے باقاعدہ تمہیں وقت دیا کرے۔ عمیر اب فارغ التحصیل ہو چکا ہے۔ وہ کل یہاں پہنچ جائے گا اور تین ہفتے گھر رہے گا۔ تم اس سے بھی بہت کچھ سیکھ سکتی ہو؟“

”ابّا جان! وہ تو مجھے سعید کے ساتھ سواری کرنے سے بھی منع کیا کرتا تھا۔ ایک دن میں صحن میں تیر اندازی کی مشق کر رہی تھی تو اس نے میری کمان توڑ ڈالی تھی۔“

باپ مسکرایا۔ ”وہ تھوڑا سا بے وقوف ہے۔“

”بہت زیادہ بے وقوف ہے ابّا جان! وہ امی جان سے کہتا تھا کہ آپ نے عاتکہ کو بگاڑ دیا ہے۔ ایک دن اس نے سعید کے منہ پر تھپڑ مار دیا تھا۔“ اس کے باپ نے کہا۔ ”سعید اس سے عمر میں چھوٹا ہے لیکن یہ ممکن نہیں کہ حامد بن زہرہ کا بیٹا اس سے تھپڑ کھا کر خاموش رہے۔“

”ابّا جان! سعید نے بھی اسے دھکا دے کر ندی میں گرا دیا تھا۔“

”بیٹی! بچپن کی باتیں ہوں گی۔ اب وہ کافی سمجھدار ہو چکا ہے۔“

”نہیں ابّا جان! غرناطہ میں رہ کر وہ زیادہ بے وقوف ہو گیا ہے۔ کہتا ہے کہ میں بڑا ہو کر سپہ سالار بنوں گا۔“

”یہ تو کوئی بری بات نہیں۔“

”لیکن وہ یہ بھی تو کہتا تھا کہ جب میں سپہ سالار بنوں گا تو سعید کو گدھے پر سوار کر کے سارے شہر میں پھراؤں گا۔“

اس کا باپ ہنس پڑا۔ ”وہ تمہیں چڑاتا ہو گا بیٹی۔“

عمّارہ نے کہا۔ ”عاتکہ کے لیے تعلیم جاری رکھنا بھی ضروری ہے۔ میرا خیال ہے کہ اسے حامد کے گھر بھیج دیا کروں؟“

نصیر نے جواب دیا۔ ”اگر وہ تھوڑا بہت وقت نکال سکیں تو یہ اس کی خوش قسمتی ہو گی۔ لیکن یہاں ان کے کام کی نوعیت ایسی ہے کہ انہیں عام طور پر گھر سے باہر رہنا پڑے گا۔ تاہم آج ہی ان سے درخواست کروں گا کہ

جب انہیں فرصت ملے وہ اس کو بلا لیا کریں۔ ویسے اس کو میری سفارش کی ضرورت نہیں۔ حامد بن زہرہ اس سے بہت پیار کرتے ہیں۔"

اس کے بعد جب حامد بن زہرہ گاؤں میں ہوتا تھا تو اس کے لیے تھوڑا بہت وقت نکال لیتا تھا اور جب وہ دورے پر روانہ ہوتا تو پڑھنے کے لیے کتابیں دے جاتا۔ سعید بلا ناغہ اسے تیر اندازی اور تیغ زنی سکھایا کرتا تھا لیکن ان کی رفاقت کا یہ نیا دور بہت مختصر تھا۔

☆☆☆

فرڈنینڈ کی افواج نے شمال کے زرخیز علاقے تباہ اور ویران کرنے کے بعد غرناطہ کے سامنے ڈیرے ڈال دیے تھے اس لیے جنوب کے ان علاقوں کی اہمیت بہت بڑھ گئی تھی جن کی بدولت پہاڑی علاقوں سے رسد و کمک کے راستے محفوظ تھے۔ نصیر کو کئی کئی دن گھر آنے کا موقع نہیں ملتا تھا اس لیے اس نے اپنی بیوی اور بیٹی کو اپنے پاس بلا لیا تھا۔ یہ قلعہ زیادہ بڑا نہ تھا۔ اس کے اندر صرف پانچ سو سپاہی رہ سکتے تھے۔ لیکن محلِ وقوع کے اعتبار

سے اس قدر محفوظ تھا کہ حملہ آوروں کو اس کے قریب پہنچنے کے لیے کئی دشواریوں کا سامنا کرنا پڑتا تھا۔

یہ قلعہ ایک بلند ٹیلے پر واقع تھا۔ شمال کی جانب سے کوئی دو سو گز نیچے ایک نالہ تھا۔ جنوب سے غرناطہ کی طرف جانے والی سڑک قلعے کے دروازے سے سو قدم کے فاصلے پر بائیں طرف مڑتی تھی اور شمال مشرقی کونے سے اس قدر قریب آ جاتی تھی کی فصیل کے برج سے گرنے والے پتھر بھی تیروں سے زیادہ خطرناک ثابت ہو سکتے تھے۔ پھر یہ سڑک پہاڑی کے کنارے بل کھاتی ہوئی نالے کے پل تک جا پہنچتی تھی۔ قلعے سے لے کر نالے کے پل تک اس کی ڈھلوان اتنی خطرناک تھی کہ غرناطہ کی طرف سامان لے جانے والی بیل گاڑیوں کو سہارا دینے اور خالی واپس آنے والی گاڑیوں کو دھکیلنے کے لیے چند آدمی ہر وقت قلعے اور پل کے قریب موجود رہتے تھے۔ پل کی حفاظت کے لیے نالے کے پار بھی سپاہیوں کا ایک دستہ متعین تھا۔

قلعے کی مغربی سمت بھی کوئی ڈیڑھ میل دور ایک گہرا کھڈ اس قلعے کے

لیے خندق کا کام دیتا تھا۔ جنوب کی طرف قلعے کا عقب ان پہاڑیوں کی بدولت محفوظ تھا جہاں جنگجو قبائل کی بستیاں ناقابلِ تسخیر قلعوں کا کام دیتی تھیں۔ جن قابل ذکر مقامات سے کسی اچانک حملے کا خطرہ ہو سکتا تھا، وہاں فوج کی باقاعدہ چوکیاں موجود تھیں۔

قلعے کے جنوب مغربی کونے میں ایک دو منزلہ مکان کا بالائی حصّہ اس کے باپ کی رہائش کے لیے مخصوص تھا۔ پہلے حصّے میں دو اور افسروں کے بال بچّے رہتے تھے۔

اس کے لیے قلعے کا ماحول اپنے گاؤں سے مختلف تھا۔ گاؤں میں اسے کچھ عرصہ سے آزادانہ گھوڑا بھگاتے ہوئے جھجک محسوس ہو رہی تھی۔ اس لئے وہ صبح کے جھٹ پٹے میں سیر کے لیے نکلا کرتی تھی۔ لیکن یہاں اسے پوری آزادی تھی۔ وہ ہر روز کئی کئی کوس سواری کیا کرتی تھی اور اسے قرب و جوار کی گھاٹیاں اور پگڈنڈیاں اپنے ہاتھ کی لکیروں کی طرح یاد ہو گئی تھیں۔ قلعے کی طرح باہر کی چوکیوں کے محافظ بھی اسے دور سے دیکھ کر پہچان لیتے تھے۔ شروع شروع میں جب وہ قلعے سے باہر کی نکلتی تو

ایک نوکر اس کے ساتھ ہوتا تھا لیکن چند دنوں بعد اسے محافظ کی ضرورت نہ تھی۔ وہ بھاگتے ہوئے گھوڑے سے تیر چلانے کی مشق کیا کرتی۔ سپاہی اسے دیکھتے اور اُن کے مُرجھائے ہوئے چہروں ہر تازگی آ جاتی۔ اپنے سالار کی بیٹی کے عزم اور حوصلے کا ان پر اتنا گہرا اثر ہوتا تھا کہ کئی آدمی اپنے بال بچوں کو اپنے ساتھ رکھنے پر آمادہ ہو گئے تھے لیکن قلعے کے اندر اتنی گنجائش نہ تھی، اس لیے اس کے باپ کو بیشتر درخواستیں رد کرنا پڑتیں۔

ایک افسر کی بیوی نے اس کے لیے دخترِ غرناطہ کا نام پسند کیا تھا اور چند دنوں میں یہ نام قلعے کے علاوہ آس پاس کی چوکیوں اور بستیوں میں مشہور ہو گیا تھا۔

غروبِ آفتاب سے قریب وہ کبھی اپنے مکان کی چھت پر اور کبھی نالے کے پار ایک ٹیلے سے جنوب کے نشیب کی طرف دیکھا کرتی تھی جہاں لہلہاتے کھیتوں اور سر سبز باغات کا سلسلہ غرناطہ تک چلا جاتا تھا۔ کبھی کبھی وہ جنوب کی سمت گھوڑا دوڑاتے ہوئے اپنے گاؤں میں جا نکلتی تھی۔

اس کا چچا عام طور پر حامد کے ساتھ دورے پر رہتا تھا۔ وہ اپنی چچی سے ملتی پھر منصور کو دیکھنے کے بہانے اس کے گھر چلی جاتی اور واپسی پر حامد کے کتب خانے سے کوئی کتاب اٹھالاتی۔ سعید ان رضاکاروں میں شامل ہو چکا تھا جنہیں اہلِ غرناطہ کو سامانِ رسد پہنچانے کی ذمہ داری سونپی گئی تھی اور اسے غرناطہ سے واپسی تھوڑی دیر کے لیے اس کو دیکھنے کا موقع مل جاتا تھا۔

غرناطہ کا محاصرہ کرنے کے بعد فرڈنینڈ نے کئی بار اس قلعہ پر قبضہ کرنے کی کوشش کی تھی لیکن اسے کامیابی نہ ہوئی۔

ایک رات عیسائیوں نے بڑی جمیعت کے ساتھ تین اطراف سے حملہ کیا اور ان کے سواروں کے چند دستے پل کے قریب پہنچ ہم گئے لیکن انہیں بھاری نقصان اٹھانے کے بعد پسپا ہونا پڑا۔

قلعے کے محافظ اس کامیابی پر خوشیاں منارہے تھے کہ مشرق کی ایک چوکی کے محافظوں کی غفلت سے فائدہ اٹھاکر دشمن کی پیادہ فوج نے نالہ عبور کر

لیا اور ایک طویل چکر کاٹنے کے بعد اس کے سپاہی قلعہ کے قریب آ گئے۔ انہوں نے کئی بار سیڑھیوں اور کمندوں کی مدد سے فصیل پر چڑھنے کی کوشش کی لیکن تیروں کی بارش میں ان کی پیش نہ گئی۔ ایک ساعت بعد آس پاس کی بستیوں کے رضاکار وہاں پہنچ گئے اور دشمن نے شدید نقصان اٹھانے کے بعد پسپائی اختیار کی مگر واپسی پر نالہ عبور کرتے ہوئے ان کی ایک تہائی فوج ہلاک ہو چکی تھی۔

اس نے پہلی بار اس لڑائی میں عملی حصّہ لیا تھا لیکن طلوعِ سحر سے قبل اس کے باپ کو بھی یہ معلوم نہ ہو سکا کہ وہ تیر انداز جو اس سے چند قدم کے فاصلے پر کھڑا تھا اور جس کی کمان سے نکلنے والے ہر تیر کے بعد سے ایک چیخ سنائی دیتی تھی اس کی اپنی بیٹی تھی۔

وہ مردوں کا لباس پہنے ہوئے تھی اور اس کا چہرہ خود میں چھپا ہوا تھا۔ نصیر اسے شاباش دینے کے ارادے سے آگے بڑھا تو اچانک اسے خُود سے باہر نکلے ہوئے خوب صورت بالوں کی ایک لٹ دکھائی دی۔ اس کی نگاہیں ان نازک ہاتھوں پر مرکوز ہو کر میں جو پھولوں سے کھیلنے کے لیے بنائے گئے

تھے۔ اب کے باپ کی پیشانی پر شکن آگئی اور اس نے کچھ کہے بغیر منہ پھیر لیا۔

وہ قدرے تذبذب کی حالت میں کھڑی رہی پھر اس نے قدرے سہمی ہوئی آواز میں کہا۔ "ابّا جان! آپ خفا ہو گے؟"

اس کے باپ نے مڑ کر اس کی طرف دیکھا۔ اس کے ہونٹوں پر ہلکی سی مسکراہٹ تھی اور آنکھوں میں آنسو تیر رہے تھے۔

ایک سپاہی نے آگے بڑھ کر کہا۔ "جناب! یہ نوجوان انعام کا حقدار ہے۔ میں اس کے قریب کھڑا تھا اور مجھے یقین ہے کہ رات کے اندھیرے کے باوجود اس کا کوئی تیر خالی نہیں گیا۔"

اس کے باپ نے پیار سے اس کے خود پر ہاتھ رکھتے ہوئے کہا۔ "یہ نوجوان میری بیٹی ہے اور اسے غرناطہ کی آزادی سے زیادہ کسی اور انعام کی خواہش نہیں۔"

اور اب ماضی کے یہ لمحات اس کے لیے سرمایۂ حیات بن چکے تھے۔ پھر وہ دن بھی آ گئے جب غرناطہ کے گرد دشمن کا گھیرا تنگ ہوتا جا رہا تھا اور وہ اپنے اولوالعزم باپ کے چہرے پر پریشانی اور تھکاوٹ دیکھا کرتی تھی۔

قلعے کے آس پاس دفاعی چوکیوں پر دشمن کے حملے شدّت اختیار کر رہے تھے۔ باہر سے کئی زخمی قلعے کے اندر آ چکے تھے اور ان کی جگہ نئے محافظ چوکیوں پر بھیجے جا چکے تھے۔ اس کے باپ نے سپاہیوں کی کمی پوری کرنے کے لیے آس پاس کے علاقوں سے رضاکار بھرتی کرنے شروع کر دیے تھے اور اس کے ساتھ ہی غرناطہ سے کمک کا مطالبہ بھی کیا تھا۔

دو دن بعد وہاں سے بیس پیادہ سپاہی اور آٹھ سوار پہنچ گئے۔ ان کا سالار عتبہ کے نام سے متعارف ہوا تھا۔ اس کی آنکھیں بھوری اور ڈاڑھی کے بال سرخ تھے۔ عاتکہ کو اپنے باپ کی زبانی معلوم ہوا کہ وہ مالقہ کی جنگ میں قید ہوا تھا اور نصرانی اسے اشبیلیہ لے گئے تھے۔ دو ہفتے قبل یہ پانچ اور قیدیوں کے ساتھ فرار ہو کر غرناطہ پہنچا تھا۔ فوج کے مستقر سے معلوم ہوتا تھا کہ وہ ایک ذہین افسر ہے اور اس کے ساتھیوں میں ایک نوجوان

بہت اچھا تو پچی ہے۔

دو ہفتے بعد عتبہ اپنی مستعدی اور فرض شناسی کے باعث اس کے باپ کا اعتماد حاصل کر چکا تھا اور اسے پچاس سپاہیوں کی کمان مل چکی تھی۔ عتبہ سے متعلق مشہور تھا کہ وہ صرف حکم سننا اور حکم دینا جانتا تھا اور اس کے چہرے پر کبھی مسکراہٹ نہیں آتی۔

ایک دن وہ ایک زخمی کی مرہم پٹّی میں مصروف تھی۔ اچانک اسے محسوس ہوا کہ کوئی دروازے پر کھڑا ہے۔ اس نے مڑ کر دیکھا تو عتبہ تھا۔ اسے متوجہ پاکر وہ منہ پھیر کر ایک طرف ہٹ گیا۔

ایک دن وہ گھوڑے پر سوار ہو کر قلعے سے باہر نکلی اور مشرق کی طرف نکل گئی۔ قلعہ سے تین میل دور ایک تنگ گھاٹی کے موڑ پر اسے عتبہ ایک تیز رفتار گھوڑے پر سوار دکھائی دیا۔ اس نے اسے راستہ دینے کے لیے اپنا گھوڑا ایک طرف ہٹا لیا لیکن عتبہ نے اس کے قریب پہنچ کر اچانک گھوڑے کی باگ کھینچ لی۔ اس کی طرف ایک نظر دیکھا اور پھر آنکھیں

جھکاتے ہوئے کہا۔ ”معاف کیجئے! آپ کو تنہا اس علاقے میں نہیں آنا چاہیے۔ کل ہی ہمیں یہاں کی چوکی سے تھوڑی دور دشمن کی نقل وحرکت کی اطلاع ملی تھی۔ عام حالات میں بھی اگر قلعے کے محافظ کی صاحب زادی باہر نکلے تو اس کی حفاظت کا تسلّی بخش انتظام ہونا چاہیے۔ آپ اسے گستاخی نہ سمجھئے۔ آپ کو خطرے سے آگاہ کرنا میرا فرض ہے۔ جنوب کی سڑک نسبتاً محفوظ ہے لیکن اس طرف جاتے ہوئے بھی آپ کے ساتھ کوئی نہ کوئی محافظ ضرور ہونا چاہے۔“

اس نے جواب دیا۔ ”آپ میری فکر نہ کریں۔ میرا ارادہ دور جانے کا ارادہ نہیں تھا اور جو مشورہ آپ مجھے دے رہے ہیں، اس پر آپ کو بھی عمل کرنا چاہیے۔“ ”میں آپ کا مطلب نہیں سمجھا۔“

”میرا مطلب ہے فوج کے ایک عہدیدار کو بھی اپنی حفاظت کا خیال رکھنا چاہیے۔“

عتبہ نے کہا۔ ”آپ مجھے کبھی غافل نہیں پائیں گی۔ اس وقت بھی چار آدمی

میرے ساتھ ہیں۔ دو تیر انداز نیچے کھڈ میں موجود ہیں اور دو اور ٹیلے پر سے اس راستے کی حفاظت کر رہے ہیں۔ باقی آس پاس کے علاقے میں دشمن کو تلاش کر رہے ہیں۔ لیکن اگر میں پکڑا جاؤں تو بھی نصرانیوں کی قید میرے لیے کوئی نئی بات نہیں ہو گی۔ مگر آپ کو شاید معلوم نہیں وہ عورتوں کے ساتھ کیا سلوک کرتے ہیں۔ آپ ایک بہادر باپ کی بیٹی ہیں اور میں آپ کے متعلق بہت کچھ سن چکا ہوں لیکن آپ برا نہ مانیں تو میں آپ کو مشورہ دوں گا کہ موجودہ حالات میں آپ کو قلعے میں بھی نہیں رہنا چاہیے۔ آپ کا گاؤں زیادہ محفوظ ہے۔ اگر اجازت دیں تو میں آپ کے والد سے التجا کروں کہ آپ کو فی الفور وہاں بھیج دیں؟"

"نہیں! نہیں! انہیں پریشان کرنے کی ضرورت نہیں۔ میں محتاط رہنے کا وعدہ کرتی ہوں۔"

"مجھے اس بات کی اجازت دیں کہ میں آپ کے ساتھ رہوں۔"

عتبہ پوری ڈھٹائی کے ساتھ اس کی طرف دیکھ رہا تھا لیکن اس کا چہرہ غصّے

سے تمتما اٹھا اور اس نے گھوڑے کی باگ موڑتے ہوئے کہا۔ ”نہیں! آپ اپنا کام کریں۔“

اور پھر آن کی آن میں اس کا گھوڑا ہوا سے باتیں کر رہا تھا۔

اس کے بعد اس نے اسے دوبارہ ہم کلام ہونے کا موقع نہ دیا۔ وہ سواری کے لیے کہیں دور جانے کے بجائے قلعہ کے آس پاس گھوم گھام کر واپس آ جاتی۔ تاہم جب بھی وہ اپنی قیام گاہ سے باہر نکلتی تو اسے محسوس ہوتا کہ سرخ بالوں اور بھوری آنکھوں والا یہ آدمی قلعے کے کسی نہ کسی گوشے سے اُسے گھور رہا ہے۔

حملہ اور غداری

اور پھر وہ ان لمحات کا تصور کر رہی تھی جب قلعے کے اندر اس کی امیدوں اور سپنوں کی دنیا یکایک بھیانک تاریکیوں میں گم ہو کر رہ گئی تھی۔ ایک رات وہ گہری نیند سو رہی تھی کہ ایک خوفناک دھماکے سے مکان کی دیواریں لرز اٹھیں ۔ کمرے میں تاریکی تھی۔ وہ کچھ دیر خوف اور اضطراب کی حالت میں بستر پر پڑی رہی۔ پھر اسے آدمیوں کی چیخ و پکار سنائی دینے لگی تو اُٹھ کر بیٹھ گئی اور اپنی ماں کو آوازیں دینے لگی۔

برابر کے کمرے کا دروازہ کھلا اور عمّارہ نے سہمی ہوئی آواز میں کہا۔ ”میں یہیں ہوں۔“

”امّی جان کیا ہوا؟ ابّا جان کہاں ہیں؟“

”مجھے معلوم نہیں۔ وہ ابھی نیچے گئے ہیں۔ شاید دشمن نے حملہ کر دیا ہے۔ لیکن میں نے ایک خوفناک دھماکا سنا تھا۔ میرا خیال تھا کہ شاید زلزلہ آ گیا ہے۔“

وہ بستر سے کود کر ساتھ والی دیوار کی کھونٹیوں سے اپنی وردی اور اسلحہ تلاش کرنے لگی۔ عمّارہ تاریکی میں ہاتھ پھیلائے آگے بڑھی اور اس نے اس کا ہاتھ پکڑتے ہوئے کہا۔ ”بیٹی! تم کیا کر رہی ہو؟ تمہارے ابّا جان کا حکم ہے تمہیں مکان سے باہر نہیں نکلنا چاہیے۔ وہ زینے کا دروازہ باہر سے بند کر گئے ہیں۔ کہتے تھے میں ابھی واپس آتا ہوں۔“

”امّی جان! میں ابّا جان کی حکم عدولی نہیں کروں گی لیکن ان کے واپس آنے سے پہلے ہمیں لباس تبدیل کر لینا چاہیے۔“

عمّارہ نے کوئی جواب نہ دیا۔ اس کا دل بے طرح دھڑک رہا تھا۔ تھوڑی دیر بعد وہ اپنا لباس تبدیل کرنے کے بعد ہتھیار لگا رہی تھی کہ ایک عمر

رسیدہ نوکر ہاتھ میں مشعل اُٹھائے چار عورتوں اور سات بچّوں کے ساتھ کمرے میں داخل ہوا۔ ”ابّا جان کہاں ہیں؟“ اس نے سوال کیا۔

”وہ نیچے ہیں اور ان کا حکم ہے آپ دروازہ بند رکھیں۔“

وہ کمان اٹھا کر دروازے کی طرف بڑی لیکن بوڑھے سپاہی نے اس کا بازو پکڑ لیا۔ ”بیٹی! تم باہر نہیں جا سکتیں۔ دشمن مغربی دیوار کے شگاف سے قلعے کے اندر داخل ہونے کی کوشش کر رہا ہے۔ ہم نے اسے پیچھے ہٹا دیا ہے لیکن حالات بہت ہی تشویشناک ہیں۔“

”دشمن کا توپ خانہ یہاں کیسے پہنچ گیا؟“

”بیٹی! دیوار بارود سے اُڑا دی گئی ہے اور فصیل کے نیچے وہ سرنگ جس کے اندر بارود بھر گیا تھا، باہر سے نہیں بلکہ کسی غدار نے اندر سے کھودی ہے۔“

”یہ کیسے ہو سکتا ہے۔ یہ کیسے ممکن ہے کہ تمام پہرے دار سو گئے ہوں۔“

”بیٹی! فصیل کا شگاف زیادہ بڑا نہیں لیکن اس کے ساتھ کئی کمرے پیوندِ زمین ہو گئے ہیں۔“

”میں نہیں جاؤں گی لیکن میں فصیل سے تیر چلا سکتی ہوں۔ اس نے اپنا بازو چھڑانے کی کوشش کی لیکن عمّارہ اس سے لپٹ گئی۔ ”بیٹی خدا کے لیے ان کا کہا مانو۔“

سپاہی نے کہا۔ ”جب فصیل کا شگاف بند ہو جائے گا تو میں تمہیں نہیں روکوں گا۔ لیکن موجودہ حالات میں تمہیں اپنے باپ کی حکم عدولی نہیں کرنی چاہیے۔“

اس نے بد دل ہو کر کہا۔ ”بہت اچھا! میں فصیل پر نہیں جاؤں گی، لیکن مکان کی چھت تو محفوظ ہے۔ کم از کم مجھے وہاں تو جانے دو۔“

”بیٹی! دشمن اس طرف نہیں، دوسری طرف ہے اور دیکھو تم مجھے جہاد میں حصّہ لینے سے روک رہی ہو۔“ سپاہی نے یہ کہ کر مشعل دیوار کے ساتھ لگا دی اور باہر نکل کر دروازے کو کنڈی لگا دی۔ تھوڑی دیر بعد قلعے

کی مغربی جانب آدمیوں کا شور کم ہونے لگا تو وہ اپنے دل کو تسلّی دے رہی تھی کہ شاید دشمن پسپا ہو رہا ہے۔ لیکن پھر یکایک قلعہ کی مشرقی جانب سے شور اُٹھا اور اس کا دل بیٹھنے لگا۔ اب اسے لڑنے والوں کی چیخ و پکار کے ساتھ تلواروں کی جھنکار بھی سنائی دے رہی تھی۔ کمرے میں عورتیں اور بچے سہمی ہوئی نگاہوں سے ایک دوسرے کی طرف دیکھ رہے تھے۔

اس کے دل میں اچانک خیال آیا اور وہ بھاگتی ہوئی عقب کے کمرے میں چلی گئی۔ کمرے کے اندر گھر کا فالتو ساز و سامان اور لکڑی کے دو صندوق پڑے ہوئے تھے۔ اس نے صندوق پر کھڑی ہو کر پچھلی دیوار کا دریچہ کھولا اور باہر جھانکنے لگی لیکن نیچے اُسے دشمن کے آثار نظر نہ آئے۔

"بیٹی! تم کیا کر رہی ہو؟" عمّارہ نے اس کے قریب آکر کہا۔

"کچھ نہیں امّی جان میں باہر دیکھ رہی تھی۔ اس طرف کوئی نہیں۔"

اس نے جلدی سے دریچہ بند کر دیا اور اپنی ماں کے ساتھ دوسرے کمرے میں چلی گئی۔ پھر سیڑھی کی طرف آدمیوں کی آوازوں کے ساتھ تھوڑی

دیر کے بعد قدموں کی آہٹ سنائی دینے لگی اور وہ دم بخود ہو کر برابر کے کمرے کی طرف دیکھنے لگی۔ زینے اور ملاقات کے کمرے کے دروازے کھلے اور اس کے باپ کی آواز سنائی دی۔ ”خدا کے لیے وقت ضائع نہ کرو۔ اب دشمن کو اس مکان تک پہنچنے میں زیادہ دیر نہیں لگے گی۔ تم میں سے دو آدمی زینے کی حفاظت کریں اور باقی چھت پر پہنچ کر جنوبی فصیل کے محافظوں کو آوازیں دیتے رہیں۔ اگر انھوں نے ہمّت سے کام لیا ہوتا تو ہوسکتا ہے کہ دشمن رات کے وقت مزید نقصانات کا خطرہ مول لینے کی بجائے صبح کا انتظار کرتے۔ تم انہیں باہر نکال کر تمام دروازے بند کردو!“

وہ مشعل اٹھا کر برابر کے کمرے کی طرف دیکھنے لگی۔

چند ثانیے کے بعد اس کا باپ ملاقات کے کمرے سے نمودار ہوا۔ اسے دیکھتے ہی عمّارہ جس نے اپنے لرزتے ہوئے ہاتھوں سے اپنی بیٹی کا بازو تھام رکھا تھا، چیخ مار کر فرش پر گر پڑی۔

عاتکہ سکتے کے عالم میں اپنے باپ کا لہولہان چہرہ دیکھ رہی تھی۔۔۔ نصیر

نے آگے بڑھ کر عمّارہ کو اپنے بازوؤں میں اٹھالیا اور اسے بستر پر لٹانے کے بعد نڈھال سا ہو کر ایک کرسی پر گر پڑا۔ اس کی نگاہیں عمارہ کے چہرے پر مرکوز تھیں۔ وہ کہہ رہا تھا "عمّارہ! عمّارہ! میں زندہ ہوں۔ میں بالکل ٹھیک ہوں۔" ایک عورت چِلاّئی۔ "تم کیا دیکھ رہی ہو۔ ان کا خون بہہ رہا ہے۔" اور پھر وہ آگے بڑھ کر اپنی چادر سے اس کا خون پونچھنے لگی۔ عاتکہ اپنے حواس پر قابو پاتے ہی بھاگ کر دوسرے کمرے میں گئی اور مرہم پٹی کے سامان کا تھیلا اٹھا لائی۔ وہ ایک عورت کے ہاتھ میں مشعل دے کر تھیلا کھول ہی رہی تھی کہ اس کا عمر رسیدہ نوکر عبداللہ کمرے میں داخل ہوا اور اس نے دروازہ بند کرتے ہوئے کہا۔ "آپ بچوں کو پچھلے کمرے میں لے جائیں اور انہیں خاموش رکھیں؟"

ایک عورت نے کہا۔ "خدا کے لیے طبیب کو جلد بلاؤ۔ ان کا زخم بہت گہرا ہے۔"

"اس وقت طبیب کو تلاش کرنا ممکن نہیں۔ عاتکہ بیٹی اب یہ کام تمہیں کرنا پڑے گا۔"

اس نے کانپتے ہوئے ہاتھوں سے اپنے باپ کے سر کی مرہم پٹی کی۔ پھر اس کے باپ نے اپنی قمیص پھاڑ کر پسلی میں ایک اور زخم دکھاتے ہوئے کہا۔ ”بیٹی جلدی کرو میرے ساتھی میرا انتظار کر رہے ہیں۔“

تھوڑی دیر بعد وہ دوسرے زخم کی مرہم پٹّی سے فارغ ہو چکی تھی اور اس کا باپ دوبارہ اپنی بیوی کی طرف متوجہ ہو چکا تھا۔ ”عمّارہ! عمّارہ!“ عمّارہ نے آنکھیں کھول دیں اور کچھ دیر اپنے شوہر کی طرف ٹکٹکی باندھ کر دیکھتی رہی۔ اس کے ہونٹ تو ہل رہے تھے لیکن حلق سے آواز نہیں نکل رہی تھی۔ نصیر نے اپنا ہاتھ اس کے سر پر رکھتے ہوئے مسکرانے کی کوشش کی اور اس کے ساتھ ہی اس کی آنکھیں آنسوؤں سے نمناک ہو گئیں۔ عمّارہ نے اس کا ہاتھ پکڑ کر اپنے ہونٹوں سے لگایا اور سسکیاں لیتے ہوئے کہا۔ ”آپ کے زخم؟“

اس نے جواب دیا۔ ”میرے زخم بہت معمولی ہیں۔ تم یونہی ڈر گئی تھیں۔“ عمّارہ اُٹھ کر بیٹھ گئی۔

”ابّا جان اب کیا ہو گا؟“ عاتکہ نے بڑی مشکل سے کہا۔

نصیر نے مُڑ کر اس کی طرف دیکھا اور اپنے ہاتھ پھیلا دیے۔ اس نے فرش پر گھٹنے ٹیک کر اپنا سر باپ کی گود میں رکھ دیا۔ وہ بڑی مشکل سے اپنی سسکیاں ضبط کر رہی تھی۔ اور اس کا باپ جیسے اپنے آپ سے کہہ رہا تھا۔ ”میری عاتکہ! میری بہادر بیٹی! اب تمہیں زیادہ ہمت سے کام لینا پڑے گا۔ ہم باہر دشمن کے دانت تو کھٹّے کر سکتے ہیں لیکن اپنے گھروں میں چھپے ہوئے غدّاروں کا مقابلہ نہیں کر سکتے۔ ہم نے انہیں بھگا دیا تھا۔ میرے دیگر ساتھیوں نے فصیل کا شگاف اپنی لاشوں سے بھر دیا تھا۔ لیکن غدّاروں کو دروازہ کھولنے کا موقع مل گیا۔ میں ہمیشہ اس کے متعلق اپنے دل میں خلش محسوس کیا کرتا تھا۔“

”ابّا جان! آپ کو اس سرخ بالوں والے آدمی پر تو شک نہیں؟“

”مجھے شک نہیں یقین ہے کہ وہ دشمن کا جاسوس ہے۔ جس جگہ سے فصیل کو اُڑایا گیا ہے وہاں اس کے ساتھیوں کی کوٹھریاں ہیں۔ دھماکے

سے کچھ دیر قبل پہریداروں نے دو آدمیوں کو کوٹھری سے نکل کر دروازے کی طرف جاتے دیکھا تھا۔ یہ ہماری بدقسمتی تھی کہ آج عتبہ دروازے کی حفاظت پر متعین تھا۔ وہاں چند وفادار سپاہی بھی موجود تھے اور ان کی موجودگی میں دروازہ کھولنا ممکن نہ تھا۔ لیکن جب فصیل میں شگاف پڑ گیا تو ان میں سے اکثر دشمن کی یلغار روکنے کے لیے جا چکے تھے۔"

وہ پہلی بار محسوس کر رہی تھی کہ اس کی حیثیت ایک بے بس لڑکی سے زیادہ نہیں۔ اس نے سر اٹھا کر اپنے باپ کی طرف دیکھا اور کہا۔ "اب کیا ہو گا ابّا جان؟"

"بیٹی! اب میں کچھ نہیں کہہ سکتا۔۔ ہو سکتا ہے دشمن ہمارے خون سے پیاس بجھانے کے لیے صبح کی روشنی کا انتظار کرے اور باہر سے لوگ ہماری مدد کو پہنچ جائیں۔ لیکن اگر انہوں نے لڑائی جاری رکھی تو انہیں یہاں پہنچنے میں زیادہ دیر نہیں لگے گی۔ میرا اپنے ساتھیوں کے ساتھ رہنا ضروری ہے لیکن باہر نکلنے سے پہلے میں تم سے ایک وعدہ لینا چاہتا ہوں۔

کیا میں امید کر سکتا ہوں کہ تم ایک سعادت مند بیٹی ہونے کا ثبوت دو گی؟“

”ابّا جان! میں نے آپ کا اعتماد کبھی مجروح نہیں کیا لیکن آپ اس حالت میں باہر نہیں جاسکتے۔“

”میں چھت پر جا کر باہر کے حالات دیکھنا چاہتا ہوں۔ اگر خدانخواستہ دُشمن نے مکان پر حملہ کر دیا تو میں فوراً واپس آ جاؤں گا لیکن تمہارا اپنی ماں کے ساتھ رہنا ضروری ہے۔ اور تمہارے لیے عقب کا کمرہ زیادہ محفوظ رہے گا۔ عبد اللہ تمہارے ساتھ رہے گا۔ بچے تاریکی میں خوف محسوس کریں گے اس لیے دوسری مشعل جلا کر وہاں لے جاؤ لیکن دریچہ بند رکھو تاکہ باہر روشنی نہ جاسکے۔“

وہ کچھ کہنا چاہتی تھی لیکن اس کے باپ نے جلدی سے ٹوک دیا۔ ”بیٹی! اب باتوں کا وقت نہیں۔ عبد اللہ تم کیا دیکھ رہے ہو۔ جلدی کرو! بچوں کے لیے پانی اور کھانے کا سامان بھی اندر رکھ دو۔ عمّارہ کو آرام کی

ضرورت ہے۔ اس لیے ان کا بستر اٹھا کر وہاں بچھا دو۔"

"نہیں مجھے بستر کی ضرورت نہیں۔" عمّارہ نے ڈوبتی آواز میں کہا۔ تھوڑی دیر بعد بچے اور عورتیں عقب کے کمرے میں جا چکی تھیں لیکن عمّارہ اور وہ ابھی تک تذبذب کے عالم میں نصیر کے سامنے کھڑی تھیں۔ نصیر نے پانی مانگا اور چند گھونٹ پینے کی بعد وہ اچانک کھڑا ہو گیا۔ "اب تم وقت ضائع نہ کرو!" وفا شعار بیوی نے شوہر کی طرف دیکھا اور بیٹی کا ہاتھ پکڑ کر ڈگمگاتی ہوئی دوسرے کمرے میں چلی گئی۔

اس کا باپ اپنے وفادار ساتھی عبداللہ کی طرف متوجہ ہوا۔ "اب تم بھی جاؤ اور دروازہ بند کر لو؟"

نوکر نے اندر جا کر دروازے کی کنڈی چڑھائی تو نصیر نے آگے بڑھ کر باہر کی کنڈی لگا دی ہے۔

وہ دہشت زدہ ہو کر چلائی۔ "ابّا جان آپ نے وعدہ کیا تھا چھت سے ہو کر واپس آجائیں گے۔"

"بیٹی!" اس نے گھٹی ہوئی آواز میں جواب دیا۔ "میں اپنا وعدہ پورا کرنے کی کوشش کروں گا۔ اب میری بات غور سے سنو! عبد اللہ تمہیں بتا دے گا کہ میں نے دروازہ کیوں بند کیا ہے اور میں یہ چاہتا ہوں کہ اگر مجھے دیر ہو جائے تو تم اس کی ہدایات پر عمل کرنا۔ عبد اللہ! وہ سامان صندوق کے پیچھے پڑا ہوا ہے۔"

"ابّا جان! ابّا جان!" اس نے آوازیں دیں لیکن اس کے باپ نے کوئی جواب نہ دیا اور پھر چند ثانیے بعد وہ اس کے قدموں کی چاپ سن رہی تھی۔

عبد اللہ نے کہا۔ "زور سے آواز نہ دو۔"

اس نے اپنی ماں کی طرف متوجہ ہو کر کہا۔ "امّی جان مجھے معلوم ہے اس صندوق کے پیچھے کیا ہے۔ ابّا جان ہمیں اس قلعے سے باہر نکالنا چاہتے ہیں اور ہمارے ساتھ نہیں جائیں گے۔ انہیں یقین تھا کہ ہم مرتے دم تک ان

کا ساتھ نہیں چھوڑیں گے۔ اس لیے انہوں نے دروازہ بند کر دیا ہے۔"

عبد اللہ نے صندوق کے پیچھے رسی کی سیڑھی نکالتے ہوئے کہا۔ "بیٹی! جب ہم یہاں آئے تھے تو یہ سیڑھی اس کمرے میں موجود تھی۔ شاید! اس قلعہ کے سابق محافظ کو یہ خیال آیا ہو کہ اس کے بال بچوں کو کسی دن اس کی ضرورت پیش آ سکتی ہے لیکن تمہارے ابّا جان ایسی بات سوچنے کے لیے بھی تیار نہ تھے۔ اگر آج ان کے سامنے صرف تمہاری زندگی اور موت کا مسئلہ ہوتا تو وہ اس قدر پریشان نہ ہوتے لیکن تم جانتی ہو کہ قیدی عورتوں کے ساتھ نصرانی کیا سلوک کرتے ہیں۔ اس قلعے کے محافظ تمہیں غرناطہ کی بیٹی کے نام سے پکارتے ہیں۔ آج تمہاری زندگی کا سب سے بڑا امتحان ہے۔ اگر تم نے ہمّت سے کام لیا تو ممکن ہے یہ خواتین اور بچے دشمن کے وحشیانہ مظالم سے بچ جائیں۔ اب جنوبی دیوار کے محافظ الاؤ جلا چکے ہوں گے۔ مجھے یقین ہے کہ باہر سے آگ کی روشنی دیکھنے والوں کو یہاں کی صورت حال کا اندازہ ہو جائے گا اور انہیں یہاں پہنچنے میں دیر نہیں لگے گی لیکن اگر دشمن نے ان کی آمد سے پہلے ہی ہماری رہی سہی

قوت مدافعت کچل ڈالی اور اس مکان پر حملہ کر دیا تو ہماری آخری کوشش یہی ہو گی کہ تمہیں تمہاری والدہ اور ان خواتین اور بچوں کو قلعہ سے باہر نکال دیا جائے۔ رات کے وقت تمہارے لیے جنوب کا علاقہ محفوظ رہے گا۔ اور ہمارے گاؤں تک ہر بستی کے لوگ تمہاری اعانت کو اپنا فرض سمجھیں گے۔ اب تمہیں باہر نکلنے کے لیے تیار رہنا چاہیے۔ جب میں سیڑھی لٹکانے کے لیے دریچہ کھولوں گا تو مشعل بجھا دی جائے گی۔ آپ میں سے جو پہلے اتریں اِدھر اُدھر بھاگنے کی بجائے فصیل کے قریب اپنے دوسرے ساتھیوں کا انتظار کریں اور پھر کھڑکی کی طرف اُتر جائیں۔“

☆☆☆

تھوڑی دیر بعد عبد اللہ سیڑھی چھت کے نیچے کی دیوار میں آہنی کھونٹیوں کے ساتھ باندھ چکا تھا۔ قلعے میں لڑنے والوں کی چیخ و پکار مکان کے قریب سنائی دے رہی تھی۔ عورتیں اور بچے دم بخود ایک دوسرے کی طرف دیکھ رہے تھے۔ عاتکہ دروازے سے منہ لگائے ایک چھوٹی سی دراڑ سے برابر والے کمرے میں جھانک رہی تھی۔ اچانک وہ پیچھے ہٹی اور

چوکھٹ سے اوپر محراب کی طرف دیکھنے لگی۔ پھر اس نے ایک بڑا صندوق دھکیل کر دروازے کے ساتھ لگا دیا اور ایک چھوٹا صندوق اٹھا کر اس کے اوپر رکھنے کی کوشش کی لیکن صندوق بھاری تھا۔ اسے کامیابی نہ ہوئی، عبد اللہ نے کہا۔ ”بیٹی تم کیا کر رہی ہو؟“

”کچھ نہیں۔ تم میری مدد کرو۔ میں محراب کی جالی سے ساتھ والا کمرہ دیکھنا چاہتی ہوں۔ جلدی کرو مکان پر حملہ ہو چکا ہے۔ شاید وہ نیچے کے دروازے کو توڑ رہے ہیں۔“

عبد اللہ ابھی تذبذب کے عالم میں کھڑا تھا کہ عورتوں نے اس کی مدد کی اور ایک چھوٹا صندوق اٹھا کر بڑے صندوق پر رکھ دیا۔ عاتکہ جلدی سے اوپر کے صندوق پر کھڑی ہو کر لکڑی کی جالی سے جھانکنے لگی۔ جالی کے سوراخ اتنے تنگ تھے کہ وہ صرف دوسرے کمرے کا نصف حصہ دیکھ سکتی تھی اس نے اپنا خنجر نکالا اور پے در پے ضربوں سے بوسیدہ لکڑی کا کچھ حصّہ توڑ ڈالا۔

عبد اللہ بدستور چلا رہا تھا۔ ”تم کیا کر رہی ہو؟ ہوش سے کام لو۔“ اور اب اس کی ماں اور دوسری عورتیں بھی بوڑھے نوکر کے احتجاج میں شریک ہو چکی تھیں۔ اس نے کوئی آدھ بالشت چوڑا سوراخ کرنے کے بعد اپنا خنجر نیام میں ڈالتے ہوئے مڑ کر دیکھا اور کہا: ”آپ اس قدر پریشان کیوں ہیں؟ آپ کو معلوم ہے کہ اگر میں ساری جالی توڑ ڈالوں تو بھی محراب اتنی تنگ ہے کہ یہاں سے ایک تین سالہ بچہ بھی باہر نہیں نکل سکتا۔ میں صرف یہ چاہتی ہوں کہ جب ابّا جان آئیں تو انہیں اچھی طرح دیکھ سکوں۔“

عمّارہ نے ڈوبتی ہوئی آواز میں کہا۔ ”وہ ابھی تک کیوں نہیں آئے۔ انہیں بہت دیر ہوئی ہے۔“

کمرے میں تھوڑی دیر کے لیے خاموشی طاری ہو گئی۔ پھر زینے کی طرف بھاگتے ہوئے انسانوں کا شور سنائی دینے لگا اور عبد اللہ چلایا۔ ”وہ زینے کا نچلا دروازہ توڑ رہے ہیں۔ اب تم تیار ہو جاؤ۔ عاتکہ! سب سے پہلے تمہاری باری۔“

اس نے جلدی سے نیچے اتر کر اپنی کمان اٹھاتے ہوئے کہا۔ ”نہیں سب سے یہ ان کم بچوں کی مائیں جائیں گی۔ اس سے بعد ہم بچوں کو اتاریں گے۔ پھر امّی جان اور ان کے بعد میری باری آئے گی۔“

ساتھ والے کمرے میں بھاگتے ہوئے قدموں اور اس کے ساتھ ہی یکے بعد دیگرے تین دروازوں کے کھلنے اور ہونے کا شور سنا دیا۔ وہ جلدی سے صندوق پر کھڑی ہو کر سوراخ سے جھانکنے لگی۔

اس کا باپ چھ سات آدمیوں کے ساتھ برابر کے کمرے میں داخل ہوا اور اس نے آگے بڑھ کر دروازے کی کنڈی کھولتے ہوئے کہا۔ ”عبد اللہ جلدی کرو۔ اب تمہارے پاس زیادہ وقت نہیں ہے۔“ وہ نیچے کود پڑی اور عبداللہ نے صندوق ذرا پیچھے دھکیل دیا اور دروازہ کھول دیا۔ نصیر کے ساتھ تین اور آدمی اپنی بیویوں اور بچوں کو الوداع کہنے کے لیے کمرے میں داخل ہوئے اور اس نے ایک عورت کی طرف متوجہ ہو کر کہا۔ ”بہن ہم آپ کے شوہر کو تلاش نہیں کر سکے۔ اب آپ جلدی کریں۔ دشمن کو یہاں پہنچنے میں دیر نہیں لگے گی۔“ عبداللہ نے مشعل ساتھ والے کمرے

میں ایک آدمی کے سپرد کی پھر دروازہ بند کرنے کے بعد بھاگ کر دروازہ کھولا اور سیڑھی نیچے پھینک دی۔

اس کے باپ نے کہا۔ ''عبد اللہ! ایک بچہ اٹھا کر نیچے اتر جاؤ۔''عبد اللہ نے ایک ثانیہ کے لیے ڈبڈبائی ہوئی آنکھوں سے اس کی طرف دیکھا اور بچے کو اٹھاتے ہوئے کہا۔ ''آپ عاتکہ سے کہیں کہ وہ نیچے اترنے میں دیر نہ کرے۔''

اس نے اپنے باپ کے کاندھے پر رکھ دیا اور سراپا التجا بن کر کہا۔ ''ابّا جان! میں آپ کے حکم کی تعمیل کروں گی۔ میں تو صرف اتنا چاہتی ہوں کہ میری باری سب سے آخر میں آئے۔ آپ کی بیٹی کو جان بچانے میں پہل نہیں کرنی چاہیے۔'' ''بیٹی تمہیں یہ خیال کیسے آیا کہ میں تمہاری زندگی کو دوسروں کی زندگی پر ترجیح دوں گا۔ مجھے یقین ہے کہ ہم کافی دیر تک دشمن کو روک سکیں گے اور تم سب کو اطمینان سے نیچے اترنے کا موقع مل جائے گا۔ اگر ہمیں باہر سے کوئی مدد نہ ملی تو بھی دشمن تمہیں تلاش کرنے کے بجائے صبح تک قلعہ کے اندر مار دھاڑ میں مصروف رہے

گا۔ تاہم تمہیں سڑک سے کافی دور رہنا چاہیے۔ ان عورتوں اور بچوں کو اپنے گھر لے جاؤ۔ وہاں تمہارے چچا ان کے لیے مناسب انتظام کر دیں گے۔ اگر تم اپنے گاؤں کے لیے کوئی خطرہ محسوس کرو تو اپنی امّی کے ساتھ ماموں کے گھر پہنچ جاؤ۔"

اس نے بڑی مشکل سے اپنی سسکیاں ضبط کرتے ہوئے کہو۔ "ابّا جان! ہم آخری دم تک آپ کا انتظار کریں گے۔"

☆☆☆

تھوڑی دیر بعد جب عمّارہ دو کم سن لڑکوں اور ان کی ماں کے سوا باقی عورتیں اور بچے نیچے جا چکے تھے تو حملہ آور زینے کا دوسرا دروازہ توڑ رہے تھے۔ ایک نوجوان نے مشعل اٹھا کر ساتھ والے کمرے میں پھینک دیں اور نصیر کا بازو پکڑ کر چلّایا۔ "دشمن ہمیں کسی کمک کا انتظار کرنے کا موقع نہیں دے گا۔ خدا کے لیے آپ بھی ان کے ساتھ نکل جائیں۔ غرناطہ کو آپ کی بہت ضرورت ہے۔"

اس کے باپ نے کوٹھری سے نکلتے ہوئے کہا۔ ”غرناطہ کو شہیدوں کے خون کی ضرورت ہے اور میری رگوں میں ابھی تک خون کے چند قطرے باقی ہیں۔“

پھر اس نے جلدی سے کوٹھری کے کواڑ بند کرتے ہوئے اس کو آواز دی۔ ”عاتکہ! اندر سے کنڈی لگا لو اور جلدی سے باہر نکلنے کی کوشش کرو۔ وہ اپنے باپ کے آخری حکم کی تعمیل کر رہی تھی کہ زینے کی طرف سے دروازہ ٹوٹنے سے ایک دھماکا ہوا اور اس کے ساتھ ہی اسے نصیر کی آواز سنائی دی۔ ”ہم انہیں اگلے کمرے میں روکنے کی کوشش کریں گے۔“

وہ چند ثانیے بے حس و حرکت کھڑی رہی پھر اس نے کنڈی لگائی اور صندوق دھکیل کر دروازے کے ساتھ لگا دیے اور ان پر چڑھ کر برابر والے کمرے کی طرف دیکھنے لگی جو اب خالی ہو چکا تھا۔ اتنی دیر میں حملہ آور دوسرا دروازہ توڑنے کی کوشش کر رہے تھے۔ ایک عورت دریچے کے قریب کھڑی دہائی دے رہی تھی۔

”عمّارہ! عاتکہ! جلدی آؤ سب اتر گئے ہیں۔“

اس نے کہا۔ ”امی جان! آپ جائیں۔ انہیں دروازے توڑنے میں زیادہ دیر نہیں لگے گی۔“

”اور تم؟“

”میں بھی آرہی ہوں۔ امّی جان خدا کے لیے آیا آپ جلدی کریں۔“

دروازے پر کلہاڑیوں کی ضربیں اور حملہ آوروں کے نعرے سنائی دے رہے تھے۔ عمّارہ بادل نخواستہ دریچے کی طرف بڑھی لیکن ایک اور دھماکے نے اس کے پاؤں روک لیے۔ اس کے ساتھ ہی اسے لڑنے والوں کی چیخ و پکار اور تلواروں کی جھنکار سنائی دینے لگی۔

عمّارہ چند ثانیے سکتے کے عالم میں کھڑی رہی اور پھر اچانک اپنے ڈوبتے دل پر ہاتھ رکھ کر بیٹھ گئی۔

”امّی جان!“ اس نے آواز دی مگر اسے کوئی جواب نہ ملا تو وہ اطمینان

محسوس کرنے لگی کہ اس کی ماں جا چکی ہے۔

اس کے دل کی پکار اب یہ تھی کہ مجھے یہاں سے نکلنے میں تاخیر نہیں کرنی چاہیے۔ اب میں ان کی کوئی مدد نہیں کر سکتی لیکن باپ کی محبت نے عقل کے تمام فیصلے رد کر دیے۔ اسے اب بھی کوئی امید تھی کہ قدرت کا کوئی معجزہ اس کے باپ کی جان بچا لے گا۔ باہر سے ان کے مددگار اچانک آ پہنچیں گے اور پھر شاید بھاگنے کی ضرورت ہی پیش نہ آئے۔"

اتنے میں چار آدمی یکے بعد دیگر دشمن کے وار روکتے ہوئے الٹے پاؤں ساتھ والے کمرے میں داخل ہوئے۔ آخری آدمی اس کا باپ تھا۔ اس نے دہلیز کے قریب پہنچ کر جوابی حملہ کیا۔ حملہ آور دو لاشیں چھوڑ کر پیچھے ہٹ گئے۔ اور ایک نوجوان نے جلدی سے دروازہ بند کر کے کنڈی لگا دی۔

☆☆☆

حملہ آور اب بھی دروازہ توڑ رہے تھے۔ اس کا باپ دیوار سے پیٹھ لگائے

کھڑا تھا۔ اس کا لباس خون میں تتر بتر تھا۔ باقی تین آدمی بھی زخموں سے چور دکھائی دے رہے تھے۔ ایک نوجوان جس کی گردن سے خون بہہ رہا تھا اچانک فرش پر گر پڑا۔

وہ اپنے باپ کو آواز دینا چاہتی تھی لیکن اسے زبان کھولنے کی جرات نہ ہوئی۔ اس نے کمان میں تیر چڑھالیا اور ٹوٹتے ہوئے دروازے کی طرف دیکھنے لگی۔ کسی نے پچھلے کمرے سے عربی زبان میں کہا۔ ”نصیر! خودکُشی نہ کرو۔ تم بازی ہار چکے ہو۔ اب تمہارا کوئی مددگار یہاں نہیں آئے گا۔ اگر ہتھیار ڈال دو تو میں اب بھی تمہاری جان بچانے کی ذمہ داری لیتا ہوں۔“

نصیر چلّایا۔ ”عتبہ تم غدّار ہو۔ تم نے قوم کی آزادی کا سودا کیا ہے لیکن میری تلوار صرف موت ہی چھین سکتی ہے۔ تم صرف میری لاش کی قیمت وصول کر سکو گے۔ مجھے عیسائیوں کا غلام بنانے کا معاوضہ حاصل نہیں کر سکو گے۔“

اور پھر یہ دروازہ بھی ٹوٹ گیا۔ ایک دیو قامت نصرانی کلہاڑی اٹھائے آگے بڑھا اور ساتھ ہی عاتکہ کا تیر اس کی شہ رگ میں پیوست ہو گیا۔ وہ گِر پڑا اور اس کے پیچھے آنے والے اِدھر اُدھر ہٹ گئے لیکن آدمیوں کا ایک ریلا اپنے ساتھی کی لاش کے اوپر سے پھلانگتا ہوا کمرے میں داخل ہو گیا۔ اس کا باپ دو آدمیوں کو زخمی کرنے کے بعد پیچھے ہٹا اور اس نے عقبی کمرے کے دروازے کے ساتھ پیٹھ لگا دی۔ اس کا ایک ساتھی فرش پر گر کر دم توڑ چکا تھا اور باقی دو کو اس کے دائیں بائیں زخمی شیروں کی طرح لڑ رہے تھے۔ اس کے تیروں سے دو اور نصرانی زخمی ہو چکے تھے اور نصیر چلا رہا تھا۔ ”عاتکہ میرا کہا مانو۔ جلدی کرو! تمہیں میری نافرمانی نہیں کرنا چاہیے تھی۔“

پھر اچانک یہ آواز خاموش ہو گئی۔ وہ سوراخ سے ان دشمنوں کی تلواروں اور نیزوں کو دیکھ سکتی تھی جو دروازے کے ساتھ پڑی ہوئی لاشوں سے آخری انتقام لے رہے تھے۔ عاتکہ کا دل ڈوبنے لگا۔ قریب تھا کہ وہ بے ہوش ہو کر گر جاتی مگر حالات کی نزاکت کے پیشِ نظر اسے اپنے آپ کو

بڑی مشکل سے سنبھالا۔

عتبہ حملہ آوروں کو چیرتا ہوا آگے بڑھا۔ عاتکہ نے تیر چلانے کی کوشش کی لیکن وہ اچانک اس کی زد سے بچ نکلا۔ اس نے اپنے ساتھیوں سے کہا۔ ”تم پاگل ہو۔ میں نے کہا تھا کہ تم نے ایک ایسے آدمی کو قتل کر دیا ہے جس کو گرفتار کر کے ہم بہت بڑا کام کر سکتے تھے!!!“

ایک آدمی نے آگے بڑھ کر دروازے کو دھکا دیتے ہوئے کہا۔ ”اس کمرے کے اندر بھی آدمی موجود ہیں۔“

عتبہ نے کہا۔ ”تم بیوقوف نہ بنو۔ اس کمرے میں عورتوں اور بچوں کے سوا اور کوئی نہیں اور انہیں زندہ گرفتار کرنا ضروری ہے۔“

عتبہ کے ساتھیوں میں سے صرف دو آدمیوں کو عاتکہ اچھی طرح دیکھ سکتی تھی۔ ان کے پیچھے عتبہ کے چہرے کا بیشتر حصہ اس کی نگاہوں سے اوجھل تھا۔

عتبہ نے قدرے توقف کے بعد کہا۔ ”مجھے معلوم ہے تم اندر ہو اور

تمہارے تیروں سے ایک ایسا آدمی مارا گیا ہے جس کی جان بہت قیمتی تھی۔ مجھے افسوس ہے کہ میں تمہارے باپ کی جان نہ بچا سکا لیکن میں تمہاری جان بچا سکتا ہوں۔ تمہیں یاد ہے کہ میں نے تمہیں اپنے گھر چلے جانے کا مشورہ دیا تھا۔ اب میں تمہارے علاوہ تمہاری والدہ اور باقی عورتوں کو بھی پناہ دے سکتا ہوں۔ ہم یہ دروازہ پلک جھپکتے میں توڑ سکتے تھے لیکن میں تمہیں ایک فاتح لشکر کے ظلم اور وحشت سے بچانا چاہتا ہوں۔ ہم یہ جنگ ہار چکے ہیں اور تمہارے علاوہ اندلس کی لاکھوں بیٹیوں کو ہلاکت سے بچانا چاہتا ہوں۔ تم ایک عاقبت اندیش لڑکی ہو۔ میں اندلس کے مسلمان کو مزید تباہی سے بچانے کے لیے دروازہ کھول دو۔ میں نہیں چاہتا کہ تمہیں ایک قیدی کی حیثیت سے اس لشکر کے سامنے پیش کیا جائے۔ میں تمہیں عزّت کے ساتھ گھر بھیجنے کی ذمہ داری لیتا ہوں۔ اور تمہاری وجہ سے تمہارا گاؤں بھی محفوظ رہے گا۔ خُدارا میرے وعدے پر اعتبار کرو ورنہ مجھے یہ دروازہ توڑنا پڑے گا۔“

گفتگو کے دوران عتبہ کا پورا چہرہ اس کے سامنے آجاتا لیکن جب وہ تیر

چلانے لگتی تو پیچھے سے کوئی آہٹ محسوس ہوئی۔ "عاتکہ !عاتکہ !" عبداللہ نے سہمی ہوئی آواز میں کہا اور اس کے ساتھ ہی تیر اس کے لرزتے ہوئے ہاتھوں سے چھوٹ گیا۔ عتبہ زخم کھا کر ایک طرف ہٹا اور وہ آنکھ جھپکنے میں اس کے دائیں ابرو کے قریب کٹی ہوئی جلد اور چھدے ہوئے کان سے زیادہ نہ دیکھ سکی۔

عتبہ چلّایا۔ "ایک طرف ہٹ جاؤ۔ جھک کر آگے بڑھو اور دروازہ توڑ ڈالو!" وہ جلدی سے نیچے اتر آئی۔

"عاتکہ !عاتکہ !تم کیا کر رہی ہو؟" عبداللہ چلّا رہا تھا۔ "خدا کے لیے ہوش سے کام لو تمہاری امّی کہاں ہیں؟"

"امّی" اس نے سراسیمہ ہو کر کہا۔ "وہ نیچے نہیں پہنچیں؟"

"نہیں۔ خدا کے لیے بتاؤ وہ کہاں ہیں؟"

وہ اضطراب کی حالت میں آگے بڑھی لیکن دریچے کے قریب ان کے پاؤں کو ٹھوکر لگی اور ایک ثانیہ کے لیے اس کا سانس گھٹ کر رہ گیا۔ پھر وہ

چلائی ”چچا! امّی جان یہاں ہیں۔ مجھے معلوم نہ تھا۔ میں سمجھتی تھی کہ یہ جا چکی ہیں۔ یہ بے ہوش ہیں۔ میں جانے سے پہلے ایک بار ابّا جان کو دیکھنا چاہتی تھی لیکن وہ شہید ہو چکے ہیں۔“

عبد اللہ نے جلدی سے عمّارہ کو اپنے بازوؤں میں اٹھالیا اور کہا تم جلدی سے نیچے اترنے کی کوشش کرو۔، میں تمہاری امّی کو چھوڑ کر نہیں جاؤں گا۔ وقت ضائع نہ کرو وہ دروازہ توڑ رہے ہیں۔ عاتکہ نے دریچے سے نکلتے ہوئے کہا۔ ”لیکن تم انہیں اتار سکو گے ؟“

”تم ان کی فکر نہ کرو۔ اب باتوں کا وقت نہیں۔“

وہ ایک ہاتھ میں کمان لیے نیچے اترنے لگی۔ لیکن سیڑھی کے درمیان پہنچ کر اچانک رک گئی اور دریچے کی طرف دیکھنے لگی۔ عبد اللہ دریچے سے باہر آ چکا تھا اور وہ تاریکی میں اس کے انداز سے یہ اطمینان محسوس کر رہی تھی کہ وہ تنہا نہیں۔

وہ جلدی سے نیچے اتری۔ فصیل کے آس پاس کوئی نہ تھا۔ وہ چند قدم پیچھے

ہٹی اور کھڈ کے کنارے پہنچ کر عبداللہ کا انتظار کرنے لگی۔ عبداللہ عمّارہ کو کندھے پر ڈالے سنبھل سنبھل کر سیڑھی پر پاؤں رکھتا ہوا آ رہا تھا۔

اس کا دل دھڑک رہا تھا اور وہ کمان پر تیر چڑھا کر اوپر دیکھ رہی تھی۔ اچانک دریچے میں روشنی نمودار ہوئی اور ایک آدمی جس کے ہاتھ میں مشعل تھی اپنا سر باہر نکال کر شور مچانے لگا۔ اس کے ساتھ ہی اس کی کمان سے تیر نکلا اور مشعل زمین پر گری۔ اتنی دیر میں عبداللہ پہنچ چکا تھا۔ اس نے کہا "عاتکہ ! کھڈ میں اتر جاؤ۔ اب وہ یقیناً ہمارا پیچھا کریں گے۔ دائیں ہاتھ مُڑو وہاں زیتون کے درخت کے پاس ایک راستہ نیچے اترتا ہے۔"

وہ کچھ کہے بغیر اس کے آگے چل پڑی اور چند منٹ بعد وہ ایک تنگ راستے سے نیچے اتر رہے تھے۔ عمّارہ ابھی تک بے ہوش تھی۔

عاتکہ بار بار اس کا ہاتھ پکڑ کر نبض ٹٹولتی پھر عبداللہ سے پوچھتی کہ انہیں ابھی تک ہوش کیوں نہیں آیا اور وہ اسے تسلّی دینے کی کوشش کرتا اور

کہتا۔ ”بیٹی حوصلے سے کام لو انشاء اللہ یہ ٹھیک ہو جائیں گی۔“

قریباً نصف میل چلنے کے بعد عبد اللہ نے عمّارہ کو نیچے لٹاتے ہوئے کہا:

”ہمارے ساتھی کہیں آس پاس ہی ہوں گے۔ تم یہاں ٹھہرو! انہیں تلاش کرتا ہوں۔“

ایک عورت نے پاس ہی ایک جھاڑی سے سر نکالتے ہوئے کہا۔ ”تم نے بہت دیر لگائی ہمیں ڈر تھا کہ تم کسی اور راستے سے نکل گئے ہو۔“

تھوڑی دیر بعد تمام بچے اور عورتیں وہاں جمع ہو چکی تھیں۔ ایک عورت نے عمّارہ کی نبض ٹٹولتے ہوئے کہا ”ان کا جسم ڈھنڈا ہو رہا ہے۔ ہمیں جلد یہاں سے چلنا چاہیے۔“

عبد اللہ نے دوبارہ اسے کندھے پر اٹھالیا۔

تین میل کے قریب کھڈ کے اندر سفر کرنے کے بعد وہ دوسرے کنارے

ایک پہاڑی پر چڑھ رہے تھے۔ عبد اللہ کی ہمّت جواب دے رہی تھی اور اسے تھوڑے تھوڑے فاصلے پر سستانے کی ضرورت محسوس ہو رہی تھی۔

جب وہ پہاڑی کی چوٹی پر پہنچے تو پو پھٹ رہی تھی۔ صبح کا ستارا نمودار ہو رہا تھا۔ عبد اللہ نے عمّارہ کو زمین پر لٹاتے ہوئے کہا۔ "اب ہم تھوڑی دیر آرام کرسکتے ہیں۔ ہم وادی میں اُترتے ہی ایک بستی میں پہنچ جائیں گے اور اگر وہ لوگ وہاں سے بھاگ نہیں گئے تو ہمیں مدد مل جائے گی۔"

اس نے کہا۔ "تم بہت تھک چکے ہو۔ اگر مجھے اجازت دو تو میں بستی سے لوگوں کو بلا لاؤں۔ امّی جان کی حالت ٹھیک نہیں ہے۔ ممکن ہے بستی میں کوئی طبیب مل جائے۔"

عبد اللہ نے مغموم لہجے میں کہا۔ "بیٹی تمہیں جانے کی ضرورت نہیں۔ میں خود جاؤں لیکن تمہاری امّی کو اب طبیب کی ضرورت نہیں۔ میں نے اٹھاتے یہ محسوس کر لیا تھا کہ ان کی زندگی کا سفر پورا ہو چکا ہے۔ تمہاری

طرح میں بھی تمام راستہ اپنے آپ کو فریب دیتا رہا ہوں۔ تمہارے ابّا جان تمہیں اپنے پاس بلانے کے لیے تیار نہ تھے لیکن تمہاری امّی جان کو اصرار تھا کہ ہم زندگی اور موت دونوں میں ایک دوسرے کے ساتھ رہیں گے۔"

وہ سکتے کے عالم میں کچھ دیر اپنی ماں کو دیکھتی رہی۔ پھر اس نے سر اٹھا کر آسمان کی طرف دیکھا اور اس کی آنکھوں سے آنسوؤں کا ایک سیلاب بہہ نکلا۔ عبد اللہ نے اٹھ کر کہا۔ "میں جاتا ہوں۔ اب صبح ہونے والی ہے۔ ہم ابھی تک خطرے کی زد سے باہر نہیں نکلے۔ اس لیے آپ کو جھاڑیوں کی اوٹ سے باہر ہیں آنا چاہیے۔"

عبد اللہ وادی کی طرف چل دیا لیکن چند قدم اٹھانے کے بعد اچانک ایک جھاڑی کے پیچھے بیٹھ گیا۔ عاتکہ کی نگاہیں اپنی ماں کے چہرے پر مرکوز تھیں لیکن باقی عورتوں اور بچوں نے عبد اللہ کو چھپتے ہوئے دیکھ لیا تھا۔ ان کے دل کسی غیر متوقع خطرے کے احساس سے دھڑک رہے تھے۔

کسی نے بلند آواز میں کہا۔ ”اگر تم قلعہ سے بھاگ کر آئے ہو تو تمہیں چھپنے کی ضرورت نہیں۔ ہم تمہاری باتیں سن چکے ہیں۔“ اس کے ساتھ ہی دائیں بائیں جھاڑیوں کی اوٹ سے چند آدمی نکلتے ہوئے دکھائی دیے اور عبداللہ جو پیٹ کے بل رینگتا ہوا اپنے ساتھیوں کی طرف واپس آ رہا تھا اُٹھ کھڑا ہو گیا۔

”تم کون ہو؟“ اس نے سوال کیا۔

ایک آدمی نے آگے بڑھ کر کہا۔ ”ڈرو نہیں مسلمان ہیں۔ اس بستی سے ہی آئے ہیں۔“ ”تمہیں معلوم ہے قلعے پر حملہ ہو چکا ہے؟“ عبداللہ نے کہا۔

”ہاں! ہم نے دھماکا سنتے ہی خطرہ محسوس کیا تھا اور پھر فصیل پر روشنی دیکھ کر ہمیں یقین ہو گیا تھا۔ ہمارا سردار گاؤں کے رضاکاروں کے ساتھ جنوب کی چوکی کی طرف روانہ ہو چکا ہے اور تک آس پاس کی دوسری بستیوں کے رضاکار بھی وہاں پہنچ جائیں گے۔“

عبداللہ نے کہا۔ ”اب وہ قلعے کے محافظ کی کوئی مدد نہیں کر سکتے۔“

ایک سوار نے آگے بڑھ کر پوچھا۔ ''تمہارا مطلب ہے کہ دشمن نے قلعہ فتح کرلیا؟''

''دشمن نے قلعہ فتح نہیں کیا بلکہ ایک غدّار نے دروازہ کھول دیا تھا۔ یہ ہمارے سالار کی بیوی کی لاش ہے اور یہ ان کی صاحبزادی ہیں۔''

سوار گھوڑے پر سے اتر پڑا اور اس کے سوالات کے جواب میں عبداللہ نے مختصراً اپنی سرگزشت سنانے کے بعد کہا۔ ''اب ہمیں میت کو گاوں تک لے جانے کے لیے آپ کی مدد کی ضرورت ہے۔''

رضاکار نے اپنے ایک ساتھی کو حکم دیا۔ ''تم فوراً گاؤں سے چند آدمی لے آؤ۔''

عاتکہ نے جلدی سے اُٹھ کر کہا۔ ''آپ کو یقین ہے جنوب کی چوکی میں علاقے کے رضاکار جمع ہو رہے ہیں؟''

''ہاں ہمارے سردار نے انہیں یہی حکم دیا ہے اور قلعے میں دھماکے کا اثر یہ ہوا تھا کے قرب و جوار کی بستی کے لوگوں نے نقّارے بجانے شروع کر

دیے تھے۔“

اس نے کہا۔ ”آپ مجھے ایک گھوڑا دے سکتے ہیں؟“

”اس جگہ ہمارے پاس چار گھوڑے ہیں۔ اگر خبر رسانی کے لیے ایک سوار کا یہاں رہنا ضروری نہ ہوتا تو ہم چاروں آپ کے حوالے کر دیتے۔“

”نہیں! مجھے صرف ایک گھوڑے کی ضرورت ہے۔ میں اپنے گھر اطلاع دینا چاہتی ہوں۔ آپ ان عورتوں اور بچوں کے علاوہ امّی جان کی میت کو اپنے گاؤں پہنچا دیں۔“ رضا کار نے کہا۔ ”اطلاع دینے کے لیے آپ کو جانے کی ضرورت نہیں۔ یہ کام میں اپنے ذمّہ لیتا ہوں۔ آپ ہمارے سردار کے گھر تشریف لے چلیں۔ پھر اگر آپ نے رکنے کے بجائے سفر جاری رکھنا ضروری سمجھا تو گاؤں کا ہر آدمی آپ کا ساتھ دینے کے لیے تیار ہو گا، اور آپ کی والدہ کی میت کو آپ کے ساتھ ہی گھر پہنچانے کا انتظام کر دیا جائے گا۔“

عبد اللہ نے رضا کار کی رائے سے اتفاق کیا لیکن عاتکہ نے کہا۔ ”نہیں!

میں فوراً اپنے گاؤں پہنچنا چاہتی ہوں۔ میرے ابّا اور امّی کی لاشیں علیحدہ علیحدہ قبرستانوں میں دفن نہیں ہوں گی۔ مجھے یقین ہے کہ ہم قلعے پر دوبارہ قبضہ کی کوشش کریں گے اور تمام شہیدوں کی قبریں وہیں بنیں گی۔ میں فوراً اپنے گاؤں اس لیے پہنچنا چاہتی ہوں کہ اگر ہمارے علاقے کے لوگ اپنے فرض سے غافل نہیں تو انہیں بیدار کر سکوں۔ اگر دشمن کو چند دن قلعے کے اندر قدم جمانے کا موقع مل گیا تو ہمارے لیے دوبارہ قبضہ کرنا زیادہ مشکل ہو گا اور پھر یہ ایک اور سینٹا فے بن جائے گا۔ اور جنوب کی طرف سے چند اہم راستے منقطع ہو جائیں گے۔“

رضا کار نے اپنے گھوڑے کی لگام عاتکہ کے ہاتھ میں دیتے ہوئے کہا۔ ”اگر آپ کے عزائم یہ ہیں تو ہمیں ایک لمحہ بھی ضائع نہیں کرنا چاہیے۔ میں آپ کے ساتھ چلوں گا۔“

اس نے ایک ثانیہ کے لیے اپنی ماں کی لاش کی طرف دیکھا اور پھر جلدی سے گھوڑے پر سوار ہو گئی۔ نوجوان جلدی جلدی اپنے ساتھیوں کو ہدایات دینے کے بعد اس کے ساتھ چل دیا۔

تھوڑی دور آگے وہ ایک تنگ گھاٹی عبور کرتے ہوئے آس پاس کی وادیوں میں نقّاروں کی صدائیں اور گھوڑوں کی ٹاپ سن رہے تھے۔

طلوع آفتاب کے ساتھ اسے ایک پہاڑی کی پشت پر پیادہ اور سوار مجاہدین کا ایک ہجوم دکھائی دے رہا تھا۔ اس کے ساتھ ہی اسے قلعے کی سمت سے خوفناک دھماکے سنائی دینے لگے۔ اس نے جلدی سے گھوڑا روکا اور مڑ کر دیکھنے لگی۔ شمال کے افق پر دھوئیں اور گرد و غبار کے بادل چھا رہے تھے۔ اس نے گھوڑے کو ایڑ لگائی اور تھوڑی دیر بعد وہ نیچے جمع ہونے والے لشکر کے درمیان اپنے چچا سے لپٹ کر ہچکیاں لے رہی تھی اور سعید ان کے قریب کھڑا بڑی مشکل سے اپنے آنسو ضبط کر رہا تھا۔

ہاشم کو اطمینان سے اس کی سرگزشت سُننے کا موقع نہ ملا۔ چند سوار جو حملہ کے ساتھ ہی قلعے کے حالات معلوم کرنے کے لیے روانہ ہو چکے تھے، گھوڑوں کو سرپٹ دوڑاتے ہوئے آ پہنچے اور انہوں نے یہ اطلاع دی کہ دشمن نے قلعہ خالی کر دیا ہے اور ہم چند دستوں کو نالے کا پل عبور کرتے ہوئے دیکھ آئے ہیں۔"

ہاشم نے لشکر کو آگے بڑھنے کا حکم دیا اور کچھ دیر بعد وہ سڑک کی دائیں جانب ایک ٹیلے کی چوٹی پہنچ کر قلعے کا منظر دیکھ رہے تھے۔

گرد و غبار کے بادل چھٹ گئے تھے اور اس کی جگہ کہیں کہیں آگ کے شعلے بلند ہو رہے تھے۔ فصیل میں جگہ جگہ شگاف پڑے ہوئے تھے اور جس جگہ دروازہ تھا وہاں ملبے کا انبار دکھائی دیتا تھا۔ بیشتر مکانوں اور کوٹھڑیوں کی طرح وہ مکان بھی پیوند زمین ہو چکا تھا جو عاتکہ کے لیے مسرّت گاہوں کا گہوارہ رہ چکا تھا۔ وہ بھاگتے ہوئے قلعے کے اندر داخل ہوئے اور تھوڑی دیر میں وہ چند سپاہی وہاں جمع ہو چکے تھے جو حملہ کے وقت اِدھر اُدھر چھپ گئے تھے۔ ان کی نشاندہی پر ملبے کے نیچے سے دبی ہوئی لاشیں نکالی جارہی تھیں۔ نصیر کی لاش کو بری طرح مسخ کیا گیا تھا۔

ہاشم اپنے بھائی کی لاش کو گاؤں لے جانا چاہتا تھا لیکن عاتکہ کا اصرار تھا کہ باقی شہیدوں کی طرح میرے والد کو بھی اسی جگہ دفن کیا جائے۔ چنانچہ ہاشم نے چند آدمیوں کو عمّارہ کی لاش لانے کے لیے روانہ کر دیا اور عصر کے وقت اسے اپنے شوہر کے پہلو میں دفن کیا جارہا تھا۔

اپنے چچا کے گھر میں اُس اجڑے ہوئے قلعے کے حسرت ناک مناظر ہر وقت اس کی نگاہوں کے سامنے رہتے اور وہ والدین کی اس آخری آرام گاہ پر ہمیشہ آنسوؤں کے موتی نچھاور کیا کرتی تھی۔

آج بھی شمال کی طرف وادیوں اور پہاڑوں میں بل کھاتی ہوئی سڑک کی طرف وہ ٹکٹکی باندھ کر دیکھ رہی تھی۔ اس کی نگاہوں کے سامنے آنسوؤں کے پردے حائل ہو رہے تھے۔ ”امّی جان!“ اس نے ہلکی ہلکی سسکیاں لیتے ہوئے اپنے دل میں کہا۔ ”آپ مجھے اس بے رحم دنیا میں کیوں تنہا چھوڑ گئی ہیں؟“ اور اس کے ساتھ ہی آنسوؤں کے دو موٹے موٹے قطرے اس کی آنکھوں سے بہتے ہوئے منڈیر پر ٹپک پڑے۔

روح آزادی

اس قلعے کی تباہی کے بعد غرناطہ کے لیے رسد و کمک کا ایک اہم راستہ بالکل غیر محفوظ ہو چکا تھا۔ سڑک پر صرف رات کے وقت رسد کے قافلے چل سکتے تھے اور ان کی حفاظت کے لیے آس پاس جگہ جگہ تیر اندازوں کی ٹولیاں لگاتار پہرہ دیتی تھیں۔ مشرق کی سمت دوسرے پہاڑی راستے نسبتاً غیر محفوظ تھے لیکن وہ اس قدر تنگ اور دشوار گزار تھے کہ وہاں سے غلّہ صرف خچروں پر لاد کر پہنچایا جا سکتا تھا۔ شمال میں ویگا کا زرخیز علاقہ دشمن کے پے در پے حملوں کے باعث بالکل تباہ ہو چکا تھا۔ ان دنوں موسیٰ بن غسان شہر سے نکل کر دشمن پر جوابی حملے کرتا۔ اس کا ہر ممکن حملہ اتنا شدید ہوتا کہ دشمن سینٹا فے اور غرناطہ کے درمیان اپنی

اگلی چوکیاں پیچھے ہٹانے پر مجبور ہو جاتا تھا اور اس سے پریشان حال قوم کی امیدیں پھر سے زندہ ہو جاتی تھیں کہ دشمن شاید چند ہفتوں یا مہینوں بعد پھر ایک بار اپنا محاصرہ اٹھانے پر مجبور ہو جائے گا۔ یہ حالات بدل جائیں گے اور اہلِ غرناطہ کے لئے رسد و کمک کی آسانیاں پیدا ہوتے ہی آلام و مصائب کا یہ دور ختم ہو جائے گا۔

عاتکہ ان لوگوں میں سے تھی جنہیں اب بھی اس بات کا یقین تھا کہ شہیدانِ ملّت کا خون کبھی رائیگاں نہیں جائے گا اور اہلِ غرناطہ آلام و مصائب کے طوفانوں سے سرخرو ہو کر نکلیں گے۔

حامد بن زہرہ دور دراز علاقوں میں جہاد کی تبلیغ کیا کرتا تھا اور کئی کئی دن گاؤں سے غیر حاضر رہتا۔

سعید ان رضاکاروں کے دستے کا رہنما تھا جو جان پر کھیل کر اہلِ غرناطہ کو رسد پہنچایا کرتے تھے۔ جب کبھی وہ ہاشم کے گھر آتا تو عاتکہ کو اہلِ غرناطہ کی ہمّت اور شجاعت کی روح پرور داستانیں سناتا۔ ایک دفعہ وہ پانچ

دن غیر حاضر رہا۔ بستی کے جو رضاکار اس کے ساتھ گئے تھے انہوں نے واپس آکر بتایا کہ جب وہ رسد لے کر غرناطہ پہنچے تو موسیٰ بن ابی غسان شہر سے باہر نکل کر دشمن پر حملہ کر چکا تھا۔ اور سعید ان کے ساتھ واپس آنے کی بجائے لڑائی میں شریک ہو گیا تھا۔

سعید پانچویں دن واپس پہنچا اور اس نے ہاشم کو یہ اطلاع دی کہ غرناطہ میں اس کے تینوں بیٹے بخیریت ہیں۔ عبید اور امین سپہ سالار کے طوفانی دستوں میں نام پیدا کر چکے ہیں۔ عمیر محفوظ فوج کے ایک دستے کا سالار مقرر ہو چکا ہے۔ اور یہ کہتا تھا کہ اگر مجھے موقع ملا تو کسی دن تھوڑی دیر کے لیے گھر آؤں گا۔

ایک رات عاتکہ اپنے کمرے میں بیٹھی ایک کتاب دیکھ رہی تھی کہ خادمہ اندر داخل ہوئی اور اس نے کہا۔ ”سعید کے ابّا جان آ گئے ہیں اور بھائی سعید بھی ان کے ساتھ ہیں۔“

حامد بن زہرہ دو ہفتوں سے غیر حاضر تھا اور عام حالات میں جب کبھی وہ

کسی سفر سے واپس آتا تو سب سے پہلے عاتکہ کے متعلق پوچھا کرتا تھا وہ جلدی سے کتاب بند کر کے اُٹھی اور بھاگتی ہوئی نیچے چلی گئی۔

تھوڑی دیر بعد وہ ایک کمرے کے نیم وا دروازے کے قریب کھڑی تھی اور اسے ہاشم اور حامد کی آوازیں سنائی دے رہی تھیں۔ ذرا دیر رک کر وہ جھجکتی ہوئی کمرے میں داخل ہوئی تو ہاشم نے اسے گھور کر دیکھا اور کہا۔ ”عاتکہ تم جاؤ ہم اس وقت ایک ضروری بات کر رہے ہیں۔“

عاتکہ واپس مُڑ کر جانے لگی تو حامد نے کہا۔ ”نہیں بیٹی! جو باتیں سعید کی موجودگی میں کی جاسکتی ہیں وہ تمہارے سامنے بھی ہو سکتی ہیں۔“

عاتکہ نے ہاشم کی طرف دیکھا اور اس کے ہاتھ کا اشارہ پا کر حامد کے قریب بیٹھ گئی۔ حامد بن زہرہ کچھ دیر سر جھکا کر سوچنے کے بعد ہاشم سے مخاطب ہوا۔ ”غرناطہ کی موجودہ صورتِ حال اتنی تشویش ناک نہیں۔ موسیٰ نے یہ ثابت کر دیا ہے کہ ہم اس گئی گزری حالت میں بھی اپنے اسلاف کی روایات کو زندہ رکھ سکتے ہیں لیکن اب موسم سرما شروع ہونے

والا ہے۔ جب بر فباری شروع ہو جائے گی تو رسد و کمک کے بچے کھچے راستے بھی بند ہو جائیں گے اور موسیٰ بن ابی غسان یہ خطرہ محسوس کرتا ہے کہ باہر سے کوئی کمک نہ پہنچی تو محاصرے کی طوالت کے ساتھ غرناطہ کے مصائب بھی بڑھتے جائیں گے۔ انہوں نے جو قاصد سمندر پار کے اسلامی ممالک کی طرف روانہ کیے تھے انہوں نے ابھی تک کوئی پیغام نہیں بھیجا۔ قیاس یہی ہے کہ انہیں سمندر عبور کرنے میں کامیاب نہیں ہوئی ممکن ہے نصرانیوں نے انہیں گرفتار کرلیا ہو۔ اب ان کی خواہش ہے کہ میں شمالی، افریقہ اور ترکی کے حکمرانوں کپاس ان کا پیغام لے کر جاؤں۔"

"آپ موسیٰ سے ملے تھے؟"

"نہیں انہوں نے مجھے خط بھیجا تھا۔"

"لیکن آپ تو دورے پر تھے خط آپ کو کہاں ملا؟"

"ان کا خط سعید لایا تھا اور میں چاہتا ہوں کہ کسی تاخیر کے بغیر روانہ ہو

جاؤں۔“

ہاشم نے سعید کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔ ”لیکن تم نے غرناطہ سے واپس آکر مجھے یہ نہیں بتایا کہ موسیٰ نے ان کے نام کوئی خط بھیجا ہے۔“

سعید نے جواب دیا۔ ”انہوں نے مجھے حکم دیا تھا کہ میں کسی سے اس کا ذکر تک نہ کروں۔“

حامد نے کہا۔ ”میں جانے سے پہلے آپ سے یہ کہنا ضروری سمجھتا تھا کہ میرے حصّے کا کام اب آپ کو کرنا پڑے گا۔“

اہلِ غرناطہ کے اندرونی انتشار ابو عبد اللہ کی نا اہلیت اور غدّاروں کی پے در پے سازشوں کے باعث جنوب کے آزاد قبائل مایوس ہو چکے ہیں۔ موسیٰ صرف اس صورت میں جنگ جاری رکھ سکتا ہے جب کہ اسے ان علاقوں سے رسد و کمک ملتی رہے۔ آپ کے لیے مقامی قبائل کو یہ سمجھانا مشکل نہیں ہو گا کہ اگر اہلِ غرناطہ ہماری طرف سے مایوس ہو گئے تو ابو عبد اللہ کے دربار میں امن پسندوں کا پلہ بھاری ہو جائے گا۔ موسیٰ نے اپنے خط

میں یہ لکھا ہے کہ اس وقت بھی بعض سر کردہ لوگ ابو عبد اللہ کو ہتھیار ڈالنے کا مشورہ دے رہے ہیں اور علما کا ایک اثر گروہ بھی ان کا ہم خیال ہو چکا ہے۔ میں اس امید پر جا رہا ہوں کہ ہمارے بھائی ہمیں مایوس نہیں ہونے دیں گے۔ وہ اندلس کی حکومت کے دعویداروں کی خانہ جنگی سے لا تعلّق رہ سکتے تھے لیکن اب فرڈنینڈ کو شکست دینا لاکھوں مسلمانوں کی بقا کا مسئلہ بن چکا ہے۔ میری غیر حاضری میں منصور کی نگہداشت آپ کے ذمّے ہو گی اور مجھے یقین ہے کہ سعید کو بھی آپ اپنا بیٹا سمجھیں گے۔ میں نے موسیٰ بن ابی غسان کا خط پڑھتے ہی جعفر کو یہ پیغام دے کر ان کی خدمت میں بھیج دیا ہے کہ میں بہت جلد روانہ ہو رہا ہوں۔"

ہاشم نے کہا۔ "میری دعائیں آپ کے ساتھ ہیں لیکن آپ کو یقین ہے کہ باہر کے مسلمان ہماری مدد کے لیے تیار ہو جائیں گے اور اہل غرناطہ ان کے انتظار میں جنگ جاری رکھ سکیں گے؟"

حامد نے جواب دیا۔ "اگر ہم اپنے آپ کو اللہ کی نصرت کا حقدار ثابت کر سکے تو ہمارے لیے مایوس ہونے کی کوئی وجہ نہیں۔ اہلِ غرناطہ کو بہر حال

اپنے ماضی کے گناہوں کا کفّارہ ادا کرنا پڑے گا۔ اب وہ ابو عبداللہ کے تخت و تاج کی حفاظت کے لیے نہیں بلکہ اپنی بقا کے لیے لڑ رہے ہیں اور وہ یہ جانتے ہیں کہ اگر انہوں نے حوصلہ ہار دیا تو اندلس میں ان کے لیے کوئی جائے پناہ نہیں ہو گی۔ ہاشم تمہیں مایوس نہیں ہونا چاہیے۔ اسلام آج بھی دنیا کی ایک بہت بڑی طاقت ہے۔" ہمارے ترک بھائیوں نے اہلِ یورپ کا غرور خاک میں ملا دیا ہے ان کی فتوحات کا سیلاب پولینڈ اور آسٹریا کی حدود تک پہنچ چکا ہے۔ ان کے ہاتھوں قسطنطنیہ میں اسلام کا پرچم نصب ہو چکا ہے۔ بحیرۂ روم میں ان کے بحری بیڑے اٹلی اور وینشیا کے ساحلوں پر آگ برسا رہے ہیں۔

مجھے یقین ہے کہ اگر انہوں نے ہمارے حال پر ذرا سی توجہ کی اور ان کے چند جہاز اندلس کے مسائل کی طرف آ نکلے تو پوری قوم میں ایک نئی زندگی آ جائے گی۔ میں یہ دعویٰ نہیں کرتا کہ ترک کتنے دنوں یا مہینوں تک ہماری مدد کے لیے پہنچیں گے لیکن یہ یقین کے ساتھ کہہ سکتا ہوں کہ اگر اہلِ غرناطہ نے فتح یا شہادت کے سوا کوئی اور راستہ قبول نہ کیا تو وہ

ضرور آئیں گے۔ صبح امید کی روشنی صرف ان قافلوں کا مقدر ہے جو مایوسی کی تاریکیوں میں عزم ویقین کے چراغ جلاتے ہیں۔

اہلِ غرناطہ کا فرض ہے کہ جب تک فتح ونصرت کے مالک کی بارگاہ میں ان کی دعائیں مستجاب نہیں ہوتیں وہ اپنی امیدوں اور حوصلوں کے ٹمٹماتے ہوئے چراغوں کے لیے خون مہیا کرتے رہیں۔ ایک مسلمان کے لیے شہادت کا راستہ ہی فتح ونصرت کا راستہ ہے۔ مجھے غرناطہ کے عوام سے کوئی خطرہ نہیں۔ انہیں غلامی کی ذلّت کے مقابلے میں عزّت کی موت کا راستہ دکھایا جا سکتا ہے۔ میں اندلس کے ساحل تک گھوم آیا ہوں اور ان بستیوں اور شہروں کے لوگوں کا حال جانتا ہوں جن کے متعلق یہ خیال کیا جاتا ہے کہ وہ نصرانیوں کی غلامی پر قانع ہو چکے ہیں۔ اور میں یہ بلا خوف تردید کہہ سکتا ہوں کہ ان کے سینوں میں آزادی کے ولولے سرد نہیں ہوئے۔ جب کسی افق سے امید کی ہلکی سی کرن دکھائی دے گی تو وہ دوبارہ اٹھ کھڑے ہوں گے۔ مجھے صرف غرناطہ کے ان اکابر سے خدشہ ہے جو اپنی وقتی تدبیروں کو صراطِ مستقیم کا نعم البدل سمجھتے ہیں۔ مجھے ان عافیت

پسندوں سے خطرہ ہے جو یہ سمجھتے ہیں کہ جب غرناطہ کا سپاہی اپنی تلوار پھینک دے گا تو فرڈنینڈ ان کے لیے امن کا پیغام لے کر آئے گا۔ ان کے گھر اور جائدادیں محفوظ رہیں گی اور وہ نصرانیوں کے پہرے میں آرام کی نیند سو سکیں گے۔

اگر کسی دن تم محسوس کرو کہ غرناطہ میں ان خود فریب مسلمانوں کا پلّہ بھاری ہو رہا ہے تو تمہیں وہاں پہنچ کر انہیں راہِ راست پر لانا چاہیے۔ غرناطہ کے حریت پسند عوام اور حق پرست علما تمہارا ساتھ دیں گے۔ اب میں تم سے اجازت چاہتا ہوں۔ ابھی تمہیں انتہائی قابلِ اعتماد لوگوں کے سوا کسی سے میری مہم کا ذکر نہ کرنا چاہیے اور عاتکہ تمہیں بھی بہت احتیاط سے کام لینا چاہیے۔"

حامد اٹھ کر کھڑا ہو گیا۔

ہاشم نے کہا۔ "آپ صبح جائیں گے؟"

"نہیں میں ابھی جا رہا ہوں۔ گھر میں میرا گھوڑا تیار کھڑا ہے۔"

”آپ کے ساتھ اور کون جائے گا؟“

”میں یہاں سے کھیلا جاؤں گا اور اگلی بستی سے کسی کو ساتھ لے لوں گا۔“

”میں آپ کو آپ کے گھر سے رخصت کروں گا۔“

وہ سارا سماں اب اس کی آنکھوں کے سامنے پھر رہا تھا جب وہ حامد بن زہرہ کو گھر کے دروازے کے باہر آنسوؤں سے بھیگی ہوئی مسکراہٹوں کے ساتھ خدا حافظ کہہ رہی تھی اور پھر اپنے کمرے میں پُر امید ہو کر غرناطہ کے اس رجلِ عظیم کی کامیابی کے لیے دعائیں مانگ رہی تھی۔

☆☆☆

حامد بن زہرہ کی روانگی کے بعد ہاشم چند ہفتے پوری تندہی سے اہلِ غرناطہ کو سامان رسد بھجوانے کی مہم میں حصّہ لیتا رہا۔ لیکن جب موسم سرما کے آغاز کے ساتھ ایک طرف بارش اور برف باری کے باعث پہاڑی راستوں پر آمد و رفت میں مشکلات پیدا ہونے لگیں اور دوسری طرف دشمن کے چھاپہ مار دستوں کے حملے شدّت اختیار کرنے لگے تو عاتکہ اس کے طرزِ

عمل میں بھی ایک غیر متوقع تبدیلی محسوس کرنے لگی تھی۔

عمیر ان ایام میں دو مرتبہ گھر آیا۔ پہلی بار اس نے دو دن قیام کیا اور اہلِ غرناطہ کی بے بسی اور بے چارگی کے جو حالات بیان کیے وہ انتہائی حوصلہ شکن تھے۔ دوسری بار وہ رات کے وقت گھر پہنچا۔ عاتکہ کو معلوم ہو چکا تھا کہ غرناطہ سے دو بااثر آدمی اس کے ساتھ آئے ہیں۔

وہ غرناطہ کے تازہ حالات سُننے کے لیے بے قرار تھی لیکن اُسے عمیر سے گفتگو کا موقع نہ ملا۔ اس نے اپنے ساتھیوں کو مہمان خان میں پہنچا کر اپنے باپ کو اطلاع دی کہ وہ ابو القاسم کی طرف سے کوئی اہم پیغام لائے ہیں۔ ہاشم ان کے ساتھ مہمان خانے میں چلا گیا۔

تھوڑی دیر بعد عمیر صحن میں نوکروں سے کہہ رہا تھا۔ ”تم جلدی سے کھانا تیار کرو اور گھوڑوں کو چارہ ڈال دو۔ زینیں اتارنے کی ضرورت نہیں۔ ہم کھانا کھاتے ہی واپس چلے جائیں گے۔ ابّا جان کا گھوڑا بھی تیار کر دو۔ وہ بھی ہمارے ساتھ چلیں گے۔“

عاتکہ کچھ دیر اضطراب کی حالت میں اپنی چچی کی طرف دیکھتی رہی۔ بالآخر اس نے کہا۔ ”چچی جان! عمیر کا چہرہ بتا رہا ہے کہ وہ کوئی اچھی خبر نہیں لایا۔ اب اگر ابو القاسم کے ایلچی راتوں رات چچا کو ساتھ لے جانا چاہتے ہیں تو اس کی وجہ اس کے سوا اور کیا ہو سکتی ہے کہ غرناطہ میں کوئی اہم واقع پیش آچکا ہے۔“

سلمٰی نے جواب دیا۔ ”بیٹی! تمہیں اس قدر پریشان نہیں ہونا چاہیے۔ تم عمیر کو جانتی ہو۔ اگر کوئی بری خبر ہوتی تو وہ اندر آتے ہی دہائی مچا دیتا۔ تم اطمینان رکھو۔ اگر کوئی اہم بات ہوئی تو تمہارے چچا مجھے بتائے بغیر غرناطہ نہیں جائیں گے۔ میں عمیر سے امین اور عبید کے متعلق بھی نہیں پوچھ سکی۔“ تھوڑی دیر بعد عاتکہ اضطراب کی حالت میں بالا خانے میں اپنے کمرے کا رُخ کر رہی تھی۔ زینے کے اندر بالائی منزل کے دروازے سے دو قدم نیچے ایک کھڑکی سکونتی مکان اور مہمان خانے کے درمیان ان کوٹھڑیوں کی چھت کی طرف کھلتی تھی جہاں ان کے دو ملازم رہتے تھے۔

عاتکہ کھڑکی کے سامنے رک گئی۔ پھر وہ جھجکتی ہوئی بند کھڑکی کی کنڈی

کھول کر کوٹھڑیوں کی چھت پر اتر گئی اور دبے پاؤں آگے بڑھی۔

کوئی تیس قدم آگے اس چھت کا ایک کنارا مہمان خانے کی عقبی دیوار سے جاملتا تھا لیکن مہمان خانے سے کشادہ کمروں کی چھت اس چھت سے کوئی ڈیڑھ گز اونچی تھی۔ اور چھت سے ذرا نیچے دو چھوٹے چھوٹے روشن دان تھے۔ ایک روشن دان کھلا تھا اور وہاں سے کمرے کی دھیمی دھیمی روشنی دکھائی دے رہی تھی۔ عاتکہ نے گھٹنوں کے بل ہو کر اندر جھانکنے کی کوشش کی لیکن دیوار اتنی چوڑی تھی کہ اس کی نگاہیں نیچے نہ جاسکیں۔ صرف آوازیں سن سکتی تھی۔

کوئی کہہ رہا تھا ”دیکھیے اگر یہ معاملہ اس قدر اہم نہ ہوتا تو وزیر اعظم ابو القاسم آپ کو رات کے وقت سفر کرنے کی تکلیف نہ دیتے۔ وہ اپنے خط میں ساری تفصیلات بیان نہیں کر سکے۔ تاہم آپ حالات کی نزاکت کا تھوڑا بہت اندازہ ضرور لگا سکتے ہیں۔ ہمارے لیے غرناطہ کو تباہی سے بچانے کا یہ آخری موقع ہے اور اگر ہم نے موقع کھو دیا تو ہماری آئندہ کی نسلیں ہمیں معاف نہیں کریں گی۔“

ہاشم کی آواز آئی۔ ”میں نے ابو القاسم کے حکم کی تعمیل سے انکار نہیں کیا۔ میں غرناطہ چلنے کے لیے تیار ہوں لیکن اگر ابو القاسم یہ چاہتے ہیں کہ میں اس علاقے کے تمام قبائل کی طرف سے کوئی ذمہ داری قبول کروں تو مجھے پہلے ان قبائل کے اکابرین سے مشورہ کرنا پڑے گا۔“

دوسری آواز آئی۔ ”جناب ابو القاسم نے آپ کو اس لیے نہیں بلایا کہ وہ آپ کو کوئی ایسی ذمہ داری سونپنا چاہتے ہیں جسے آپ کو پورا نہ کر سکیں۔ وہ صرف قوم کے اکابرین سے مشورہ لینا چاہتے ہیں۔ اگر وہ آپ کو قائل نہ کر سکے تو ممکن ہے کہ آپ انہیں قائل کر سکیں۔ آپ کو بلایا ہی اسی لیے ہے کہ وہ آپ کی رائے کو بہت اہمیت دیتے ہیں۔“

ہاشم نے کہا۔ ”بہت اچھا میں تیار ہوں۔“

عمیر نے کہا۔ ”ابّا جان! مجھے یقین تھا کہ آپ انکار نہیں کریں گے۔ اسی لیے میں نے آتے ہی آپ کا گھوڑا تیار کرنے کا کہہ دیا تھا۔“

ہاشم نے کہا۔ ”تم جا کر اپنی ماں کو تسلّی دو۔ تمہارے بھائی خیریت سے

ہیں۔"

کمرے میں قدموں کی آہٹ سنائی دی اور عاتکہ جلدی سے اٹھ کر اپنے کمرے کی طرف چل پڑی۔ اس کے دل کا بوجھ قدرے کم ہو چکا تھا اور وہ اپنے دل کو تسلّی دینے کی کوشش کر رہی تھی کہ وزیر ابو القاسم دشمن پر فیصلہ کن حملہ کرنے سے پہلے قوم کے اکابرین سے مشورہ کرنا چاہتا ہے۔ لیکن اس بات سے اسے الجھن محسوس ہوتی تھی کہ موسیٰ بن ابی غسان کے ہوتے ہوئے یہ پیغام وزیر کی طرف سے کیوں آیا ہے اور اس کے چچا کے تذبذب کی کیا وجہ تھی!

☆☆☆

ہاشم کو غرناطہ گئے دس دن ہو چکے تھے اور گاؤں میں کسی کو معلوم نہ تھا کہ وہاں کیا ہو رہا ہے۔ اسی دوران سعید بھی گاؤں سے غیر حاضر رہا۔ منصور ہر روز عاتکہ کے گھر آتا تھا لیکن سعید کے متعلق وہ بھی کوئی تسلّی بخش اطلاع نہ دے سکا۔ ایک دن عاتکہ نے زبیدہ کو بلا کر تاکید کی کہ تم سعید

کے واپس آتے ہی ہمارے ہاں بھیج دینا۔

دو دن بعد وہ صبح کی نماز سے فارغ ہوئی تھی کہ منصور بھاگتا ہوا اس کے کمرے میں داخل ہوا اور اس نے کہا:

”ماموں جان آگئے ہیں۔“

”کہاں ہیں وہ؟“

”مسجد میں لوگوں سے باتیں کر رہے ہیں۔ ابھی یہاں پہنچ جائیں گے۔ رات کے وقت گھر پہنچے تھے۔“

عاتکہ تیزی سے منصور کے ساتھ نیچے اُتری۔ اس نے بر آمدے سے اپنی چچی کے کمرے میں جھانک کر دیکھا۔ وہ قرآن مجید کی تلاوت کر رہی تھیں۔ اس نے جلدی سے صحن عبور کیا اور پہاڑی کے قریب رُک کر سعید کا انتظار کرنے لگی۔

تھوڑی دیر بعد سعید کی جھلک دکھائی دی۔ عاتکہ چند قدم بائیں طرف ہٹ

کر کھڑی ہو گئی۔ سعید نے اس نے قریب پہنچ کر کہا:

"مجھے رات آتے ہیں تمہارا پیغام مل گیا تھا لیکن بہت دیر ہو گئی ہے۔ تم بہت پریشان ہو۔ ہوا کیا ہے؟"

عاتکہ نے پوچھا۔ "تم غرناطہ گئے تھے؟"

"نہیں! مجھے وہاں جانے کا موقع نہیں ملا۔ میں پچھلے دنوں الفجارہ میں مصروف رہا ہوں۔ مجھے وہاں رضا کار بھرتی کرنے کا کام سونپا گیا تھا۔"

عاتکہ نے کہا۔ "تمہیں کچھ معلوم ہے کہ غرناطہ میں کوئی اہم فیصلہ ہو رہا ہے؟"

سعید نے جواب دیا۔ "میں صرف اتنا جانتا ہوں کہ موسیٰ بن ابی غسان بہت جلد شہر سے نکل کر دشمن پر حملہ کریں گے اور ساتھ ہی سمندر کے ساحل تک مفتوح علاقوں کے عوام دشمن پر ٹوٹ پڑیں گے۔ غرناطہ کے حالات ایسے نازک ہیں کہ ہم زیادہ دیر تک اکا دکا جھڑپوں پر اکتفا نہیں کر سکتے۔"

"تم نے ایک دن کہا تھا کہ ابو عبد اللہ اور ان کا وزیر ابو القاسم اس جنگ کے نتائج کے متعلق زیادہ پر امید نہیں۔ اگر ان کا بس چلا تو وہ جنگ جاری رکھنا پسند نہیں کریں گے۔"

"ہاں! غرناطہ کے عوام یہی محسوس کرتے ہیں لیکن موسیٰ بن ابی غسان کی موجودگی میں ان کا بس نہیں چلے گا۔" تمہیں معلوم ہے کہ چچا ہاشم گزشتہ دس دن سے غرناطہ میں ہیں؟"

"ہاں میں نے گھر پہنچتے ہی یہ بات سنی تھی۔"

"لیکن تمہیں یہ معلوم نہیں کہ وہ ابو القاسم کی دعوت پر وہاں گئے ہیں۔ اس کی طرف سے دو آدمی یہ پیغام لے کر آئے تھے کہ وزیر اعظم نے آپ کو ایک اہم مشورے کے لیے بلایا ہے۔ عمیر ان کے ساتھ تھا۔"

"لیکن اس میں پریشانی کی کون سی بات ہے! ہمیں معلوم ہے کہ تمہارے چچا کے خیالات سپہ سالار کے خیالات سے مختلف نہیں اور وہ ابو القاسم کو کوئی غلط مشورہ نہیں دے سکتے۔"

عاتکہ نے کہا۔ ”اگر حملے کے متعلق کوئی بات ہوتی تو چچا جان کو ابو القاسم کی بجائے موسیٰ کی طرف سے پیغام آنا چاہیے تھا۔ میں یہ خطرہ محسوس کر رہی ہوں کہ کہیں ابو القاسم نے موسیٰ کا اثر کم کرنے کے لیے قوم کے بارہ بااثر افراد کو اپنا خیال بنانے کی مہم نہ شروع کر دی ہو۔“

سعید نے جواب دیا۔ ”موجودہ حالات میں ہمیں ایسی بات سوچنی نہیں چاہیے۔ اگر ابو القاسم کے دل میں ایسا خیال آیا بھی تو وہ تمہارے چچا کو راز دار بنانے کی حماقت نہیں کرے گا۔ اگر اس نے چچا ہاشم سے مشورہ کرنے کی کوئی ضرورت محسوس کی ہے تو اس کی ایک ہی وجہ ہو سکتی ہے اور وہ یہ کہ حالات نے اس کو موسیٰ کے ذہن سے سوچنے پر مجبور کر دیا ہے اور وہ دشمن سے آخری معرکے کے لیے قوم کے فعال عناصر کا تعاون حاصل کرنا چاہتا ہے۔ ورنہ تمہارے چچا جان کے متعلق اسے یہ غلط فہمی تک نہیں ہو سکتی کہ وہ صلح کی کسی بھی تجویز پر بات کرنا پسند کریں گے۔“

عاتکہ نے پر امید ہو کر کہا۔ ”اگر تم یہاں ہوتے تو مجھے اس قدر پریشانی نہ ہوتی۔ میرے دل میں طرح طرح کے وسوسے سر اٹھا رہے تھے۔ میں یہ

سوچا کرتی تھی کہ شاید فوج کا ایک عنصر اس طویل جنگ سے دل برداشتہ ہو کر صلح کا حامی بن چکا ہے اور وہ موسیٰ کو اپنے راستے سے ہٹانے کے لیے کوئی گہری سازش کر رہا ہے۔"

سعید مسکرا دیا۔ "وہم کا تو کوئی علاج نہیں۔ تمہارے اطمینان کے لیے کیا یہ بات کافی نہیں کہ تمہارے چچا جان غرناطہ میں موجود ہیں؟"

عاتکہ نے جواب دیا۔ "میں چچا ہاشم پر شک نہیں کرتی لیکن گزشتہ چند ہفتوں سے ان کے طرزِ عمل میں کافی تبدیلی آ چکی ہے۔ جہاد کی تبلیغ کے متعلق ان کا ولولہ سرد پڑ چکا ہے اور جنگ کی بجائے اب وہ اپنے بیٹوں کے متعلق سوچتے رہتے ہیں۔"

"عاتکہ ہر باپ اپنی اولاد سے متعلق سوچتا ہے۔"

"پہلے تو یہ حالت ہوتی تھی اگر کوئی ذرا سی مایوسی کا اظہار کرتا تھا تو وہ اس پر برس پڑتے تھے۔ عمیر سے وہ اس لیے ناراض رہا کرتے تھے کہ وہ دشمن کی قوّت سے مرعوب تھا۔ لیکن اب عمیر ان کے سامنے موسیٰ پر بھی نکتہ

چینی کرتا ہے تو وہ خاموش ہو جاتے ہیں۔"

سعید نے جواب دیا۔ "وہ یہ جانتے ہیں کہ عمیر بے وقوف ہے۔"

"کیا یہ حیرت کی بات نہیں کہ ابو القاسم کے ایلچی عمیر کے ساتھ آئے تھے؟"

"عاتکہ تم بلا وجہ پریشان ہو رہی ہو۔ تم یہ کیوں نہیں سوچتیں کہ غرناطہ سے آنے والے ایلچیوں نے آخر کسی رہنما کی ضرورت محسوس کی ہو گی اور تمہارا عم زاد اتنا بے وقوف آدمی نہیں کہ وہ انہیں اپنے گھر کا راستہ بھی نہ دکھا سکتا۔"

عاتکہ ہنس پڑی۔ اس کے دل سے وسوسے کا رہا سہا بوجھ اتر چکا تھا۔

سعید نے کہا۔ "چلو میں چچی جان کو سلام کرنا چاہتا ہوں۔"

اگلے روز ہاشم غرناطہ سے واپس آ گیا۔ سعید اس کی آمد کی اطلاع ملتے ہی

اس کے گھر گیا۔ ہاشم بستر پر لیٹا ہوا تھا۔ سلمیٰ اور عاتکہ اس کے قریب بیٹھی ہوئی تھیں۔ عاتکہ سعید کے لیے اپنی کرسی خالی کر کے پیچھے ہٹ گئی اور سعید نے بیٹھتے ہی دریافت کیا۔ ”مجھے ابھی منصور نے اطلاع دی تھی کہ آپ غرناطہ سے لوٹ آئے ہیں اور میں اسی وقت اٹھ کر چلا آیا۔ کہیے آپ کب پہنچے؟“

”مجھے زیادہ نہیں ہوئی۔“ ہاشم نے تھکی ہوئی آواز میں جواب دیا۔

”آپ کی طبیعت کیسی ہے؟“

”میں بہت تھک گیا ہوں۔ غرناطہ میں مجھے آرام کا موقع نہیں ملا۔“

”آپ نے بہت دن لگا دیے۔ چچی جان آپ کے متعلق بہت پریشان تھیں۔“

”میرا خیال تھا کہ میں ایک دو دن ٹھہر کر واپس آجاؤں گا لیکن۔۔۔ مجھے رکنا پڑا۔“

"چچی جان کہتی ہیں کہ وہاں سے دو آدمی کوئی پیغام لے کر آئے تھے۔۔۔ اچانک روانہ ہوگئے تھے۔"

ہاشم نے گھور کر سلمیٰ کی طرف دیکھا اور پھر سعید کی طرف متوجہ ہو کر کہا۔ "مجھے ابو القاسم نے بلایا تھا۔ غرناطہ میں خوراک کے قحط نے انتہائی خطرناک صورت اختیار کر لی ہے۔ اگر دشمن نے موسمِ سرما کے اختتام تک محاصرہ جاری رکھا تو ہزاروں آدمی بھوک سے ہلاک ہو جائیں گے اور عوام کی طرح لشکر میں بھی بددلی پھیل جائے گی۔"

"موسیٰ بن ابی غسان کو اصرار ہے کہ ہمیں کسی تاخیر کے بغیر پوری فوج کے ساتھ شہر سے باہر نکل کر دشمن پر بھرپور ضرب لگانی چاہیے لیکن غرناطہ کے اکابرین کا ایک بااثر گروہ اس تجویز کا مخالف ہے۔"

"آپ کو وزیر اعظم نے بلایا تھا۔ کیا وہ بھی موسیٰ کی تجاویز کے مخالف ہیں؟"

"نہیں! وہ تو صرف یہ چاہتے ہیں کہ غرناطہ سے نکل کر فیصلہ کن جنگ سے

قبل دشمن کے خلاف اور کئی محاذ کھول دیے جائیں تاکہ اس کی طاقت بٹ جائے۔ مجھ سے وہ یہ پوچھنا چاہتے تھے کوہستانی علاقوں کے قبائل اہلِ غرناطہ کا بوجھ ہلکا کرنے کے لیے کسی حد تک ان سے تعاون کریں گے۔"

"میں نے انہیں یہ جواب دیا تھا کہ میں اپنے قبیلے یا اپنے اس کے چند قبائل کی ذمہ داری تو لے سکتا ہوں لیکن دوسرے علاقوں کے قبائل کو میدان میں لانے کے لیے ان کے سرداروں کو اعتماد میں لینا نہایت ضروری ہے۔ اب حکومت کے ایلچی ان کی طرف روانہ ہو چکے ہیں۔"

"قبائل نے ہمیں کبھی مایوس نہیں کیا اور اب اہلِ غرناطہ کو جو تھوڑی رسد مل رہی ہے وہ بیشتر انہی کے ایثار و خلوص کا نتیجہ ہے۔ موسیٰ بن ابی غسان سے ملاقات ہوئی تھی؟"

"ہاں! انہوں نے مجھ سے کہا تھا کہ غرناطہ کے امن پسندوں کو ہتھیار ڈالنے کے خطرات سے آگاہ کروں۔ وجہ تھی کہ میں جلد واپس نہ آسکا۔"

سعید نے کچھ دیر سوچنے کے بعد کہا۔ "اگر آپ برا نہ مانیں تو میں بڑے

ادب سے یہ پوچھنا چاہتا ہوں کہ سلطان ابو عبد اللہ اور ابو القاسم موسیٰ بن ابی غسان سے بالا بالا کوئی خطرناک فیصلہ تو نہ کر بیٹھیں گے؟"

ہاشم نے جواب دیا۔ "ان کے متعلق میں ایسی بات سوچ بھی نہیں سکتا لیکن مجھے یہ خدشہ ضرور ہے کہ اگر ہمیں بیرونی ممالک سے کوئی مؤثر امداد نہ ملی تو غرناطہ میں صلح پسند عناصر کا پلہ بھاری ہو جائے گا۔ ابھی تک ہمیں تمہارے ابّا جان کی طرف سے بھی کوئی پیغام نہیں ملا۔ خدا جانے وہ کہاں ہیں!"

"موسیٰ نے مجھے دیکھتے ہی ان کے متعلق پوچھا تھا اور میں اس سے زیادہ کوئی جواب نہ دے سکا تھا کہ اگر وہ زندہ ہیں تو انشاء اللہ بہت جلد واپس آئیں گے۔ سعید بیٹا! ان کی کامیابی کے لیے دُعا کرو۔ اگر وہ تُرکوں سے چند جنگی جہاز اپنے ساتھ لانے میں کامیاب ہو گئے تو اہلِ غرناطہ میں زندگی کی نئی لہر دوڑ جائے گی اور پھر تم دیکھو گے کہ اندلس کے ہر مسلمان کا گھر ایک مضبوط قلعے میں تبدیل ہو چکا ہو گا۔ میں اپنی ہمّت اور استعداد کے مطابق پوری کوشش کر چکا ہوں کہ قوم ان کی آمد تک دشمن کے خلاف

سینہ سپر رہے لیکن قوم کی رگوں میں اب وافر خون نہیں رہا۔"

سعید نے کہا۔ "آپ کو بد دل نہیں ہونا چاہیے۔ مجھے یقین ہے کہ ابّا جان جلد واپس آئیں گے اور اہلِ غرناطہ ان کی واپسی تک جنگ جاری رکھ سکیں گے۔"

"خدا کرے تمہاری توقعات درست ثابت ہوں لیکن میری یہ حالت ہے کہ جب مجھے قوم کے مستقبل کا خیال آتا ہے تو میرا دم گھٹنے لگتا ہے۔"

ہاشم نے یہ کہہ کر کرب کی حالت میں آنکھیں بند کر لیں۔

تھوڑی دیر بعد سعید کمرے سے باہر نکلا تو عاتکہ صحن میں پہنچ کر اس کا انتظار کر رہی تھی۔ سعید نے اس کے قریب رکتے ہوئے کہا۔ "عاتکہ سچ کہو اب بھی تم اپنے چچا کے متعلق کوئی بے اطمینانی محسوس کر رہی ہو؟"

"نہیں! اب مجھے ان کے متعلق کوئی بے اطمینانی نہیں۔ میں صرف عمیر کی وجہ سے پریشان تھی۔"

سعید نے کہا۔ "مجھے ان کی گفتگو سے محسوس ہوتا تھا کہ وہ غرناطہ کے حالات سے مطمئن نہیں ہیں۔ اس لیے میرا ارادہ ہے کہ میں وہاں ہو آؤں۔ آج شام تک پچاس رضاکار جو جنوب سے غلّہ لا رہے ہیں یہاں پہنچ جائیں گے۔ میں ان میں شامل ہو جاؤں گا اور انشاء اللہ وہاں پہنچتے ہی تازہ حالات سے آگاہ کروں گا۔"

"مگر اب غرناطہ کا کوئی راستہ محفوظ نہیں رہا۔"

"مجھے معلوم ہے لیکن گزشتہ ہفتوں میں دشمن کے چھاپہ مار دستے بہت نقصان اُٹھا چکے ہیں۔ اب وہ رات کے وقت پہاڑی علاقوں میں قدم رکھتے ہوئے یہ خطرہ محسوس کرتے ہیں کہ وہاں ایک ایک جھاڑی کے اندر اور ہر پتھر کی اوٹ میں ہمارے آدمی چھپے ہوئے ہیں اور وہ کسی موڑ کے قریب پہنچتے ہی ان کے نیزوں کی زد میں آ جائیں گے۔ غرناطہ کی سڑک کے آخری چند میل ہمارے لیے زیادہ غیر محفوظ تھے لیکن اب ہم نے یہ راستہ ترک کر دیا ہے اور رسد کا سامان چھکڑوں کی بجائے خچروں پر لاد کر ان تنگ اور دشوار گزار راستوں سے لایا جا سکتا ہے جہاں دشمن کی کوئی

رکاوٹ نہیں ڈال سکتا۔ ہماری فوج کو معلوم ہوتا ہے کہ رسد کا قافلہ کس راستے سے آ رہا ہے اور کس وقت پہنچے گا۔ اس لیے شہر کے آس پاس اگر دشمن کے حملے کا احتمال بھی ہو تو قافلے کی حفاظت کے لیے محافظ سپاہی بھی دیے جاتے ہیں۔"

عاتکہ بولی۔ "میں غرناطہ کے متعلق بہت پریشان ہوں۔ آپ جلد واپس آنے کی کوشش کریں۔"

☆☆☆

عاتکہ کا خیال تھا کہ غرناطہ کے مخدوش حالات ہاشم کو چین سے بیٹھنے کی اجازت نہیں دیں گے اور وہ ایک نئے ولولے اور تازہ جوش و خروش کے ساتھ پہاڑی قبائل میں جہاد کی تبلیغ شروع کر دے گا۔ لیکن ہاشم کی اب یہ حالت تھی کہ جہاد کی تبلیغ تو درکنار وہ تو گھر سے باہر نکلنا بھی پسند نہیں کرتا تھا۔

غرناطہ کے متعلق طرح طرح کی افواہوں سے پریشان ہو کر آس پاس کی

بستیوں کے لوگ اس سے ملنے آتے تھے۔ اس کے پاس ان کے تمام سوالات کا ایک ہی جواب ہوتا تھا۔ ”غرناطہ کو اب بوڑھے آدمیوں کے الفاظ کے بجائے نوجوانوں کے خون کی ضرورت ہے۔ اگر تم مزید خون دے سکتے ہو تو یہاں باتیں کرنے کی بجائے وہاں جاؤ ورنہ یہ دُعا کرو کہ باہر سے کوئی تمہاری مدد کے لیے پہنچ جائے۔ میں غرناطہ کے اکابر سے مل چکا ہوں۔ اب یہ بات ان سے پوشیدہ نہیں رہی کہ حامد بن زہرہ اسلامی ممالک کے حکمرانوں کی اعانت حاصل کرنے کے لیے جا چکا ہے۔ مجھے یقین ہے کہ وہ اس کے کامیاب واپس آنے کی امید پر آخری دم تک لڑتے رہیں گے۔ لیکن رسد کی کمی کے باعث غرناطہ کے حالات بہت نازک ہو چکے ہیں۔ اس لیے تمہیں دعا کرنی چاہیے کہ حامد بن زہرہ جلد واپس آ جائے اور غرناطہ کے اکابرین مایوسی کی حالت میں کوئی ایسی غلطی نہ کر بیٹھیں جو ہماری تباہی کا باعث ہو۔“

ہاشم کی بیوی اس کے متعلق بہت پریشان تھی اور وہ عاتکہ سے کہا کرتی تھی۔ ”بیٹی اپنے چچا کے لیے دُعا کرو۔ وہ حوصلہ ہارنے والوں میں سے

نہیں تھے لیکن اب کوئی غم انہیں اندر ہی اندر کھائے جا رہا ہے۔ وہ رات بھر کروٹیں بدلتے رہتے ہیں اور کبھی کبھی بے چینی کی حالت میں اُٹھ کر ٹہلنا شروع کر دیتے ہیں۔"

عاتکہ نے اسے تسلّی دی۔ "چچی جان! ان دنوں قوم کا ہر بہی خواہ مُضطرب ہے۔ چچا جان کو غرناطہ میں قیام کے دوران ایسے لوگوں کی باتوں سے صدمہ پہنچا ہے جو اپنی آزادی کی قیمت پر امن چاہتے ہیں۔ ان کی بے چینی کی وجہ بھی یہی ہے کہ ابھی تک سعید کے ابّا جان نے کوئی اطلاع نہیں بھیجی۔ لیکن مجھے یقین ہے کہ جب وہ کوئی امید افزا پیغام لے کر آئیں گے تو ان کے حوصلے پھر زندہ ہو جائیں گے۔"

☆☆☆

سعید کو غرناطہ گئے ایک ہفتہ گزر چکا تھا لیکن اس نے بھی وہاں کے بارے میں کوئی اطلاع نہیں بھیجی تھی۔

پھر ایک دن غرناطہ کے سپہ سالار موسیٰ بن ابی غسان کے متعلق مختلف

خبریں مشہور ہوئیں۔

ایک اطلاع تھی کہ وہ انتہائی مایوسی کی حالت میں ابو عبد اللہ کے دربار سے نکلے تھے۔ پھر کچھ دیر بعد انہوں نے تنہا شہر سے نکل کر حملہ کر دیا تھا اور دشمن کی صفیں چیرتے ہوئے روپوش ہو گئے تھے۔ ایک خبر یہ تھی کہ وہ دشمن سے دو دو ہاتھ کرتے اور اس کے کئی آدمیوں کو موت کے گھاٹ اتارتے ہوئے دریا کے کنارے پہنچ گئے تھے۔ جہاں زخموں سے چور ہونے کے بعد انہوں نے گھوڑے سمیت دریا میں چھلانگ لگا دی تھی اور پھر اسلحہ کے بوجھ کی وجہ سے ان کی لاش اوپر نہ آ سکی۔

اور بعض لوگ یہ بھی کہہ رہے تھے کہ دشمن سے لڑنے بھڑتے پہاڑوں میں پہنچ گئے ہیں۔ وہاں سے جنگجو قبائل کی فوج تیار کرنے کے بعد واپس آ جائیں گے۔

لیکن اگلے روز گاؤں میں اس خبر سے کہرام مچ گیا کہ سلطان ابو عبد اللہ نے عارضی صلح کے لیے دشمن کی سب شرائط مان لیں ہیں۔

اس المناک حادثے کے تین دن بعد سہ پہر کے وقت سعید گھوڑا دوڑاتا ہوں سیدھا ہاشم کے گھر پہنچا۔ وہ بر آمدے کے سامنے دھوپ میں لیٹا ہوا تھا۔ سلمٰی اس کے قریب بیٹھی ہوئی تھی۔

سعید گھوڑے سے اتر کر آگے بڑھا۔ ہاشم اُٹھ کر بیٹھ گیا۔ وہ چند ثانیے خاموشی سے ایک دوسرے کی طرف دیکھتے رہے۔ پھر سعید کی آنکھوں سے آنسو ٹپک پڑے اور ہاشم نے بے بسی کی حالت میں سر جھکا لیا۔

سلمٰی نے کہا۔ "بیٹھ جاؤ بیٹا!"

وہ ہاشم کے قریب بیٹھ گیا۔

خالدہ سلمٰی کی پانچ سالہ یتیم بھانجی بر آمدے میں کھڑی عاتکہ کو آوازیں دے رہی تھی۔ "آپا جان! وہ آگئے ہیں۔ منصور کے ماموں جان آگئے ہیں۔"

عاتکہ ایک کمرے سے نکلتی ہوئی نظر آئی۔ وہ آہستہ آہستہ قدم اٹھاتی ہوئی آگے بڑھی اور ان کے قریب پہنچ کر رُک گئی۔ اس کے چہرے پر

زردی چھائی ہوئی تھی اور شدّت گریہ کے باعث آنکھیں سوجھی ہوئی تھیں۔

سلمٰی نے ہاتھ سے اشارہ کیا اور وہ آگے بڑھ کر اس کے قریب بیٹھ گئی۔ کچھ دیر وہ خاموشی سے ایک دوسرے کی طرف دیکھتے رہے۔ بالآخر سلمٰی نے ڈوبتی ہوئی آواز میں پوچھا۔ ”سعید اب کیا ہو گا؟“ ”چچی جان!“ اس نے جواب دیا۔ ”مجھے ایسا محسوس ہوتا ہے کہ قوم کی روح آزادی سلب کر لی گئی ہے اور اب ہم اپنے مستقبل کے متعلق ہر سوال کا جواب دشمن کے چہرے کے اتار چڑھاؤ میں تلاش کیا کریں گے۔“

سلمٰی نے پوچھا۔ ”تمہیں یقین ہے کہ موسیٰ بن ابی غسان شہید ہو چکے ہیں؟“

”ہاں! دشمن نے ان کا خالی گھوڑا بھیج دیا تھا۔ اسے گلیوں اور بازاروں میں پھرایا جا چکا ہے۔ اہل شہر پر خوف وہراس مسلط ہے اور حکومت کے عہدہ دار عوام کو یہ تسلّی دے رہے ہیں کہ سلطان نے صرف ستر دن کے لیے

جنگ بند رکھنے کا معاہدہ کیا ہے۔ اس عرصہ میں اگر ہمیں باہر سے امداد مل گئی تو اہلِ غرناطہ دوبارہ جنگ شروع کرنے کے لیے آزاد ہوں گے۔“

ہاشم نے کہا۔ ”اگر موسیٰ بن ابی غسان کو ستّر دن کے بعد دوبارہ جنگ شروع کرنے کی اُمّید ہوتی تو وہ اتنے بد دل نہ ہوتے۔ فرڈنینڈ بے وقوف نہیں ہے۔ وہ یہ جانتا ہے کہ امن کے ستّر دن گزارنے کے بعد اہلِ غرناطہ دوبارہ تلوار اٹھانے کے قابل نہیں رہیں گے؟“

سعید نے جھجکتے ہوئے ہاشم سے سوال کیا۔ ”آپ کو معلوم تھا کہ سلطان ابوعبداللہ اور وزیر ابوالقاسم ہتھیار ڈالنے کا فیصلہ کر چکے ہیں؟“

”نہیں۔ میں صرف اتنا جانتا تھا کہ ابوعبداللہ کی قوّت فیصلہ مفلوج ہو چکی ہے اور ابوالقاسم کے ہاتھ اتنے مضبوط نہیں کہ وہ اپنی مرضی سے جنگ جاری رکھ سکے۔ اس لیے ابوعبداللہ کے دربار میں صلح پسندوں کا پلڑا بھاری ہو گیا اور اس نے ان کی باتوں میں آکر کوئی غلط فیصلہ کر لیا تو وہ ایک وزیر کی حدودِ اختیار سے باہر نکل کر مخالفت نہیں کرے گا۔“

"جب میں اس سے ملا تھا تو وہ بہت مایوس تھا اور اس نے مجھے بتایا تھا کہ موسیٰ بن ابی غسان کی عزیمت اور مردانگی کے باوجود ہم اس تلخ حقیقت سے آنکھیں بند نہیں کر سکتے ہیں کہ غرناطہ کے صلح پسند امرا اور امرا کی فوج کے بعض عہدیدار بھی اس جنگ کے نتائج سے مایوس ہو چکے ہیں۔ اور مجھے اندیشہ ہے کہ کسی دن ابو عبداللہ یہ حکم نہ دے کہ ہمیں ہر قیمت پر صلح کر لینی چاہیے۔"

سعید نے کہا۔ "لیکن غرناطہ میں تو اس قسم کی افواہیں پھیلی ہوئی ہیں کہ غرناطہ کے امن پسندوں کو ابو القاسم کی سرپرستی حاصل تھی اور موسیٰ سے اس کے اختلافات بہت بڑھ گئے تھے۔"

ہاشم نے جواب دیا۔ "نہیں ابھی عوام کو اندرونی حالات کا علم نہیں۔ بات دراصل یہ تھی کہ موسیٰ کسی تاخیر کے بغیر پوری فوج کے ساتھ شہر سے باہر نکل کر فیصلہ کن حملہ کرنا چاہتے تھے اور انہیں یقین تھا کہ موجودہ حالات کے پیشِ نظر غرناطہ کا کوئی سنجیدہ آدمی ان کی تجویز کی مخالفت نہیں کرے گا۔ چنانچہ انہوں نے ابو عبداللہ کو یہ مشورہ دیا کہ فوراً شہر کے

اکابرین کو جمع ہونے کی دعوت دیں۔ تاکہ فیصلہ کن جنگ کے لیے ان کی تائید و حمایت حاصل کی جا سکے۔ لیکن ابو القاسم کو یہ خدشہ تھا کہ امن پسند امرا اور علما کا ایک با اثر گروہ اس تجویز کی مخالفت کرے گا۔

ابو القاسم نے موسیٰ کو یہ سمجھانے کی کوشش کی تھی کہ اگر آپ کی تجویز بھرے دربار میں ٹھکرا دی گئی تو عوام پر بہت برا اثر پڑے گا۔ اس لیے آپ کو یہ معاملہ کھلے دربار میں پیش کرنے کی بجائے یہ اطمینان کر لینا چاہیے کہ وہاں آپ کے ہم خیال لوگوں کا پلہ بھاری ہو گا اور یہ اسی صورت میں ممکن ہے کہ آپ شکست خوردہ ذہن کے لوگوں کو یہ امید دلائیں کہ جب اہلِ غرناطہ میدان میں نکلیں گے تو وہ تنہا نہیں ہوں گے۔ ان کی جنگ پورے اندلس میں پھیل جائے گی اور پھر بیرونی ممالک بھی ان کی پشت پر ہوں گے۔ جب تک ایسی صورت پیدا نہیں ہوتی اہلِ غرناطہ کو اپنے حصار سے باہر نہیں نکلنا چاہیے۔ لیکن موسیٰ کو غرناطہ کے اکابرین کے متعلق غلط فہمی تھی کہ وہ خودکُشی کا فیصلہ نہیں کریں گے۔ میں غرناطہ سے واپس آیا تو تم بار بار یہ پوچھتے تھے کہ اس قدر مغموم کیوں

ہوں اور میں تمہیں ٹالنے کی کوشش کرتا تھا۔ لیکن آج میں تمہیں بتا سکتا ہوں۔ مجھے اس بات کا خدشہ تھا کہ اگر یہ معاملہ کھلے دربار میں زیرِ بحث آیا تو غرناطہ کے اکابرین کی اکثریت ابو موسیٰ کا ساتھ نہ دیتی۔

میں یہ نہیں کہوں گا کہ موسیٰ جلد بازی سے کام لے رہے تھے۔ غرناطہ کے حالات نے انہیں مجبور کر دیا تھا کہ وہ جلد کوئی قدم اٹھائیں۔ لیکن ان کی حقیقت پسندی اور ان کے عزم و خلوص کا احترام کرتے ہوئے بھی مجھے یہ ڈر محسوس ہوتا تھا کہ اب اہلِ غرناطہ اس عظیم انسان کے حوصلوں کا ساتھ نہیں دیں گے۔

ابو القاسم کو کوسنے سے کوئی فائدہ نہیں۔ وہ ایک ایسے حکمران کا وزیر ہے جو اہلِ غرناطہ پر ایک عذاب کی صورت میں نازل ہوا ہے۔ اب اس کی آخری کوشش یہی ہو گی کہ جنگ بندی کے عرصہ میں دشمن سے زیادہ سے زیادہ مراعات حاصل کی جائیں۔ اس کے بعد اگر غلامی ہمارا مقدر نہیں بن چکی تو ممکن ہے کوئی اللہ کا بندہ ہماری مدد کو پہنچ جائے۔ لیکن اس وقت ہمیں جوش کے بجائے ہوش سے کام لینے کی ضرورت ہے۔

اب اہلِ غرناطہ کا فیصلہ تبدیل کرنا ہمارے اختیار میں نہیں اور جب تک کوئی امید افزا صورت پیدا نہیں ہوتی ہمیں کوئی ایسی بات نہیں کرنی چاہیے کہ دشمن کو اس علاقے پر چڑھ دوڑنے کا بہانہ مل جائے۔ تم حامد بن زہرہ کے بیٹے ہو۔ اب تمہیں بہت زیادہ محتاط رہنے کی ضرورت ہے۔ اب تمہاری حفاظت میری سب سے بڑی ذمہ داری ہے اور میں تم سے وعدہ لینا چاہتا ہوں کہ تم جنگ بندی کے اس زمانے میں غیر محتاط لوگوں سے الگ تھلگ رہو گے۔

غرناطہ میں ان سرپھروں کی کمی نہیں جو کسی وقت بھی مشتعل ہو سکتے ہیں۔ جب ایسے لوگ تمہارے پاس آئیں تو تمہیں اس بات کا خیال رکھنا چاہیے کہ ان کے ساتھ دشمن کے جاسوس بھی ہو سکتے ہیں۔ مجھے یقین ہے کہ اب اہل غرناطہ کے لیے رسد کے راستے کھل جائیں گئے اور تمہارے بغیر بھی یہ کام ہو سکے گا اور اگر وہاں جانا پڑے تو تمہیں عبید اور امین کے سوا اور کسی کے پاس نہیں ٹھہرنا چاہیے۔

مجھے اب بھی تمہارے باپ کا انتظار ہے۔ اور میری یہ امید ختم نہیں ہوئی

کہ وہ دم توڑتی ہوئی قوم کے لیے نئی زندگی کا پیغام لے کر آئیں گے۔ لیکن جب تک ہمیں کوئی سہارا نہیں ملتا ہم پر امن رہ کر ہی کسی آنے والی آزمائش کا سامنا کرنے کے لیے تیار ہو سکتے ہیں۔"

سعید نے کہا۔ "چچا جان! آپ مطمئن رہیں۔ میری جانب سے کوئی بے احتیاطی نہیں ہو گی۔ لیکن میں یہ محسوس کرتا ہوں کہ ان دنوں آپ کا دربار میں موجود رہنا ضروری ہے۔ وہاں حریت پسندوں کو آپ کے مشوروں کی ضرورت ہو گی۔"

ہاشم نے جواب دیا۔ "میں نہیں سمجھتا کہ اب میرے مشورے کوئی فائدہ پہنچا سکتے ہیں۔ تاہم دو تین دن تک غرناطہ روانہ ہو جاؤں گا اور جلد واپس آنے کی کوشش کروں گا لیکن اگر کسی وجہ سے مجھے زیادہ دن لگ جائیں اور اس عرصہ میں تمہارے ابا جان کی طرف سے کوئی پیغام آ جائے تو یہ بات کسی پر ظاہر نہیں ہونی چاہیے۔ اگر وہ خود پہنچ جائیں تو انہیں کوئی قدم اُٹھانے سے پہلے مجھ سے مشورہ کر لینا چاہیے۔ میں ان کی آمد کی اطلاع ملتے ہی یہاں پہنچ جاؤں گا۔

تازہ حالات سے واقفیت حاصل کرنے کے بعد وہ خود ہی سمجھ جائیں گے کہ سر دست انہیں لوگوں کی نگاہوں سے چھپ کر اپنا فرض ادا کرنا پڑے گا۔“

☆☆☆

چوتھے روز ہاشم غرناطہ جا چکا تھا۔ اس کی روانگی کے دو ہفتے بعد گاؤں کے تین آدمی جو غرناطہ کی فوج کے ملازم تھے رخصت پر گھر آئے اور انہوں نے یہ خبر سنائی کہ غرناطہ کے بعض حلقوں میں جنگ بندی کے خلاف شدید اضطراب پایا جاتا ہے اور لوگ جگہ جگہ ابو عبداللہ کے خلاف مظاہرے کر رہے ہیں۔ پچھلے ہفتے البسین کے محلے سے مشتعل عوام کا جلوس الحمرا کی طرف روانہ ہوا اور اسے منتشر کرنے کے لیے فوج کو میدان میں آنا پڑا۔ شہر میں یہ افواہ بھی گرم ہے کہ فرڈنینڈ اس صورت حال سے بہت مُضطرب ہے اور اس نے سابقہ معاہدے کے مطابق سلطان ابو عبداللہ سے یہ مطالبہ کیا ہے کہ فوج کے جن افسروں اور شہر کے بااثر خاندانوں کے جن افراد کو یرغمال کے طور پر سینٹافے بھیجنا ہے

وہ بہت جلدی بھیج دیے جائیں۔ ورنہ وہ جنگ بندی کے معاہدے کا پابند نہیں ہو گا۔

بعض لوگوں کا یہ خیال ہے کہ غرناطہ کے صلح پسند دوبارہ جنگ لڑنے کے تمام امکانات ختم کر دینا چاہتے ہیں۔ انہوں نے ابو عبد اللہ کو مشورہ دیا ہے کہ جن بااثر لوگوں سے بغاوت کا کوئی خطرہ پیش آسکتا ہے انہیں قابو رکھنے کی یہی صورت ہے کہ ان کو یر غمال کے طور پر فوراً فرڈنینڈ کے حوالے کر دیا جائے اور ابو عبد اللہ ان کے مشورے پر عمل در آمد کرنے کے لیے تیار ہو چکا ہے۔

سعید یہ خبر سنتے ہی ہاشم کے گھر پہنچا اور اس نے عاتکہ سے کہا۔ "مجھے یہ خبر ناقابلِ یقین معلوم ہوتی ہے۔ تاہم میں غرناطہ جانا چاہتا ہوں۔ چچا ہاشم کا پتا لگانا بھی ضروری ہے۔ انہیں وہاں گئے کافی دن ہو چکے ہیں۔ گاؤں سے چار آدمی میرے ساتھ جانا چاہتے ہیں اور ہم تھوڑی دیر تک روانہ ہو جائیں گے۔"

عاتکہ اور اس کی چچی نے سعید سے محتاط رہنے اور جلد واپس آنے کا وعدہ لے کر اسے خدا حافظ کہا اور تھوڑی دیر بعد پانچ برق رفتار سوار غرناطہ کا رُخ کر رہے تھے۔ سعید کی روانگی کے دو دن بعد ہاشم واپس آیا اور اپنے کمرے میں داخل ہوتے ہی نڈھال سا ہو کر گر پڑا۔

تھوڑی دیر بعد وہ سلمیٰ کو بتا رہا تھا۔ ”مجھے اب تک یہ امید تھی کہ شاید ابو القاسم یرغمال میں دیے جانے والوں کی فہرست سے امین اور عبید کا نام نکال دے گا لیکن اس فیصلے پر سلطان کی مہر ثبت ہو چکی ہے اور فہرست کی ایک نقل فرڈنینڈ کو بھیجی جا چکی ہے۔ اب کسی وقت اچانک انہیں سینٹا فے بھیج دیا جائے گا۔“

سلمیٰ نے اپنی آنسو پونچھتے ہوئے کہا ”لیکن ابو القاسم تو آپ کا دوست ہے!“

”مجھے ابو القاسم سے کوئی شکایت نہیں۔ اگر اس کا بس چلتا تو یقیناً میری مدد کرتا لیکن سالار کو اصرار تھا کہ فوج کو پر امن رکھنے کے لیے عبید اور امین

جیسے با اثر افسروں کو دشمن کے حوالے کر دینا ضروری ہے۔ تاہم ابو القاسم نے مجھ سے یہ وعدہ کیا ہے کہ وہ چند دن تک انہیں واپس بلوا لے گا۔"

"سلمیٰ حوصلے سے کام لو۔ میرے سامنے اپنے بیٹوں سے زیادہ اس علاقے کی بستیوں کو بچانے کا مسئلہ تھا۔ میں یہ نہیں چاہتا تھا کہ فرڈنینڈ مجھے ایک دشمن اور عبد اللہ مجھے ایک باغی قرار دے کر اپنی افواج اس علاقے میں بھیج دیں اور مجھے ہزاروں انسانوں کے قتل عام کا مجرم قرار دیا جائے۔ جن چار سو آدمیوں کو فرڈنینڈ کے کیمپ میں بھیجا گیا ہے ان کی حیثیت قیدیوں کے بجائے مہمانوں کی سی ہو گی۔ مجھے صرف اس بات کا غم ہے کہ اب مستقبل کی امیدوں کے سارے چراغ بجھ گئے ہیں۔"

عاتکہ پتھرائی ہوئی آنکھوں سے اپنے چچی کی طرف دیکھ رہی تھی۔ اس نے ڈوبتی ہوئی آواز میں کہا۔ "سعید آپ کا پتا لگانے غرناطہ گیا تھا۔ کیا وہ آپ سے نہیں ملا؟"

”ہاں وہ مجھ سے ملا تھا۔ میں اسے اپنے ساتھ ہی لانا چاہتا تھا لیکن اس کو چند ضروری کام تھے۔ اس لیے وہ میرے ساتھ نہیں آیا۔ مجھے یقین ہے کہ وہ کوئی خطرناک راستہ اختیار نہیں کرے گا اور بہت جلد واپس آجائے گا۔“

اور اب عاتکہ کی نگاہیں کھڈ کے پار ایک مکان پر مرکوز تھیں جہاں وقت کی تاریک آندھیوں سے وہ آج بھی امید کی کوئی کرن دیکھ سکتی تھی۔ اسے بڑی شدّت سے سعید کا انتظار تھا۔۔۔ ”عاتکہ!“ اسے زینے سے چچی کی آواز سنائی دی۔ ”عاتکہ بیٹی! تم ابھی تک یہاں کھڑی ہو؟ بہت سردی ہے بیٹی۔“

”آتی ہوں چچی جان!“ اس نے بھرّائی ہوئی آواز میں جواب دیا۔

ہاشم کا مہمان

جنگ بندی کو ابھی صرف پچیس دن گزرے تھے۔ مگر پچیس دنوں کے یہ واقعات عاتکہ کو بھیانک خواب نظر آتے تھے۔ جب خوابوں کا تسلسل ٹوٹ جاتا تو وہ بے بسی اور بے چارگی کی حالت میں بار بار اپنے دل سے پوچھتی:

”کیا آئندہ پینتالیس دنوں میں کوئی ایسا معجزہ رونما ہو سکتا ہے کہ ہماری بدنصیب قوم غلامی کی ذلت سے بچ جائے۔ کیا یہ ممکن ہے کہ حامد بن زہرہ اچانک واپس آ جائے اور ہمیں یہ پیغام دے کہ ترکی، الجزائر اور مراکش سے غازیانِ اسلام کے لشکر ہماری مدد کے لیے روانہ ہو چکے ہیں!“

ان سوالات کے جواب میں کبھی اس کا چہرہ عزم و یقین کی روشنی سے چمک اٹھتا اور کبھی اس پر بے یقینی اور تذبذب کے اندھیرے مسلط ہو جاتے۔

اور ایک روز سورج ڈوب رہا تھا اور مغربی افق پر بکھری ہوئی بدلیاں سرخ ہو رہی تھیں۔ اچانک اسے خالدہ کی آواز سنائی دی۔

"آپا جان! آپا جان! منصور کے ماموں آرہے ہیں!"

عاتکہ نے چونک کر زینے کی طرف دیکھا۔ خالدہ بھاگتی ہوئی آگے بڑھی اور کسی کا ہاتھ پکڑ کر کھینچنے لگی۔ عاتکہ اس کے ساتھ نیچے اتری لیکن صحن میں اسے پریشان دیکھ کر ہنس پڑی۔

"وہ یہاں نہیں ہیں۔ آیئے میں آپ کو دکھاتی ہوں۔ میں نے انہیں دیکھتے ہی پہچان لیا تھا۔ ان کے پیچھے ایک سوار بھی آرہا ہے۔"

خالدہ اسے ٹھیلی ٹھالتی ڈیوڑھی کی طرف لے گئی اور دروازے کے قریب پہنچ کر بولی:

”اوپر چلیں آپا جان! وہ یہاں سے نظر نہیں آئیں گے!“

وہ ڈیوڑھی کے قریب پہنچیں تو عاتکہ اِدھر اُدھر نظر دوڑانے کے بعد قدرے مُضطرب ہو کر پوچھا:

”کہاں ہیں وہ؟“

خالدہ نے ہنستے ہوئے جواب دیا۔ ”آپا جان! اوپر چلیں۔ وہ وہاں سے نظر آئیں گے۔“

وہ ایک تنگ زینے سے ڈیوڑھی کی چھت پر پہنچیں۔ خالدہ بھاگ کر منڈیر کی طرف بڑھی وہ ایک ثانیہ نیچے جھانکنے کے بعد سر گوشی کے انداز میں بولی۔

”آپا جان! ادھر دیکھیے وہ آرہے ہیں۔“

عاتکہ آگے بڑھی اور پھر یکایک اس کی نگاہیں سعید پر جم کر رہ گئیں۔ وہ حویلی کے مغربی کونے کے قریب پہنچ چکا تھا اور اس کے پیچھے ایک سوار آ

رہا تھا۔

وہ دروازے کے سامنے پہنچ کر گھوڑوں سے اتر پڑے۔ عاتکہ نے سعید کے ساتھی کو دیکھا تو ایک ثانیہ اس کی رگوں کا خون منجمد ہو کر رہ گیا۔ اس کے سر پر سفید عمامہ تھا۔ آنکھیں بھوری، ایک کان کا درمیانی حصّہ کنارے تک پھٹا ہوا تھا۔ آنکھ کے کونے اور کان کے شگاف کی سیدھ میں زخم کا ہلکا سا نشان تھا۔ ڈاڑھی صاف تھی۔ سر کے بال عمامے میں چھپے ہوئے تھے۔ اگر اس کی مونچھوں اور ابروؤں کا رنگ سیاہ ہونے کے بجائے سرخی مائل ہوتا تو وہ کسی جھجک کے بغیر یہ کہہ سکتی تھی کہ اس کے چہرے کے خدوخال وہی ہیں جو اس کے دل پر نقش تھے۔

نوکروں نے باہر نکل کر گھوڑوں کی باگیں پکڑ لیں۔

سعید نے کہا۔ ”ان کا گھوڑا اصطبل میں باندھ دو اور میرا گھوڑا گھر پہنچا دو۔ جعفر سے کہو میں تھوڑی دیر میں پہنچ جاؤں گا۔ چچا ہاشم گھر میں ہیں نا؟“

ایک نوکر نے جواب دیا۔ ”وہ پڑوس کی بستی میں کسی کے جنازے میں گئے

تھے ابھی تک واپس نہیں آئے۔ آپ اندر تشریف رکھیں وہ آتے ہی ہوں گے۔"

وہ ڈیوڑھی عبور کر کے صحن میں پہنچے تو عاتکہ چھت کے دوسرے کنارے پر کھڑی ان کی طرف دیکھ رہی تھی۔

مہمان سعید کے ساتھ مہمان خانے میں چلا گیا تو خالدہ نے عاتکہ سے پوچھا:

"آپا جان! انہیں بلالاؤں؟"

"نہیں تھوڑی دیر ٹھہرو!"

چند منٹ بعد سعید مہمان خانے سے باہر نکلا تو عاتکہ جلدی سے نیچے اتر کر اس کے راستے میں کھڑی ہو گئی۔

"سعید یہ تمہارے ساتھ کون آیا ہے؟" اس نے سوال کیا۔

"اس کا نام طلحہ ہے اور میں اس کے متعلق اس سے زیادہ نہیں جانتا کہ وہ

قرطبہ سے فرار ہو کر غرناطہ آیا تھا اور اب کچھ عرصہ سے ابوالقاسم کے دفتر میں قسطائی زبان کے مترجم کی حیثیت سے کام کرتا ہے۔ میں نے سنا ہے کہ متارکہ جنگ کی گفتگو کے دوران اس نے سلطان کے دربار میں بھی ایک مترجم کے فرائض سرانجام دیے تھے۔ چند دن قبل اس سے میری پہلی ملاقات ہوئی تھی۔ وہ عمیر کے ساتھ آیا تھا اور عمیر نے ہمارا تعارف کراتے ہوئے کہا تھا کہ چچا ہاشم اسے جانتے ہیں۔ پچھلے دنوں جب وہ غرناطہ آئے تھے تو اس سے ملاقات ہوئی تھی اور چچا ہاشم اس کی سرگزشت سن کر بہت متاثر ہوئے تھے۔ اس کے بعد عمیر جب بھی امین اور عبید کے پاس آتا تھا تو یہ ان کے ساتھ ہوتا تھا۔ مجھے وہ ایک مظلوم آدمی معلوم ہوتا ہے۔ آج صبح مجھے معلوم ہوا کہ جن آدمیوں کو یرغمال کے طور پر دشمن کے حوالے کرنے کا فیصلہ ہوا تھا انہیں رات کے پچھلے پہر سینٹا فے روانہ کر دیا گیا ہے۔“

”عبید اور امین بھی ان کے ساتھ جا چکے ہیں۔“

”ہاں! میں یہ خبر سنتے ہی ان کے دوستوں سے ملا تھا اور پھر عمیر نے بھی

اس بات کی تصدیق کی تھی۔ میرا ارادہ تھا کہ میں گھر پہنچ کر چچا ہاشم کو تسلی دوں لیکن مجھے حریت پسندوں کے ایک خفیہ اجتماع میں شریک ہونا پڑا اور وہاں کافی دیر لگ گئی۔ پھر دوپہر کے قریب میں واپس آکر سفر کی تیاری کر رہا تھا کہ عمیر طلحہ کو میرے پاس لے آیا اور اس نے کہا کہ اگر تم گاؤں جا رہے ہو تو طلحہ کو لیتے جاؤ۔ وزیر اعظم نے ابّا جان کی تشفی کے لیے اسے ایک ذاتی خط دیا ہے۔ عمیر بذاتِ خود اس کے ساتھ آنا چاہتا تھا لیکن غرناطہ کے موجودہ حالات کے پیشِ نظر اس نے چھٹی لینا مناسب نہ سمجھا۔“

عاتکہ نے کچھ سوچ کر پوچھا:

”تمہیں یقین ہے کہ اس کا نام طلحہ ہی ہے؟“

”ہاں میں نے اس کا یہی نام سنا ہے۔ لیکن تم اتنی پریشان کیوں ہو؟“

عاتکہ نے جواب دیا:

”ماضی کے واقعات نے مجھے ہر انسان پر شک کرنا سکھا دیا ہے۔ میں نے تم

سے عتبہ کا ذکر کیا تھا۔ اس کے یہی خد و خال تھے۔ وہ میرے تیر سے زخمی ہوا تھا بالکل اسی جگہ سے اس شخص کا کان بھی پھٹا ہوا ہے۔ لیکن اس کے سر اور ڈاڑھی کے بال سرخ تھے۔ یہ ڈاڑھی کے بغیر ہے اور اس کے سر کے بال مجھے نظر نہیں آئے۔ لیکن اگر مونچھیں اور بھوئیں سیاہ ہونے کی بجائے سرخی مائل ہوتیں تو میں یہی سمجھتی کہ اس نے اپنا نام تبدیل کر لیا ہے۔"

سعید نے کہا:

"عاتکہ تم نے جو حادثہ بچشمِ خود دیکھا ہے وہ انتہائی مضبوط دل انسان کے لیے بھی ناقابلِ برداشت تھا لیکن اس آدمی کے متعلق تمہیں وہم میں مبتلا نہیں ہونا چاہیے۔ تمہارے باپ کا قاتل تمہارے گھر میں قدم رکھنے کی جرأت کیسے کر سکتا ہے۔ اور پھر تم خود ہی یہ کہہ رہی ہو کہ اس کی بھوئیں اور مونچھیں سرخ تھیں۔ میرے خیال میں اس کے زخم کے نشان سے تم کو وہم ہوا ہے۔ لیکن ایسے اتفاقات ممکن نہیں۔ کئی آدمیوں کے زخموں کے نشانات ایک جیسے ہو سکتے ہیں۔" عاتکہ نے اطمینان کا سانس لیتے

ہوئے کہا:

”سعید میں سچ مچ وہمی ہو گئی ہوں۔ میں سوچ رہی تھی کہ شاید اس نے کسی مصنوعی طریقے سے اپنے بالوں کو رنگ تبدیل کر لیا ہے۔ چلو اندر چلو! چچی جان بہت پریشان ہیں۔“

سعید عاتکہ کے ساتھ چل پڑا اور تھوڑی دیر کے بعد وہ سلمٰی کے سامنے بیٹھے ہوئے تھے۔ سعید نے اسے غرناطہ کے حالات بتائے اور عبید اور امین کے متعلق تسلّی دینے کے بعد کچھ دیر ہاشم کا انتظار کیا اور بالآخر اٹھتے ہوئے کہا:

”ہو سکتا ہے وہ رات کے وقت رک جائیں۔ اس لیے مجھے اجازت دیجیے۔ میں کل علی الصبح ان کی خدمت میں حاضر ہو جاؤں گا۔ عاتکہ اگر تمہیں مہمان کے متعلق اب بھی کوئی الجھن محسوس ہوتی ہے تو میں اسے اپنے ساتھ لے جاتا ہوں۔“

”نہیں نہیں! مجھے اس سے متعلق کیا الجھن ہو سکتی ہے۔ اسے رہنے دیں۔

اگر چچا جان آ گئے تو وہ برا مانیں گے۔"

☆☆☆

سلمیٰ نے عشا کی نماز تک ہاشم کا انتظار کیا اور پھر ایک خادمہ سے کہا: "اب شاید وہ نا آئیں۔ اس لیے تم مہمان کے لیے کھانا بھیج دو۔"

کچھ دیر بعد وہ عاتکہ سے باتیں کر رہی تھی کہ خادمہ کمرے میں داخل ہوئی اور اس نے کہا:

"آقا آ گئے ہیں اور سیدھے مہمان خانے میں چلے گئے ہیں۔ کھانے کے متعلق انہوں نے یہ کہا ہے کہ وہ مہمان سے ملاقات کے بعد کھائیں گے!"

عاتکہ نے اچانک اٹھ کر کہا: "چچی جان میں جاتی ہوں مجھے نیند آ رہی ہے۔"

"اتنی جلدی؟" "چچی جان! میری طبیعت ٹھیک نہیں۔ شاید نماز پڑھتے ہی

سو جاؤں۔“

خالدہ ساتھ والے کمرے سے باہر آتی ہوئی نظر آئی اور اس نے کہا:

”آپا آپ نے کہانی سنانے کا وعدہ کیا تھا۔ میں آپ کے ساتھ چلوں گی۔“

”نہیں! نہیں!“ اس نے پریشان ہو کر کہا۔ ”تم اپنے بستر پر لیٹی رہو۔ میں نماز سے فارغ ہو کر تمہارے پاس آجاؤں گی۔“

خالدہ نے بسورتے ہوئے کہا۔

”آپ تو نماز کے بعد سو جائیں گی۔“

عاتکہ اضطراب کی حالت میں اس کا بازو پڑھ کر دوسرے کمرے میں لے گئی اور جلدی سے بستر پر لٹانے اور اوپر لحاف ڈالنے کے بعد ذرا غصّے سے کہا:

”باتونی لڑکی! اب آرام سے لیٹ رہو ورنہ آئندہ کبھی کہانی نہیں سناؤں گی۔“ خالدہ اس کے تیور دیکھ کر سہم گئی۔ عاتکہ کمرے سے باہر نکل کر

زینے کی طرف بڑھی۔ اس کا دل دھڑک رہا تھا۔

تھوڑی دیر بعد وہ اپنے کمرے میں نماز پڑھنے کی بجائے اس روشن دان سے کان لگائے اپنے چچا اور مہمان کی گفتگو سن رہی تھی جو نوکروں کی کوٹھڑیوں کی چھت سے چند بالشت اونچا تھا۔

ہاشم کہہ رہا تھا:

"یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ وہ واپس آ چکا ہو اور مجھے خبر نہ ہو۔ ابو القاسم کو ایسی افواہوں پر یقین نہیں کرنا چاہیے۔"

مہمان نے کہا:

"جناب! حامد بن زہرہ کے متعلق پہلی اطلاع تھی کہ وہ مالٹا کے قید خانے میں پڑا ہوا ہے۔"

"ابو القاسم کو معلوم تھا کہ وہ قید ہو چکا ہے؟" "نہیں! فرڈنینڈ نے یہ خبر پوشیدہ رکھی تھی اور اسے واپس لانے کے لیے ایک جنگی جہاز روانہ کر دیا

تھا۔ اس خیال سے کہ مالٹا میں اس کے سفیر نے کسی دوسرے آدمی کو حامد بن زہرہ نہ سمجھ لیا ہو۔ اس جہاز پر اس کی شناخت کے لیے دو جاسوس بھی بھیج دیے تھے۔

یہ جہاز کئی دنوں سے لا پتہ تھا اور اب مالٹا سے اس بات کی تصدیق ہو چکی ہے کہ جس قیدی کو اس پر لایا جا رہا تھا وہ حامد بن زہرہ ہی تھا۔ ان دنوں بحیرہ روم کے مغربی حصّے میں ترکوں اور ان کے بربر حلیفوں کے جہاز گشت کر رہے تھے۔ اور یہ بات بعید از قیاس نہ تھی کہ اسے کوئی حادثہ پیش آ گیا ہو۔ فرڈیننڈ کا خیال تھا کہ اگر اہلِ بربر یا ترکوں کی مداخلت کے باعث حامد بن زہرہ آزاد ہو چکا ہے تو اس کی پہلی کوشش یہی ہو گی کہ متارکہ جنگ کی مدّت ختم ہونے سے پہلے غرناطہ پہنچ جائے۔

اب آخری اطلاع یہ ہے کہ کسی بیرونی حملہ آور کے تین جہاز رات کی تاریکی سے فائدہ اٹھا کر ساحل کے قریب پہنچ گئے اور قسطلہ کے دو جہاز غرق کرنے کے بعد اچانک روپوش ہو گئے۔

تباہ ہونے والے جہازوں کے جو ملّاح بچ گئے تھے ان کی زبانی یہ خبر ملی ہے کہ ایک جہاز جس کی گولہ باری زیادہ تباہ کن ثابت ہوئی، ساحل کے بہت قریب تھا۔"

ہاشم نے سوال کیا: "آپ کا مطلب ہے کہ یہ نامعلوم جہاز حامد بن زہرہ کو ساحل پر اتارنے کے لیے آئے تھے؟"

فرڈنینڈ کو یہی تشویش ہے کہ حملہ آور کسی اہم ضرورت کے بغیر اتنا بڑا خطرہ مول نہیں لے سکتے تھے۔"

کمرے میں کچھ دیر خاموشی چھائی رہی۔ بالآخر ہاشم نے کہا:

"مجھے اب بھی یقین نہیں آتا لیکن اگر حامد بن زہرہ کو واقعی ساحل پر اتارا جا چکا ہے اسے یہاں پہنچنے میں دیر نہیں لگے گی۔" مہمان نے کہا "ممکن ہے کہ وہ موجودہ حالات میں غرناطہ یا اپنے گاؤں کا رُخ کرنے کی بجائے کسی جگہ چھپ کر مناسب وقت کا انتظار کرے۔ بہر حال یہ مسئلہ بہت اہم ہے۔ اسے ایسے حالات پیدا کرنے کا وقت نہیں ملنا چاہیے کہ فرڈنینڈ کو

جنگ بندی کا معاہدہ توڑنے کا موقع مل جائے۔"

ہاشم نے کہا: "اگر وہ باہر سے کوئی امید افزا پیغام لے کر آیا ہے تو وہ یہاں آئے گا یا پھر سیدھا غرناطہ کا رخ کرے گا۔ لوگوں کی نظروں سے اوجھل رہنا چاہتا ہے تو ابو القاسم کو اس کے متعلق پریشان نہیں ہونا چاہیے۔"

"ابو القاسم اس لیے پریشان ہیں کہ ان پر ان چار سو آدمیوں کی جانیں بچانے کی ذمہ داری عائد ہوتی ہے جو یرغمال کے طور پر دشمن کے سپرد کیے جا چکے ہیں اور آپ کے دو فرزندان انہیں میں شامل ہیں۔ ابو القاسم آپ سے یہ توقع رکھتے ہیں کہ اگر آپ دوسروں کے متعلق نہیں تو کم از کم اپنے بیٹوں کے متعلق اپنی ذمہ داری محسوس کریں گے۔"

"کیا ابو القاسم یہ بھی خیال کرتا ہے کہ میں حامد بن زہرہ کو اپنا گھر جلانے کے لیے آگ مہیا کروں گا؟"

"نہیں! انہیں صرف اس بات کا خدشہ ہے کہ اگر آپ نے اسے راہ راست پر لانے کی کوشش نہ کی اور اس نے کوئی ہنگامہ برپا کر دیا تو نصرانی

سب سے پہلے اس علاقے میں بربریت کا مظاہرہ کریں گے اور اہل غرناطہ کو آپ کے ساتھ کوئی ہمدردی نہیں ہو گی۔ پھر فرڈنینڈ کی قید میں آپ کے بیٹوں کا جو حشر ہو گا وہ آپ بہتر سوچ سکتے ہیں۔"

کمرے میں پھر ایک بار خاموشی چھا گئی۔

تھوڑی دیر بعد ہاشم نے کہا۔ "لیکن میں کیا کر سکتا ہوں۔ میں کس طرح اسے راہ راست پر لا سکتا ہوں۔ اگر قبائل کو بغاوت پر اکسانے میں کامیاب ہو گیا تو اس علاقے کا کوئی آدمی کھلے بندوں اس کی مخالفت میں آواز بلند کرنے کی جرأت نہیں کرے گا۔"

"وزیر اعظم یہی کہتے تھے کہ اس سے لوگوں کو بغاوت پر اکسانے کا موقع نہیں ملنا چاہیے۔ آپ اسے فوراً تلاش کریں اسے سمجھائیں اور پھر اگر آپ اس سے کوئی خطرہ محسوس کریں تو ایسی تجاویز سوچی جا سکتی ہیں کہ چند ہفتے یا چند مہینے اس کا منہ بند رکھا جا سکے۔"

"آپ کا خیال ہے کہ اسے گرفتار کر لیا جائے؟"

”ہاں! اگر اس کو راہِ راست پر لانے کی کوئی اور صورت نہ ہو تو آپ کو اس اقدام سے بھی گریز نہیں کرنا چاہیے۔ اسے کسی ایسی جگہ رکھا جا سکتا ہے جہاں سے اس کی آواز لوگوں کے کانوں تک نہ پہنچ سکے۔ اگر وہ غرناطہ پہنچ جائے تو ہم مناسب قدم اٹھا سکیں گے اور ہمیں آپ کو تکلیف دینے کی ضرورت ہی پیش نہیں آئے گی۔ لیکن اگر اس نے باہر رہ کر بغاوت پھیلانے کی کوشش کی تو یہ ناخوشگوار فریضہ آپ کو سرانجام دینا پڑے گا۔ ہمیں معلوم تھا کہ سعید اس کا بیٹا ہے اور ہمیں یہ بھی معلوم ہے کہ اس کا کمسن نواسہ بھی یہیں رہتا ہے اور آپ جانتے ہیں کہ وہ حامد بن زہرہ کو کس قدر عزیز ہیں!“

”میں صرف یہ جانتا ہوں کہ اگر حامد بن زہرہ بغاوت کا جھنڈا بلند کرنے کا فیصلہ کر چکا ہے تو اپنے دو بیٹوں اور بیس نواسوں کی جان خطرے میں دیکھ کر بھی اس کے رویے میں کوئی تبدیلی نہیں آئے گی۔“

”یہی وجہ تھی کہ سعید کو غرناطہ میں گرفتار نہیں کیا گیا۔ وزیر اعظم کوئی ایسا قدم نہیں اٹھانا چاہتے جس کے باعث عوام مشتعل ہو جائیں۔“

”پھر وہ کیا چاہتے ہیں؟“

”وہ یہ چاہتے ہیں کہ آپ ان بااثر لوگوں سے رابطہ قائم کریں اور انہیں ہر قیمت پر حامد سے دور رکھنے کی کوشش کریں۔ بعض سرداروں کو فرڈنینڈ کے انتقام سے خوفزدہ کیا جا سکتا ہے۔ بعض ایسے ہیں جنہیں انعامات کا لالچ دے کر قابو میں رکھا جا سکتا ہے۔ ابو قاسم اس بات کا ذمہ لیتے ہیں کہ آپ ان سے جو وعدے کریں وہ پورے کیے جائیں گے۔ مزید تسلّی کے لیے وہ انہیں ایسی تحریریں بھجوا دیں گے جن پر سلطان ابو عبد اللہ اور فرڈنینڈ کی مہریں ثبت ہوں گی۔“

کمرے کے اندر کچھ دیر سکوت طاری رہا۔ عاتکہ پوری قوّت سے چلّا کر اپنے چچا کو یہ بتا دینا چاہتی تھی کہ ابو القاسم کا یہ ایلچی میرے باپ کا قاتل ہے اور اس کا اصلی نام عتبہ ہے لیکن اس کے حلق سے آواز نہ نکلی۔ وہ وہاں سے بھاگ جانا چاہتی تھی لیکن اس میں قدم اٹھانے کی سکت نہ تھی۔

ہاشم نے کہا: ”اگر حامد بیرونی اعانت سے متعلق کوئی امید افزا خبر لے کر آ

گیا اور لوگوں کو یہ پتا چل گیا کہ میں اس کی مخالفت کر رہا ہوں تو میرے لیے اس علاقے میں سانس لینا مشکل ہو جائے گا۔“

”اگر آپ کو کوئی خطرہ پیش آیا تو آپ ابو القاسم کی دوستی پر اعتماد کر سکتے ہیں۔ انھوں نے آپ کو یہ مشورہ نہیں دیا کہ آپ سوچے سمجھے بغیر اس کے خلاف میدان میں آ جائیں۔ جب تک ساری صورتِ حال کھل کر سامنے نہیں آ جاتی، آپ کو انتہائی راز داری سے کام لینا چاہیے۔ ابو القاسم کو یقین ہے کہ وہ ہر حالت میں کوئی قدم اٹھانے سے پہلے آپ کو اعتماد میں لینے کی کوشش کرے گا اور اگر آپ اسے یہ مشورہ دے سکیں کہ باہر کے قبائل کو بغاوت پر آمادہ کرنے سے پہلے غرناطہ کے تربیت پسندوں کو ساتھ ملانا ضروری ہے تو آپ کی ساری الجھنیں دور ہو جائیں گی۔ حامد بن زہرہ صرف غرناطہ سے دور رہ کر ہی ہمارے لیے کسی پریشانی کا باعث ہو سکتا ہے۔ آپ صبح ہوتے ہی اس کی تلاش شروع کر دیں۔ یہ بات زیادہ دیر تک اس سے پوشیدہ نہیں رہے گی کہ چار سو با اثر انسان یرغمال کے طور پر فرڈنینڈ کے حوالے کیے جا چکے ہیں اور جب آپ اس کے سامنے اس قسم

کے خدشات کا اظہار کریں گے کہ اگر فرڈنینڈ جنگ بندی کی مدّت سے پہلے بھی غرناطہ پر قبضہ کرنے کا فیصلہ کر لے تو اہلِ غرناطہ مزاحمت نہیں کریں گے تو مجھے یقین ہے کہ وہ آپ کے مشورے کے بغیر بھی وہاں پہنچ جائے گا اور وہاں وہ کوئی بڑا خطرہ پیدا نہیں کر سکتا۔"

ہاشم نے کہا۔ "مجھے کوئی فیصلہ کرنے سے پہلے سوچنے کی ضرورت ہے۔ ہو سکتا ہے کہ صبح تک میں آپ کو کوئی تسلّی بخش جواب دے سکوں لیکن ایک بات میں اس وقت بھی کہہ سکتا ہوں کہ میں کسی حالت میں بھی یہ برداشت نہیں کروں گا کہ غرناطہ میں اس کے ساتھ ایک دشمن کا سا سلوک کیا جائے۔ اگر وہاں اسے جان کا خطرہ پیش آیا تو ابو عبداللہ اور وزیر ابوالقاسم کے ساتھی کی حیثیت سے زندہ رہنے پر حامد بن زہرہ کی رفاقت میں موت کو ترجیح دوں گا اور عبید اور امین کو بھی میرے لیے اس کے سوا کوئی اور راستہ پسند نہیں ہو گا۔"

مہمان نے کہا۔ "آپ کیسے سوچ سکتے ہیں کہ اگر اسے غرناطہ میں کوئی خطرہ پیش آیا تو ابوالقاسم ایک لمحہ کے لیے بھی وزیر رہنا پسند کرے گا اور

میرا خیال ہے کہ غرناطہ میں اس کے بدترین مخالف بھی کوئی زیادتی برداشت نہیں کریں گے۔ ہمارا اصل مسئلہ یہ ہے کہ اسے خاموش اور پر امن رکھا جائے اور مجھے یقین ہے کہ اس مسئلہ میں آپ کی رائے ابو القاسم کے خلاف نہیں ہے۔ اب آپ آرام کریں۔ میں پچھلے پہر یہاں سے روانہ ہو جاؤں گا۔ اس وقت شاید آپ سے ملاقات نہ ہو سکے۔"

"نہیں! آپ اٹھیں گے تو مجھ کو یہاں موجود پائیں گے اور ممکن ہے یہ رات کوئی ایسی بات میرے ذہن میں آجائے کہ میں بھی آپ کے ساتھ ہی روانہ ہو جاؤں۔ بہر حال آپ کو الوداع کہنے کے لیے ضرور آؤں گا۔"

☆☆☆

تھوڑی دیر بعد عاتکہ انتہائی اضطراب کی حالت میں اپنے کمرے کے اندر ٹہل رہی تھی۔

"میرے اللہ میں کیا کروں۔ میں کمزور اور بے بس ہوں۔ اس گھر میں میری حیثیت ایک یتیم لڑکی سے زیادہ نہیں۔ اس بستی کا کوئی آدمی چچا کے

خلاف میری باتوں پر یقین نہیں کرے گا۔ اے جزا اور سزا کے مالک! مجھے ہمّت عطا کر کہ میں چچا کو اس گناہ سے بچا سکوں!"

پھر وہ نماز کے لیے کھڑی ہوئی تو اس کی آنکھیں آنسوؤں سے نمناک تھیں۔ نماز سے فارغ ہو کر وہ بستر پر لیٹ گئی۔ باہر کہیں دور بادلوں کی گرج سنائی دے رہی تھی۔ وہ دیر تک بے چینی کی حالت میں کروٹیں بدلتی رہی۔ پھر اچانک اسے ایسا محسوس ہوا کہ نیچے کوئی دروازہ کھٹکھٹا رہا ہے۔ وہ چند ثانیے بے حس و حرکت لیٹی رہی۔ پھر اچانک اٹھی اور جلدی سے ایک دریچہ کھول کر صحن کی طرف جھانکنے لگی۔

ہاشم تیزی سے مکان عبور کر رہا تھا اور اس کے آگے آگے ایک پہرے دار مشعل اٹھائے ہوئے تھا۔ آن کی آن میں وہ اس کی نگاہوں سے اوجھل ہو چکے تھے۔

"وہ کہاں گئے؟ کیا چچا ہاشم نے اچانک اس مہمان سے کچھ کہنے کی ضرورت محسوس کی ہے؟ کیا یہ ممکن ہے کہ چچا کا ضمیر جاگ اٹھا ہو اور وہ ایک غدّار

کا گلا گھونٹنے پر آمادہ ہو گئے ہوں یا انہوں نے صبح کی بجائے اسی وقت حامد بن زہرہ کو تلاش کرنے کا فیصلہ کر لیا ہو۔ عاتکہ کے دل میں کئی سوال تھے لیکن وہ کوئی اطمینان بخش جواب نہ سوچ سکی۔

اچانک بجلی کی کڑک سے مکان کے درودیوار لرز اٹھے۔ اس کے ساتھ ہی ہوا کا ایک تیز جھونکا آیا اور موسلا دھار بارش شروع ہو گئی۔ عاتکہ نے جلدی سے کھڑکی بند کر دی۔ پھر وہ اپنے بستر کے قریب کھڑی سوچ رہی تھی۔

"اس گھن گرج میں وہ سفر نہیں کریں گے اور اگر صبح تک بارش ہوتی رہی تو شاید مہمان کو بھی رکنا پڑے۔ چچا کی موجودگی میں میرے لیے سعید کے گھر جانا آسان نہیں ہو گا۔ لیکن سعید کو خبردار کرنا ضروری ہے۔ اب اگر وہ زیادہ دیر مہمان کے ساتھ باتیں کرتے رہے تو انہیں صبح آرام کرنے کی ضرورت محسوس ہو گی اور میں دروازہ کھلتے ہی باہر نکل جاؤں گی۔ سعید نے کہا تھا کہ وہ صبح چچا کے پاس آئے گا۔ ممکن ہے کہ صبح تک بارش رک جائے اور وہ مسجد میں نماز ادا کرنے کے بعد سیدھا ہمارے گھر کا

رُخ کرے۔ بہر حال کچھ بھی ہو میں اس کے پاس ضرور جاؤں گی۔
میرے لیے اس غدّار کے ساتھ چچا کی گفتگو کا ایک ایک لفظ سننا ضروری
تھا۔ ممکن ہے مجھے کوئی نئی بات معلوم ہو جاتی لیکن اب بارش اور ہوا کے
شور میں ان کی بات میرے کانوں تک نہ پہنچ سکے گی۔"

عاتکہ دوبارہ بستر پر لیٹ گئی اور ایک ساعت کروٹیں بدلنے کے بعد اسے
نیند آگئی۔

عاتکہ کا اضطراب اور ہاشم کی بے چارگی

عاتکہ گہری نیند سے بیدار ہوئی۔ کمرے میں ابھی تک اندھیرا تھا۔ اس نے کروٹ بدل کر کر آنکھیں بند کر لیں لیکن اچانک ایک دہشتناک خیال سے اس کا سارا وجود لرز اٹھا۔ وہ بستر سے اٹھی اور جلدی سے اپنی چادر اوڑھ کر زینے کی طرف لپکی۔ چند ثانے کے بعد وہ صحن میں کھڑی تھی۔

بارش تھم چکی تھی اور فضا میں اس قدر دھند چھائی ہوئی تھی کہ چند قدم آگے دیکھنا مشکل تھا۔ وہ صحن عبور کر کے ڈیوڑھی کی طرف بڑھی تو دروازہ بند تھا۔ اس نے بھاری کواڑ کھولنے کی کوشش کی تو معلوم ہوا کہ اندر سے زنجیر لگی ہوئی ہے۔

پھر اچانک اسے دروازے کے سامنے گیلی زمین پر گھوڑوں کے سموں کے تازہ نشان دکھائی دیے اور یہ دیکھ کر وہ جلدی سے مہمان خانے کی طرف دوڑی۔ درمیانی کمرے کا دروازہ کھلا تھا۔ وہ ایک ثانیہ کے لیے رُکی اور پھر اصطبل کی طرف بھاگنے لگی۔ وہاں صرف تین گھوڑے موجود تھے اور مہمان کے علاوہ چچا کا ایک گھوڑا بھی غائب تھا۔ اب اسے اس بارے میں کوئی شبہ نہ رہا تھا کہ وہ جا چکے تھے۔ وہ اسی طرح بھاگتی ہوئی واپس مڑی اور زور زور سے ڈیوڑھی کا دروازہ کھٹکھٹانے کے بعد نوکروں کو آوازیں دینے لگی۔

ایک نوکر نے دروازہ کھولا اور حیرت زدہ ہو کر عاتکہ کی طرف دیکھنے لگا۔ ڈیوڑھی کے اندر ایک کونے میں ایک اور نوکر لحاف میں دبکا ہوا بیٹھا تھا۔

عاتکہ نے سوال کیا۔ ”چچا جان کہاں گئے ہیں؟“

”انھوں نے نہیں بتایا کہ وہ کہاں جا رہے ہیں۔ وہ آدھی رات کے قریب سعید کے گھر سے واپس آئے تھے اور پچھلے پہر مہمان کے ساتھ روانہ ہو

گئے۔"

"تمہیں یقین ہے کہ وہ سعید کے ہاں گئے تھے؟"

"جی ہاں! انہوں نے مہمان سے ملاقات کے بعد تھوڑی دیر آرام کیا تھا کہ جعفر آ گیا۔ میں نے بہت کہا کہ وہ سو رہے ہیں لیکن اس نے اصرار کیا کہ میں اسی وقت ان سے ملنا چاہتا ہوں۔"

"تمہیں معلوم ہے جعفر کیوں آیا تھا؟"

"نہیں۔ وہ صرف یہ کہتا تھا کہ مین ایک ضروری پیغام لایا ہوں۔ گھر میں کسی اور کو یہ معلوم نہیں ہونا چاہیے کہ میں ان سے ملنے آیا ہوں۔ مجھے ڈر تھا کہ وہ کمرے سے باہر نکلتے ہی مجھ پر برس پڑیں گے اور اس کے بعد جعفر کی شامت آئے گی۔ میں نے ڈرتے ڈرتے ان کے کمرے کا دروازہ کھٹکھٹایا۔ وہ گرجتے ہوئے باہر نکلے لیکن جب میں نے جعفر کا نام لیا تو ان کا سارا غصّہ جاتا رہا۔ خدا کی قسم یہ ان کے لیے ایک مصیبت کی رات تھی۔ وہ گھر سے باہر نکلے تو بارش شروع ہو گئی۔ آدھی رات تک ہم ان کا انتظار

کرتے رہے۔ پھر وہ واپس آ گئے تو ہمیں اطمینان نصیب ہوا لیکن پچھلے پہر انہوں نے پھر ہمیں جگا دیا اور گھوڑوں پر زینیں ڈالنے کا حکم دیا۔"

"وہ مہمان بھی سعید کے گھر ان کے ساتھ گیا تھا؟"

"نہیں وہ مزے سے سو رہا تھا۔"

"اچھا۔ باہر کا دروازہ کھول دو۔"

"اتنی جلدی۔ ابھی تو صبح بھی نہیں ہوئی۔"

"بیوقوف مت بنو۔ صبح ہو چکی ہے جلدی کرو۔"

"آپ کہیں جا رہی ہیں؟"

"ہاں تم وقت ضائع نہ کرو۔ جلدی کرو۔"

نوکر نے جھجکتے ہوئے باہر کا دروازہ کھول دیا۔

عاتکہ بھاگتی ہوئی گھر سے باہر نکلی اور آن کی آن میں نوکر کی نگاہوں سے

اوجھل ہو گئی۔ تھوڑی دیر بعد وہ ایک کھڈ میں اتر رہی تھی۔ نشیب کے تنگ راستے پر پھسلن کے باعث اس کی رفتار سست تھی۔ کھڈ کے درمیان ابھی تک تھوڑا تھوڑا پانی بہہ رہا تھا۔ وہ ابھرے ہوئے پتھروں پر پاؤں رکھی ہوئی آگے بڑھی لیکن ایک پتھر پر اس کا پاؤں ڈگمگایا اور وہ پانی میں گر پڑی۔ کمر تک اس کا لباس تر ہو چکا تھا مگر وہ جلدی سے اٹھی اور پانی اور کیچڑ کی پروا کیے بغیر پھر بھاگنے لگی۔

چند منٹ بعد وہ کھڈ کے دوسرے کنارے سعید کے مکان کے سامنے کھڑی تھی۔ باہر کا پھاٹک بند تھا۔ وہ زور زور سے کواڑ پر ہاتھ مارنے اور اسے دھکے دینے کے بعد پوری قوّت سے سعید کو آوازیں دینے لگی لیکن اندر سے کوئی جواب نہ آیا۔

مکان کی دیوار کی طرح پھاٹک بھی زیادہ اُونچا نہ تھا۔ عاتکہ چند ثانیے اضطراب کی حالت میں اِدھر اُدھر دیکھنے کے بعد اچھل کر پھاٹک کے ساتھ لٹک گئی اور دوسری طرف کود گئی۔

کشادہ صحن کا نصف حصہ عبور کرنے کے بعد اس کی نگاہوں کے سامنے دھند کے بادلوں میں دو منزلہ مکان کے نقش و نگار ابھرنے لگے۔ پھر اسے کونے سے ایک کمرے کے روزن سے دھندلی سی روشنی دکھائی دی۔ اس نے آگے بڑھ کر دروازے کو دھکا دیا دروازہ کھل گیا۔

عاتکہ سعید سعید پکارتی ہوئی تند ہوا کے ایک جھونکے کی طرح کمرے میں داخل ہوئی۔ ایک آدمی خالی بستر کے قریب قبلہ رو بیٹھا دُعا مانگ رہا تھا۔ عاتکہ اس کا چہرہ نہ دیکھ سکی۔ اس نے جلدی سے دُعا ختم کی اور مڑ کر عاتکہ کی طرف دیکھنے لگا لیکن یہ سعید نہ تھا۔

عاتکہ بدحواس ہو کر چلّائی۔ ''سعید کہاں ہے؟''

اجنبی نے سر سے لے کر پاؤں تک اس کی طرف دیکھا اور اٹھ کھڑا ہو گیا۔ وہ سعید سے نصف بالشت اونچا تھا اور اون کی بھاری چادر سے باہر اس کا چہرہ ہی عاتکہ کو احساس دلانے کے لیے کافی تھا کہ وہ کوئی عام آدمی نہیں ہے۔ اس نے اطمینان نے جواب دیا:

”سعید یہاں نہیں ہے۔“

”وہ کہاں ہے؟“ عاتکہ نے مضطرب ہو کر سوال کیا۔

”وہ کسی ایسی مہم پر جا چکا ہے جس کا ذکر کرنے سے پہلے میرے لیے یہ جاننا ضروری ہے کہ آپ کون ہیں؟“

عاتکہ نے تلملا کر کہا۔ ”وہ میرے چچا کے ساتھ گیا ہے۔“

”مجھے معلوم نہیں کہ آپ کے چچا کون ہیں۔ میں اس گاؤں میں اجنبی ہوں۔“

”میرے باپ کو رات کے وقت یہاں بلایا گیا تھا۔ خدا کے لیے مجھے پریشان نہ کریں۔ جعفر کہاں ہے؟“

اجنبی نے پوچھا۔ ”آپ کا نام عاتکہ ہے؟“

عاتکہ ایک ثانیہ کے لیے مبہوت ہو کر رہ گئی۔ پھر اس نے سنبھلنے کی کوشش کرتے ہوئے کہا۔ ”ہاں۔ لیکن آپ کو کیسے معلوم ہوا؟“

”مجھے آپ کے متعلق بہت کچھ معلوم ہے۔ میں کچھ عرصہ حامد بن زہرہ کا ہم سفر رہ چکا ہوں اور اپنے بیٹے اور نواسے کی طرح آپ کو بھی اکثر یاد کیا کرتے تھے۔ میں اس قلعے کے متعلق بھی سن چکا ہوں جہاں آپ کے والدین دفن ہیں۔ میں اس گھر میں ایک دوست کی حیثیت سے آیا ہوں اور اگر آپ کو کوئی پریشانی ہے تو آپ سعید اور جعفر کی طرح مجھ پر اعتماد کر سکتی ہیں۔“

”جعفر بھی ان کے ساتھ گیا ہے؟“

”ہاں!“

”آپ یہ کہتے ہیں کہ آپ حامد بن زہرہ کے ہمسفر رہ چکے ہیں؟““ہاں!“

”آپ ان کی طرف سے کون پیغام لائے تھے؟“

وہ متذبذب سا ہو کر اس کی طرف دیکھنے لگا۔ دروازے کے باہر قدموں کی آہٹ سنائی دی اور عاتکہ مڑ کر دیکھنے لگی۔ زبیدہ کمرے میں داخل ہوئی اور اس نے حیرت زدہ ہو کر کہا۔

"بیٹی تم! اس وقت؟"

عاتکہ تلملا کر بولی۔ "چچی! یہ باتوں کا وقت نہیں ہے۔ میں یہ جاننا چاہتی ہوں کہ سعید کے ابّا اس وقت کہاں ہیں؟"

"بیٹی وہ رات کے وقت اچانک چلے گئے تھے اور میرا خیال ہے کہ اب غرناطہ پہنچ چکے ہوں گے لیکن ابھی تمہیں یہ بات کسی پر ظاہر نہیں کرنی چاہیے۔"

عاتکہ کے چہرے پر زردی چھا گئی اور اس نے مرجھائی ہوئی آواز میں کہا:

"چچا ہاشم ان سے مل چکے ہیں؟"

"ہاں انہوں نے یہاں پہنچتے ہی ان کو بلا لیا تھا اور ملاقات کے تھوڑی دیر بعد اچانک یہاں سے روانہ ہو گئے۔"

عاتکہ مُڑ کر اپنی سے مخاطب ہوئی۔ "آپ ان کے ساتھ آئے تھے؟"

"ہاں۔ میں انہیں یہاں تک پہنچانے آیا ہوں۔"

”انہوں نے آپ کو یہ بتایا تھا کہ وہ مالٹا میں قید تھے اور دُشمن نے اپنا جنگی جہاز انہیں لانے کے لیے بھیجا تھا۔“

اجنبی نے حیرت زدہ ہو کر جواب دیا۔ ”ہاں! لیکن آپ کو یہ باتیں کیسے معلوم ہوئیں۔“

عاتکہ نے اس کا سوال نظر انداز کرتے ہوئے پوچھا۔ ”میں آپ سے یہ پوچھنا چاہتی ہوں کہ وہ قسطلہ کے جہاز سے کس طرح فرار ہوئے تھے اور وہ تین جہاز جو اندلس کے ساحل پر قسطلہ کے دو جہاز غرق کرنے کے بعد حامد بن زہرہ کو ساحل پر چھوڑ گئے تھے کہاں سے آئے تھے؟“

اجنبی نے جواب دیا۔ ”میں جواب دے سکتا ہوں لیکن آپ کو اتنی جلدی یہ خبر کیسے مل گئی کہ دشمن کے جہاز غرق ہو چکے ہیں؟“

عاتکہ نے جواب دیا۔ ”گزشتہ شام ابو القاسم کا ایلچی میرے چچا کے پاس آیا تھا ان کی گفتگو سن کر میں نے یہ خطرہ محسوس کیا تھا کہ اگر حامد بن زہرہ غرناطہ چلے گئے تو انہیں گرفتار کر لیا جائے گا۔ مجھے معلوم نہ تھا کہ وہ

یہاں پہنچ چکے ہیں ورنہ میں اسی وقت انہیں خبر دار کرنے کی کوشش کرتی۔"

اجنبی نے اسے تسلّی دیتے ہوئے کہا: "آپ کو اس قدر پریشان نہیں ہونا چاہیے۔ حامد بن زہرہ کو خطرات کا پورا پورا احساس ہے جو انہیں غرناطہ میں پیش آسکتے ہیں۔ تاہم انہیں یہ اطمینان تھا کہ اگر وہ غدّاروں سے خبر دار ہو جانے سے قبل شہر میں داخل ہو گئے تو عوام ان کے ساتھ ہوں گے۔ یہی وجہ تھی کہ اس مسئلہ پر انہوں نے آپ کے چچا کو بھی اعتماد میں نہیں لیا تھا۔"

"لیکن آپ کو معلوم نہیں میرے اور چچا پچھلے پہر کہیں جا چکے ہیں اور ابو القاسم کا ایلچی بھی ان کے ساتھ ہی چلا گیا ہے۔ مجھے یقین ہے کہ وہ غرناطہ کے سوا اور کہیں نہیں گئے اور ان کا مقصد یہی ہو سکتا ہے کہ وہ غرناطہ میں ان کے خلاف غدّاروں کی سازش کا حصّہ بننا چاہتے ہیں۔"

"چچی!" اس نے مڑ کر زبیدہ کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔ "میں غرناطہ جا

رہی ہوں۔ آپ جلدی سے ایک نوکر کو جگا کر یہ کہیں کہ وہ وادی سے آگے سڑک پر پہنچ کر میرا انتظار کرے۔ میں تھوڑی دیر میں گھوڑا لے کر پہنچ جاؤں گی!"

عاتکہ دروازے کی طرف بڑھی۔

"ٹھہریے!" اجنبی نے کہا۔ وہ مڑ کر اسی کی طرف دیکھنے لگی۔ آپ کو یقین ہے کہ آپ کے چچا۔۔۔!"

عاتکہ نے بات کاٹتے ہوئے کہا۔ "میں جانتی ہوں کہ اگر میں اپنے چچا کے خلاف کوئی بات کہوں تو لوگ مجھے پگلی سمجھیں گے لیکن اگر آپ حامد بن زہرہ سے میرے والد کی شہادت اور قلعے کی تباہی کے واقعات سن چکے ہیں تو شاید انہوں نے آپ کو اس غدّار سے متعلق بھی بتایا ہو گا جس نے بارود سے قلعہ کی دیوار اڑانے کے بعد دشمن کے لیے راستہ صاف کر دیا تھا۔ اس وقت آپ کے لیے یہ جان لینا کافی ہے کہ وہ غدّار رات کے وقت میرے چچا کا مہمان تھا۔ اس نے اپنا نام تبدیل کر لیا ہے اور وہ بالوں

کا رنگ بھی تبدیل کر لیا ہے۔ لیکن وہ کان تبدیل نہیں کر سکا جو میرے تیر سے زخمی ہوا تھا۔ میں اسے دیکھتے ہی پہچان گئی تھی مگر وہ کوئی اور ہوتا تو بھی اپنے چچا سے اس کی گفتگو سننے کے بعد مجھے اس بارے میں کوئی شک نہیں رہا کہ وہ ایک غدّار ہے اور غرناطہ کی آزادی کا سودا کرنے والوں نے اسے میرے چچا کے ضمیر کی قیمت چکانے کے لیے بھیجا تھا۔“

اجنبی نے کہا۔ ”موجودہ حالات میں آپ کا غرناطہ جانا مناسب نہیں۔ میں آپ کا پیغام پہنچانے کا ذمہ لیتا ہوں۔ اگر حامد بن زہرہ کو غرناطہ میں کسی جانثار ساتھی کی ضرورت ہو تو آپ مجھ پر اعتماد کر سکتی ہیں۔ میں نے عملاً آپ کے سوالات کا جواب دینے سے گریز کیا تھا۔ اب آپ کی تسلّی کے لیے یہ بتانا ضروری ہے کہ ہسپانیہ کے جس جہاز پر حامد بن زہرہ مالٹا سے سوار ہوئے تھے اس پر ترکوں کے ایک جہاز نے حملہ کیا تھا اور پھر اسی جہاز پر نہیں اندلس کے ساحل پر لایا گیا تھا۔“

عاتکہ بولی۔ ”اور آپ اسی جہاز پر ان کے ہمسفر تھے؟“

”ہاں!“ اس نے آنکھیں نیچی کرتے ہوئے کہا۔ ”میں اس جہاز کا کپتان ہوں اور دوسرے دو جہاز ہماری اعانت کے لیے آئے تھے۔“

عاتکہ پہلی بار توانائی، شرافت اور سادگی کے ایک پیکر مجسم کو دیکھ رہی تھی اور اسے ایسا محسوس ہوتا تھا کے خوف و اضطراب اور مایوسی کے اندھیروں سے یکایک روشنی کا ایک مینار ابھر آیا ہے۔

اس نے کہا۔ ”لیکن آپ ترک نہیں ہوسکتے!“

زبیدہ نے کہا۔ ”بیٹی! منصور کے نانا کہتے تھے کہ یہ اندلس کے ایک معزّز خاندان سے تعلق رکھتے ہیں اور انہوں نے دو بار میری جان بچائی ہے۔ لیکن یہ غرناطہ نہیں جاسکتے۔ آقا نے میرے سامنے یہ کہا تھا کہ ان کے لیے غرناطہ جانا بہت خطرناک ہے۔ وہ بہت جلد واپس آکر انہیں رخصت کریں گے۔ اگر وہ کسی وجہ سے رُک گئے تو سعید کو بھیج دیں گے اور سعید نے بھی مجھے یہ تاکید کی تھی کہ میں گاؤں سے کسی سے کبھی نہیں ملنا چاہیے۔“

اجنبی نے کہا۔ ”انہیں یہ بات پسند نہ تھی کہ میں بلا وجہ غرناطہ جانے کا خطرہ مول لوں لیکن اب مجھے ضرور جانا چاہیے۔ آپ نوکر سے کہیں میرا گھوڑا تیار کر دے!“

عاتکہ نے بے چین ہو کر کہا۔ ”چچی! خدا کے لیے جلدی کرو!“

زبیدہ باہر نکل گئی۔

عاتکہ اجنبی سے مخاطب ہوئی۔ ”آپ غرناطہ میں کسی کو جانتے ہیں؟“

”نہیں۔۔۔ میں بچپن میں ایک مرتبہ اپنے والد کے ساتھ وہاں گیا تھا اور وہ چار دن کسی دوست کے ہاں ٹھہرے تھے لیکن اب مجھے یہ بھی یاد نہیں کہ وہ کون تھا؟“

”پھر آپ ایک نوکر کو ساتھ لے جائیں!“

”نہیں! اگر حکومت اتنی چوکس ہے تو اس بستی کا کوئی آدمی بھی میرے ساتھ نہیں ہونا چاہیے۔“

”میرا خیال ہے کہ انہیں تلاش کرنے میں آپ کو کوئی دقّت پیش نہیں آئے گی۔ آپ البسین کے بڑے چوک میں پہنچ جائیں۔ وہاں مسجد کے ساتھ ہی ان کی درسگاہ ہے۔ ان کے مکان کا ایک دروازہ درسگاہ کے صحن کی طرف اور دوسرا عقب کی ایک تنگ گلی میں کھلتا ہے۔ مکان ایک مدّت سے بند پڑا ہے۔ ممکن ہے کہ وہ وہاں ٹھہرنے کی بجائے کسی دوست کے ہاں چلے گئے ہوں۔ بہرحال آپ کو درس گاہ سے ان کا پتا مل جائے گا۔ اب جلدی تیار ہو جائیں۔ میں باہر انتظار کرتی ہوں!“

یہ کہہ کر عاتکہ کمرے سے باہر نکل گئی۔

چند منٹ بعد اجنبی کمرے سے باہر نکلتا ہوا نظر آیا۔ اس کے سر پر سفید عمامہ تھا اور باقی لباس ایک بھاری اور ڈھیلی عبا کے اندر چھپا ہوا تھا اور عبا کے اوپر اس کی تلوار کی نیام، کمر پر کسی ہوئی چمڑے کی پیٹی کے ساتھ آویزاں تھی۔

صحن میں عاتکہ اور زبیدہ کے علاوہ دو نوکر جن میں سے ایک نے اس کے

گھوڑے کی باگ تھام رکھی تھی، کھڑے تھے۔ وہ لمبے لمبے قدم اٹھاتا ہوا آگے بڑھا اور نوکر کے ہاتھ سے باگ پکڑتے ہی گھوڑے پر سوار ہو گیا۔ آن کی آن میں وہ اچانک سے باہر جا چکا تھا۔

اچانک منصور ایک کمرے سے نکلا اور اس نے آگے بڑھ کر گھٹی ہوئی آواز میں پوچھا۔ ”وہ چلے گئے؟“

زبیدہ نے اسے تسلّی دیتے ہوئے کہا۔ ”بیٹا ایک ضروری کام سے گئے ہیں۔ “

لیکن ماموں جان کہتے تھے کہ وہ ان کی واپسی تک نہیں جائیں گے۔ آپ نے مجھے کیوں نہیں جگایا۔ اب وہ نہیں آئیں گے۔ “

”وہ ضرور واپس آئیں گے بیٹا! اگر میری بات پر یقین نہیں آتا تو کمرے میں جا کر ان کا سامان دیکھ لو۔ وہ کئی چیز یہیں چھوڑ گئے ہیں۔ “

منصور قدرے پُر امّید ہو کر سلمان کے کمرے کی طرف بھاگا اور عاتکہ زبیدہ سے مخاطب ہوئی:

”آپ کو اس کا نام معلوم ہے؟“

”اس کا نام سلمان ہے۔“

”چچا ہاشم کو یہ معلوم ہو چکا ہے کہ وہ ترکوں کی بحری فوج سے تعلق رکھتا ہے؟“

”نہیں! آقا نے تمہارے چچا کو صرف یہ بتایا تھا کہ یہ نوجوان الفجارہ کے ایک عرب قبیلے کے سردار کا بیٹا دیا اور اسے راستے میں میری حفاظت کی ذمّہ داری سونپی گئی تھی۔“

”آپ نے ان کی ساری گفتگو سنی تھی؟“

”ہاں! جب وہ کمرے میں موجود تھے تو میں ساتھ والے کمرے میں موجود تھی۔ تمہارے چچا کی باتیں سننے کے بعد میں یہ سوچ بھی نہیں سکتی کہ وہ غدّاروں کے ساتھ شامل ہو سکتے ہیں۔ سعید کے والد اس سے بہت خفا تھے کہ انہوں نے اپنے دو بیٹے یرغمال میں بھیج دیے ہیں۔ وہ انہیں بے غیرتی اور بد دلی کا طعنہ دے رہے تھے۔ لیکن تمہارے چچا بار بار یہی کہہ

رہے تھے کہ یہ ایک مجبوری تھی۔ ہم تیاری کے لیے مہلت چاہتے تھے۔ اب اگر آپ بیرونی اعانت کی کوئی امید لے کر آئے ہیں تو میں آپ کے ساتھ ہوں اور دشمن کے خلاف تلوار اٹھاتے ہوئے مجھے اس بات کی پروا نہیں ہو گی کہ وہ میرے بیٹوں کے ساتھ کیا سلوک کرتا ہے۔ تم یہ کہہ رہی ہو کہ غرناطہ میں کوئی خطرناک سازش ہو رہی ہے۔ لیکن اگر تمہارے چچا ان کے دشمن ہوتے تو وہ بار بار یہ کیوں کہتے کہ موجودہ حالات میں غرناطہ آپ کے لیے قطعاً غیر محفوظ ہے۔"

"چچا ہاشم نے یہ کہا تھا؟"

"ہاں!"

"اور انہوں نے کیا جواب دیا تھا؟"

"انہوں نے یہ کہا تھا کہ میں اس مسئلہ پر سوچوں گا۔ ابھی مجھے آرام کی ضرورت ہے۔"

عاتکہ نے کہا۔ "اس کا مطلب اس کے سوا کچھ نہیں ہو سکتا کہ چچا ہاشم

انہیں کریدنا چاہتے تھے کیونکہ سعید کے والد نے انہیں اعتماد میں لینے سے گریز کیا تھا اور ان کی اچانک روانگی کی وجہ یہی تھی کہ وہ چچا ہاشم کو اس بات کا موقع نہیں دینا چاہتے کہ وہ ابو القاسم اور دوسرے غدّاروں کو خبردار کر دیں تاکہ انہیں غرناطہ پہنچتے ہی گرفتار کر لیا جائے۔"

"اب بھی مجھے یقین ہے کہ وہ سیدھے غرناطہ گئے ہوں گے۔"

زبیدہ نے کچھ سوچ کر سوال کیا۔ "تمہیں معلوم ہے وہ کس وقت روانہ ہوئے تھے؟"

"نوکروں نے مجھے بتایا تھا کہ وہ رات پچھلے پہر روانہ ہو گئے تھے۔"

"سعید کے والد آدھی رات کے قریب تمہارے چچا کو رخصت کرتے ہی چلے گئے تھے۔ اس کا مطلب ہے کہ وہ تمہارے چچا سے بہت پہلے غرناطہ پہنچ جائیں گے۔"

منصور مسکراتا ہوا واپس آیا اور اس نے کہا۔ "وہ اپنی کمان، ترکش اور کپڑوں کا ایک جوڑا چھوڑ گئے ہیں لیکن اپنی تلوار اور طمنچہ ساتھ لے گئے

ہیں۔"

عاتکہ نے پوچھا۔ "تم نے ان کے پاس طمنچہ دیکھا تھا؟"

"ہاں! انہوں نے میرے سامنے تپائی پر رکھ دیا تھا۔ میں نے چمڑے کی پیٹی کے ساتھ بارود کی ایک تھیلی بھی دیکھی تھی۔ خالہ عاتکہ! کہیں وہ باقی چیزوں کو بیکار سمجھ کر تو نہیں چھوڑ گئے؟ آپ کو یقین ہے کہ وہ ضرور واپس آئیں گے؟"

"انشاء اللہ وہ ضرور آئیں گے۔ لیکن میری سمجھ میں نہیں آتا کہ تم اتنے پریشان کیوں ہو؟"

"میں پریشان نہیں ہوں۔ مجھے اس بات پر غصّہ آرہاہے کہ وہ مجھ سے ملے بغیر کیوں چلے گئے اور چچی زبیدہ نے مجھے جگانے کی کوشش کیوں نہ کی۔ جب نانا جان جارہے تھے تو انہوں نے مجھ سے کہا کہ اب ان کے میزبان تم ہو۔" "تم اس وقت جاگ رہے تھے؟" عاتکہ نے پوچھا۔

"ہاں اور نانا جان کو رخصت کرنے کے بعد بھی میں نے کافی دیر ان سے

باتیں کی تھیں۔"

"وہ تمہاری بے معنی باتوں سے بیزار تو نہیں ہوا تھا؟"

"کس سے؟"

"تمہاری گفتگو سے!"

"وہ کیوں؟" منصور نے بگڑ کر پوچھا۔

"تم اتنا بھی نہیں سمجھ سکتے کہ آدھی رات کے وقت باتیں کرنے کی بجائے وہ سونا زیادہ پسند کرتے ہیں۔" عاتکہ اپنی مسکراہٹ چھپانے کی کوشش کر رہی تھی۔

منصور نے بگڑ کر کہا۔ "چچی زبیدہ! ذرا ان کا لباس تو دیکھیے۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ یہ ساری رات مچھلیاں پکڑتی رہی ہیں۔"

عاتکہ ہنس پڑی۔ زبیدہ نے کہا۔ "بیٹی! تمہیں سردی نہ لگ جائے۔ اندر چلو میں ابھی آگ جلاتی ہوں۔"

”نہیں میں اب گھر جاؤں گی۔۔۔ کیوں منصور؟ تم میرے ساتھ چلو گے ناں؟“ منصور نے جواب دینے کی بجائے اس کا ہاتھ پکڑ لیا۔

☆☆☆

غرناطہ کے آٹھ سرکردہ آدمی وزیرِ سلطنت ابو القاسم کے عالی شان محل کے ایک کشادہ کمرے میں بیٹھے تھے۔ ہاشم ایک نوکر کے ساتھ کمرے کے دروازے پر رکا اور قدرے توقف کے بعد ”السلام علیکم!“ کہہ کر جھجکتا ہوا اندر داخل ہوا۔ وہ وعلیکم السلام کہہ کر تعظیم کے لیے اٹھے لیکن ہاشم کسی سے مصافحہ کرنے کے بجائے دروازے کے قریب ہی ایک کرسی پر بیٹھ گیا۔ اس کا چہرہ اترا ہوا تھا۔ کمرے میں تھوڑی دیر خاموشی چھائی رہی۔ پھر غرناطہ کے ایک معمولی تاجر نے سوال کیا۔ ”کیا بات ہے؟ آپ بہت پریشان نظر آرہے ہیں؟“

ہاشم نے گھٹی ہوئی آواز میں جواب دیا۔ ”اب پریشانی کا لفظ ہمارے احساسات کی ترجمانی کے لیے کافی نہیں۔ ابو القاسم کب آئیں گے؟“

"اگر الحمرا میں کوئی اہم مسئلہ پیش نہ آگیا تو وہ آ ہی رہے ہوں گے۔ ہم کافی دیر سے ان کا انتظار کر رہے ہیں۔"

ایک ساعت بعد چار آدمی ملاقاتیوں میں شریک ہو چکے تھے اور ہاشم انتہائی حیرانی کی حالت میں ابو عبداللہ کی دور اندیشی اور ابوالقاسم کے تدبّر اور فرڈیننڈ کی فیاضی سے متعلق ان کی گفتگو سن رہا تھا۔ ایک عمر رسیدہ آدمی جو اپنے لباس سے کسی درگاہ کا عالم معلوم ہوتا تھا کہہ رہا تھا "ہمیں اندیشہ تھا کہ بعض کوتاہ اندیش صلح کی شرائط کے خلاف عوام کو بھڑکانے کی کوشش کریں گے لیکن خدا کا شکر ہے اہلِ غرناطہ نے شر پسندوں سے منہ پھیر لیا ہے۔ جو لوگ کل تک وزیر اعظم کو بے حسی اور بزدلی کے طعنے دیتے تھے وہ اب انہیں قوم کا محسن سمجھتے ہیں۔ اب غرناطہ کی مائیں سلطان معظم کو بھی دعائیں دیتی ہیں کہ انہوں نے قوم کو مزید تباہی سے بچا لیا ہے۔"

حکومت کے ایک عہدہ دار نے کہا۔ "ہمیں وزیر اعظم کا شکر گزار ہونا چاہیے کہ انہوں نے شہر کے انتہائی بااثر خاندانوں کے آدمی فرڈیننڈ کے

حوالے کر کے آئندہ کے لیے جنگ کے امکانات ختم کر دیے ہیں۔ اب اگر کسی شر پسند نے عوام کو مشتعل کرنے کی کوشش کی تو اسے منہ کی کھانی پڑے گی۔“

دوسرے عہدیدار نے کہا۔ ”چند دن قبل یہ کون کہہ سکتا تھا کہ دشمن کا فوجی مستقر ہمارے لیے ایک منڈی بن جائے گا اور غرناطہ کے بازاروں میں غلّے، ایندھن، پھلوں اور سبزیوں کے انبار لگ جائیں گے۔ پرسوں طلوع آفتاب سے لے کر غروب آفتاب تک سینٹا فے کے ساٹھ چھکڑے غرناطہ پہنچے تھے۔ کل ان کی تعداد سو سے زیادہ تھی۔ خچروں اور گدھوں پر بھی کافی سامان پہنچ رہا ہے۔ غرناطہ کے بازار میں ضروریاتِ زندگی کی قیمتیں تیزی سے گر رہی ہیں۔

اس کے علاوہ جنوب کے راستوں کی ناکہ بندی کر کے فرڈیننڈ نے ہمارے لیے مزید آسانیاں پیدا کر دی ہیں۔ ابو القاسم کا یہ کارنامہ ایک سیاسی معجزے سے کم نہیں کہ انہوں نے قوم کو موت کے چنگل سے نکال کر امن اور خوشحالی کے راستے پر ڈال دیا ہے۔“

اچانک ہاشم کی قوّت برداشت جواب دے گئی اور اس نے کہا۔ ”خدا کے لیے اپنے آپ کو فریب نہ دیجیے۔“

حاضرین کی نگاہیں ہاشم پر مرکوز ہو گئیں اور کمرے میں تھوڑی دیر کے لیے سنّاٹا چھا گیا۔ پھر ایک آدمی نے پوچھا۔ ”آپ کا مطلب؟“

ہاشم نے جواب دیا۔ ”میرا مطلب یہ ہے کہ ہمارے چار سو آدمی چند ہفتوں کے لیے دشمن کی میزبانی کا لطف اٹھائیں گے اور پھر اسی کے عوض پوری قوم کے گلے میں غلامی کا طوق ڈال دیا جائے گا۔ تم چند دن فرڈیننڈ کی فیاضی اور اپنے اکابر کی دور اندیشی کے گیت گاؤ گے اور اس کے بعد تمہاری آئندہ نسلیں صدیوں تک تمہاری قبروں پر لعنتیں بھیجتی رہیں گی۔ تم اس بات سے خوش ہو کہ سنیٹا فے سے تجارت کا راستہ کھل گیا ہے اور تمہارے لیے امن اور خوشحالی کا ایک نیا دور شروع ہو گیا ہے۔ لیکن تمہیں یہ معلوم نہیں کہ اس راستے پر تم پر کتنی بلائیں نازل ہونے والی ہیں اور تمہاری آئندہ نسلوں کو تمہاری چند دن کی خوشحالی کی کتنی قیمت ادا کرنے پڑے گی!“

حاضرین چند ثانیے کے لیے دم بخود ہو کر ہاشم کی طرف دیکھتے رہے۔ پھر غرناطہ کے ایک بہت بڑے تاجر نے کہا۔ "ہاشم تمہیں کیا ہو گیا ہے۔ کیا تم جنگ بندی سے خوش نہیں ہو؟"

اس نے جواب دیا۔ "ایک شکست خوردہ اور مایوس انسان اپنے مصائب سے نجات حاصل کرنے کے لیے موت کی تمنّا تو کر سکتا ہے لیکن پوری قوم کی غلامی اور ہلاکت سے خوش نہیں ہو سکتا۔"

ایک فوجی افسر نے کہا۔ "لیکن تمہارے خیالات پہلے یہ نہیں تھے اور جہاں تک مجھے معلوم ہے تمہیں اپنے دو بیٹوں کو فرڈیننڈر کے حوالے کرنے پر بھی اعتراض نہیں تھا۔ اب تمہیں کوئی ایسی بات نہیں کرنی چاہیے جو غرناطہ کے امن کے منافی ہو۔"

ہاشم نے جواب دیا۔ "کیا اب مجھے اپنی غلطی پر پشیمان ہونے کا حق بھی نہیں رہا؟"

ایک عمر رسیدہ آدمی نے جواب دیا۔ "تم جی بھر کر پشیمان ہو سکتے ہو لیکن

اس کے لیے سلطنت کے وزیرِ اعظم کی رہائش گاہ موزوں نہیں ہے۔“

ہاشم نے ہونٹ کاٹتے ہوئے جواب دیا۔ ”جہاں تک مجھے معلوم ہے۔ چار ہفتوں کے بعد غرناطہ پر فرڈینینڈ قابض ہو جائے گا اور پھر یہ جگہ ہمارے مدبّر اور دور اندیش وزیر اعظم کی قیام گاہ نہیں ہو گی۔“

ایک اور آدمی بولا۔ ”آپ ہاشم سے بات نہ کریں۔ یہ اپنے بیٹوں کے متعلق پریشان ہیں لیکن مجھے یقین ہے کہ ان کا اضطراب بہت جلد دور ہو جائے گا۔ ہم ابوالقاسم سے درخواست کریں گے کہ وہ آپ کے لیے اپنے بیٹوں سے ملاقات کا بندوبست کرا دیں۔“

ہاشم چلّایا۔ ”خدا کے لیے بار بار میرے بیٹوں کا ذکر نہ کرو“۔

اس کے بعد کسی کو اس سے ہم کلام ہونے کی جرأت نہ ہوئی۔ تھوڑی دیر بعد ابوالقاسم کمرے میں داخل ہوا اور حاضرین تعظیم کے لیے کھڑے ہو گئے۔ ابوالقاسم نے کھڑے کھڑے ایک نوجوان سے سوال کیا:

”اب شہر کی فضا کیسی ہے؟“

”جناب ابھی تک کوئی ایسی اطلاع نہیں ملی جس پر کسی تشویش کا اظہار کیا جاسکے۔“

ابو القاسم نے آگے بڑھ کر حاضرین مجلس کے سامنے ایک کرسی پر بیٹھ گیا اور اس نے کہا۔ ”آپ حضرات کو اپنے عزیزوں کی خیریت دریافت کرنے کے لیے بار بار میرے پاس آنے کی ضرورت پیش نہیں آئے گی۔ وہ فرڈینںڈ کے پڑاؤ میں آپ کی نسبت زیادہ آرام سے ہیں۔ اگر ہم فرڈینںڈ کو یہ اطمینان دلا سکے کہ ہم خلوصِ دل سے متارکہ جنگ کی شرائط پوری کرنا چاہتے ہیں تو مجھے یقین ہے کہ وہ زیادہ دیر تک انہیں یرغمال بنا کر رکھنا پسند نہیں کرے گا۔ سینٹا فے سے تجارت کا راستہ کھل جانا ایک بہت بڑی کامیابی ہے اور مجھے توقع ہے کہ چند دن تک آپ کو قیدیوں سے ملاقات کی اجازت بھی مل جائے گی۔ اب آپ کو بے کار وقت ضائع کرنے کی بجائے عوام کے پاس جانا چاہیے اور انہیں تسلّی دی جائے کہ حکومت جو کچھ کر رہی ہے ان کی بہتری کے لیے ہے۔“

ہاشم دیر تک سر جھکائے ان کی باتیں سُنتا رہا۔ اچانک ابو القاسم اس کی

طرف دیکھ کر چونک گیا۔ ”ہاشم! معاف کیجیے مجھے معلوم نہ تھا کہ آپ یہاں ہیں۔ آپ کب آئے؟“

”میں ابھی آیا ہوں۔“ اس نے بددلی سے جواب دیا۔

ایک آدمی بولا۔ ”جناب! یہ آپ کی کامیابیوں سے مطمئن نہیں ہیں۔ ان کا خیال ہے کہ غرناطہ کا راستہ کھول کر آپ ایک بہت بڑا خطرہ مول لے چکے ہیں۔“

”آپ کو معلوم ہونا چاہیے کہ میں ان کی رائے کا بہت احترام کرتا ہوں۔ اب اگر آپ حضرات مجھے اجازت دیں تو میں ان سے چند ضروری باتیں کرنا چاہتا ہوں۔“

ابو القاسم کھڑا ہو گیا اور وہ باری باری اس سے مصافحہ کرنے کے بعد کمرے سے نکل گئے۔

ابو القاسم دوبارہ کرسی پر بیٹھ گیا اور اس نے ہاشم سے پوچھا: ”آپ کو میرا پیغام مل گیا تھا؟“

"ہاں!"

"تو پھر آپ کو غرناطہ آنے کی بجائے اپنے گھر میں رہنا چاہیے تھا۔ ہو سکتا ہے کہ حامد بن زہرہ کی واپسی کے متعلق میرے خدشات بے بنیاد ہوں لیکن اندلس کے ساحل پر فرڈیننڈ کے دو جہازوں کی تباہی معمولی واقع نہیں۔ اس سے قبل فرڈیننڈ کی طرف سے ہمیں یہ اطلاع مل چکی تھی کہ شاید حامد بن زہرہ کو مالٹا کے قید خانے سے نکال کر جس جہاز پر واپس لایا جا رہا تھا وہ سمندر میں لا پتہ ہو چکا ہے۔ اس لیے یہ بعید از قیاس ہے کہ راستے میں ترک جہاز رانوں نے حملہ کر دیا ہو اور حامد بن زہرہ کو چھڑانے کے بعد اندلس کے ساحل پر اتارنے کی کوشش کی ہو۔"

"میرا خیال تھا کہ حامد بن زہرہ غرناطہ پہنچنے سے پہلے آپ کے ساتھ رابطہ قائم کرے گا اور آپ کی حوصلہ افزائی کے بغیر کوئی بڑا اقدم نہیں اٹھائے گا۔ اگر حامد بن زہرہ واپس آ گیا تو اسے قبائل کو مشتعل رکھنے میں دیر نہیں لگے گی اس لیے آپ فوراً واپس چلے جائیں اور قبائل کو پر امن رکھنے کی کوشش کریں۔ فرڈیننڈ آپ کی یہ خدمت فراموش نہیں کرے گا۔

میرے لیے یہ سمجھنا مشکل نہیں کہ آپ اپنے لڑکوں کے متعلق بہت پریشان ہیں لیکن آپ کو مجھ پر بھروسہ کرنا چاہیے۔ حامد بن زہرہ کا خطرہ دور ہوتے ہی میں انہیں رہا کروانے کی کوشش کروں گا۔"

ہاشم نے ملتجی ہو کر کہا۔ "جناب مجھ پر احسان کیجیے اور انہیں آج ہی واپس بلا لیجیے۔"

"لیکن میں اچانک آپ کے پریشان ہونے کی وجہ نہیں سمجھ سکا!"

"جناب میں اندلس سے ہجرت کا فیصلہ کر چکا ہوں۔"

"اس کی وجہ؟"

"مجھے ڈر ہے کی غرناطہ میں دشمن کا داخلہ میرے لیے ناقابلِ برداشت ہو گا۔ آپ میرے متعلق یہ اطمینان چاہتے تھے کہ یہاں پر امن رہوں اور جب میں اپنے بستی سے ہجرت کر جاؤں گا تو میرے متعلق آپ کے سارے خدشات دور ہو جائیں گے۔"

ابو القاسم نے جواب دیا۔ ”مجھے ذاتی طور پر کوئی بے اطمینانی نہیں۔ لیکن تم جانتے ہو کہ وہ چار سو آدمی فرڈیننڈ کے اطمینان کے لیے اس کے حوالے کیے گئے ہیں۔ اگر میں کسی کو واپس بلانے کے لیے دوڑ دھوپ شروع کر دوں تو فرڈیننڈ کیا خیال کرے گا۔ اور غرناطہ میں دوسرے لوگوں کے عزیز و اقارب کا کیا ردِّ عمل ہو گا؟“

ہاشم نے اپنے خشک ہونٹوں پر زبان پھیرتے ہوئے کہا۔ ”خدا کے لیے میری مدد کیجیے! اپنے بیٹوں کی جگہ میں بذات خود فرڈیننڈ کے پڑاؤ میں جانے کے لیے تیار ہوں۔“

ابو القاسم کے بے اعتنائی سے جواب دیا۔ ”اس سے پہلے تم قطعاً پریشان نہ تھے۔ اب اگر تمہیں اچانک کوئی بے اطمینانی محسوس ہوئی ہے تو اس کے لیے کوئی معقول وجہ ہونی چاہیے۔“

”اس سے پہلے میں یہی سوچتا تھا کہ میں ہجرت نہیں کروں گا لیکن اب مجھے اندلس میں ایک دن گزارنا بھی صبر آزما محسوس ہوتا ہے۔ میں

مرنے سے پہلے اپنے بیٹوں کے متعلق اطمینان چاہتا ہوں کہ وہ کسی آزاد ملک میں آباد ہو گئے ہیں۔"

ابو القاسم نے اس کی طرف غور سے دیکھا اور اچانک اپنا لہجہ تبدیل کرتے ہوئے کہا۔ "تم مجھ سے کوئی بات چھپا رہے ہو۔ تمہاری آنکھیں کسی فوری خطرے کے احساس کی ترجمانی کر رہی ہیں۔ تم کسی ایسی محفل سے اُٹھ کر میرے پاس آئے ہو جہاں امن کے معاہدہ کے خلاف باتیں ہو رہی ہیں۔"

"میں سیدھا اپنے گھر سے آپ کی خدمت میں پہنچا ہوں۔"

"مجھے معلوم ہے۔۔۔ لیکن تم سیدھی بات کیوں نہیں کرتے؟"

"سیدھی بات!" "ہاں تم یہ کیوں نہیں کہتے کہ ہماری اطلاعات غلط تھیں۔ حامد بن زہرہ واپس آگیا ہے۔ تم اس سے ملاقات کر چکے ہو۔ اور اس ملاقات کے بعد تمہیں اپنی ذمہ داریوں سے فرار کا راستہ تلاش کرنے کی فکر ہے۔ ہاشم تم مجھ کو بے وقوف نہیں بنا سکتے۔ میں نے تمہاری صورت

دیکھ کر ہی سمجھ لیا تھا کہ حامد بن زہرہ آچکا ہے اور اس کی آمد کو کسی نئے طوفان کا پیش خیمہ سمجھتے ہو۔ اب ذرا ہمّت سے کام لو۔ اگر وہ غرناطہ میں داخل ہو چکا ہے تو یہ ہماری ذمہ داری ہے کہ اسے نئے فتنے جگانے کا موقع نہ ملے۔ ہم ایک ہی کشتی میں سوار ہیں اور اس کشتی کو ڈوبنے سے بچانا ہمارا پہلا فرض ہے۔ بتاؤ وہ کہاں ہے؟"

"جناب! وہ غرناطہ نہیں پہنچا اور اگر وہ یہاں پہنچ چکا ہوتا تو بھی میں آپ کو یہ نہ بتاتا کہ وہ کہاں ہے۔"

"تم گزشتہ رات اپنے گھر میں تھے۔ اگر حامد بن زہرہ ابھی تک یہاں نہیں پہنچا تو وہ تمہارے گاؤں میں ہو گا۔ میں تمہارا شکر گزار ہوں۔"

ہاشم چلّایا۔ "آپ اسے گاؤں سے گرفتار نہیں کر سکتے۔"

"اسے وہاں گرفتار کرنے کی ضرورت نہیں۔ میں صرف اسے شہر کے دروازوں سے دور رکھنا چاہتا ہوں اور اگر تم اپنے بیٹوں کے دشمن نہیں ہو تو تمہیں میرے ساتھ تعاون کرنا پڑے گا۔"

ابو القاسم نے یہ کہہ کر تالی بجائی۔ ایک پہرے دار کمرے میں داخل ہوا۔ ابوالقاسم نے اسے حکم دیا۔

”تم فوراً کوتوال کے پاس جاؤ اور اس سے کہو کہ شہر کے تمام دروازوں پر پہرہ بٹھا دیا جائے اور اگر حامد بن زہرہ شہر میں داخل ہونے کی کوشش کرے تو اسے گرفتار کر کے فوراً ہمارے سامنے پیش کیا جائے۔“

پہرے دار چلا گیا تو وہ ہاشم کی طرف متوجہ ہوا۔ ”اگر اس نے غرناطہ پہنچنے سے پہلے قبائلی لوگوں کو بغاوت پر آمادہ کرنا ضروری سمجھا تو مجھے قدم قدم پر تمہاری اعانت کی ضرورت پیش آئے گی اور اگر تم اپنے بیٹوں کی بہی خواہ ہو تو تمہیں حکومت کے ساتھ پورا تعاون کرنا پڑے گا۔ میں تم سے یہ وعدہ کر سکتا ہوں کہ اس کا بال بیکا نہیں ہو گا۔ میرا مقصد صرف غرناطہ کو تباہی سے بچانا ہے۔ اگر تم مجھے یہ بتا سکے کہ اہل بربر اور ترکوں کے جہاز اندلس کے ساحل پر لنگر انداز ہونے والے ہیں تو میں ان کا استقبال کرنے کے لیے سب سے آگے ہوں گا۔ لیکن اگر وہ تنہا واپس آیا ہے تو غرناطہ کے عوام کے لیے اس کے پاس موہوم امیدوں اور خوش کن

باتوں کے سوا کچھ نہ ہو گا۔"

ہاشم نے جواب دیا۔ "جناب میں یہ کوشش کروں گا کہ وہ غرناطہ آنے کا ارادہ تبدیل کر دے۔ لیکن اس کی گرفتاری کے لیے میں آپ سے کوئی تعاون نہیں کروں گا۔"

ابو القاسم نے قدرے نرم ہو کر کہا۔ "میں تم سے یہ وعدہ کر سکتا ہوں کہ میرے ہاتھوں حامد بن زہرہ کو کوئی نقصان نہیں پہنچے گا اور اگر تم چاہو تو اسے گرفتاری سے بچا بھی سکتے ہو لیکن ضروری ہے کہ اسے لوگوں کو مشتعل کرنے کا موقع نہ دیا جائے۔"

ایک نوکر کمرے میں داخل ہوا اور اس نے کہا:

"جناب! غرناطہ کے کوتوال آپ سے ملنا چاہتے ہیں۔ وہ کوئی اہم خبر لائے ہیں۔"

"اسے یہاں لے آؤ۔"

نوکر کمرے سے باہر نکل گیا اور تھوڑی دیر بعد ایک قوی ہیکل آدمی جس کی عمر پچاس سال سے اوپر معلوم ہوتی تھی کمرے میں داخل ہوا اور اس نے کسی تمہید کے بغیر کہا:

”جناب میں اس طرف آرہا تھا کہ راستے میں آپ کا ایلچی مل گیا۔ میں نے آپ کے حکم کے مطابق پہرداروں کو ہدایات کی بھیج ہیں۔“

ابو القاسم نے برہم ہو کر کہا۔ ”اور تم اب میرے حکم کی وجہ دریافت کرنے آئے ہو؟“

”نہیں جناب۔ میں اتنی بات سمجھ سکتا ہوں کہ آپ کا کوئی حکم خالی از حکمت نہیں ہوتا۔ لیکن میں نے ایک اہم خبر سنی ہے۔“

”کیسی خبر؟“

کوتوال جواب دینے کے بجائے تذبذب کی حالت میں ہاشم کی طرف دیکھنے لگا:

ابو القاسم نے جھنجھلا کر کہا: "تم خاموش کیوں ہو گئے ہو۔ ہاشم سے غرناطہ کی کوئی بات پوشیدہ نہیں ہے۔"

کوتوال نے کہا۔ "جناب میں آپ کو یہ بتانے آ رہا تھا کہ حامد بن زہرہ شہر میں داخل ہو گیا ہے۔ وہ البسین میں کسی کے پاس ٹھہرا ہوا ہے۔ اس کا اپنا مکان خالی ہے اور وہ اپنی درس گاہ میں بھی نہیں ہے۔ ہو سکتا ہے کہ صرف ایک افواہ ہو لیکن شہر کے لوگ البسین کی گلیوں اور چوراہوں میں جمع ہو رہے ہیں۔ اور ہمارے آدمیوں نے کئی لوگوں کو یہ باتیں کرتے سنا ہے کہ حامد بن زہرہ واپس آ گیا ہے اور وہ آج ہی البسین کی مسجد میں اہلِ شہر سے خطاب کرے گا۔ شہر میں اس قسم کی باتیں ہو رہی ہیں کہ وہ اسلامی ممالک کے حکمرانوں کی طرف سے کوئی حوصلہ افزا پیغام لایا ہے۔"

ابو القاسم نے ہاشم کی طرف دیکھا تو اس نے کہا:

"یہ ناممکن ہے۔ میں سوچ بھی نہیں سکتا کہ وہ یہاں پہنچ چکا ہے۔"

ابو القاسم نے کہا: ”تم نے اسے غرناطہ آنے سے منع کیا تھا؟“

”ہاں!“

”اور تم نے اسے یہ بھی بتا دیا تھا کہ تمہارے بیٹے غرناطہ کے چار سو آدمیوں کے ساتھ یرغمال کے طور پر جا چکے ہیں۔“

”یہ بات انہیں میری ملاقات سے پیشتر ہی معلوم ہو چکی تھی۔“

ابو القاسم نے قدرے سوچ کر کہا۔ ”ان حالات میں یہ بعد از قیاس ہے کہ اس نے تمہارے متعلق تھوڑی بہت بے اطمینانی محسوس کی اور تم سے غرناطہ آنے کا ارادہ ظاہر کرنا نا ممکن سمجھا ہو۔ بہر حال اگر وہ یہاں پہنچ چکا ہے تو ہمیں صحیح صورت حال معلوم کرنے میں دیر نہیں لگے گی۔“

ابو القاسم یہ کہہ کر کوتوال کی طرف متوجہ ہوا۔ ”اب تمہیں یہ سمجھانے کی ضرورت نہیں کہ موجودہ حالات میں تمہاری ذمہ داریاں کیا ہیں۔ تم البسین میں ایسے لوگوں کی خدمات حاصل کر سکتے ہو جو تمہیں ایک ایک لمحہ کی خبر دیتے رہیں لیکن تمہاری طرف سے کوئی ایسی بات نہیں ہونی

چاہیے جس سے عوام مشتعل ہو جائیں۔ اب مجھے دوبارہ سلطان کے پاس واپس جانا پڑے گا اور میری کوشش یہ ہو گی کہ غرناطہ کے تمام بااثر لوگ خصوصاً وہ جن کے بیٹے اور بھائی یرغمال کے طور پر بھیجے جا چکے ہیں الحمرا میں جمع ہو جائیں۔ سر دست شہر کے دروازے بند رہنے چاہئیں۔"

کوتوال نے جھجکتے ہوئے کہا۔ "جناب مجھے اندیشہ ہے کہ اگر حامد بن زہرہ غرناطہ پہنچ چکا ہے تو چین سے نہیں بیٹھے گا۔ اگر آپ اجازت دیں تو البسین میں بھی ایسے افراد کی خدمات حاصل کی جا سکتی ہیں جو اسے ٹھکانے لگا دیں۔"

ہاشم اٹھ کر کھڑا ہو گیا اور غصّے سے لرزتی ہوئی آواز میں کہا:

"غرناطہ میں حامد بن زہرہ پر ہاتھ ڈالنا بچوں کا کھیل نہیں ہے۔ اگر اسے قتل کرنے کی کوشش کی گئی تو شہر کا کوئی گوشہ تمہارے لیے محفوظ نہیں رہے گا۔"

پھر اس نے ملتجی ہو کر ابو القاسم کی طرف دیکھا۔ "جناب! مجھے اجازت

دیجیے!"

"تم کہاں جانا چاہتے ہو۔"

"جناب! میں حامد بن زہرہ کو تلاش کرنے کی کوشش کروں گا۔ ممکن ہے کہ میں اسے تباہی کے راستے سے روک سکوں۔"

"نہیں! اب تم باہر نہیں جاسکتے۔"

ہاشم چند ثانیے سکتے کی حالت میں اسے دیکھتا رہا۔ پھر اس نے ڈوبی ہوئی آواز میں کہا: "آپ کا مطلب ہے کہ میں آپ کی قید میں ہوں۔"

"نہیں! میرا مطلب یہ ہے کہ اب تمہاری حفاظت میری ذمہ داری ہے۔ اگر حامد بن زہرہ کے کسی حامی نے تمہیں میرے گھر سے نکلتے دیکھ لیا تو تم زندہ واپس نہیں آسکو گے۔ اس لیے جب تک میں کوئی فیصلہ نہیں کرتا، تم یہیں رہو گے۔"

ہاشم نے کچھ کہنے کی کوشش کی لیکن ابوالقاسم اور کوتوال کمرے سے باہر

نکل گئے اور وہ نڈھال ہو کر کرسی پر گر پڑا۔ تھوڑی دیر بعد اٹھ کر وہ دروازے کی طرف بڑھا تو وہاں دو مسلح پہرے دار کھڑے تھے۔ وہ اپنے آپ کو کوستا ہوا واپس مڑا اور دوبارہ کرسی پر بیٹھ گیا۔

سلمان کا سفر

غرناطہ سے کوئی دو کوس دور سلمان ایک بستی میں داخل ہوا جس کے در و دیوار پر گزشتہ جنگ کے آثار نمایاں تھے۔ کشادہ سڑک کے دونوں کناروں پر بیشتر گھر غیر آباد نظر آتے تھے اور مکانات کی چھتیں پیوند زمین ہو چکی تھیں۔ صرف چند گھر ایسے تھے جہاں زندگی کے آثار دکھائی دیتے تھے۔

بائیں ہاتھ مسجد کی چھت ٹوٹی ہوئی تھی اور پاس ہی دو آدمی ایک گاڑی پر خشک گھاس لادنے میں مصروف تھے۔

گاڑی میں دو خچر جتے ہوئے تھے اور گاڑی بان جس کی عمر چودہ سال کے

لگ بھگ معلوم ہوتی تھی اوپر لیٹا ہوا تھا۔

دائیں ہاتھ ایک کشادہ حویلی کی دیوار تھی جس میں جگہ جگہ شگاف پڑے ہوئے تھے۔ سلمان اس حویلی کے دروازے کے قریب پہنچا تو اچانک ایک بوڑھا آدمی لاٹھی ٹیکتا ہوا باہر نکلا اور گھوڑے کے سامنے آ گیا۔ گھوڑے کی رفتار زیادہ نہ تھی۔ سلمان نے بر وقت باگیں کھینچ کر اسے دائیں کنارے کی طرف ہٹالیا لیکن بوڑھا آدمی جسے اس نے گھوڑے کی زد سے بچانے کی کوشش کی تھی آگے جانے کی بجائے اچانک پیچھے مڑا اور گھوڑے سے ٹکرا کر ایک طرف گر پڑا۔۔ سلمان نے گھوڑے سے کود کر اسے سہارا دیتے ہوئے کہا:

"معاف کیجئے! آپ کو زیادہ چوٹ تو نہیں آئی؟ میں اپنی بے احتیاطی پر سخت نادم ہوں۔"

ایک نوجوان بھاگتا ہوا باہر نکلا اور غضب ناک ہو کر کہا۔ "آپ کو کسی کھلے میدان میں سواری کی مشق کرنی چاہیے اور اپنی آنکھیں بھی کھلی رکھنی

چاہئیں۔"

گاڑی بان نیچے سے کود کر بھاگتا ہوا آگے بڑھا اور اس نے کہا۔ "مسعود تمیز سے بات کرو! میں دیکھ رہا ہوں کہ ان کی غلطی نہیں تھی۔" بوڑھے آدمی نے جلدی سے اٹھ کر کہا۔ "مسعود! تم احمق ہو۔ میں بالکل ٹھیک ہوں۔ ان کا کوئی قصور نہیں۔ غلطی میری تھی۔"

حویلی سے ایک لڑکی نمودار ہوئی اور اس نے آگے بڑھ کر بوڑھے آدمی سے پوچھا۔ "کیا ہوا بابا؟"

"کچھ نہیں بیٹی۔"

لڑکی کی عمر دس سال کے لگ بھگ معلوم ہوتی تھی۔ اس کا دبلا پتلا چہرہ گزشتہ جنگ کے آلام و مصائب کا آئینہ دار تھا۔ اس نے سلمان کی طرف دیکھا اور جھجکتے ہوئے سوال کیا:

"آپ غرناطہ سے آئے ہیں؟"

”نہیں میں وہاں جارہاہوں۔“

سلمان یہ کہہ کر مسعود کی طرف متوجہ ہوا۔ ”بھائی! یہ اچانک گھوڑے کی زد میں آ گئے تھے اور مجھے افسوس ہے کہ میں انہیں کوشش کے باوجود گرنے سے نہ بچاسکا۔“

مسعود نے جواب دیا۔ ”جناب! میں اپنی غلطی پر سخت نادم ہوں اور آپ سے معافی چاہتاہوں۔“

سلمان کا گھوڑا پسینے میں شرابور تھا اور بری طرح ہانپ رہا تھا۔ گاڑی بان نے اس کی باگ پکڑلی اور بولا:

”جناب! آپ کا گھوڑا بہت پیاسا معلوم ہوتا ہے۔ اگر اجازت ہو تو میں اسے پانی پلالاتاہوں۔“

”بہت اچھالیکن ذرا جلدی لوٹیں۔ مجھے دیر ہو رہی ہے۔“

”جناب میں ابھی آتاہوں۔“

لڑکا گھوڑا لے کر مسجد کے قریب کنوئیں کی طرف چل دیا۔

لڑکی نے کہا۔ ”شاہد آپ بہت دور سے آئے ہیں؟“ ”ہاں!“

”شاید آپ نے ابھی تک ناشتہ بھی نہیں کیا! ہمارے گھر میں کھانا تیار ہے آیئے!“

نہیں شکریہ! مجھے بہت جلدی ہے!“

عمر رسیدہ آدمی نے کہا۔ ”چلو بیٹا! اس گاؤں کے نمبر دار کی بیٹی تم کو دعوت دے رہی ہے۔ جن کے بعد تم اس اجڑے ہوئے گھر پہلے مہمان ہو گے۔ اسماء کی دل شکنی نہ کرو!“

سلمان نے پیار سے لڑکی کے سر پر ہاتھ رکھتے ہوئے کہا۔ ”اگر مجھے جلدی نہ ہوتی تو میں تمہاری دعوت رد نہ کرتا۔ اپنے ابا جان سے میر اسلام کہو اور ان سے یہ کہو کہ اگر مجھے واپسی کا موقع ملا تو یہاں سے کھانا کھا کر جاؤں گا۔“

مسعود نے کہا۔ ”جناب! ان کے ابّا جان شہید ہو چکے ہیں۔“

سلمان نے اسماء کی جانب دیکھا۔ اس کی آنکھوں میں آنسو چھلک رہے تھے۔ بوڑھے نے کہا۔ ”جنگ کے ایام میں یہ گاؤں ویران ہو گیا تھا۔ ہمارے آقا نے اپنی بیوی اور بچّی کو اندراش بھیج دیا تھا۔ اب ہم پچھلے ہفتے یہاں آئے ہیں۔ چند لوگ ہم سے پہلے یہاں پہنچ چکے تھے اور اگر جنگ دوبارہ شروع ہو گئی تو امید ہے باقی گھر بھی جلد آباد ہو جائیں گے۔“

اسماء نے آستین سے آنسو پونچھتے ہوئے کہا۔ ”بابا! جنگ ضرور شروع ہو گی۔ امی جان کہتی ہیں کہ اس مرتبہ ہم اندراش جانے کی بجائے غرناطہ ہی میں رہیں گے۔“

گاڑی بان جو گھوڑے کو پانی پلانے کے بعد واپس آ رہا تھا قریب پہنچ کر بولا:

”جناب! آپ کا گھوڑا بہت پیاسا تھا۔ آپ کو ایسے خوبصورت جانور کا بہت خیال رکھنا چاہیے۔“

سلمان اس کے ہاتھ سے باگ پکڑ کر اسماء کی طرف متوجہ ہوا۔ ”اسماء میں وعدہ کرتا ہوں کہ اگر موقع ملا تو واپسی پر تم سے مل کر جاؤں گا۔“

”آپ کب آئیں گے؟“

”غرناطہ میں مجھے زیادہ کام نہیں ممکن ہے کہ آج ہی واپس آ جاؤں۔“

”آپ کہاں سے آئے ہیں؟“

”بہت دور سے آیا ہوں۔“ سلمان گھوڑے پر سوار ہو گیا۔

اسماء نے کہا۔ ”تھوڑی دیر ٹھہریے میں ابھی آتی ہوں۔“ اور وہ بھاگتی ہوئی اندر چلی گئی۔ مسلمان پریشان ہو کر ادھر ادھر دیکھنے لگا۔

بوڑھے آدمی نے کہا۔ ”اس بچی کی خاطر آپ کو یہاں ضرور آنا چاہیے۔ اب تو یہ کچھ سنبھل گئی ہے ورنہ اندراش میں جب آقا کی شہادت کی خبر پہنچی تھی تو اس کی یہ حالت تھی کہ اگر دور سے کوئی مسلح سوار دکھائی دیتا تھا تو یہ اسے اپنے باپ کا دوست اور ساتھی سمجھ لیا کرتی تھی۔“

گاڑی بان نے کہا۔ ”غرناطہ میں آپ اپنے کسی عزیز کے پاس ٹھہریں گے یا سرائے میں قیام کریں گے ؟“

”مجھے معلوم نہیں۔ یہ وہاں کے حالات پر منحصر ہے۔ ممکن ہے مجھے ٹھہرنے کی ضرورت ہی پیش نہ آئے۔“

”جناب ! میں اس لیے پوچھ رہا تھا کہ غرناطہ میں گھوڑوں کے لیے چارہ بہت مشکل سے ملتا ہے اور آپ کا گھوڑا ایسا نہیں کہ اسے بھوکا رکھا جائے۔ اگر آپ ہماری سرائے میں ٹھہرنا پسند کریں تو وہاں چارے کی تکلیف نہیں ہو گی۔ ہم اس بات کا خاص طور پر خیال رکھتے ہیں اور یہی وجہ ہے کہ لوگ وہاں ٹھہرنا زیادہ پسند کرتے ہیں۔ میں کل یہاں گھاس خریدنے آیا تھا اور اب بڑی مشکل سے چند گٹھے حاصل کیے ہیں۔“

”شکریہ !اگر مجھے وہاں ٹھہرنا پڑا تو میں اپنے گھوڑے کو بھوکا رکھنا پسند نہیں کروں گا۔ تمہارے سرائے کہاں ہے ؟“

”آپ جنوبی دروازے سے سیدھے سڑک پر چلے جائیں۔ آپ کو بائیں

ہاتھ سرائے کا دروازہ دکھائی دے گا۔ مالک کا نام عبد المنان ہے۔ لیکن آپ کو کسی سے پوچھنے کی ضرورت پیش نہیں آئے گی۔ دروازہ اتنا بڑا ہے کہ اس میں سے بگھی گزر سکتی ہے۔ سڑک کے پار سرائے کے بالکل سامنے ایک حمام ہے اور چند قدم آگے آپ کو ایک وسیع چوک دکھائی دے گا۔ میرا نام عثمان ہے۔"

اسماء بھاگتی ہوئی نمودار ہوئی اور اس نے آگے بڑھ کر دو سیب سلمان کو پیش کر دیے۔ "ہم نے اپنے اجڑے ہوئے باغ سے چند سیب تلاش کیے تھے اگر آپ پہلے آتے تو میں جھولی بھر کر لاتی۔ امی جان نے سارے تقسیم کر دیے اور صرف یہ دو ہی باقی رہ گئے تھے۔"

سلمان نے تذبذب کی حالت میں لڑکی کی طرف دیکھا اور اس کے ہاتھ سے ایک سیب لے کر گھوڑے کو ایڑ لگا دی۔ پھر کچھ دیر بعد ایک معصوم اداس اور ذہین چہرہ جو اندلس کے اجالوں اور مستقبل کے اندھیروں کا آئینہ دار تھا اس کی نگاہوں کے سامنے گھومتا رہا۔

☆☆☆

سلمان شہر کے دروازے کے قریب پہنچا تو ایک بگھی ڈیوڑھی میں داخل ہو رہی تھی اور اس سے چند قدم پیچھے گھاس، ایندھن اور غلّے سے لدے ہوئے چن چھکڑوں کی قطاریں لگی ہوئی تھی۔ جب بگھی کے پیچھے گھاس کا چھکڑا ڈیوڑھی کی طرف بڑھا تو پہرے داروں نے اچانک اسے روک دیا اور گاڑی کو نیزہ دکھا کر پیچھے ہٹنے پر مجبور کر دیا۔

ایک آدمی نے جو سر پر مرغیوں کا ٹوکرا اٹھائے ہوئے تھا کترا کر آگے بڑھنے کی کوشش کی لیکن پہرے دار نے غضب ناک ہو کر اسے دھکا دیا اور وہ ٹوکرے سمیت پیٹھ کے بل گر پڑا۔

ایک لکڑ ہارا اپنا گدھا چھوڑ کر بھاگتا ہوا آگے بڑھا۔ اس نے گرنے والے آدمی کو سہارا دے کر اٹھایا اور غصے کی حالت میں پہرے داروں پر برس پڑا:

”تمہیں ایک کمزور آدمی کے ساتھ زور آزمائی کرتے ہوئے شرم آنی

چاہیے۔"

اس کی دیکھا دیکھی دوسرے آدمیوں نے بھی شور مچانا شروع کر دیا۔ مرغیوں والے نے جلدی سے اپنا ٹوکرا اٹھایا اور چند قدم پیچھے ہٹ کر پہرے داروں کو بے تحاشا گالیاں دینا شروع کر دیں۔

سلمان نے جو چند قدم دور گھوڑا روک کر ایک گاڑی بان سے اس ہنگامے کی وجہ دریافت کی۔ اس نے جواب دیا:

"جناب! یہ پہرے دار بڑے ظالم ہیں۔ جب جی چاہتا ہے دروازہ بند کر دیتے ہیں۔ ہم ایک گھنٹہ سے یہاں کھڑے ہیں۔ ابھی کسی امیر آدمی کی بگھی یہاں آئی تھی تو انہوں نے ایک منٹ میں اس کے لیے دروازہ کھول دیا تھا۔ اب وہ شہر دروازہ بند کر رہے ہیں۔"

سلمان نے چونک کر ڈیوڑھی کی طرف دیکھا۔ دو سپاہی کواڑ دھکیل رہے تھے۔ اس نے جلدی سے گھوڑے کو ایڑ لگا دی۔ دروازے کے سامنے اور ڈیوڑھی کے اندر جو پہرے دار اس کے راستے میں کھڑے تھے وہ چیختے

چلاتے دائیں بائیں ہٹ گئے اور ڈیوڑھی کے آگے دو مسلح آدمی اپنا نیزہ سنبھالتے رہ گئے۔

پھر وہ اس کے پیچھے بھاگ رہے تھے۔ سلمان نے صرف ایک بار مُڑ کر انہیں دیکھا اور اس کے بعد ان کی طرف توجہ دینے کی ضرورت محسوس نہ کی۔ اس کا گھوڑا ہوا سے باتیں کر رہا تھا۔

تھوڑی دیر بعد اسے بائیں ہاتھ ایک کشادہ ڈیوڑھی دکھائی دی۔ اس نے گھوڑے کو روک کر ایک ثانیہ کے لیے پیچھے کی طرف دیکھا اور پھر باگ موڑ کر دو منزلہ عمارت کے وسیع صحن میں داخل ہو گیا۔ وہاں درمیانی عمر کا ایک خوش وضع آدمی کرسی پر بیٹھا ہوا تھا۔ سلمان اس کے قریب پہنچ کر گھوڑے سے کود پڑا۔ سامنے برآمدے سے ایک نوکر بھاگتا ہوا آگے بڑھا اور اس نے سلمان کے ہاتھ سے گھوڑے کی باگ پکڑ لی۔

"یہ عبدالمنان کی سرائے ہے؟" سلمان نے سوال کیا۔

"جی ہاں!" نوکر نے جواب دیا۔

”وہ کہاں ہیں؟“

خوش وضع آدمی نے اٹھ کر کہا۔ ”فرمائیے! میرا نام ہی عبد المنان ہے۔“

”مجھے عثمان نے آپ کا پتا دیا تھا۔ سلمان نے مڑ کر دروازے کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔ راستے میں ایک بستی میں ہماری ملاقات ہوئی تھی۔ مجھے شہر میں ایک ضروری کام ہے لیکن میرا گھوڑا تھکا ہوا ہے۔ اس لیے اسے یہاں چھوڑنا چاہتا ہوں۔“

عبد المنان نے نوکر سے کہا۔ ”گھوڑے کو اصطبل میں لے جاؤ۔“

نوکر گھوڑے کو لے کر چل دیا اور سلمان جلدی سے ڈیوڑھی کی طرف بڑھا۔ ”ٹھہریے!“ عبد المنان نے آواز دی۔

سلمان رُک گیا اور مُڑ کر اضطراب کی حالت میں اس کی طرف دیکھنے لگا۔ ”دیکھیے مجھے بہت جلدی ہے؟“

عبد المنان نے آگے بڑھ کر سلمان کے ساتھ چلتے ہوئے کہا۔ ”میں اس

گستاخی کے لیے معذرت چاہتا ہوں لیکن آپ کو کوئی خطرہ درپیش ہے یا کوئی آپ کا پیچھا کر رہا ہو تو اب اِدھر اُدھر بھاگنے کی ضرورت نہیں ہے۔ میں آپ کی مدد کر سکتا ہوں۔"

سلمان نے جواب دیا۔ "مجھے اندیشہ ہے کہ دروازے کے پہرے دار میرا پیچھا کریں گے۔ جب میں وہاں پہنچا تھا تو وہ دروازہ بند کر رہے تھے۔ مجھے جلدی تھی اور میں غچہ دے کر وہاں سے نکل آیا ہوں اور انہیں بہت پیچھے چھوڑ آیا ہوں۔ اگر ان کی مدد کے لیے سوار پہنچ گئے تو مجھے فوری طور پر کوئی خطرہ نہیں اور شہر میں ایک ضروری کام سے فارغ ہونے کے بعد مجھے اس بات کی پروا نہیں ہو گی کہ وہ میرے ساتھ کیا سلوک کرتے ہیں۔"

"مگر صرف اتنی سی بات ہے تو آپ کو پریشان نہیں ہونا چاہیے۔ پہرے دار یہاں تک آپ کا پیچھا کرنے کی جرأت نہیں کریں گے۔ آج شہر کی یہ حالت ہے کہ آپ کسی بازار میں کھڑے ہو کر حکومت کے خلاف نعرے لگا دیں تو آس پاس کی آبادی آپ کی حمایت کے لیے نکل آئے گی۔ آپ کہاں جانا چاہتے ہیں؟"

”میں البسین جانا چاہتا ہوں۔“

”آپ کو اگلے چوک سے بگھی مل جائے گی۔“

سڑک پر پہنچ کر سلمان نے کہا۔ ”میں آپ کا شکر گزار ہوں۔ اب مجھے اجازت دیجیے۔“

عبد المنان نے اس سے مصافحہ کرتے ہوئے پوچھا۔ ”عثمان نے آپ کو یہ نہیں بتایا کہ وہ کب آئے گا؟“

”وہ روانہ ہونے کے لیے تیار کھڑا تھا لیکن اگر پہرے داروں نے دروازہ نہ کھولا تو اسے شہر کے باہر رکنا پڑے گا۔“

”میں وہاں جا رہا ہوں اور انشاء اللہ جب آپ واپس آئیں گے تو عثمان آپ کے استقبال کے لیے موجود ہو گا۔“

سلمان چوک کے قریب پہنچا تو اسے ایک چھوٹا سا جلوس دکھائی دیا جس کے آگے آگے ایک آدمی نقارہ بجا رہا تھا۔ سلمان آگے بڑھا تو نقارہ بجانے

والا یہ اعلان کر رہا تھا: ”غرناطہ کے حریت پسند و شیخ حامد بن زہرہ تمہارے لیے ایک نئی زندگی کا پیام لائے ہیں۔ وہ غرناطہ پہنچ چکے ہیں اور آج نمازِ مغرب کے بعد البسین کی جامع مسجد میں قوم سے خطاب کریں گے۔ اگر آپ قوم کے غدّاروں کی سازشیں ناکام بنانا چاہتے ہیں تو ان کے جھنڈے تلے جمع ہو جائیں۔“

یہ اعلان سننے کے بعد حامد بن زہرہ کی سلامتی سے متعلق سلمان کی پریشانی بہت حد تک دور ہو چکی تھی۔ اور تھوڑی دیر بعد وہ البسین کا رُخ کر رہا تھا۔

☆☆☆

بگھی مدرسے کے دروازے کے سامنے رکی اور سلمان نے نیچے اتر کر ایک دینار کوچوان کے ہاتھ میں تھما دیا اور جلدی سے بند دروازے کی طرف بڑھا۔ کئی بار بھاری کواڑ پر دستک دینے کے بعد اسے دھکا دینے کی کوشش کی تو معلوم ہوا کہ اندر سے زنجیر لگی ہوئی ہے۔ کچھ دیر دروازہ کھٹکھٹانے

کے بعد وہ آوازیں دے رہا تھا۔

”کوئی ہے۔ کوئی ہے۔ دروازہ کھولو۔“

پاس ہی چند لڑکے اور تین مسلح پہرے دار کھڑے تھے۔ ان میں سے ایک قد آور اور خوش پوش آدمی نے کہا:

”جناب اندر کوئی نہیں۔ مدرسے کو چھٹی ہو چکی ہے۔“

سلمان مڑ کر کوچوان سے مخاطب ہوا ”ان کی قیام گاہ کا ایک دروازہ پچھلی گلی میں ہے۔ وہاں کوئی نوکر ضرور موجود ہو گا۔“

کوچوان نے کہا۔ ”آیئے میں آپ کو گلی کے سامنے پہنچا دیتا ہوں۔“

سلمان جلدی سے بگھی پر بیٹھ گیا۔

کوچوان نے بگھی موڑ لی اور تھوڑی دیر میں وہ مسجد کے اوپر سے چکر لگانے کے بعد عقب کی تنگ گلی کے سامنے آ چکا تھا۔ کوچوان نے کہا: ”جناب! آگے گلی تنگ ہے بگھی اندر نہیں جا سکتی۔ آپ خود جا کر پتا

لگائیں۔ ممکن ہے کہ مدرسے کی طرح مکان بھی خالی ہو اور آپ کو واپس جانا پڑے۔ آپ مجھے دو طرفہ کرانے سے بہت زیادہ دے چکے ہیں میں بخوشی آپ کا انتظار کروں گا۔"

"نہیں تم جاؤ۔ مجھے وہاں کچھ وقت لگے گا۔" سلمان یہ کہہ کر چل دیا۔

کوچوان بگھی موڑ رہا تھا کہ وہ تین نوجوان جنہیں اس نے مدرسے کے دروازے کے سامنے دیکھا تھا اس کا راستہ روک کر کھڑے ہو گئے۔

"یہ کون تھا؟" دراز قد آدمی نے پوچھا۔

کوچوان نے جواب دیا۔ "معلوم نہیں لیکن میرا خیال ہے کہ وہ کہیں باہر سے آیا ہے۔ اسے البسین کا راستہ معلوم نہ تھا۔ کسی شریف گھرانے سے تعلق رکھتا ہے۔ مجھے اس نے ایک دینار دیا۔"

"وہ کسی کو تلاش کر رہا ہے؟"

"مجھے معلوم نہیں۔ اس نے پہلے مجھے یہ کہا تھا کہ مجھے البسین کی جامع مسجد

لے چلو۔ پھر اس نے کہا کہ مسجد کے ساتھ ایک مدرسہ ہے مجھے وہاں اتار دو۔ میں وہاں ایک عزیز کا پتا لگانا چاہتا ہوں۔"

"احمق آدمی۔ تمہیں یہ خیال نہیں آیا اس گلی میں حامد بن زہرہ کا گھر ہے اور آج غرناطہ کا ہر غدّار نہیں تلاش کر رہا ہے۔ اب یہاں سے بھاگ جاؤ۔" کوچوان نے پریشان ہو کر گھوڑے کو چابک رسید کر دیا اور یہ تین آدمی گلی میں داخل ہوئے۔

سلمان تھوڑی دور آگے ایک عمر رسیدہ آدمی سے پوچھ رہا تھا۔

"آپ اس گلی میں رہتے ہیں؟"

"جی ہاں! اس سے آگے ساتواں مکان میرا ہے۔" "یہ حامد بن زہرہ کا مکان ہے؟"

"ہاں۔"

"آپ کو معلوم ہے اس کا دروازہ کب سے بند ہے؟"

”میں صبح کی نماز سے واپس آیا تھا تو دروازہ کھلا تھا۔ اس کے بعد میں نے حامد بن زہرہ کی آمد کی خبر سنی تو بھاگتا ہوا یہاں پہنچا لیکن دروازے پر تالا لگا ہوا تھا اور کئی آدمی باہر کھڑے تھے۔ میں نے مدرسے کے دروازے کی طرف جا کر ان کا پتا پوچھا تو معلوم ہوا کہ مدرسے میں چھٹی ہو چکی ہے۔ میرا خیال ہے کہ چوکیدار مدرسے کا دروازہ بند کرنے کے بعد اس مکان کے راستے باہر نکل گیا ہو گا۔“

سلمان نے کہا۔ ”دیکھیے میں حامد بن زہرہ سے ملنا چاہتا ہوں۔ آپ مجھے ایسے آدمی کا پتا بتا سکتے ہیں جسے ان کی جائے قیام کا علم ہو۔“

”جناب میں نے کئی آدمیوں سے ان کی قیام گاہ معلوم کی ہے لیکن کسی کو ان کا ٹھکانہ معلوم نہیں۔“

دراز قد آدمی نے جو خاموشی سے چند قدم دور کھڑا ان کی گفتگو سن رہا تھا آگے بڑھ کر کہا:

”اگر کوئی ضروری بات ہے تو میں آپ کی مدد کر سکتا ہوں۔ مجھے یقین ہے

کہ ایک آدمی کو ان کا ٹھکانا معلوم ہو گا۔ آیئے۔"

"وہ کہاں ہے؟"

"اس کا گھر زیادہ دور نہیں۔ آپ میرے ساتھ چلیں۔"

سلمان ان کے ساتھ چل پڑا اور باقی نوجوان اس کے پیچھے ہو لیے۔ کوئی دو سو قدم کے بعد وہ دائیں ہاتھ مڑ کر قدرے کشادہ گلی میں داخل ہوئے۔ سلمان کے رہنما نے اچانک سوال کیا:

"آپ کہاں سے آئے ہیں؟" "میں اندراش سے آیا ہوں۔"

"آپ آج ہی آئے ہیں؟"

"ہاں!"

"آپ کو حامد بن زہرہ کی اطلاع وہاں ملی تھی؟"

سلمان نے قدرے پریشان ہو کر جواب دیا:

”میں آپ کو ساری باتیں نہیں بتا سکتا۔ آپ کی تسلّی کے لیے یہ عرض کر دینا کافی سمجھتا ہوں کہ حامد بن زہرہ مجھے اچھی طرح جانتے ہیں اور میں انہیں ایک ضروری پیغام دینا چاہتا ہوں۔“

”معاف کیجیے میں آپ پر شک نہیں کرتا۔ لیکن ان دِنوں ہم ایسے حالات کا سامنا کر رہے ہیں کہ ایک بھائی دوسرے بھائی کے ساتھ مصافحہ کرتے ہوئے بھی خوف محسوس کرتا ہے۔“

”مجھے معلوم ہے لیکن آپ باتوں میں وقت ضائع نہ کریں۔“

دوسرے نوجوان نے کہا۔ ”ولید! یہ درست کہتے ہیں۔ ہمیں وقت ضائع نہیں کرنا چاہیے۔“

گلی کے موڑ پر دائیں ہاتھ مڑتے ہوئے انہیں چند لڑکے دکھائی دیے جو بظاہر طالب علم معلوم ہوتے تھے۔ ایک لڑکا حامد بن زہرہ کی آمد کا اعلان کر رہا تھا اور لوگ آس پاس کے گھروں سے نکل کر ان کے گرد جمع ہو رہے تھے۔ ایک آدمی سلمان کے ساتھی کو دیکھ کر چلّایا:

”دیکھو۔ وہ ولید آ رہا ہے۔ اسے یقیناً معلوم ہو گا وہ کہاں ٹھہرے ہیں۔“ وہ آن کی آن میں ولید کے گرد جمع ہو گئے اور ایک آدمی نے اس سے پوچھا:

”آپ کو معلوم ہے کہ حامد بن زہرہ کہاں ہیں؟“

”نہیں۔“ ”کیا وہ واقعی غرناطہ پہنچ چکے ہیں؟“

”تمہیں منادی کرنے والوں پر اعتبار ہونا چاہیے۔ مجھے یقین ہے کہ جب وہ تقریر کرنے مسجد میں آئیں گے تو آپ انہیں بچشم خود دیکھ سکیں گے۔ لیکن اس وقت اگر کسی کو ان کا ٹھکانا معلوم بھی ہو تو بھی وہ آپ کو نہیں بتائے گا۔ آپ کے لیے اتنا جان لینا کافی ہے کہ اس وقت آپ سے کہیں زیادہ حکومت کے جاسوس اور قوم کے غدّاران کے متعلق فکر مند ہیں۔ جنہیں ان کی آمد کے باعث دوبارہ جنگ شروع ہو جانے کا خوف ہے۔ ہم نے کئی غدّاروں کو مسجد کے آس پاس پھرتے دیکھا ہے۔ ہو سکتا ہے ان میں سے کوئی یہاں بھی موجود ہو اس لیے آپ کو شام تک صبر سے کام لینا چاہیے۔ اب میرا وقت ضائع نہ کیجیے۔ مجھے ایک ضروری کام ہے۔“

ولید آگے بڑھا اور لوگ اِدھر اُدھر ہٹ گئے۔

سلمان نے کچھ دیر قبل اپنے رہنما کے سوالات سے جو ہلکا سا اضطراب محسوس کیا تھا وہ اب دور ہو چکا تھا۔

☆☆☆

تھوڑی دیر بعد وہ ایک پرانی عمارت کے اندر داخل ہوئے جو مکان کی بجائے ایک مسافر خانہ معلوم ہوتی تھی۔ ڈیوڑھی سے آگے کشادہ صحن کے تین اطراف چھوٹے چھوٹے کمرے تھے۔ سلمان کو وہاں ایک بوڑھے نوکر کے سوا جو ڈیوڑھی سے باہر دھوپ میں خرّاٹے لے رہا تھا کوئی اور آدمی نظر نہ آیا۔

"آپ مجھے کہاں لے آئے ہیں؟" سلمان نے اپنے رہنما سے پوچھا۔

ولید نے جواب دیا۔ "یہ طلبا کی قیام گاہ ہے لیکن اس وقت وہ سب حامد بن زہرہ کی تقریر کی منادی کر رہے ہیں۔"

”لیکن آپ مجھے یہاں کس لیے لے آئے ہیں؟“

”آپ تھوڑی دیر جمیل کے کمرے میں آرام کریں۔ میں ابھی ان کا پتا لگا کر واپس آجاؤں گا۔“

”جمیل کون ہے؟“

”جناب جمیل میرا نام ہے۔ آیئے۔“ دوسرے نوجوان نے کہا۔

سلمان نے ولید کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔ ”دیکھیے اگر آپ حامد بن زہرہ کی جان کی کوئی قیمت سمجھتے ہیں تو وقت ضائع نہ کیجیے اور مجھے فوراً ان کے پاس پہنچا دیجیے۔“

”آپ کا مطلب ہے کہ ان کے خلاف کوئی سازش ہو رہی ہے؟“

سلمان نے مُضطرب ہو کر کہا۔ ”میں ایک بار آپ کو بتا چکا ہوں کہ ان کی زندگی خطرے میں ہے۔“

ولید نے کہا۔ ”اگر آپ انہیں یہ بتانا چاہتے ہیں کہ غرناطہ میں غدّاروں کی

جماعت ان کے خون کی پیاسی ہے تو یہ بات ان کے لیے نئ نہیں ہو گی۔ تاہم میں یہ کوشش کروں گا کہ آپ کو بلا تاخیر ان کے پاس پہنچا دیا جائے۔ میں نے ان کے جس دوست کا ذکر کیا تھا اس کا گھر زیادہ دور نہیں۔ اگر وہ حامد بن زہرہ کی جائے قیام کا پتا دینے پر آمادہ ہو گیا تو فوراً وہاں جاؤں گا اور انہوں نے آپ کو قابلِ اعتبار سمجھا تو میں آپ کو ان کے پاس لے جاؤں گا۔ ممکن ہے کہ وہ بذاتِ خود یہاں تشریف لے آئیں۔ آپ مجھے صرف اپنا نام بتا دیجیے۔"

"میرا نام سلمان ہے لیکن اگر آپ کے دل میں کوئی شبہ ہے تو بھی مجھے اس بات کا موقع ملنا چاہیے کہ میں اپنی صفائی پیش کر سکوں اور میں غرناطہ میں حامد بن زہرہ کے سوا کوئی اور گواہ پیش نہیں کر سکتا۔"

"دیکھیے! اس بحث سے کوئی فائدہ نہیں۔ اگر آپ مزید وقت ضائع نہیں کرنا چاہتے تو تھوڑی دیر صبر کریں۔"

ولید یہ کہہ کر تیزی سے واپس مڑا اور آن کی آن میں ڈیوڑھی سے باہر

نکل گیا۔ سلمان اضطراب اور بے بسی کی حالت میں ان کے ساتھیوں کی طرف دیکھ رہا تھا۔ جمیل نے اپنے ساتھی سے کہا۔ "اویس! تم ڈیوڑھی کا دروازہ بند کر دو اور باہر کے کسی آدمی کو اندر آنے کی اجازت نہ دو۔"

پھر وہ سلمان سے مخاطب ہوا۔ "جناب پریشان ہونے کی کوئی بات نہیں۔ اگر حامد بن زہرہ آپ کو جانتے ہیں تو انشاء اللہ بہت جلد آپ کی ملاقات ہو جائے گی۔ آیئے"

سلمان مجبوری کی حالت میں اس کے ساتھ چل پڑا۔ جمیل نے صحن عبور کرنے کے بعد ایک کمرے کا دروازہ کھول دیا اور وہ اندر داخل ہوئے۔ کمرے کا سامان بہت مختصر تھا۔ فرش پر معمولی چٹائی بچھی ہوئی تھی۔ دائیں ہاتھ دیوار کے ساتھ ایک چھوٹی سی چارپائی پر بستر لگا ہوا تھا اور ایک طاقچے میں چراغ کی سیاہی جمی ہوئی تھی۔ چارپائی کے ساتھ ایک طرف چھوٹی سی تپائی اور صندلی پڑی ہوئی تھی۔ کونے میں لکڑی کے ایک صندوق کے علاوہ پانی کی صراحی نظر آتی تھی۔ جس کے اوپر مٹی کا ایک پیالہ ڈھکنے کا کام دیتا تھا۔ دائیں ہاتھ دروازے کے ساتھ ایک کشادہ الماری

میں کتابیں سجی ہوئی تھیں۔ سامنے کی دیوار میں چھت کے قریب ایک چھوٹا سا روزن تھا۔

"تشریف رکھیے۔" جمیل نے صندلی کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا۔

سلمان نے تلوار اتارنے کی بجائے کمر کی پیٹی ڈھیلی کر دی اور صندلی پر بیٹھ گیا۔ جمیل نے اس کے سامنے چارپائی پر بیٹھتے ہوئے کہا:

"جب پہلی بار میں اس کمرے میں داخل ہوا تھا تو مجھے ایسا محسوس ہوا تھا کہ میں کسی قید خانے میں آگیا ہوں اور مجھے یقین ہے کہ آپ کا تاثر بھی یہی ہو گا۔"

"ہاں!" سلمان نے بے توجہی سے جواب دیا۔ "مجھے یہ عمارت کچھ عجیب سی معلوم ہوتی ہے۔" جمیل نے کہا۔ "اس کی عمر سو سال سے زیادہ ہے۔ پہلے یہ ایک چھوٹا سا قید خانہ تھا۔ کوئی چالیس سال قبل مرکزی قید خانے کی توسیع کے بعد حکومت نے اسے ایک یہودی تاجر کے ہاتھ فروخت کر دیا تھا اور اس نے اسے سرائے میں تبدیل کر دیا۔ پھر چند سال بعد وہ

یہودی مر گیا تو اس کی بیوہ نے یہ سرائے مسلمان تاجر کے ہاتھ فروخت کر دی۔ جنگ کے ابتدائی ایام میں اس تاجر کا اکلوتا بیٹا شہید ہو گیا اور وہ اپنی وسیع جائداد کا نصف حصّہ مستحق طلباک اعانت کے لیے وقف کر کے طنجہ چلا گیا۔"

سلمان نے بظاہر بڑے غور سے جمیل کی گفتگو سن رہا تھا لیکن اس کو اس عمارت کی تاریخ میں کوئی دلچسپی نہ تھی۔

جمیل نے اچانک اٹھ کر کہا۔ "معاف کیجیے! میں نے آپ سے کھانے کے متعلق نہیں پوچھا۔ میرا خیال ہے کہ ابھی تک آپ نے ناشتا بھی نہیں کیا۔ میں ابھی منگواتا ہوں۔"

سلمان نے کہا۔ "نہیں نہیں۔ آپ میرے کھانے کی فکر نہ کریں۔ مجھے اپنا فرض ادا کرنے سے پہلے بھوک محسوس نہیں ہو گی۔"

"ایک سپاہی کی اوّلین ذمہ داری یہ ہے کہ وہ اپنی قوّت اور توانائی برقرار رکھے۔" جمیل یہ کہہ کر باہر نکل گیا۔

چند منٹ بعد وہ واپس آیا تو اس کے ہاتھ میں پانی کا کوزہ تھا۔

"آیئے اس نے دہلیز سے باہر کوزہ رکھتے ہوئے کہا۔ "ہاتھ دھو لیجیے؟"

سلمان اٹھ کر آگے بڑھا تو جمیل کے پیچھے نوکر کھانے کا طشت اٹھائے آرہا تھا۔ جمیل نے اس کے ہاتھ دھلاتے ہوئے کہا:

"مجھے باہر سے کھانا منگوانے کی ضرورت پیش نہیں آئی۔ طلباء حامد بن زہرہ کی آمد کی اطلاع ملتے ہی باہر چلے گئے تھے اور ان کا کھانا اسی طرح پڑا ہوا ہے۔" نوکر تپائی پر طشت رکھ کر باہر نکل گیا اور سلمان اور اس کا میزبان پھر ایک دوسرے کے سامنے بیٹھ گئے۔

"بسم اللہ کیجیے۔" جمیل نے طشت پر سے کپڑا اٹھاتے ہوئے کہا۔

"آپ نہیں کھائیں گے؟" سلمان نے پوچھا۔

"میں ایک دوست کے گھر سے کھا چکا ہوں۔"

"پھر اپنے ساتھی کو بلا لیجیے۔"

”وہ بھی کھا چکا ہے۔“

سلمان کھانا کھانے میں مصروف ہو گیا۔ ابھی اس نے روٹی کے دو نوالے حلق میں اتارے ہی تھے کہ صحن میں کسی کے پاؤں کی آہٹ سنائی دی اور چند ثانیے کے بعد اویس دروازے میں کھڑا تھا۔

”جمیل۔“ اس نے کہا ”ذرا باہر آؤ! محلے کے چند بیوقوف آدمی ڈیوڑھی کے سامنے جمع ہو رہے ہیں۔ کسی نے افواہ اڑا دی ہے کہ حامد بن زہرہ یہاں چھپے ہوئے ہیں اور وہ اندر آنے پر مصر ہیں۔ میں نے انہیں سمجھایا ہے کہ اندر کوئی نہیں لیکن وہ میری بات سننے کے لیے تیار نہیں۔ شاید تم انہیں سمجھا سکو۔“

”چلو“ جمیل نے باہر نکلتے ہوئے کہا۔ اور اس کے ساتھ ہی اویس نے اچانک کواڑ بند کر کے باہر سے زنجیر چڑھا دی۔ سلمان سراسیمہ ہو کر اٹھا اور بھاگ کر دروازے کی طرف بڑھا۔

”اویس جمیل“ وہ کواڑ کھولنے کی ناکام کوشش کے بعد چلّایا۔ ”تم کیا کر

رہے ہو۔ دروازہ کھولو۔“

لیکن اسے کوئی جواب نہیں ملا۔ وہ کچھ دیر غم و غصّے کی حالت میں دروازے کو دھکے دیتا رہا لیکن اس کی جدوجہد بے نتیجہ رہی۔ باہر کی دیوار بہت چھوڑی تھی۔ اور دروازے کی چوکھٹ اور کواڑ اتنے مضبوط تھے کہ سلمان کو زور آزمائی میں کوئی فائدہ نظر نہ آیا۔

باہر سے اویس کی آواز سنائی دی۔ ”جناب آپ کو زبردستی باہر نکلنے کا خیال دل سے نکال دینا چاہیے۔ جب شہر میں حامد بن زہرہ کا کام ختم ہو جائے گا تو آپ کو ایک لمحہ کی تاخیر کے بغیر آزاد کر دیا جائے گا۔“

سلمان چلایا۔ ”احمق آدمی اگر تم حامد بن زہرہ کے دشمن اور حکومت کے جاسوس نہیں تو میری بات سنو۔“

”آپ ہمیں جی بھر کر گالیاں دے سکتے ہیں لیکن اس سے کوئی فائدہ نہیں ہو گا۔ ہمیں حکم ملا ہے کہ البسین میں ہر ناواقف آدمی کو اپنا دشمن سمجھیں اور آپ ہمارے لیے سراسر ایک اجنبی ہیں۔ ہو سکتا ہے کہ آپ

کی باتوں سے ہمارے دل میں جو شبہات پیدا ہوئے ہیں وہ غلط ہوں اور ہمیں بعد میں نادم ہونا پڑے لیکن اس وقت ہمارے سامنے اس کے سوا اور کوئی مسئلہ نہیں کہ حامد بن زہرہ مسجد تک پہنچ جائیں اور انہیں عوام سے آخری بات کہنے کا موقع مل جائے۔"

سلمان چلایا۔ "خدا کے لیے ولید کو بلاؤ۔ میں اس سے بات کرنا چاہتا ہوں۔"

ولید کی آواز سنائی دی۔ "دیکھیے میرے ساتھ گفتگو سے آپ کو کوئی فائدہ نہ ہو گا۔ آپ کو ہر حال شام تک یہاں رہنا پڑے گا۔ میں حامد بن زہرہ کی آمد کا اعلان اس لیے کرنا پڑا کہ اس کے سوا عوام کو مسجد میں جمع کرنے کا اور کوئی طریقہ نہ تھا۔ ورنہ ہمیں ان خطرات کا پورا پورا احساس ہے جو انہیں قوم کے دشمنوں کی طرف سے پیش آسکتے ہیں۔ غدّار اس بات کی ہر ممکن کوشش کریں گے کہ ان کی آواز حلق سے باہر نہ نکلے۔ شہر میں ایسے لوگوں کی کمی نہیں جنہیں معمولی لالچ دے کر ان کے قتل پر آمادہ کیا جاسکتا ہے۔ لیکن اگر آپ حامد بن زہرہ کے بہی خواہ ہیں اور آپ کو ان

کی سلامتی کے متعلق پریشانی ہے تو آپ کے لیے یہ اطمینان کافی ہونا چاہیے کہ ان کے جانثار اپنی ذمہ داریوں سے غافل نہیں۔ ہم نے کسی موہوم خطرے کو بھی نظر انداز نہیں کیا۔ یہ باتیں میں نے اس لیے کہی ہیں کہ میں ذاتی طور پر آپ کے لیے تذبذب میں ہوں۔ اب میں آپ سے مؤدبانہ گزارش کرتا ہوں کہ آپ اطمینان سے شام ہونے کا انتظار کریں اور ہمارے لیے یا خود کے لیے مزید بدمزگی پیدا نہ کریں۔ جب وقت آئے گا تو آپ کو ان کے سامنے پیش کر دیا جائے گا۔ آخری بات جو میں آپ سے کہنا ضروری سمجھتا ہوں یہ ہے کہ شام سے قبل کمرے سے نکلنے کے لیے آپ کی کوشش کامیاب نہیں ہو سکتی۔ اگر آپ دراڑ سے باہر جھانک کر دیکھ سکیں تو آپ کو آٹھ آدمی پوری طرح مسلح نظر آئیں گے۔ آپ یقیناً یہ پسند نہیں کریں گے کہ ان کے ہاتھوں سے ناحق آپ کا خون ہو جائے۔ خدا حافظ۔"

سلمان نے کرب انگیز لہجے میں کہا۔ "ولید خدا کے لیے میری ایک بات سن لو! میں حامد بن زہرہ کا دوست ہوں۔ ان کا بیٹا سعید اور جعفر نامی نوکر

مجھے جانتے ہیں۔ اگر شام سے پہلے آپ کو ان میں سے کسی کے ساتھ بات کرنے کا موقع ملے تو اسے اتنا ضرور بتا دیجیے کہ وہ ہاشم کا اعتبار نہ کریں۔ ہاشم ان کے گاؤں کا ایک رئیس ہے۔ میں یہ اطلاع دینے آیا تھا کہ وہ غدّاروں کے ساتھ ملا ہوا ہے۔ اسے کسی صورت میں بھی حامد بن زہرہ تک رسائی کا موقعہ نہ ملنا چاہیے۔"

ولید نے کہا۔ "اس کا مطلب یہ ہے کہ آپ اندراش کے بجائے ان کے گاؤں سے آئے ہیں اور آپ کا پہلا بیان غلط تھا۔ بہر حال میں اس بات کا ذمہ لیتا ہوں کہ اگر مجھے موقع ملا تو آپ کا یہ پیغام پہنچا دیا جائے گا۔ جہاں تک ہاشم کا تعلق ہے آپ کو قطعاً پریشان نہیں ہونا چاہیے۔ غرناطہ میں ان سے زیادہ خطرناک دشمن موجود ہیں اور آپ مجھے ان کے متعلق اپنی ذمہ داری پورا کرنے سے روک رہے ہیں۔ خدا حافظ۔"

سلمان کچھ دیر دروازے سے دور جاتے ہوئے قدموں کی چاپ سنتا رہا اور پھر نڈھال ہو کر بیٹھ گیا۔ کچھ دیر بعد اس کی یہ حالت تھی کہ وہ کبھی اٹھ کر کواڑ کی دراڑ سے باہر جھانکنے کی کوشش کرتا اور کبھی بے چینی کی

حالت میں ٹہلنا شروع کر دیتا۔ اس قید سے آزاد ہونے کی مختلف تدبیریں اس کے ذہن میں آئیں اور اگر اسے اس بات کا یقین ہوتا کہ وہ ولید اور اس کے ساتھیوں کی اعانت کے بغیر حامد بن زہرہ کو تلاش کر سکے گا تو وہ اس کوٹھری سے نکلنے کے لیے بڑے سے بڑا خطرہ مول لینے کے لیے تیار ہو جاتا۔ تلوار خنجر اور طمنچے کے علاوہ بارود کی ایک تھیلی اس کے پاس تھی اور وہ یہ جانتا تھا کہ بارود سے دیوار کے کسی حصے میں شگاف ڈالنا مشکل نہیں۔

اس میں خطرہ ضرور تھا لیکن سلمان فطرتاً ایک نڈر آدمی تھا۔ وہ ولید کی اس دھمکی سے بھی مرعوب نہیں تھا کہ اسے باہر نکلتے ہی تیروں کی بوچھاڑ کا سامنا کرنا پڑے گا۔ اس کی ذہنی کیفیت یہ تھی کی تھوڑی دیر کے لیے کسی خطرناک ارادہ سے اس کے خون کی گردش تیز ہو جاتی اور پھر یکایک اس کی قوّت فیصلہ جواب دے جاتی۔ وہ اپنے دل سے پوچھتا کہ حامد بن زہرہ کے متعلق ولید اور اس کے ساتھیوں کے جذبات میرے جذبات سے مختلف ہیں؟ کیا ان کی احتیاط کی ایک وجہ یہ نہیں کہ میں بہر حال ایک

اجنبی ہوں اور لوگ ایسے حالات کا سامنا کر رہے ہیں کہ انہیں اپنے سائے سے بھی خوف محسوس ہوتا ہے؟ اگر میں ان کی جگہ ہوتا تو کیا میرا طرزِ عمل ان سے مختلف ہوتا؟

اور پھر سلمان کو یہ محسوس ہوتا کہ ولید اس کے سامنے کھڑا یہ کہہ رہا ہے:

”میرے بھائی ہمیں تم سے کوئی عناد نہیں۔ ہم صرف اپنا فرض ادا کر رہے ہیں اور تم نے یہ کیوں سمجھ لیا ہے کہ تمہارے سوا کسی اور کو حامد بن زہرہ کی زندگی عزیز نہیں۔ تمہاری طرح غرناطہ کے ہزاروں آدمی انہیں تلاش کر رہے ہیں۔ ان میں حریت پسند بھی ہیں اور غدّار بھی۔ ہمارے لیے ان سب کو پرکھنے کا یہ وقت نہیں۔ ہم صرف اتنا جانتے ہیں کہ حامد بن زہرہ قوم کے ضمیر کی آخری آواز ہیں اور قوم کے مجرم اُن کے خون کے پیاسے ہیں۔ ہماری مستعدی اور فرض شناسی کا اس سے بڑا ثبوت کیا ہو سکتا ہے کہ وہ ان کی قیام گاہ تلاش نہیں کر سکے۔“

سلمان کا ذہنی اضطراب اب آہستہ آہستہ دور ہو رہا تھا اور تقریباً ایک پہر بعد وہ بستر پر لیٹا اطمینان محسوس کر رہا تھا کہ وہ اپنی سمجھ اور ہمّت کے

مطابق اپنا فرض پورا کر چکا ہے اور اس سے زیادہ اس کے بس کی بات بھی نہیں تھی۔ پھر کچھ دیر اونگھنے کے بعد اسے نیند آگئی۔

پیغام

البسین کی مسجد میں حامد بن زہرہ کی آواز گونج رہی تھی:

"فرزندانِ قوم! اگر تمھیں خوابِ غفلت سے بیدار کرنے کی، اس قبرستان کا سنّاٹا توڑنے کے لیے میری چیخوں کی ضرورت ہے تو میں یہ آخری فریضہ ادا کرنے کی پوری پوری کوشش کروں گا۔ تمھاری آزادی کے بجھتے ہوئے چراغوں کو آج خون کی ضرورت ہے۔ لیکن ایک بوڑھا اور کمزور آدمی تمھیں آنسوؤں کے سوا کچھ نہیں دے سکتا اور ایک تنہا فرد کے آنسو ایک قوم کے اجتماعی گناہوں کا کفّارہ نہیں ہو سکتے۔۔۔

اس دنیا میں کی گئی سیاسی غلطیوں کی تلافی ممکن ہے۔ ہاری ہوئی جنگیں

دوبارہ لڑی اور جیتی جا سکتی ہیں۔ شکستہ قلعے دوبارہ تعمیر ہو سکتے ہیں۔ تاریک راتوں میں بھٹکے ہوئے قافلے صبح کی روشنی میں اپنا راستہ تلاش کر سکتے ہیں۔ لیکن ایک اجتماعی گناہ ایسا بھی ہے جس کے لیے کوئی کفّارہ کافی نہیں ہوتا اور بھٹکے ہوئے قافلوں کے لیے ایک رات ایسی بھی آجاتی ہے جس کے لیے کوئی صبح نہیں ہوتی۔

اہل غرناطہ! میں تمہیں اس آخری گناہ سے روکنا چاہتا ہوں۔ جس کے بعد قوموں کے لیے رحم اور بخشش کے دروازے بند ہو جاتے ہیں۔ میں تمہیں اس تاریک رات کی ہولناکیوں سے خبر دار کرنا چاہتا ہوں جو کبھی ختم نہیں ہوتی۔

ایک قوم کا آخری گناہ یہ ہوتا ہے کہ وہ ظلم کے خلاف لڑنے کے حق سے دستبردار ہو جاتی ہے اور بد قسمتی سے تمہارے اکابر اس گناہ کے مرتکب ہو چکے ہیں۔ انہوں نے تم پر اللہ کی رحمت کے سارے دروازے ہمیشہ کے لیے بند کر دیے ہیں۔ انہوں نے مستقبل کی تمام امیدوں کا گلا گھونٹ دیا ہے۔ انہوں نے وہ ذہنی اور اخلاقی حصار توڑ دیے ہیں جو مظلوم اور بے

بس انسانوں کے لیے آخر جائے پناہ کا کام دیتے ہیں۔

اگر اس گناہ کی سزا تمہاری موجودہ نسل تک محدود رہ سکتی تو مجھے اس قدر اضطراب نہ ہوتا۔ لیکن تمہارے حکمرانوں نے وہ سارے چراغ بجھا دیے ہیں جو تمہاری آئندہ نسلوں کو سلامتی کا راستہ دکھا سکتے تھے۔۔۔ یاد رکھو! جب وہ غرناطہ کا مستقبل تمہاری آزادی اور بقا دشمنوں کو سونپ دیں گے تو تمہارے آلام و مصائب کی نہ ختم ہونے والی رات شروع ہو جائے گی۔۔۔ اور میری روح اس رات کے اندھیروں کے تصوّر سے کانپ اُٹھتی ہے۔

دوستو! مجھے اس معاہدے پر تبصرہ کرنے کی ضرورت نہیں جسے تم مستقبل کے امن اور خوشحالی کی ضمانت سمجھتے ہو۔ یہ اس عفریت کے چہرے کا حسین نقاب ہے جس کے خون آشام ہاتھ تمہاری شاہ رگ تک پہنچ چکے ہیں۔۔۔ اگر تم دیکھتے ہو کہ تم بھیڑیں بن کر بھیڑیوں کی ہمسائیگی اور سر پرستی میں زندہ رہ سکتے ہو تو مجھے تم سے ہمکلام ہونے کی ضرورت نہیں۔ لیکن اگر انسانیت کے ماضی سے کوئی سبق سیکھ سکو تو میں بار بار یہ کہوں گا

کہ تم اس جہنم کے دروازے پر دستک دے رہے ہو جو گمراہی اور ذلّت کے راستے کی آخری منزل ہے۔ مجھے صرف اس بات کا اندیشہ نہیں کہ تم اسے جہنم کی آگ میں بھسم ہو جاؤ گے بلکہ میں یہ دیکھ رہا ہوں کہ تمہاری آئندہ نسلیں بھی برسوں اور شاید صدیوں تک اس جہنم کا ایندھن بنتی رہیں گی۔ تم صرف زندہ رہنے کے لیے ان کی غلامی اختیار کرنے پر آمادہ ہو لیکن تمہارے بیٹے اور پوتے غلامی کی زنجیروں کو اپنے ہاتھوں کا زیور سمجھنے کے بعد بھی اپنے آقاؤں سے زندہ رہنے کا حق نہیں منوا سکیں گے۔۔۔ مجھے صرف یہ اندیشہ نہیں کہ تمہیں ایک بدترین غلامی اختیار کرنے پر مجبور کیا جائے گا بلکہ میں یہ دیکھ رہا ہوں کہ ہمیں اپنی روح اور بدن کی ساری آزادیوں سے دست بردار ہونے کے بعد بھی زندہ رہنے کا حق دار نہیں سمجھا جائے گا۔

تم قسطلہ اور ارغوان کے سپاہیوں کی بربریت دیکھ چکے ہو لیکن ابھی تم نے کلیسا کے پادریوں کی سفاکی نہیں دیکھی۔ تم نے محکمہ احتساب کے وہ اذیت خانے نہیں دیکھے جہاں آہنی شکنجوں میں جکڑے ہوئے انسان

ناکردہ گناہوں کا اعتراف کرنے پر مجبور ہو جاتے ہیں۔ تم نے آگ کی چتا میں بھسم ہونے والوں کی چیخیں نہیں سنی۔ لیکن میں یہ سب کچھ دیکھ رہا ہوں۔"

مجمع میں سے کسی نے جوش میں آکر نعرہ بلند کیا۔ "ابو عبد اللہ غدّار ہے! ابو القاسم دشمن کا جاسوس ہے!" اور مسجد کے مختلف گوشوں سے ان کے خلاف آوازیں بلند ہو لگیں اور چند ثانیے وقفے کے بعد حامد بن زہرہ کی آواز پھر بلند ہوئی: "میرے عزیزو! تمہارے نعرے انہیں راہِ راست پر نہیں لا سکتے وہ امن کی تلاش میں قبرستان کے دروازے پر دستک دے رہے ہیں۔ ان کی جنگ اپنے اقتدار کے لئے تھی۔ اب ابو عبد اللہ اپنے دل کو یہ فریب دے رہا ہے کہ اسے اپنی غداری کی قیمت مل جائے گی۔ اس کے وزیر اور اعمال بھی اس خود فریبی میں مبتلا ہو سکتے ہیں کہ آقاؤں کی تبدیلی ان کے مستقبل پر اثر انداز نہیں ہو گی اور ابو عبد اللہ کے بعد فرڈنینڈ کے خادم بن کر اپنی جان و مال کا تحفظ کر سکیں گے اور شاید مفتیان دین بھی جنہوں نے دین کے احکام کو اپنے بد طنیت اور نا اہل حکمرانوں

کی خواہشات کے سانچوں میں ڈھالنا اپنا شیوہ بنالیا ہے یہی سوچتے ہوں کہ زمانے کے نئے حالات احکامِ ربانی کی نئی تعبیروں کے متقاضی ہیں۔ اب وہ ابو عبد اللہ کے بجائے فرڈنینڈ کی قبا کو بوسے دے کر اپنے حالات کو سازگار بنا سکیں گے لیکن تمہاری جنگ اپنی بقا کی جنگ ہے۔ یہ وہ انسانی ذمہ داری ہے جس سے فرار کا راستہ مکمل ہلاکت پر ختم ہوتا ہے۔

اگر تم انسانیت کے بلند مقاصد سے منہ پھیر لو۔۔۔ اگر تم اسلام سے منحرف ہو جاؤ تو صرف حیوانوں کی طرح زندہ رہنے کے لیے بھی تمہیں ان درندوں کا مقابلہ کرنا پڑے گا جو تمہارا خون پینے، تمہارا گوشت نوچنے اور تمہاری ہڈیاں چبانے سے پہلے یہ اطمینان چاہتے ہیں کہ ہم مکمل طور پر ان کے نرغے میں آچکے ہو اور تمہارے اندر اپنی قوّت مدافعت کے لیے وہ حیوانی شعور بھی باقی نہیں رہا جو کمزور بکریوں کو بھی سینگ مارنے پر مجبور کر دیتا ہے۔

غرناطہ اسلامیانِ اندلس کا آخری حصار ہے۔ یہ ان مجبور و مقہور انسانوں کے لئے بھی آخری سہارا ہے جو قرطبہ، بلنسیہ، اشبیلیہ، طلیطلہ اور شمال کے

دوسرے علاقوں میں صرف اس امید پر زندہ ہیں کہ یہاں سے کوئی مردِ مجاہد نمودار ہو گا اور اس کے عزم و یقین کی روشنی سے غلامی کے اندھیرے چھٹ جائیں گے۔ لیکن جب دشمن تمہارے اس آخری حصار پر بھی قبضہ کر لے گا تو اس کے طول و عرض میں ان لاکھوں انسانوں کے لیے کوئی جائے پناہ نہیں ہو گی۔

تمہیں اس بات سے خوش ہونا چاہیے کہ معاہدے کی شرائط بہت نرم ہیں اور آزادی کا سودا کرنے کے بعد تم اپنے عالی شان مکانات، اپنی دولت، اپنے باغات اور اپنے کھیت بچا سکو گے۔ یاد رکھو! جب دشمن کو یہ اطمینان ہو جائے گا کہ تمہاری طاقت اور توانائی کے تمام سوتے خشک ہو چکے ہیں۔ تمہاری امیدوں کے سارے چراغ بجھ چکے ہیں اور تمہاری روح کسی ظلم کے خلاف بغاوت نہیں کر سکتی اور اس عفریت کو اپنا خونخوار چہرہ مکر و ریا کے لبادوں میں چھپانے کی ضرورت باقی نہیں رہے گی، پھر تم وحشت و بربریت کا وہ سیلاب دیکھو گے جو روئے زمین کی کسی قوم نے آج تک نہیں دیکھا۔ اس معاہدے کے خوبصورت الفاظ کے معنی بدل جائیں گے۔ اس

وقت تم یہ محسوس کروگے کہ ظلم و وحشت کی آگ کے انگاروں کو امن کے پھول سمجھ کر تم نے اپنی جھولیاں بھر لی تھیں۔۔۔۔

مجھے صرف یہی خدشہ نہیں کہ تمہاری درس گاہیں بند کر دی جائیں گی، تمہارے کتب خانے جلا دیے جائیں گے اور تمہاری مساجد گرجوں میں تبدیل ہو جائیں گی۔ بلکہ میں تو یہ دیکھ رہا ہوں کہ تمہیں ہلاکت اور تباہی کے راستے کی ہر نئی منزل پچھلی منازل سے بہت زیادہ تاریک نظر آئے گی۔ پھر مستقبل کے مؤرّخ تمہارے اُجڑے ہوئے شہروں کے کھنڈرات دیکھ کر یہ کہا کریں گے۔۔۔ یہ ویرانے اس بدنصیب قوم کی یادگار ہیں جس نے آسمان کی بلندیوں سے ہمکنار ہونے کے بعد ذلّت اور پستی کا راستہ اختیار کیا تھا۔ یہ اس قافلے کی آخری منزل ہے جس کے رہنماؤں نے اپنی آنکھوں پر پٹیاں باندھ لی تھیں۔ یہ اس قوم کا قبرستان ہے جس نے اپنے ہاتھوں سے اپنا گلا گھونٹ لیا تھا۔

میرے عزیزو! مجھ سے یہ سوال بار بار پوچھا گیا ہے کہ میں سمندر پار کے بھائیوں کی طرف سے کیا پیغام لایا ہوں۔ میرا جواب یہ ہے کہ اہلِ غرناطہ

عزّت کا راستہ اختیار کرنا چاہتے ہیں اور اللہ کی رحمت سے مایوس نہیں ہو گئے تو انہیں یہ اطمینان دلا سکتا ہوں کہ دنیائے اسلام کی ہمدردیاں ان کے ساتھ ہوں گی۔ اگر تم نے اپنے دین کے حصار میں پناہ لے کر دنیا پر ثابت کر دیا کہ اندلس میں تمام کفر و اسلام کا آخری معرکہ شروع ہو چکا ہے اور تم فتح یا شہادت کے سوا کوئی اور راستہ اختیار نہیں کرو گے تو تم بے یار و مددگار نہیں رہو گئے۔

اہل بربر تمہاری اعانت اپنا فرض سمجھیں گے۔ صرف اہلِ بربر ہی نہیں ترکوں کی وہ عظیم سلطنت بھی تمہاری پشت پر ہو گی جس کے پرچم کا سایہ دجلہ و فرات سے لے کر ڈینیوب کی وادیوں تک پہنچ چکا ہے۔ اگر تم نے اپنی قربانیوں اور اپنے ناقابلِ شکست عزائم کی بدولت غرناطہ کی جنگِ آزادی کو نعرۂ اسلام کا معرکہ ثابت کر دیا تو بحیرۂ روم میں ترکوں کے جنگی بیڑے کو اندلس کے ساحل تک پہنچنے میں دیر نہیں لگے گی۔ لیکن اگر تم مایوسی اور بد دلی کا شکار ہو گئے۔ یا تم نے یہ سمجھ لیا کہ دوسروں کے سہارے ہی تمہاری اندرونی توانائی کا نعم البدل ہو سکتے ہیں تو کوئی بھی

تمہاری مدد کے لیے نہیں آئے گا۔

تم باہر کے مسلمانوں کو غرناطہ کا راستہ دکھانا چاہتے ہو تو پہلے اپنے خون سے آزادی کے چراغ روشن کر لو۔ لیکن اگر تم موت کی نیند سو گئے تو وہ تمہیں قبرستان کے اندھیروں میں آوازیں نہیں دیں گے!"

اس مرحلہ پر ایک آدمی نے اُٹھ کر کہا۔ "جناب! میں آپ کی بات تسلیم کرتا ہوں لیکن اگر آپ اسے گستاخی نہ سمجھیں تو میں یہ پوچھنا چاہتا ہوں کہ آپ نے قیدیوں کے متعلق کیا سوچا ہے؟"

مسجد کے مختلف گوشوں سے مشتعل لوگوں کی آوازیں سنائی دینے لگیں:

"بیٹھ جاؤ! خاموش رہو! اسے باہر نکال دو! یہ حکومت کا جاسوس ہے!"

حامد بن زہرہ دونوں ہاتھ بلند کرتے ہوئے پوری قوّت سے گرجے۔

"حضرات! آپ کو مشتعل نہیں ہونا چاہیے۔ میں اس سوال کا جواب دے سکتا ہوں۔ ابھی میں نے اپنی تقریر ختم نہیں کی۔"

لوگ ایک دوسرے کو خاموشی کی تلقین کرنے لگے۔

حامد بن زہرہ نے تھوڑی دیر توقف کیا اور پھر سوال پوچھنے والے سے مخاطب ہوئے۔

”میرے بھائی! یہ سوال یقیناً بہت اہم ہے اور میں اس کا جواب دینے سے پہلو تہی نہیں کروں گا۔ لیکن میرے نزدیک ایک اور سوال اس سے کہیں زیادہ اہم ہے اور وہ یہ کہ جن لوگوں نے دشمن کی خوشنودی حاصل کرنے کے لیے انہیں قیدی بنا کر سینٹا فے بھیجا تھا انھوں نے قوم کے متعلق کیا سوچا تھا؟ میں ان جوانوں کو الزام نہیں دیتا جنہیں تمہارے نام نہاد حکمرانوں اور رہنماؤں نے ایک شرمناک سازش کی تکمیل کے لیے دشمن کے حوالے کر دیا ہے۔ انہیں یہ فریب دیا گیا تھا کہ اگر تم کچھ عرصہ کے لیے دشمن کا یرغمال رہنا قبول کر لو تو وہ مطمئن ہو جائے گا اور تمہاری قوم کو تیاری کا موقع مل جائے گا۔۔۔ اور اب تمہارے ذہن میں یہ بات ڈالی جارہی ہے کہ اگر تم اجتماعی خودکُشی پر آمادہ نہ ہوئے اور تم نے جنگ دوبارہ شروع کر دی تو تمہارے بھائی واپس نہیں آئیں گے۔ لیکن ہم

اس سازش کو کامیاب نہیں ہونے دیں گے۔

دوستو! وہ چار سویر غمالی نوجوان غرناطہ کے لشکر کی روح تھے۔ غرناطہ کے غدّار انہیں قید تو کرواسکتے ہیں لیکن واپس بلانا ان کے بس کی بات نہیں۔ اب صرف تمہاری ہمّت، غیرت، اور تمہارے ناقابلِ شکست حوصلے ہی انہیں واپس لاسکتے ہیں۔ اب تمہیں اس بات کا عملی ثبوت دینا پڑے گا کہ تم اندلس کی زمین پر عزّت اور آزادی کے ساتھ زندہ رہنے کا حق رکھتے ہو اور اگر بھیڑوں کا راستہ اختیار کرو گے تو بھیڑیے تمہیں ہلاک کر ڈالیں گے۔

میرے ہم وطنو! متارکہ جنگ کے معاہدے کی جو شرائط مجھے معلوم ہوئی ہیں ان کے مطابق تمہیں ہتھیار ڈال دینے یا دوبارہ جنگ کرنے کا فیصلہ کرنے کے لیے ستّر دن کی مہلت دی گئی تھی۔ لیکن یہ ایک فریب تھا۔ جن غدّاروں نے اپنا مستقبل فرڈنینڈ کے ساتھ وابستہ کر لیا تھا وہ اسے یہ اطمینان دلا چکے تھے کہ وہ ستّر دن کی مہلت ختم ہونے سے پہلے ہی ایسے حالات پیدا کر دیں گے کہ تمہارے دلوں میں لڑنے کا حوصلہ باقی نہ رہے

گا۔

مجھے معلوم ہوا ہے کہ اس وقت قوم کے غدّار الحمرا میں جمع ہیں۔ ان سے یہ بعید نہیں کہ وہ اچانک دشمن کے لیے شہر کے دروازے کھول دیں اور تمہیں معلوم ہو کہ تم غلام بنا دیے گئے ہو۔۔۔ اس لیے تمہیں ایک لمحہ کے لیے بھی ان کی سازشوں سے غافل نہیں رہنا چاہیے!

میں آج ہی غرناطہ پہنچا ہوں۔ آئندہ اقدامات کا فیصلہ کرنے کے لیے مجھے ان لوگوں کے مشورے کی اشد ضرورت ہے جو جنگی معاملات کو مجھ سے بہتر سمجھتے ہیں۔ آپ کو حال اور مستقبل کے خطرات سے آگاہ کرنا میری پہلی ذمہ داری تھی اور آپ کو گواہ ہیں کہ میں اپنی ہمّت اور استعداد کے مطابق یہ ذمہ داری پوری کر چکا ہوں۔"

تقریر کے اختتام پر حامد بن زہرہ نے ہاتھ اٹھا کر دعا مانگی۔ پھر البسین کے خطیب نے اٹھ کر کہا:

"حضرات! اس وقت شہر کے اکابر کسی جگہ جمع ہو کر آپ کے جلیل القدر

رہنما کا انتظار کر رہے ہیں اس لیے حامد بن زہرہ آپ سے رخصت چاہتے ہیں۔ میں آپ سے درخواست کرتا ہوں کہ آپ ان کے پیچھے بھاگنے کی کوشش نہ کریں۔ صرف چند رفقاء ان کے ساتھ جائیں گے۔ مسجد کے باہر بھی ان کی حفاظت کے لیے مسلح رضا کار موجود ہیں۔ اب عشاء کی نماز کا وقت ہو چکا ہے۔ اس لیے آپ اطمینان سے اپنی اپنی جگہ بیٹھے رہیں۔"

تھوڑی دیر بعد حامد بن زہرہ مسجد سے باہر نکل کر ایک بگھی پر سوار ہو رہا تھا۔۔۔

☆☆☆

سلمان نیند سے بیدار ہوا تو کمرے میں اندھیرا چھایا ہوا تھا۔ وہ جلدی سے اُٹھ کر دروازے کی طرف بڑھا اور کواڑ کی دراڑ سے باہر جھانکنے لگا۔ لیکن صحن میں بھی تاریکی چھائی ہوئی تھی۔ ایک طرف آدمیوں کی آوازیں سنائی دیں لیکن سلمان ان کی گفتگو نہ سن سکا تھوڑی دیر بعد وہ کسی بات پر قہقہے لگا رہے تھے۔ اور سلمان کا رہا سہا اضطراب دور ہو گیا تھا۔ وہ اطمینان

سے دیوار کے ساتھ ٹیک لگا کر بیٹھ گیا۔ دن بھر کے واقعات پر غور کرتے ہوئے اس کے ذہن میں اب اس قسم کے خیالات آرہے تھے:

"کیا یہ ممکن ہے کہ جس آدمی کو عاتکہ نے دیکھا تھا وہ اس کے باپ کا ہم شکل قاتل ہو اور عاتکہ نے کسی فرضی خطرے سے مُضطرب ہو کر مجھے پریشان کیا ہے؟ اگر میں حامد بن زہرہ تک رسائی حاصل کر لیتا تو بھی یہ کیسے ممکن تھا کہ میں صرف ایک لڑکی کا پیغام پہنچا کر اسے ایک ایسے فرض کی ادائیگی سے روک لیتا جس کے لیے وہ ہر خطرہ مول لینے کے لیے تیار تھا؟ ولید درست کہتا تھا۔ غرناطہ میں حامد بن زہرہ کے حامیوں اور جانثاروں کی نگاہوں سے غدّارانِ قوم کی کوئی بات پوشیدہ نہ تھی اور ان کے انتظامات اس قدر مکمل تھے کہ اگر میں عاتکہ کا پیغام پہنچانے میں کامیاب ہو جاتا تو وہ بھی کسی مزید احتیاط کی ضرورت محسوس نہ کرتے۔ میں اس سے زیادہ اور کر بھی کیا سکتا تھا؟ شاید اس میں کوئی بہتری ہو کہ انہوں نے مجھے ایک مشتبہ آدمی سمجھ کر یہاں بند کر دیا ہے۔"

پھر وہ تصور میں عاتکہ سے کہہ رہا تھا۔

”نادان لڑکی! تم نے بلاوجہ مجھے پریشان کیا۔ تم نے یہ کیسے سمجھ لیا تھا کہ وہ حق پرست جو غرناطہ کے تمام غدّاروں کو للکارنے اور فرڈنینڈ کے خلاف اعلانِ جہاد کرنے کا حوصلہ رکھتا ہے تمہارے چچا کی کسی سازش سے خوفزدہ ہو کر اپنا راستہ تبدیل کر لے گا؟“

اسے یقین تھا کہ ولید نے حامد بن زہرہ کو میرا پیغام پہنچا دیا ہو گا اور وہ مسجد سے فارغ ہوتے ہی یا تو بذاتِ خود یہاں آئے گا اور ورنہ مجھے اپنے پاس بلا لے گا۔

قریباً ایک گھنٹہ اور انتظار کرنے کے بعد اسے پھر ایک بے چینی سی محسوس ہونے لگی: ”کیا ہو سکتا ہے کہ ولید نے میرا پیغام دینے کی ضرورت ہی محسوس نہ کی ہو اور وہ تقریر سے فارغ ہوتے ہی غرناطہ سے روانہ ہو گئے ہوں اور پھر جو غدّار غرناطہ کے اندر کسی تصادم کی صورت میں اپنے لیے خطرہ محسوس کرتے ہیں اسے راستے میں روکنے کی کوشش کریں؟ نہیں! نہیں! ایسا نہیں ہو سکتا۔ ایسا نہیں ہونا چاہیے۔ اس بدنصیب قوم کو حامد بن زہرہ کی ضرورت ہے۔ اسے زندہ رہنا چاہیے!“

پھر صحن میں پاؤں کی آہٹ سنائی دی اور تھوڑی دیر بعد کسی نے دروازہ کھول دیا۔ سلمان نے باہر نکلتے ہوئے غصے سے زیادہ شکایت کے لہجے میں کہا۔ ”تم لوگ ظالم بھی ہو اور بے وقوف بھی۔“

جواب میں جعفر کی آواز سنائی دی۔ ”جناب! میں جعفر ہوں اور مجھے یقین نہیں آتا کہ آپ غرناطہ پہنچ گئے ہیں۔“

جعفر کو دیکھتے ہی سلمان کا سارا غصہ جاتا رہا۔ اس نے جلدی سے آگے بڑھ کر اس کا بازو پکڑ لیا اور اسے دوسرے پانچ آدمیوں سے چند قدم ایک طرف لے جا کر سرگوشی کے انداز میں پوچھا۔ ”وہ بخیریت ہیں؟“

”ہاں! اللہ کا شکر ہے۔ مجھے افسوس ہے کہ آپ ان کی تقریر نہیں سن سکے۔ اگر مجھے پہلے اطلاع مل جاتی تو میں اسی وقت آکر آپ کو لے جاتا۔ ولید نے سعید سے اس وقت آپ کا ذکر کیا تھا جبکہ ہم مسجد سے باہر نکل رہے تھے۔ سعید اس بات سے سخت مُضطرب تھا کہ آپ غرناطہ پہنچ گئے ہیں۔ اگر اس کا اپنے والد کے ساتھ رہنا ضروری نہ ہوتا تو فوراً آپ کے

پاس آتا۔ اب اس نے مجھے تاکید کی ہے کہ آپ کو ولید کے ہاں پہنچادوں اور صبح ہوتے ہی آپ کے ساتھ گاؤں پہنچ جاؤں اور ولید نے یہ درخواست بھی کی ہے کہ میں اس کی طرف سے معافی مانگوں۔"

"وہ کہاں ہے؟" "وہ بھی ان کے ساتھی بگھی پر سوار ہو گیا تھا۔"

"وہ کہاں گئے ہیں؟"

"وہ کسی دوست کے گھر گئے تھے لیکن اس وقت آپ کی ملاقات نہیں ہو سکے گی۔ وہاں غرناطہ کے سر کردہ آدمیوں کا اجلاس ہو رہا ہے۔ اور کافی دیر مصروف رہیں گے۔ سعید کہتا تھا کہ ابّا جان کو پریشان کرنا مناسب نہیں۔ وہ فارغ ہوتے ہی آپ کے پاس آئے گا۔ اب چلیے آپ کو ولید کے گھر پہنچانے کے بعد مجھے واپس جانا ہے۔ آپ کا گھوڑا کہاں ہے؟"

"میں اپنا گھوڑا جنوبی دروازے سے کچھ دور سرائے میں چھوڑ آیا ہوں۔ سرائے کے مالک کا نام عبدالمنان ہے۔ وہ میرا انتظار کر رہا ہو گا۔"

جعفر نے کہا۔ "میں عبدالمنان کو جانتا ہوں۔ وہ ایک مخلص آدمی ہے۔

اگر آپ سرائے میں پہنچتے ہی بتا دیتے کہ آپ حامد بن زہرہ کے دوست ہیں تو آپ کو اس قدر پریشانی کا سامنا نہ کرنا پڑتا۔ وہ آپ کو یہ اطمینان دلا سکتا تھا کہ انہیں غرناطہ میں کوئی خطرہ نہیں۔ اب چلیے میں آپ کو ولید کے ہاں پہنچانے کے بعد کسی کو سرائے سے آپ کا گھوڑا لانے کے لیے کہہ دوں گا۔"

سلمان نے کہا۔ "اگر آپ عبدالمنان کو قابلِ اعتبار سمجھتے ہیں تو کیا یہ بہتر نہیں ہو گا کہ میں سرائے میں چلا جاؤں اور وہاں ان کی ہدایات کا انتظار کروں۔ اگر مجھے واپس جانے کی اجازت مل گئی تو صبح ہوتے ہی وہیں سے روانہ ہو جاؤں گا۔ ویسے آپ کو اس بات کا پورا یقین ہے نا کہ غرناطہ میں حامد بن زہرہ کے لیے کوئی خطرہ نہیں؟"

جعفر نے جواب دیا۔ "اگر آپ ان کی تقریر کے بعد اہلِ غرناطہ کا جوش و خروش دیکھ لیتے تو آپ کو یہ سوال پوچھنے کی ضرورت پیش نہ آتی۔ اب شہر کی یہ حالت ہے کہ اگر وہ تنہا کسی سڑک پر نکل آئیں تو بھی وطن کے غدّار ان پر حملہ کرنے کی جرأت نہیں کر کریں گے۔ لیکن میرا خیال ہے

کہ وہ زیادہ دیر غرناطہ میں نہیں رہیں گئے۔ لیکن آپ نے مجھے یہ نہیں بتایا کہ آپ ان کی ہدایات کے خلاف غرناطہ کیوں آ گئے اور ہاشم کے متعلق آپ کو کیسے معلوم ہوا کہ وہ کوئی خطرناک کھیل کھیل رہا ہے؟“

سلمان نے مختصراً اپنی سرگزشت بیان کر دی۔ جعفر نے کچھ سوچ کر کہا۔ ”لیکن یہاں پہنچنے کے بعد ہم نے ہاشم کو نہیں دیکھا۔ اگر وہ غرناطہ آتا تو حامد بن زہرہ کو ضرور تلاش کرتا۔ پھر یہ بات بھی میری سمجھ میں نہیں آئی کہ جب انہوں نے غرناطہ جانے کا ارادہ ظاہر کیا تھا تو وہ بار بار کہتا تھا کہ آپ فی الحال غرناطہ جانے کا ارادہ ملتوی کر دیں۔ اگر وہ غدّاروں کے ساتھ شامل ہو چکا ہوتا تو ان کی سلامتی کے متعلق اس قدر فکر مند کیوں ہوتا۔ میرا خیال ہے کہ یہ ساری باتیں عاتکہ کے وہم کا نتیجہ ہیں اور اگر اس کے خدشات درست ثابت ہوں تو بھی ہمیں اس قدر پریشان ہونے کی ضرورت نہیں۔ آج قوم کا ہر غدّار حامد بن زہرہ کے خون کا پیاسا ہے اور اگر ہاشم ان میں شامل ہو چکا ہو تو اس سے کوئی فرق نہیں پڑتا۔ وہ غرناطہ میں اپنا فرض ادا کر چکے ہیں۔ جب وہ جنوب کا رُخ کریں گے تو

قبائل ان کے ساتھ ہوں گے۔"

سلمان نے کہا۔ "مجھے معلوم ہے کہ وہ کسی ذاتی خطرے سے پریشان نہیں ہو سکتے تاہم میں نے عاتکہ سے وعدہ کیا تھا کہ میں اس کا پیغام پہنچا دوں گا۔ اب تمہیں ان سے بات کرنے کا موقع نہ ملے تو کم از کم سعید کو یہ واقعات ضرور بتا دینا!"

جعفر نے جواب دیا۔ "آپ اطمینان رکھیں۔ میری طرف سے کوئی کوتاہی نہیں ہو گی۔ سعید بار بار یہ تاکید کرتا تھا کہ یہاں کسی کو معلوم نہیں ہونا چاہیے کہ آپ کون ہیں۔ غرناطہ میں آپ کو حامد بن زہرہ سے دور رکھنے کی بڑی وجہ یہی ہے کہیں آپ یہ سمجھیں کہ اس وقت وہ جن لوگوں سے ملاقاتیں کر رہے ہیں انہیں آپ سے زیادہ اہمیت دی جا رہی ہے۔ ولید بھی اپنے طرزِ عمل پر سخت نادم تھا اور آپ سے معافی مانگتا تھا۔"

"ولید نے اپنا فرض ادا کر دیا ہے اور مجھے اس سے کوئی گلہ نہیں ہونا چاہیے لیکن میں تم سے ایک وعدہ لینا چاہتا ہوں۔"

"فرمایئے!"

"اگر حامد بن زہرہ اچانک غرناطہ سے باہر جانے کا ارادہ کریں تو تم مجھے اطلاع ضرور دو گے۔۔۔ میں یہ چاہتا ہوں کہ جب تک وہ اپنے گھر یا کسی اور محفوظ جگہ پہنچ جائیں میں ان کے ساتھ رہوں۔"

"میں ہی وعدہ کرتا ہوں۔"

"میں تمہارا انتظار کروں گا۔"

☆☆☆

تھوڑی دیر بعد سلمان دو نوجوانوں کی رفاقت میں سرائے کا رخ کر رہا تھا۔ تنگ گلی سے نکل کر ایک کشادہ سڑک پر اسے جگہ جگہ ان لوگوں کی ٹولیاں دکھائی دیں جو ابو عبداللہ اور ابو القاسم کے خلاف نعرے لگا رہے تھے۔ اپنے ساتھیوں سے استفسار پر اسے معلوم ہوا کہ شہری غدّاروں کے خلاف مظاہرہ کرنے کے لیے الحمرا کے دروازے کے سامنے جمع ہو رہے ہیں۔

سرائے کے قریب کشادہ چوک میں پہنچ کر اسے ایک بڑا جلوس دکھائی دیا۔ اور اس نے اپنے ساتھیوں سے اجازت لیتے ہوئے کہا۔ ”اب آپ تکلیف نہ کریں۔ مجھے اس سے آگے راستہ معلوم ہے۔“

چند منٹ بعد وہ سرائے کی ڈیوڑھی میں داخل ہوا تو عثمان وہاں کھڑا تھا۔ اس نے اس کا خیر مقدم کرتے ہوئے کہا۔ ”جناب! میں آپ کا انتظار کر رہا تھا۔ سرائے کے مالک بھی آپ کے متعلق بہت پریشان تھے۔ وہ مجھے حکم دے گئے تھے کہ آپ کی واپسی تک دروازے پر کھڑا رہوں۔“

”وہ کہاں گئے ہیں؟“

”وہ حامد بن زہرہ کی تقریر سننے کے لیے البسین گئے تھے اور اب شاید کسی جلوس میں شامل ہو کر الحمرا پہنچ گئے ہوں۔ لیکن وہ زیادہ دیر وہاں نہیں ٹھہریں گے۔ اگر مجھے معلوم ہوتا کہ آپ اتنی دیر سے آئیں گے تو میں بھی البسین ضرور جاتا۔ آپ تقریر سُن کر آرہے ہیں نا؟“

”نہیں! مجھے افسوس ہے کہ میں ان کی تقریر نہیں سن سکا۔“

”آیئے! آپ رات یہیں رہیں گے نا؟“

سلمان نے اس کے ساتھ چلتے ہوئے کہا۔ ”ہو سکتا ہے کہ مجھے یہاں رات گزارنی پڑے لیکن ابھی میں نے فیصلہ نہیں کیا۔ مجھے ایک اور ساتھی کا انتظار ہے۔ جب وہ آ جائے گا تو میں اس کے مشورے پر عمل کروں گا۔“

وہ ڈیوڑھی عبور کرنے کے بعد صحن میں داخل ہوئے اور عثمان نے ایک نوکر کو آواز دے کر کہا۔ ”تم مہمان کے ہاتھ دھلا کر انہیں اوپر لے جاؤ۔ میں ان کے لیے کھانا لاتا ہوں۔“

سلمان نے کہا۔ ”کھانے کی ضرورت نہیں۔ صرف وضو کے لیے پانی لے آؤ!“

عثمان نے کہا۔ ”جناب! سرائے کا مالک آپ کے لیے اپنے گھر میں کھانا تیار کرنے کا حکم دے گئے تھے۔ آپ تھوڑا بہت ضرور کھالیں ورنہ ان کی دل شکنی ہو گی اور گھر والوں کو بھی اس بات کا افسوس ہو گا۔ آپ وضو کر کے نماز پڑھ لیں۔ اس کے بعد کھانا لے آؤں گا۔ آیئے! میں آپ کو غسل

خانہ دکھادوں۔"

سلمان اس کے ساتھ چل دیا۔

☆☆☆

بالائی منزل کا وہ کمرہ جس میں سلمان کو ٹھہرایا گیا تھا، ڈیوڑھی کے عین اوپر تھا اور اس کا ایک دریچہ باہر کی سڑک کی طرف کھلتا تھا۔ عثمان اس کے لیے ایک خوبصورت قالین بچھا کر باہر نکل گیا۔

سلمان نماز کے لیے کھڑا ہوا تو اسے کچھ دیر سڑک کی طرف تھوڑے تھوڑے وقفے کے بعد گھوڑوں کی ٹاپ سنائی دیتی رہی۔ پھر تھوڑی دیر بعد جب وہ نماز سے فارغ ہوا تو سڑک کی جانب سے چند آدمیوں کی آوازیں سنائی دیں۔ اس نے اٹھ کر دریچہ کھول دیا اور نیچے جھانکنے لگا۔ چند آدمی سڑک کے پار کھڑے آپس میں باتیں کر رہے تھے۔

ایک آدمی کہہ رہا تھا۔ "بھائی! وہ غدّار تھے اور مجھے یقین ہے کہ وہ شہر چھوڑ کر بھاگ رہے ہیں۔ دیکھو وہ سیدھے دروازے کا رُخ کر رہے ہیں۔"

دوسرے آدمی نے کہا۔ ”بھائی! غدّار اب کئی دن اپنے گھروں سے باہر نکلنے کی جراَت نہیں کریں گے۔ ممکن ہے کہ وہ حامد بن زہرہ کے ساتھی ہوں اور انہیں کسی مہم پر بھیجا گیا ہو؟“

تیسرا بولا۔ ”حامد بن زہرہ کے ساتھی اتنے بزدل نہیں ہو سکتے کہ وہ غرناطہ کی سڑکوں پر بھی اپنے چہروں پر نقاب ڈالنے کی کوشش کریں اور پھر یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ دروازے کے محافظ ان کے لیے رات کے وقت دروازے کھول دیں؟“

چوتھے نے کہا۔ ”آج حامد بن زہرہ کے کسی ادنیٰ غلام کے لیے بھی شہر کا دروازہ بند نہیں ہو سکتا۔ پہرے داروں کو معلوم ہے کہ اب حالات بدل چکے ہیں۔ اگر وہ غدّار ہوتے تو انہیں اس دروازے سے باہر جانے کی بجائے سینٹافے کا رخ کرنا چاہیے تھا۔ کیونکہ انہیں صرف فرڈنینڈ ہی پناہ دے سکتا ہے۔“

پھر ایک اور آواز سنائی دی۔ ”بھئی! اب تم فضول وقت ضائع کر رہے ہو۔

چلو الحمرا چلیں۔"

"چلو!"

☆☆☆

سلمان دریچہ بند کر کے کرسی پر بیٹھ گیا۔ عثمان دستک دے کر کمرے میں داخل ہوا تو اس نے کھانے کا طشت اس کے سامنے چھوٹی سی میز پر رکھ دیا۔ سلمان نے پوچھا۔ "عثمان! تم نے سڑک پر چند سوار دیکھے تھے؟"

"ہاں! میں نے سرائے سے نکلتے ہی تین ٹولیاں دیکھی تھیں۔ ان کی مجموعی تعداد بیس کے لگ بھگ تھی۔ وہ سب اپنے چہروں پر نقاب ڈالے ہوئے تھے۔ اگر رات نہ ہوتی تو میں ان میں سے کسی نہ کسی کے گھوڑے کو ضرور پہچان لیتا۔ میں نے آپ کی آمد سے کچھ دیر پہلے بھی آٹھ دس سواروں کو شہر کے دروازے کی طرف جاتے دیکھا تھا۔"

"کیا یہ ممکن ہے کہ وہ کسی مہم پر گئے ہوں اور پہرے داروں نے ان کے لیے شہر کا دروازہ کھول دیا ہو؟"

عثمان نے جواب دیا۔ ”یہ بات مجھ کو بھی کچھ عجیب سی لگتی ہے۔ رات کے وقت صرف ان لوگوں کے لیے دروازہ کھولا جاتا ہے جن کے پاس یا تو پولیس کا اجازت نامہ ہو یا پہرے داروں کے کسی افسر کے ساتھ ان کے ذاتی مراسم ہوں۔ لیکن آج تو دن کے وقت بھی انہوں نے دروازہ بند کر دیا تھا۔ اگر راستے میں ہماری ملاقات نہ ہوتی اور آپ سرائے کے مالک کو میرے متعلق اطلاع نہ دیتے تو شاید مجھے اب تک وہاں ہی رکنا پڑتا۔“

”تو اس کا مطلب ہے کہ اگر مجھے اچانک شہر سے باہر جانے کی ضرورت پیش آئے تو عبدالمنان میری مدد کر سکتا ہے۔“

”ہاں! پہرے داروں کا سالار انہیں جانتا ہے اور آج ان کی بدولت میرے علاوہ کئی دوسرے لوگوں کو بھی شہر میں داخل ہونے کی اجازت مل گئی تھی۔“

سلمان نے کہا۔ ”کیا تم یہ معلوم کر سکتے ہو کہ جو سوار ابھی یہاں سے گزرے تھے ان کے لیے شہر کا دروازہ کھولا گیا ہے یا نہیں۔ اگر وہ حکومت

کے آدمی تھے تو شاید پہرے دار تمہیں کچھ نہ بتائیں لیکن ممکن ہے کہ آس پاس کسی نے انہیں دروازے سے نکلتے دیکھ لیا ہو!" "اگر یہ ضروری ہے تو میں ابھی معلوم کر کے آتا ہوں۔"

"تم میرا گھوڑا لے جاسکتے ہو۔"

"نہیں جناب! گھوڑے کی ضرورت نہیں۔ میں ابھی آتا ہوں۔"

عثمان بھاگتا ہوا کمرے سے باہر نکل گیا اور سلمان نے کھانے کے چند نوالے حلق میں اتارنے کے بعد کمرے میں ٹہلنا شروع کر دیا۔ تھوڑی دیر بعد اسے دور بادلوں کی گرج سنائی دے رہی تھی۔

عبدالمنان کمرے میں داخل ہوا اور اس نے کہا۔ "خدا کا شکر ہے کہ آپ آگئے۔ میں نے شام تک آپ کا انتظار کیا تھا۔ پھر میں نے یہ سوچا کہ شاید آپ حامد بن زہرہ کی تقریر سن کر واپس آئیں۔"

"مجھے ان کی تقریر سننے کا موقع نہیں ملا۔" سلمان نے جواب دیا۔

عبد المنان نے ان کے سامنے بیٹھے ہوئے کہا۔ ”تقریر آپ کو ضرور سننی چاہیے تھی۔ مجھے ایسا محسوس ہوتا تھا کہ میں ان کی زبان سے موسیٰ بن ابی غسان کی پکار سن رہا ہوں۔ انہوں نے ایک ڈوبتی کشتی کے ملّاح کا آخری فرض ادا کر دیا ہے۔“

”کیا آپ کو توقع ہے کہ اس تقریر کے بعد اہلِ غرناطہ سنبھل جائیں گے؟“

عبد المنان نے کچھ دیر سر جھکا کر سوچنے کے بعد جواب دیا۔ ”سرِ دست اس سوال کا جواب دینا بہت مشکل ہے۔ جہاں تک عوام کو جھنجوڑنے اور مستقبل کے خطرات سے خبر دار کرنے کا تعلق تھا۔ وہ اپنا فرض پورا کر چکے ہیں۔ تاہم ان کے تقریر کے دوران مجھے بار بار یہ خیال آتا تھا کہ اگر ایک فرد ایک قوم کے گناہوں کا کفارہ ادا کر سکتا تو اہلِ غرناطہ کے سامنے موسیٰ بن ابی غسان کی تقریریں بے اثر ثابت نہ ہوتیں۔ آہ! کتنی پر درد آواز میں انہوں نے کہا تھا:

ہمیں اپنی آزادی اور اپنی آئندہ نسلوں کی بقا سے کہیں زیادہ اپنی دولت اپنی زمینوں اپنے مکانوں اور باغوں سے محبت ہے۔ آزادی کے بجھتے ہوئے چراغ اسی خون کے طلبگار ہیں جس کی فراوانی سے ہمارے اسلاف نے اس زمین کو صدیوں کی بہاریں عطا کیں۔ لیکن آج ہمارا خون آنسوؤں میں تبدیل ہو چکا ہے۔ اور ہمارے سینوں میں زندگی کی آگ بجھ چکی ہے۔"

اگر حامد بن زہرہ چند ہفتے پہلے یہاں پہنچ جاتے اور ہمیں اسلامی ممالک کی طرف سے اعانت کے متعلق کوئی حوصلہ افزا پیغام دے سکتے تو بھی اہلِ غرناطہ کے سینوں میں زندگی کے ولولے بیدار کر دینا ایک معجزہ ہوتا لیکن اب تو شاید موہوم امیدوں کا سہارا لینے کا وقت بھی گزر چکا ہے۔ ہم دشمن کو اس بات کی اجازت دے چکے ہیں کہ وہ اپنا خنجر ہماری گردن پر رکھ دے۔ اب ہم اپنے آپ کو یہ فریب دے رہے ہیں کہ شاید ہماری شاہ رگ بچ جائے یا شاہ رگ کٹ جانے کے بعد بھی ہم زندہ رہ سکیں۔ ہمارا اخلاقی حصار مُنہدم ہو چکا ہے۔ ہماری زندگی اور توانائی کے سارے

چشمے زہر آلود ہو چکے ہیں۔

آپ یہ نہ سمجھ لیں کہ میں غرناطہ کے امن پسندوں کا طرفدار ہوں۔ میرے گھرانے کے آٹھ آدمی شہید ہو چکے ہیں اور مجھے اس بات پر فخر ہے کہ میرا ایک بھائی متارکہ جنگ کے معاہدے سے دل برداشتہ ہو کر ان مجاہدین سے جا ملا تھا جنہوں نے چاروں طرف سے گھر جانے کے باوجود اپنی آزادی کے پرچم کو سرنگوں نہیں ہونے دیا۔ اس نے ذلّت کی زندگی کے مقابلے میں عزّت کی موت کا راستہ منتخب کیا ہے۔ لیکن میں اس سے مختلف ہوں۔ میں صرف زندہ رہنا چاہتا ہوں۔ حالات نے مجھے یہ سوچنے پر مجبور کر دیا ہے کہ جس قوم کی باگ ڈور ابو عبد اللہ اور ابو القاسم جیسے لوگوں کے ہاتھ میں ہو۔۔۔ جس کے اکابر نے اس خوف سے اپنے چار سو فرزندوں کو یرغمال کے طور پر دشمن کے حوالے کر دیا ہو کہ لوگ انہیں دوبارہ جنگ شروع کرنے پر مجبور نہ کر دیں۔ اس کے دل میں صرف زندہ رہنے کی خواہش بھی غنیمت ہے۔

مسلمانان اندلس کی تاریخ کے آئندہ چند دن بہت نازک ہیں۔ مجھے ڈر ہے

کہ حامد بن زہرہ کی تقریر ہمارے لیے قدرت کی طرف سے آخری تنبیہہ نہ ہو۔ اس تقریر کے بعد ان کے لیے غرناطہ کا کوئی گوشہ محفوظ نہیں ہو گا۔ قوم کے غدّار نہیں اپنے راستے سے ہٹانے کے لیے کسی اقدام سے گریز نہیں کریں گے اور اگر انہیں کوئی حادثہ پیش آ گیا تو وہ خوفناک عذاب شروع ہو جائے گا جس کے آثار ظاہر ہیں۔

جلسہ کے اختتام کے بعد میں نے جن دوستوں سے گفتگو کی ہے وہ سب اس بات سے پریشان تھے کہ اہلِ غرناطہ بیک وقت اپنے اندرونی اور بیرونی دشمنوں سے کیسے لڑیں گے۔ کسی قوم کے لیے اس سے بڑا عذاب اور کیا ہو سکتا ہے کہ اس کی آزادی کے محافظ دشمن کی فوج کا ہراول دستہ بن جائیں۔"

عبد المنان کچھ دیر اور غدّاران قوم کی سازشوں کے حالت بیان کرتا رہا۔ بالآخر اس نے اٹھتے ہوئے کہا:

"معاف کیجئے میں یہ بھول گیا تھا کہ آپ ایک مہمان ہیں اور میری حیثیت

ایک سرائے کے مالک سے زیادہ نہیں۔ میں تھوڑی دیر کے لیے الحمرا تک جانا چاہتا ہوں۔ اگر آپ اہلِ غرناطہ کا جوش و خروش دیکھنا چاہتے ہیں تو آپ بھی میرے ساتھ چلیں۔"

سلمان نے جواب دیا۔ "آپ تھوڑی دیر ٹھہریں۔ میں نے عثمان کو کسی کام سے بھیجا ہے۔ مجھے یہاں ایک آدمی کا انتظار ہے۔"

عبد المنان دوبارہ کرسی پر بیٹھ گیا۔ تھوڑی دیر بعد عثمان بھاگتا ہوا کمرے میں داخل ہوا اور اس نے کہا۔

"جناب! وہ شہر سے نکل گئے ہیں۔"

"شہر سے کون نکل گئے ہیں؟" عبد المنان نے پوچھا۔

عثمان جواب دینے کی بجائے سلمان کی طرف دیکھنے لگا اور اس نے مختصراً نقاب پوش سواروں کے متعلق بتایا۔

عبد المنان نے کہا۔ "اگر یہ سوار حریت پسندوں سے تعلق رکھتے ہیں اور

انہیں حامد بن زہرہ نے کسی مہم پر بھیجا ہے تو ہمیں ان کا پتا لگانے میں دیر نہیں لگے گی۔ لیکن اگر وہ حکومت کے جاسوس ہیں تو اس وقت ان کے شہر سے باہر نکلنے کی صرف دو وجوہات میری سمجھ میں آتی ہیں۔ پہلی یہ کہ انہیں پہاڑی قبائل کو حامد بن زہرہ کا ساتھ دینے سے منع کرنے کے لیے بھیجا گیا ہے اور دوسری یہ کہ حکومت حامد بن زہرہ کا راستہ روکنا چاہتی ہے۔ لیکن پندرہ بیس آدمیوں کے لیے جنوب کے تمام راستوں کی ناکہ بندی کرنا آسان نہیں ہو گا۔"

سلمان نے کہا۔ "لیکن یہ بھی تو ہو سکتا ہے کہ اس مقصد کے لیے حکومت اب تک دوسرے دروازوں سے کئی اور دستے باہر بھیج چکی ہو۔ آج سارا دن صلح کے حامی بیکار نہیں بیٹھے ہوں گے۔ اس لیے حامد بن زہرہ کو یہ بتانا ضروری ہے کہ انہیں اپنی حفاظت کے تسلّی بخش انتظامات کیے بغیر سفر کا خطرہ مول نہیں لینا چاہیے۔"

عبد المنان نے اٹھ کر کہا۔ "مجھے اجازت دیجئے۔"

”آپ کہاں جارہے ہیں؟“

”مجھے اندیشہ ہے کہ وہ صبح ہوتے ہیں یہاں سے روانہ ہو جائیں گے۔ اس لیے انہیں خبردار کرنا ضروری ہے۔“

”آپ کو معلوم ہے کہ وہ کہاں ٹھہرے ہوئے ہیں؟“

”نہیں۔ میں نے عمداً ان کا پیچھا کرنے کی کوشش نہیں کی۔ میرا کاروبار ایسا ہے کہ میں حکومت کے جاسوسوں کو اپنے پیچھے لگانے کا خطرمول نہیں لے سکتا۔ لیکن میرا پیغام ان تک ضرور پہنچ جائے گا۔ میں کسی ایسے دوست کو تلاش کرسکوں گا جسے ان کی جائے قیام کا علم ہو۔“

”مجھے معلوم نہیں کہ وہ آپ کے پیغام کو کتنی اہمیت دیں گے لیکن اگر آپ مجھے ان کے پاس پہنچادیں تو یہ مسئلہ بہت آسان ہو جائے گا۔“

”بہت اچھا۔ میں کوشش کروں گا۔ آیئے“

سلمان اٹھ کر عثمان سے مخاطب ہوا۔ ”تم میرا گھوڑا تیار رکھو۔ ممکن ہے

کہ مجھے اچانک یہاں سے جانا پڑے۔ اگر کوئی مجھے پوچھتا ہوا آئے تو اسے روک لینا!“

عثمان بھاگ کر باہر نکل گیا۔ چند ثانیے بعد عبد المنان اور سلمان زینے سے اتر رہے تھے کہ انہیں ایک بگھی کی کھڑکھڑاہٹ سنائی دی اور جب وہ صحن میں اترے تو بگھی وہاں کھڑی تھی۔ اور ایک آدمی نیچے اتر رہا تھا۔

”جعفر!“ سلمان نے اسے دیکھتے ہی آواز دی۔

جعفر بھاگ کر آگے بڑھا اور عبد المنان کو سلام کے بعد سلمان سے مخاطب ہوا۔ ”وہ مجھے حکم دے گئے ہیں کہ کل آپ کے ساتھ گاؤں پہنچ جاؤں۔ میں نماز سے فارغ ہوتے ہی آپ کی خدمت میں حاضر ہو جاؤں گا۔ آپ تیار رہیں۔“

سلمان نے کہا۔ ”ہم ان کی تلاش میں جا رہے تھے۔ اب تم مجھے کسی تاخیر کے بغیر ان کے پاس پہنچا دو!“

”لیکن وہ تو۔۔۔!“

سلمان نے مُضطرب ہو کر کہا۔ ”اب ان باتوں کا وقت نہیں۔ جلدی کرو! اگر وہ کہیں دور ہیں تو ہم اس بگھی پر جاسکتے ہیں۔ میں اس بات کا ذمہ لیتا ہوں کہ وہ تم سے خفا نہیں ہوں گے۔“

جعفر نے ادھر ادھر دیکھتے ہوئے سرگوشی کے انداز میں کہا۔ ”جناب! اب غرناطہ میں ان سے آپ کی ملاقات نہیں ہو سکے گی۔ وہ یہاں سے جا چکے ہیں۔“

”کہاں؟“

”انہوں نے نہیں بتایا۔ ان کی اچانک روانگی میرے لیے بھی ایک معمّہ تھی۔ جب میں آپ سے مل کر واپس گیا تو میزبان اپنے گھر میں نہیں تھے۔ ایک ملازم مجھے اچھی طرح جانتا تھا۔ اس نے بتایا کہ وہ الحمرا کی طرف جاچکے ہیں۔“

”الحمرا کی طرف؟“

”ہاں! انہیں اطلاع ملی تھی کہ مظاہرین بے قابو ہو چکے ہیں اور یہ خطرہ

پیدا ہو گیا ہے کہ وہ قصرِ امارت کو آگ لگا دیں گے۔ وہ مظاہرین کو سمجھانے گئے تھے اور جو لوگ ان سے ملاقات کے لیے آئے تھے وہ بھی ان کے ساتھ چلے گئے تھے اور ان میں سے کوئی میرا گھوڑا بھی لے گیا ہے۔ میں نے پیدل ان کا پیچھا کیا۔ وہ الحمرا کے دروازے کے سامنے تقریر کر رہے تھے۔ عوام کا جوش و خروش ٹھنڈا کرنے اور ان سے پرامن رہنے کا وعدہ لینے کے بعد وہ مسلح رضا کاروں کے پہرے میں وہاں سے چل دیے۔ ہزاروں مظاہرین ایک جلوس کی شکل میں ان کے پیچھے چل پڑے۔ میں بڑی مشکل سے ان کے قریب پہنچا لیکن اتنی دیر میں مسلح رضا کار ہجوم کو پیچھے دھکیل رہے تھے۔ پھر جب میں نے دہائی دی کہ میں ان کا نوکر ہوں تو انہوں نے مجھے راستہ دے دیا۔ تھوڑی دور آگے سڑک پر دو بگھیاں کھڑی تھیں اور وہ ان پر سوار ہو رہے تھے۔ میں بھاگ کر پچھلی بگھی پر سوار ہو گیا۔ آقا تین آدمیوں کے ساتھ اندر بیٹھے ہوئے تھے۔ میں نے آپ کا ذکر چھیڑا تو معلوم ہوا کہ سعید انہیں سب کچھ بتا چکا ہے۔"

"سعید ان کے ساتھ تھا؟"

"نہیں وہ اگلی بگھی پر تھا۔ آقا کے ساتھ ولید کے سوا باقی دو آدمی میرے لیے اجنبی تھے۔" "تمہید کی ضرورت نہیں۔ خدا کے لیے مجھے یہ بتاؤ کہ وہ کہاں گئے ہیں؟"

"جناب بگھیاں مشرقی دروازے پر پہنچیں تو پہرے داروں نے کچھ پوچھے بغیر دروازہ کھول دیا۔ سات گھوڑے دروازے کے باہر کھڑے تھے اور ان میں میرا گھوڑا بھی تھا۔ اس پر ولید سوار ہوا تھا اور اس نے مجھ سے کہا تھا کہ تم اس کے بدلے میرے گھر سے گھوڑا لے سکتے ہو۔"

سلمان نے مڑ کر عثمان کی طرف دیکھا جو چند قدم دور ایک نوکر کے ساتھ کھڑا تھا۔

"تم یہاں کیوں کھڑے ہو؟ جاؤ میرا گھوڑا لے آؤ۔"

"" جناب! ابھی لاتا ہوں۔" عثمان نے اصطبل کی طرف بھاگتے ہوئے کہا۔

”آپ کہاں جارہے ہیں؟“جعفر نے پوچھا۔

سلمان نے تلخ ہو کر کہا۔ ”یہ بعد میں بتاؤں گا۔پہلے تم میرے اس سوال کا جواب دو تم الحمرا تک ان کا پیچھا کرنے کے بجائے میرے پاس کیوں نہ آئے! کیا یہ ہو سکتا ہے کہ میں انہیں کسی خطرے سے آگاہ کرتا تو وہ میری بات کو کوئی اہمیت نہ دیتے! اب صاف صاف بات کرو۔ وہ کہاں گئے؟“

”جناب! میں نے ان سے پوچھا تھا لیکن انہوں نے مجھے یہ کہ کر ٹال دیا تھا کہ تم مہمان کے ساتھ گاؤں پہنچ جاؤ۔۔۔مجھے کیا معلوم تھا کہ وہ مظاہرین کے سامنے تقریر کرنے کے بعد شہر سے باہر نکل جائیں گے اور ان کے گھوڑے بھی دروازے سے باہر نکل چکے ہوں گے۔ میں نے روکنے کی پوری کوشش کی تھی لیکن ان کے ارادے ہمیشہ اٹل ہوتے ہیں۔“

عبدالمنان نے کہا۔ ”اس وقت جعفر کے ساتھ بحث کرنا فضول ہے۔ مجھے یقین ہے کہ انہیں غدّاروں کے متعلق کوئی خوش فہمی نہ تھی اور مشرقی دروازے سے باہر نکلنے کی وجہ بھی یہی ہو سکتی ہے کہ ان کے ساتھی ہر

سازش سے پوری طرح خبر دار تھے۔ مجھے معلوم نہیں کہ وہ کون سا راستہ اختیار کریں گے۔ لیکن اگر انہوں نے آپ کو گاؤں میں پہنچنے کی ہدایت کی ہے تو اس بات کا قویٰ امکان ہے کہ وہ قبائلی علاقوں کا دورہ کرنے سے پہلے وہاں جانے کی کوشش کریں اور اب شاید بارش بھی آ رہی ہے۔ ممکن ہے کہ وہ رُک جائیں۔"

سلمان نے کہا۔ "میں صرف ایک راستے سے واقف ہوں اور یہی وہ راستہ ہے جو میری نگاہ میں ان کے لیے زیادہ خطرناک ہو سکتا ہے۔ اب میں آپ سے یہ پوچھنا چاہتا ہوں کہ اس وقت میرے لیے شہر سے باہر نکلنے کے امکانات کیا ہیں؟"

عبد المنان نے جواب دیا۔ "میرا خیال ہے کہ آپ کو کوئی مشکل پیش نہیں آئے گی۔ آپ گھوڑے پر سوار ہو کر آئیں۔ میں اس بگھی پر جاتا ہوں اور جنوبی دروازے پر آپ کا انتظار کروں گا۔ اگر پہرے دار آپ کو دیکھتے ہی دروازہ کھول دیں تو آپ کسی سے بات کے بغیر آگے نکل جائیں۔ ورنہ واپس آ جائیں۔"

"واپس؟"

"میرا مطلب یہ ہے کہ ہمیں شہر کے دوسرے دروازوں پر قسمت آزمائی کرنی پڑے گی۔" سلمان نے اپنی قبا کے اندر ہاتھ ڈال کر تھیلی نکالی اور عبد المنان کو پیش کرتے ہوئے کہا: "یہ لیجیے اس تھیلی میں سو اشرفیاں ہیں۔ ممکن ہے کہ آپ کو ان کی ضرورت پیش آئے!"

"نہیں! یہ اپنے پاس رکھیے اور صرف دعا کیجیے کہ جن افسروں کو میں جانتا ہوں اس میں سے کوئی دروازے پر موجود ہو۔"

سلمان نے کہا۔ "مجھے ایک اچھی کمان اور چند تیروں کی ضرورت ہے۔"

سرائے کے مالک نے دوسرے نوکر کو اپنے گھر سے ترکش اور کمان لانے کا حکم دیا اور جلدی سے بگھی کی طرف بڑھا۔ جعفر نے بھاگ کر اس کا بازو پکڑ لیا اور کہا: "اگر کہیں سے دوسرے گھوڑے کا انتظام ہو سکے تو میں ان کے ساتھ جاؤں گا۔ ورنہ آپ پہرے داروں سے یہ کہہ دیں کہ ایک آدمی ان کے پیچھے آ رہا ہے۔ میں تھوڑی دیر تک ولید کا گھوڑا لے کر

دروازے پر جاؤں گا۔ اگر راستے میں کوئی خطرہ ہے تو ان کا تنہا سفر کرنا ٹھیک نہیں۔ میں چند اور آدمی بھی ساتھ لے جا سکتا ہوں۔ الحمرا کے سامنے ہزاروں مظاہرین موجود ہوں گے۔ اور مجھے وہاں جا کر صرف آواز دینے کی ضرورت پیش آئے گی۔"

عبدالمنان نے کہا۔ "تم میرا گھوڑا لے سکتے ہو۔ لیکن وہ اتنا سست رفتار ہے کہ تم اس پر سوار ہو کر ان کا ساتھ نہ دے سکو گے اور کوئی دوسرا انتظام کرنے میں بہت دیر لگ جائے گی۔ تم انہیں روکنے کی کوشش کرو۔"

سلمان غصے کی حالت میں آگے بڑھا اور اس نے کہا۔ "جعفر! خدا کے لیے مجھے جانے دو۔ جن لوگوں سے انہیں کوئی خطرہ پیش آ سکتا ہے وہ تمہارا یا الحمرا کے مظاہرین کا انتظار نہیں کریں گے۔ میں تمہارے لیے ایک لمحہ بھی ضائع نہیں کر سکتا۔"

جعفر شکست خوردہ سا ہو کر سلمان کی طرف دیکھنے لگا اور عبدالمنان بھاگ کر بگھی پر سوار ہو گیا۔

سلمان نے جعفر کے کندھے پر ہاتھ رکھتے ہوئے کہا۔ ”تمہیں آزردہ نہیں ہونا چاہیے۔ میں صرف اپنی تشویش دور کرنے کے لیے جارہا ہوں۔ اگر وہ مجھے راستے میں مل گئے تو تمہاری اطلاع کے لیے یہاں کسی کو بھیج دوں گا۔“

جعفر نے کہا۔ ”جناب! مجھے ان کے بارے میں کوئی تشویش نہیں۔ جو لوگ ان کے ساتھ گئے ہیں وہ ان کی حفاظت سے غافل نہیں ہوں گے۔ بگھی پر ان کے ساتھ میں نے دو اجنبی دیکھے تھے۔ وہ کوئی معمولی آدمی نہیں تھے۔ بالخصوص ایک آدمی کے متعلق تو مجھے یقین ہے کہ وہ فوج کا کوئی بڑا افسر تھا۔ جب وہ بگھی سے اتر کر گھوڑے پر سوار ہوا تو پہرے داروں نے اسے سلامی دی تھی۔ مجھے زیادہ تعجب اس بات پر تھا کا لباس سے وہ ایک عام آدمی معلوم ہوتا تھا اور آنکھوں کے سوا اس کا باقی چہرہ نقاب میں چھپا ہوا تھا۔ اس کے باوجود پہرے داروں کو معلوم تھا کہ وہ کون ہے؟ میں ایسے لوگوں کی رفاقت میں اپنے آقا کے متعلق قطع فکر مند نہیں ہوں۔ مجھے صرف اس بات کی فکر ہے کہ آپ تنہا جا رہے

ہیں۔"

"تمہیں میری فکر نہیں کرنی چاہیے انشا اللہ! میں تمہارے گاؤں کا راستہ نہیں بھولوں گا۔"

چند منٹ بعد سلمان گھوڑے پر سوار ہو کر سرائے باہر نکلا تو بارش شروع ہو چکی تھی۔ سڑک سنسان تھی اور اس کا گھوڑا سرپٹ بھاگ رہا تھا۔ دروازے کے قریب پہنچ کر اسے بگھی دکھائی دی۔ پھر ڈیوڑھی کے اندر مشعل کی روشنی میں اسے عبد المنان چار آدمیوں کے ساتھ کھڑا دکھائی دیا جن میں سے ایک پہرے داروں کا افسر معلوم ہوتا تھا۔ ان کے پیچھے دو آدمی باہر کا بھاری دروازہ کھول رہے تھے۔ سلمان چند ثانیے ڈیوڑھی کے سامنے رکھا۔ پھر جب دروازہ کھل گیا اور مسلح آدمی ایک طرف ہٹ گئے تو افسر نے ہاتھ کا اشارہ کیا اور اس نے گھوڑے کو ایڑ لگا دی۔

سلمان نے ایک ثانیہ کے لیے گھوڑا روکا۔ پھر اس کی باگیں ڈھیلی چھوڑ دیں۔ ڈیوڑھی عبور کرنے کے بعد اس نے مُڑ کر دیکھا تو پہرے داروں کا

افسر اسے ہاتھ کے اشارے سے الوداع کہہ رہا تھا۔ سلمان نے بلند آواز میں خداحافظ کہا۔ اور گھوڑے کو ایڑ لگادی۔

حامد بن زہرہ کی شہادت

بارش ہر لحظہ تیز ہو رہی تھی۔ چند منٹ پوری رفتار سے گھوڑا بھگانے کے بعد سلمان اس مقام پر پہنچ چکا تھا جہاں دائیں بائیں جانب راستے سڑک سے آملتے تھے۔

اس نے چند ثانیے گھوڑا روک کر اپنے گرد و پیش کا جائزہ لیا اور پھر اسی رفتار سے آگے چل دیا۔

قریباً ایک میل طے کرنے کے بعد اسے گھوڑوں کی ٹاپ اور ہنہناہٹ سنائی دی۔ اس نے جلدی سے اپنے گھوڑے کی باگ کھینچ لی اور سڑک سے اتر کر ایک درخت کی اوٹ میں کھڑا ہو گیا۔ آن کی آن میں دو

گھوڑے پوری رفتار سے بھاگتے ہوئے آگے نکل گئے اور اسے ایسا محسوس ہوا کہ ان پر سوار نہیں ہیں۔ پھر بجلی کی چمک نے بھی اس خیال کی تصدیق کر دی۔

اب تک وہ اپنے دل کو تسلّی دیتا آیا تھا کہ شاید حامد بن زہرہ نے دوسرے دروازے سے باہر نکل جانے کے بعد اپنے گاؤں جانے کا ارادہ بدل دیا ہو یا گاؤں جانے کے لیے اسی سڑک کی بجائے کوئی اور راستہ اختیار کیا ہو لیکن خالی گھوڑوں کو بدحواسی کی حالت میں شہر کی طرف بھاگتے دیکھ کر اس کا دل بیٹھ گیا۔ پھر اسے خیال آیا کہ تمام حالات میں حامد بن زہرہ یا اس کے بیٹے کے گھوڑوں کو اپنے سواروں سے محروم ہونے کے بعد گاؤں کا رُخ کرنا چاہیے تھا۔ ممکن ہے کہ ان گھوڑوں سے گرنے والے ان کے دشمن یا حامد کے وہ ساتھی ہوں جو غرناطہ سے ان کے ساتھ شامل ہوئے تھے۔ انہوں نے دشمن کا مقابلہ کیا ہو اور حامد کو بچ نکلنے کا موقع مل گیا ہو۔ وہ موہوم امیدوں کا سہارا لیتا ہوا آگے بڑھ رہا تھا اور اس کے گھوڑے کی رفتار بتدریج کم ہو رہی تھی۔

پھر اچانک اسے چند اور گھوڑوں کی ٹاپ سنائی دی۔ سامنے سڑک کے نشیب کا کچھ حصّہ پانی میں ڈوبا ہوا تھا۔ بجلی چمکی اور اسے دائیں ہاتھ درخت اور ایک شکستہ مکان دکھائی دیا۔ وہ باگ موڑ کر گھوڑے کو مکان کے پیچھے لے گیا۔ پھر جلدی سے نیچے اترا اور گھوڑے کو درخت کے ساتھ باندھ کر بھاگتا ہوا سڑک سے قریب ترین درخت کی اوٹ میں کھڑا ہو گیا۔

چند ثانیے کے بعد اسے بجلی کی چمک میں چھ سوار دکھائی دیے۔ سڑک پر بہتے ہوئے پانی میں اچانک انہوں نے گھوڑے روک لیے اور ان کی آوازیں سنائی دینے لگیں۔ لیکن بارش کے شور میں وہ ان کی گفتگو نہ سن سکا۔ پھر وہ آہستہ آہستہ آگے بڑھے۔ سڑک کے نشیب کے درمیانی حصے میں پانی اتنا گہرا تھا اور گھوڑے ایک قطار میں سنبھل سنبھل کر چل رہے تھے۔ پانی عبور کرنے کے بعد وہ پھر سڑک پر رک گئے۔ اب وہ سلمان کے اتنے قریب تھے کہ بارش کے باوجود سے ان کی آوازیں صاف سنائی دے رہی تھیں۔

ایک سوار بلند آواز میں کہہ رہا تھا۔ ”ہم بلاوجہ اس بارش میں خوار ہو رہے

ہیں۔ اب تک وہ غرناطہ پہنچ چکے ہوں گے اور وہاں ان پر ہاتھ ڈالنے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔"

دوسرے آدمی نے کہا۔ "آپ کو معلوم ہے کہ اگر وہ شہر میں داخل ہو گئے تو ہمارا انجام کیا ہو گا؟"

تیسرا بولا۔ "خدا کے لیے اب یہ دعا کرو کہ پہرے دار ان کے لیے دروازہ نہ کھولیں ورنہ شہر میں کہرام مچ جائے گا۔"

"جب وہ دروازے پر دہائی دیں گے کہ حامد بن زہرہ کے قاتل ہمارا پیچھا کر رہے ہیں تو پہرے دار انہیں روکنے کی جرأت نہیں کریں گے۔ بلکہ میں تو محسوس کرتا ہوں کہ وہ ہمیں پکڑ کر مشتعل لوگوں کے حوالے کر دیں گے۔"

"بھائی! یہ بھی تو ہو سکتا ہے کہ پہرے داروں نے انہیں ہمارے ساتھی سمجھ کر کسی حیل و حجت کے بغیر دروازہ کھول دیا ہو اور جب ہم وہاں پہنچیں تو شہر کے لوگ دروازے پر ہمارے منتظر ہوں۔ اب ہمارا انجام

کسی صورت میں بھی اچھا نہیں ہو سکتا۔ اگر مجھے یہ معلوم ہوتا کہ وہ حامد بن زہرہ کا راستہ روکنے کے لیے جا رہے ہیں تو میں کبھی ان کا ساتھ نہ دیتا۔ اب یہ کون مانے گا کہ ہم جن لوگوں کے ساتھ آئے تھے وہ ہمارے لیے اجنبی تھے اور ہمیں صرف یہ بتایا گیا تھا کہ انہیں کسی دشمن کے گرفتار کرنے کے لیے ہماری مدد کی ضرورت ہے۔ تم سب اس بات کے گواہ ہو کہ میں نے تمہیں تیر چلانے سے منع کیا تھا۔"

"جناب! آپ نے ہمیں اس وقت منع کیا تھا جبکہ ہمارے تیر کمانوں میں سے نکل چکے تھے اور پانچ آدمی ڈھیر ہو چکے تھے۔ اب ہم سب ایک ہی کشتی کے سوار ہیں۔ ہمیں تاریکی میں یہ کیسے معلوم ہو سکتا تھا کہ ہمارے تیروں کا ہدف حامد بن زہرہ ہے۔ ایک دوسرے پر الزام دینے سے کوئی فائدہ نہیں۔ ہماری کوشش یہ ہونی چاہیے کہ ہم کسی طرح اپنے اپنے گھر پہنچ جائیں۔ اگر آپ کو یہ خدشہ ہے کہ وہ شہر میں داخل ہو چکے ہیں تو ہم دروازے سے کچھ دور رُک کر حالات کا جائزہ لیں گے اور اس کے بعد کوئی فیصلہ کریں گے۔ پھر اگر ہمارے دوسرے ساتھی واپس آ گئے تو ممکن

ہے ہمیں ان کی مدد سے شہر میں داخل ہونے کا موقع مل جائے۔ یہ ممکن ہے کہ کوتوال پہرے داروں پر اعتماد نہ کرے۔ اور بذاتِ خود دروازے پر ہمارا انتظار کر رہا ہو۔ اب باتوں کا وقت نہیں۔ چلو۔"

سلمان کے لیے یہ سمجھنا مشکل نہ تھا کہ حامد بن زہرہ یا اس کے ساتھیوں میں سے کم از کم دو آدمی اپنے گھوڑوں سے گرنے کے بعد ان کے ہاتھ نہیں آئے اور یہ ان گھوڑوں کے فرضی سواروں کا پیچھا کر رہے ہیں جنہیں اس نے تھوڑی دیر قبل بھاگتے ہوئے دیکھا تھا۔ معاً اسے یہ خیال آیا کہ اگر گھوڑوں سے محروم ہونے والے بھی کہیں چھپ گئے ہیں تو پیچھا کرنے والوں کو غرناطہ کے دروازے پر پہنچتے ہی یہ معلوم ہو جائے گا کہ وہ خالی گھوڑوں کا تعاقب کر رہے تھے۔ پھر غداروں کی ایک پوری فوج ان کی تلاش کے لیے نکل کھڑی ہو گی۔ اس کے نزدیک حامد بن زہرہ یا اس کے ساتھیوں کو بھاگنے کا موقع دینے کی یہی ایک صورت تھی کہ ان لوگوں کو غرناطہ کے باہر مصروف رکھا جائے۔ چنانچہ جونہی اگلے سوار نے اپنے گھوڑے کو ایڑ لگائی، سلمان نے تیر چلا دیا۔ چیخ یہ گواہی دینے

کے لیے کافی تھی کہ اس کا تیر نشانے پر لگا ہے۔ اس سے قبل کہ باقی سوار اپنی بدحواسی پر قابو پاتے سلمان دو اور تیر چلا چکا تھا۔

چند ثانیے پانی اور کیچڑ میں بھاگتے ہوئے گھوڑوں کی آہٹ اور سواروں کی چیخ و پکار سنائی دیتی رہی۔ پھر بجلی چمکی اور سلمان کو قریب ہی ایک زخمی پانی میں بھاگتا ہوا دکھائی دیا۔ ایک آدمی کہیں دور سے اپنے ساتھیوں کو آوازیں دے رہا تھا۔ سلمان نے اطمینان سے اپنا گھوڑا کھولا اور اس پر سوار ہو کر ادھر ادھر دیکھتا رہا۔

پھر اس نے گھوڑے کو ایڑ لگائی اور ان کی آن میں گھٹنے گھٹنے پانی میں بھاگنے والے آدمی کے سر پر جا پہنچا اور بلند آواز میں چلایا:

"ٹھہرو! اب تم بچ کر نہیں جا سکتے۔"

زخمی نے دونوں ہاتھ بلند کر دیے۔

"مجھ پر رحم کرو میں زخمی ہوں۔"

سلمان نے کہا۔ ”تم خاموشی سے میرے آگے آگے چلتے رہو۔“

زخمی کچھ کہے بغیر اس کے آگے چل پڑا۔ بہتا ہوا پانی عبور کرنے کے بعد سلمان نے کہا۔ ”اپنے ہتھیار پھینک دو۔ اب تمہارے ساتھی تمہاری مدد کو نہیں آئیں گے۔“

زخمی نے ہتھیار پھینک دیے اور خوف سے لرزتی ہوئی آواز میں کہا:

”خدا کے لیے مجھ پر رحم کرو۔ میں نے کوئی جرم نہیں کیا۔“

سلمان نے جواب دیا۔ ”حامد بن زہرہ کے قاتل کسی رحم کے مستحق نہیں ہو سکتے!“ زخمی چلّایا۔ ”میں نے مجبوری کی حالت میں ان کا ساتھ دیا تھا۔ وہ سب اس بات کی گواہی دیں گے کہ میں نے حملے میں بھی حصّہ نہیں لیا تھا۔ آپ کے بچ نکلنے کی وجہ بھی یہی تھی کہ میں نے اپنے ساتھیوں کو تیر چلانے سے منع کر دیا تھا۔“

سلمان کو یہ جاننے کے لیے زیادہ سوچنے کی ضرورت نہ تھی کہ زخمی اسے حامد بن زہرہ کے ان ساتھیوں میں سے ایک سمجھتا ہے جو غدّاروں کے

ہاتھوں قتل ہونے سے بچ گئے ہیں اور اس کا خیال بھی یقین کی حد تک پہنچ چکا تھا کہ اس نے راستے میں جو گھوڑے دیکھے تھے ان کے سوار زخمی حالت میں کہیں آس پاس چھپے ہوئے ہیں۔ معاً اس کے ذہن میں ایک تدبیر آئی اور اس نے کہا۔

”جن آدمیوں کا تم پیچھا کر رہے تھے وہ ہمیں غرناطہ کے قریب ملے تھے اور اب تک شہر کی آدھی آبادی ان کے گرد جمع ہو چکی ہے۔ مجھے صرف اس بات کا افسوس ہے کہ ہمیں حامد بن زہرہ کے قتل کی سازش کا دیر سے علم ہوا۔ تم جیسے آدمی پر رحم کرنا گناہ ہے لیکن اگر تم حامد بن زہرہ کے متعلق سچ سچ بتا دو تو میں تمہاری جان بخشی کر سکتا ہوں۔“

زخمی نے پُر امید ہو کر کہا۔ ”آپ وعدہ کرتے ہیں؟“

”میں وعدہ کرتا ہوں اور میرا وعدہ ایک غدار اور دین کے دشمن کا وعدہ نہیں۔“

”آپ کے ساتھی کہاں ہیں۔“ زخمی نے جھجکتے ہوئے پوچھا۔

سلمان نے گرج کر کہا۔ ”تمہیں صرف میرے سوالات کا جواب دینا چاہیے اور یاد رکھو اگر تمہارا کوئی جواب غلط ہوا تو میں تمہیں قتل کر دوں گا۔ میں پوچھنا چاہتا ہوں حملہ کس جگہ ہوا تھا؟“

زخمی نے سہمی ہوئی آواز میں جواب دیا۔ ”قلعے کے قریب، نالے کے پل کی اس طرف۔“

”حامد بن زہرہ قتل ہو چکے ہیں؟“ ”ہاں!“

”اور ان کا بیٹا سعید؟“ سلمان نے ڈوبی ہوئی آواز میں پوچھا۔

”اس کے متعلق کچھ کہہ نہیں سکتا۔ اگر وہ ان کے ساتھ تھا تو ممکن ہے کہ وہ بچ کر نکل گیا ہو۔“

”تم نے کتنے آدمیوں کو قتل کیا؟“

”ہم نے جو لاشیں دیکھیں تھیں ان کی تعداد سات تھی۔ ان میں سے دو ہمارے ساتھی تھے لیکن خدا گواہ ہے کہ میں نے جوابی حملے میں کوئی حصہ

نہیں لیا تھا۔“

سلمان نے گرج کر کہا۔ ”تم جھوٹ بولتے ہو۔“

”خدا کی قسم میں جھوٹ نہیں بولتا۔ حامد بن زہرہ کے قاتل میرے لیے اجنبی تھے۔ ہمیں غرناطہ سے روانہ ہونے سے پہلے یہ بھی معلوم نہ تھا کہ ہم حامد بن زہرہ کا راستہ روکنے جا رہے ہیں۔ کوتوال نے ہمیں صرف یہ بتایا تھا کہ شہر کے چند رضاکار کسی خطرناک مجرم کی تلاش میں جا رہے ہیں اور انہیں تمہاری مدد کی ضرورت ہے۔ تم وردیوں کے بجائے سادہ لباس میں شہر سے نکلو اور جنوبی دروازے کے باہر ان کا انتظار کرو۔ اس کے علاوہ ہمیں یہ حکم بھی دیا گیا تھا کہ ہم چوکی سے نکلتے ہی اپنے چہروں پر نقاب ڈال لیں۔ جب ہم دروازے سے باہر نکلے تو تھوڑی دیر بعد بیس مسلح نقاب پوش وہاں پہنچ گئے۔ پھر ان کے رہنما نے ہمیں دو حصوں میں تقسیم کر دیا۔ ایک ٹولی جنوب مشرق کی طرف روانہ ہو گئی اور میرے تین ساتھی ان میں شامل ہو گئے۔ ہم تیرہ رضاکاروں کے ہمراہ اس راستے پر ہو لیے۔“

سلمان نے مُضطرب ہو کر کہا۔ ”بیو قوف! میرے پاس یہ تفصیلات سننے کے لیے وقت نہیں ہے۔ مختصراً بیان کرو۔“

”جناب آپ پورا واقعہ سُنے بغیر یقین نہیں کریں گے کہ میں سچ کہہ رہا ہوں ہوں۔ ہم پل کے قریب پہنچے تو بارش زوروں پر تھا۔ رضا کاروں کے رہنما نے پانچ آدمیوں کو یہ حکم دیا کہ وہ تمام گھوڑے پل کے پار لے جائیں اور باقی سڑک کے دونوں کناروں پر جھاڑیوں اور پتھروں کے نیچے چھپ کر اس کے حکم کا انتظار کریں۔ پھر ہمیں ان کے گھوڑوں کی ٹاپیں سنائی دیں۔ جب پل کے قریب پہنچے تو اچانک کسی کی آواز آئی۔ ”ٹھہریے آگے مت جایئے۔“ اس کے ساتھ ہی ہمارے رہنما نے تیر چلانے کا حکم دیا۔ میرا خیال ہے کہ پانچ آدمی تیروں کی پہلی بوچھاڑ پر گر پڑے تھے۔ پھر اچانک ایک سوار جو پیچھے تھا سڑک سے اتر کر تیر اندازوں کے عقب میں پہنچ گیا اور اس نے آنکھ جھپکتے میں ایک آدمی کو موت کے گھاٹ اتار دیا۔ پھر بجلی کی چمک کے ساتھ مجھے باقی دو سوار سڑک سے مغرب کی سمت بھاگتے ہوئے دکھائی دیے۔ ایک سوار زین پر جھکا ہوا تھا اور

دوسرے نے اس کے گھوڑے کی باگ پکڑ رکھی تھی۔ میرا خیال ہے کہ وہ زخمی تھا۔ اچانک تیسرا سوار جس نے دائیں طرف سے حملہ کر کے ہمارے ایک ساتھی کو قتل کیا تھا یکا یک سڑک عبور کر کے بائیں طرف پہنچ گیا۔ اگر میں اپنے ساتھیوں کو تیر چلانے سے منع نہ کرتا تو اس کا بچ نکلنا ممکن نہ تھا۔ ہمیں ان درندوں نے یہ دھمکی دی تھی کہ اگر ان تین آدمیوں میں سے کوئی بچ کر نکل گیا تو کوتوال تمہاری گردنیں اتروادے گا۔"

سلمان نے کہا۔ "تمہیں اپنی وکالت کی ضرورت نہیں۔ مجھے معلوم ہے کہ تم کتنے نیک ہو۔ میں تم سے حامد بن زہرہ کے متعلق پوچھنا چاہتا ہوں؟"

"جناب! وہ قتل ہو چکے ہیں۔ انہوں نے بجلی کی چمک میں ان کی لاش پہچان لی تھی۔ میرا خیال ہے کہ جب وہ گھوڑے سے گر پڑے تھے تو کسی نے ان کے سر اور سینے پر تلوار سے ضربیں لگائی تھیں۔ وہ اور زخمی سسک رہے تھے۔ انہیں بھی قتل کر دیا گیا تھا۔"

"اور ان کی لاشیں؟" "انہیں نالے میں پھینک دیا گیا تھا۔ اب تک شاید وہ

دریا میں پہنچ چکی ہوں گی۔"

سلمان نے کہا۔"تم نے ایک جھوٹ بولا۔"

"جناب! میں قسم کھاتا ہوں کہ لاشیں نالے میں پھینک دی گئی تھیں۔"

"بے وقوف! میں لاشوں کی بات نہیں کرتا۔ تم نے یہ کہا ہے کہ تمہارے ساتھیوں میں سے بھی دو قتل ہوئے تھے لیکن اس طرح لاشیں چھ نہیں سات ہونی چاہئیں۔"

"جناب! ساتواں آدمی اس سے پہلے قتل ہوا تھا۔ ہمارے رہنما نے گھوڑے منگوانے کے بعد حکم دیا تھا کہ میں اپنے ساتھیوں کے ہمراہ سڑک پر سے سیدھا غرناطہ کا رُخ کروں اور خود اپنے رضاکاروں کو لے کر بائیں طرف چلا گیا تھا۔ ہم بہ مشکل سو قدم دور گئے تھے کہ ہمیں طمنچہ چلنے کی آواز کے ساتھ رضاکاروں کی چیخ پکار سنائی دی۔ ہم نے گھوڑے روک لیے اور اپنے ایک ساتھی کو تحقیق کے لیے بھیجا۔ اسی نے واپس آکر یہ بتایا کہ بھاگنے والوں میں سے ایک سوار پل سے تھوڑی دور جھاڑیوں کی

اوٹ میں کھڑا تھا اور اس نے رضا کاروں میں سے ایک اور سپاہی کو ہلاک کر دیا ہے۔"

"پھر سڑک پر تم نے صرف دو سوار دیکھے تھے؟"

"ہاں! ہم نے راستے کی ایک بستی کے آگے سڑک کے موڑ پر گھوڑوں کی ٹاپ سنی تھی اور ہمارا اندازہ یہی تھا کہ وہ دو تھے۔ ہمارا خیال تھا کہ تیسرے آدمی نے طمنچہ چلانے کے بعد رضا کاروں کو اپنے پیچھے لگا کر ان لوگوں کو نہ نکلنے کا موقع دیا تھا اور مجھے اس بات کی خوشی تھی کہ یہ اپنا پیچھا کرنے والوں کو چکمہ دے کر سڑک پر پہنچ گئے ہیں۔"

"تمہیں اس بات کی خوشی تھی کہ اگر وہ تمہارے ساتھ آ جائیں تو غدّار تمہیں زیادہ انعام کا مستحق سمجھیں گے۔"

"خدا کے لیے مجھ پر اعتبار کیجیے۔ اگر ہم کوشش کرتے تو انہیں گھیر لینا مشکل نہ تھا۔ ہم صرف دکھاوے کے طور پر ان کا پیچھا کر رہے تھے۔ اور اس کی ایک وجہ یہ تھی کہ ہمیں ایک دوسرے پر اعتماد نہ تھا۔ جب فاصلہ

کم ہونے لگتا تھا تو ہم اپنی رفتار کم کر دیتے تھے اور جب فاصلہ زیادہ ہونے لگتا تھا تو ہماری رفتار تیز ہو جاتی تھی۔"

"تمہیں حامد بن زہرہ کے قتل کے بعد بھی یہ معلوم نہیں ہوا تھا کہ تمہارا رہنما کون تھا؟"

"نہیں! میں یہ عرض کر چکا ہوں کہ انہوں نے اپنے چہروں پر نقاب ڈال رکھے تھے"۔

سلمان نے کہا۔ "تم اس جھونپڑی کے اندر چلے جاؤ۔ ہو سکتا ہے کہ اس کی چھت کا کوئی حصّہ سلامت ہو اور تمہیں بارش سے پناہ مل جائے۔ میں واپس غرناطہ پہنچتے ہی کسی کو تمہاری مدد کے لیے بھیجنے کی کوشش کروں گا۔"

زخمی چلّایا۔ "خدا کے لیے یہ ظلم نہ کیجیے۔ اگر غرناطہ میں کسی کو معلوم ہو گیا کہ حامد بن زہرہ کے قاتلوں کا ساتھی ہوں تو کوتوال کے لیے بھی میری جان بچانا ممکن نہیں ہو گا۔ لوگ میری بوٹیاں نوچنے کے لیے تیار ہو

جائیں گے۔"

"تم کہاں جانا چاہتے ہو؟"

"مجھے معلوم نہیں لیکن فی الحال میں غرناطہ نہیں جا سکتا۔ مجھے یہ بھی یقین نہیں کہ میں صبح تک زندہ رہوں گا۔"

"تم جیسے لوگوں کو جلد کی موت نہیں آیا کرتی اور میں محسوس کرتا ہوں کہ تم پر زخم سے کہیں زیادہ خوف کا اثر ہے۔ تم کسی رحم کے مستحق نہیں ہو لیکن میں تمہاری جان بخشی کا وعدہ کر چکا ہوں۔ تمہاری گفتگو سے میں نے یہ اندازہ لگایا ہے کہ پولیس کے باقی آدمی تمہارے ماتحت تھے۔"
"جناب! میں اس بات سے بالکل انکار نہیں کرتا کہ وہ میری کمان میں غرناطہ سے روانہ ہوئے تھے لیکن شہر سے نکلنے کے بعد میری ذمہ داری صرف اتنی تھی کہ میں ان سے رضاکاروں کے رہنما کے احکامات کی تعمیل کرواؤں۔ یہ میری بدقسمتی تھی کہ جب رضاکاروں کے رہنما نے تیر چلانے کا حکم دیا تھا تو میں اپنے ساتھیوں کو بروقت نہ روک سکا لیکن اگر

میں روک بھی لیتا تو بھی اس سے کوئی فرق نہ پڑتا۔“

سلمان نے کہا۔ ”میرا خیال ہے کہ تمہارے ساتھی تمہیں اس حالت میں چھوڑ کر غرناطہ جانے کی جرأت نہیں کریں گے۔ اس لیے تم میرے آگے چلتے رہو۔ ممکن ہے تھوڑی دور آگے کہیں چھپے ہوں۔ چلو۔“

☆☆☆

”زخمی بے بسی کی حالت میں سلمان کے آگے چل دیا۔ سڑک پر کوئی دو سو قدم چلنے کے بعد ایک طرف سے کسی کی آوازیں سنائی دینے لگیں۔
”یحییٰ! یحییٰ! مروان!“

سلمان نے گھوڑا روکتے ہوئے اپنے ساتھی سے کہا۔ ”ٹھہرو! تمہارا نام کیا ہے؟“

”میرا نام یحییٰ ہے۔“

سلمان نے کہا۔ ”تم زمین پر لیٹ جاؤ اور اپنے ساتھی کو اس طرف بلانے

کی کوشش کرو۔ جلدی کرو ورنہ میں تمہاری گردن اڑادوں گا۔“

زخمی نے جلدی سے زمین پر لیٹ کر آواز دی۔ ”میں یہاں ہوں۔“

سلمان نے کہا۔ ”بیوقوف! پوری قوّت سے چلّانے کی کوشش کرو۔ اگر تم نے انہیں خبر دار کرنے کی کوشش کی تو میرا پہلا وار تم پر ہو گا۔ انہیں کہو کہ تم زخمی ہو اور حملہ کرنے والوں نے تمہیں مردہ سمجھ کر چھوڑ دیا تھا۔“

زخمی گلا پھاڑ پھاڑ کر اپنے ساتھیوں کو آوازیں دینے لگا اور سلمان سڑک کے بائیں کنارے جھاڑیوں کے پیچھے چھپ گیا۔ چند منٹ بعد سڑک کی دائیں جانب کھیتوں سے گھوڑوں کی ٹاپ سنائی دی۔ پھر گھوڑے اچانک رک گئے اور ایک آدمی نے آواز دی۔ ”یحییٰ! تم کہاں ہو؟“

”میں یہاں ہوں۔“ اس نے جواب دیا۔

”مروان کہاں ہے؟“

”مجھے معلوم نہیں۔“

”حملہ کرنے والے کہاں ہیں؟“

”مجھے معلوم نہیں۔ شاید وہ غرناطہ پہنچ گئے ہوں۔ تم جلدی آؤ۔ ہمیں فوراً یہاں سے نکل جانا چاہیے۔“

ایک اور آواز سنائی دی۔ ”وہ کتنے تھے؟“

”مجھے معلوم نہیں کہ وہ کتنے تھے لیکن اگر تم تھوڑی دیر اور بکواس کرتے رہو گے تو غرناطہ سے ہزاروں آدمی یہاں پہنچ جائیں گے۔“

گھوڑوں کی ٹاپ دوبارہ سنائی دی اور آن کی آن میں چار سوار سڑک پر پہنچ گئے۔ ایک سوار نے کو کر زخمی کو اٹھانے کی کوشش کرتے ہوئے کہا۔ ”میں بار بار یہ کہتا تھا کہ ہمیں سڑک سے دور رہنا چاہیے۔ آپ کا گھوڑا ہمارے پیچھے آگیا تھا اور ہم اسے تھوڑی دور باندھ آئے ہیں۔“

دو اور سوار گھوڑوں سے اتر پڑے اور ان میں سے ایک نے کہا۔ ”اب باتوں کا وقت نہیں۔ تم انہیں اپنے گھوڑے پر بٹھا کر لے جاؤ۔ ہم مروان کو تلاش کرتے ہیں۔ وہ مشرق کی طرف نکل گیا تھا۔ اور ممکن ہے وہ

غرناطہ کا رخ کرنے کی بجائے اپنے گاؤں پہنچ گیا ہو۔"

چوتھا آدمی جو ابھی تک اپنے گھوڑے پر بیٹھا ہوا تھا بولا۔ "پہلے یہ فیصلہ کرو کہ ہم کو کہاں جانا ہے۔"

جھاڑیوں کی اوٹ سے آواز آئی۔ "اب تم کہیں نہیں جا سکتے۔" اور اس کے ساتھ ہی ایک دھماکہ سنائی دیا۔ اور وہ اچھلتے ہوئے گھوڑے سے گر پڑا اور پھر آنکھ جھپکنے کی دیر میں سلمان سڑک پر نظر آیا۔ اور اس کی تلوار کی پہلی ضرب کے ساتھ ہی ایک اور آدمی گر پڑا۔ تیسرے آدمی نے گھوڑے پر سوار ہو کر بھاگنے کی کوشش کی لیکن سلمان نے پلٹ کر اپنا گھوڑا اس کے پیچھے ڈال دیا۔

اچانک اس نے گھوڑے کی باگ بائیں طرف موڑ لی اور سلمان کا پہلا وار خالی گیا لیکن آن کی آن میں وہ دوبارہ اس کی زد میں آ چکا تھا۔ اس نے کترا کر دوسری طرف نکلنے کی کوشش کی لیکن سلمان نے وار کیا اور وہ چیخ مار کر ایک طرف لڑھک گیا۔ پھر رکاب میں پڑے ہوئے ایک پاؤں کے سوا

اس کا باقی دھڑ زمین پر رگڑ کھا رہا تھا۔ بد حواس گھوڑا اچھلا نگیں لگانے کے بعد رک گیا۔

اچانک سلمان کو پیچھے سے کوئی آواز سنائی دی اور اس نے جلدی سے اپنے گھوڑے کی باگ موڑ کر اسے ایڑ لگا دی۔ پھر بجلی چمکی اور اسے دو آدمی آپس میں کشتی لڑتے ہوئے دکھائی دیے۔

"یحییٰ!" اس نے قریب پہنچ کر آواز دی۔ جواب میں اسے ہلکی سی ایک چیخ سنائی دی۔ اور اس کے ساتھ ہی ایک آدمی نے اٹھ کر بھاگنے کی کوشش کی لیکن دوسرا آدمی اس کی ٹانگ سے چمٹ گیا اور وہ منہ کے بل گر پڑا۔

یحییٰ نے ڈوبتی ہوئی آواز میں کہا "اسے جانے نہ دیجیے۔ اس نے آپ پر تیر چلانے کی کوشش کی تھی۔"

دوسرا آدمی دوبارہ اٹھنے کی کوشش کر رہا تھا لیکن سلمان گھوڑے سے کود پڑا۔ پھر آنکھ جھپکنے کی دیر میں اس کی تلوار اس کے خون میں ڈوب چکی تھی۔

سلمان نے یحییٰ کی طرف متوجہ ہو کر کہا۔ ”میرا خیال تھا کہ یہ بھاگ گیا ہو گا اور شاید تم بھی اس کے ساتھ جا چکے ہو گئے۔ میں نے یہ سوچا تھا تمہیں ایک مدد گار کی ضرورت ہے۔ اس لیے تم بھاگ جاتے تو میں تمہارا پیچھا نہ کرتا۔ اب تمہیں صرف ایک گھوڑے کی ضرورت ہے اور میں یہ ضرورت پوری کر سکتا ہوں۔“

یحییٰ نے جواب دیا۔ ”مجھے اب کسی چیز کی ضرورت نہیں۔ میری آخری منزل آ چکی ہے۔ آپ نے مجھے یہ احساس دلایا تھا کہ ایک گنہگار کے لیے زندگی کے آخری سانس تک توبہ کا دروازہ بند نہیں ہوتا اور میں آپ کا شکر گزار ہوں۔ اب آپ کو یہاں سے نکل جانا چاہیے۔“

”تم میرے ساتھی بن چکے ہو اور میں تمہیں اس حال میں چھوڑ کر نہیں جا سکتا۔ یہاں قریب ہی ایک بستی ہے۔ یقین ہے کہ وہاں پہنچ کر میں تمہارے علاج کا بندوبست کر سکوں گا۔“

سلمان نے اسے سہارا دینے کی کوشش کی لیکن یحییٰ نے اس کا ہاتھ پکڑ کر

اپنی بغل کے قریب لے گیا۔ معاً سلمان کی انگلیاں اس کے گرم خون میں ڈوب گئیں اور پھر وہ اضطراب کی حالت میں خنجر کا دستہ ٹٹول رہا تھا جو اس کے سینے میں اتر چکا تھا۔

یحیٰ نے درد سے کراہتے ہوئے کہا۔ ”آپ کا تیر میرے دائیں پہلو میں لگا تھا اور میں نے اسے اسی وقت نکال کر پھینک دیا تھا لیکن یہ خنجر۔۔۔“

اس نے اپنا فقرہ پورا کرنے کے بجائے کھانسنا شروع کر دیا۔ اور اس کے ساتھ ہی اسے قے آگئی۔ سلمان اس کے قریب بیٹھ گیا۔ تھوڑی دیر بعد یحیٰ نے سنبھل کر کہا۔

”مجھے معلوم نہ تھا کہ وہ آپ کی گھات میں بیٹھا ہوا ہے۔ میں یہی سمجھتا تھا کہ خوف کے باعث اس میں بھاگنے کی سکت نہیں رہی۔ لیکن جب وہ کمان پر تیر چڑھانے لگا تو میں نے اس کا ہاتھ پکڑ لیا۔ وہ کہہ رہا تھا کہ ”تم دشمن کے ساتھ مل گئے ہو۔ تم نے ہمیں دھوکا دیا ہے۔ وہ مجھ سے طاقت ور نہیں تھا لیکن میں زخمی تھا۔۔۔ آپ نے جس آدمی کا پیچھا کیا تھا وہ بھاگ تو

نہیں گیا؟""نہیں"

"اب صرف ہم میں سے ایک آدمی کہیں بھاگ گیا ہے لیکن وہ زخمی ہے اور مجھے یقین ہے کہ وہ غرناطہ کے بجائے سیدھا اپنے گاؤں جائے گا۔۔۔ میں آپ کے ساتھ نہیں جاسکوں گا لیکن مجھے ان لوگوں کے ساتھ دفن ہونا پسند نہیں۔"

"میں تمہیں یہاں چھوڑ کر نہیں جاؤں گا۔ اگر تم ذرا ہمّت سے کام لو تو ہم جلد کسی محفوظ مقام پر پہنچ جائیں گے۔ میں ابھی تمہارے لیے گھوڑا لاتا ہوں۔" سلمان اٹھ کر اپنے گھوڑے پر سوار ہو گیا۔

تھوڑی دیر بعد اس نے واپس آ کر یحییٰ کو آواز دی۔ "یحییٰ! اٹھو میں تمہارے لیے گھوڑا لے آیا ہوں۔ تم اٹھ سکو گے یا تمہاری مدد کروں؟"

لیکن یحییٰ نے اسے کوئی جواب نہ دیا۔

"یحییٰ! یحییٰ! وہ اضطراب کی حالت میں اپنے گھوڑے سے کود کر آگے بڑھا اور اس کی نبضیں ٹٹولنے لگا۔ لیکن اس میں زندگی کے آثار پیدا نہ

ہوئے۔"

وہ کچھ دیر سوچتا رہا اور پھر اس نے لاش گھوڑے پر لاد دی اور دونوں گھوڑوں کی لگامیں پکڑ کر وہاں سے چل دیا۔ تھوڑی دیر بعد وہ سڑک کنارے شکستہ مکان کے سامنے رکا اور لاش اندر لے گیا۔ پھر جلدی سے باہر نکل کر اپنے گھوڑے پر سوار ہو گیا اور ایک ہاتھ سے دوسرے گھوڑے کی لگام پکڑ کر وہاں سے روانہ ہو گیا۔ اس کا رخ جنوب کی طرف تھا اور اس کی پہلی منزل وہی گاؤں تھا جہاں صبح کے وقت ایک کمسن بچّی نے اسے کھانے کی دعوت دی تھی۔

اب بارش تھم چکی تھی اور چاند بھاگتے ہوئے بادلوں سے جھانک رہا تھا۔

بدریہ

سلمان نے گاؤں کے قریب رُک کر اپنے گرد و پیش کا جائزہ لیا۔ پھر چند قدم اگے سڑک کے دائیں طرف ایک سنسان گلی میں داخل ہوا اور بائیں ہاتھ آخری مکان کے سامنے گھوڑے سے اتر پڑا۔

گلی کے دوسرے مکانوں کی طرح یہ مکان بھی غیر آباد معلوم ہوتا تھا۔ باہر کی دیوار جگہ جگہ سے ٹوٹی ہوئی تھی اور پھاٹک کا ایک کواڑ غائب تھا۔

چند ثانیے اِدھر اُدھر دیکھنے کے بعد وہ اندر داخل ہوا۔ چھوٹے سے صحن سے آگے کوئی دروازہ کھلا ہوا تھا اور ہوا کے جھونکوں سے اس کے شکستہ کواڑوں کی چرچراہٹ سنائی دے رہی تھی۔

سلمان نے چند لمحے سوچنے کے بعد احتیاطاً آواز دی۔ ”کوئی ہے! کوئی ہے! اور پھر کوئی جواب نہ پا کر دونوں گھوڑے یکے بعد دیگرے بر آمدے کے ستونوں کے ساتھ باندھ دیے اور جلدی سے باہر نکل آیا۔

تھوڑی دیر بعد وہ مسجد کے سامنے کشادہ حویلی کے پھاٹک کے قریب رکا۔ چند لمحے اِدھر اُدھر دیکھنے کے بعد دبے پاؤں چند قدم آگے بڑھا پھر ایک جگہ سے شکستہ دیوار پھاند کر اندر داخل ہو گیا۔ اسے ایک چور کی طرح حویلی کے اندر داخل ہونا پسند نہ تھا لیکن اندرونی مکان باہر کے پھاٹک سے اتنا دور تھا کہ اگر وہ پوری قوّت سے چلّانے کی کوشش کرتا تو بھی اس کی آواز وہاں تک نہ پہنچ سکتی اور اس بات کا زیادہ امکان تھا کہ مکینوں کی بجائے بستی والے وہاں جمع ہو جاتے۔

باغ میں کوئی دو سو قدم چلنے کے بعد اس نے ایک قلعہ نما عمارت کی بلند دیوار کے درمیان ایک دروازہ کھٹکھٹایا لیکن اسے کوئی جواب نہ ملا۔ اس نے دوبارہ دستک دی اور پھر چند ثانیے توقف کے بعد آواز میں دینے لگا:

”مسعود! مسعود!“ تھوڑی دیر بعد اندر سے ایک نسوانی آواز سنائی دی ”آپ کون ہیں؟“

”آپ مسعود کو بلائیں۔ وہ مجھے جانتا ہے؟“

”ٹھہریے!“

سلمان کوئی پانچ منٹ انتظار کرتا رہا۔ پھر اچانک اسے اپنے پیچھے کوئی آہٹ سنائی دی اور ساتھ ہی کسی نے بارعب آواز میں پوچھا۔ ”آپ کون ہیں؟“

سلمان نے مُڑ کر دیکھا۔ ایک آدمی درختوں سے نکلتا ہوا نظر آیا۔ اس کے ہاتھ میں تلوار تھی۔“

”مسعود“ اس نے کہا۔ ”صبح ہماری ملاقات ہو چکی ہے۔ مجھے افسوس ہے کہ میں نے تمہیں بے وقت تکلیف دی ہے۔ باہر کا پھاٹک بند تھا۔ اگر بند نہ بھی ہوتا تو بھی مجھے یہ امید نہ تھی کہ میری آواز اتنی دور پہنچ جائے گی۔ پھر مجھے اس بات کا خطرہ بھی تھا کہ اگر میں نے شور مچایا تو گاؤں کے لوگ

سڑک پر جمع ہو جائیں گے۔ اگر مجھے یہ معلوم ہوتا کہ تم مکان کے باہر پہرہ دے رہے ہو تو میں گھر والوں کو بے آرام نہ کرتا۔ تم گھر کی مالکہ کو اطلاع دو میں حامد بن زہرہ کا ساتھی ہوں۔"

اندر سے آواز آئی۔ "تمہارا نام کیا ہے؟"

سلمان کے کانوں کو یہ آواز مانوس محسوس ہوئی اور اس نے بلا تامل جواب دیا۔ "میرا نام سلمان ہے۔"

اچانک دروازہ کھلا اور ایک دراز قد آدمی باہر نکل آیا۔ یہ ولید تھا۔ سلمان کو اپنی آنکھوں پر یقین نہ آیا اس نے پوچھا۔ "سعید تمہارے ساتھ ہے؟"

"ہاں!"

"وہ زخمی ہے؟"

"ہاں! لیکن تمہیں کیسے معلوم ہوا کہ وہ زخمی ہے؟"

"مجھے بہت کچھ معلوم ہے لیکن یہ بات میرے علم میں نہ تھی کہ آپ

اسے یہاں لے آئے ہیں۔"

ولید کے مزید سوالات کے جواب میں سلمان نے مختصراً اپنی سرگزشت بیان کر دی۔ اختتام پر ولید چند ثانیے خاموشی سے اس کی طرف دیکھتا رہا۔ پھر اس نے مسعود سے مخاطب ہو کر کہا:

"تم انہیں مہمان خانے میں لے جاؤ۔ اس کے بعد سڑک پر باہر کھڑے رہو اور عمر کے واپس آتے ہی مجھے اطلاع دو۔"

"تشریف لائیے۔" مسعود نے سلمان کی طرف مخاطب ہو کر کہا۔

سلمان نے تذبذب کی حالت میں ولید کی طرف دیکھتے ہوئے پوچھا:

"سعید کی حالت کیسی ہے؟"

ولید نے جواب دیا۔ "سعید بے ہوش ہے اور اس وقت اس کی مرہم پٹی ہو رہی ہے۔ لیکن تشویش کی کوئی بات نہیں۔ انشاء اللہ وہ ٹھیک ہو جائے گا۔ میں ابھی آتا ہوں۔"

وہ اندر چلا گیا اور سلمان مسعود کے ساتھ چل پڑا۔

وہ فصیل کے ساتھ آہستہ آہستہ چلتے ہوئے دائیں طرف مڑے اور دوسرے طرف سے مکان کے مردانہ حصّے میں داخل ہوئے۔ وہاں ایک کشادہ کمرے میں چراغ جل رہا تھا اور بوڑھا نوکر جسے سلمان نے صبح کے وقت دیکھا تھا دروازے کے قریب برآمدے میں کھڑا تھا۔ مسعود سلمان کو دروازے کے سامنے چھوڑ کر واپس چل دیا سلمان نے بھیگی ہوئی قبا اور دستار اتار کر بوڑھے کے سپرد کی اور کمرے کے اندر ایک کرسی پر بیٹھ گیا۔

نوکر نے بھیگے ہوئے کپڑے نچوڑے اور انہیں دیوار کے ساتھ کھونٹوں پر لٹکانے کے بعد آتش دان میں آگ جلائی اور کمرے سے باہر نکل گیا۔ سلمان کو پہلی بار یہ احساس ہوا کہ اس کا جسم سردی سے ٹھٹھر رہا ہے۔ اس نے کرسی گھسیٹ کر آگ کے سامنے ہاتھ پھیلا دیے۔

قریب نصف گھنٹہ وہ ولید کا انتظار کرتا رہا پھر اچانک اسے صحن میں کسی کے بھاری قدموں کی آہٹ سنائی دی اور وہ مُڑ کر دروازے کی طرف دیکھنے لگا۔ ولید کمرے میں داخل ہوا اور نڈھال سا ہو کر اس کے قریب کرسی پر گر پڑا۔

سلمان نے مُضطرب ہو کر سعید کے متعلق پوچھا تو اس نے جواب دیا۔ ”اب اس کی حالت قدرے بہتر معلوم ہوتی لیکن ابھی تک ہوش نہیں آیا۔“

وہ کچھ دیر خاموشی سے ایک دوسرے کی طرف دیکھتے رہے۔ پھر اچانک ولید کی آنکھوں میں آنسو امڈ آئے اور اس نے سر جھکا دیا۔

سلمان نے کہا۔ ”میرے بھائی! اب تمہیں صبر اور حوصلے سے کام لینا چاہیے۔“

ولید نے بڑی مشکل سے سسکیاں ضبط کرتے ہوئے کہا۔ ”مجھے اب بھی یقین نہیں آتا کہ حامد بن زہرہ ہمیشہ کے لیے ہمارا ساتھ چھوڑ چکے ہیں۔

میں نے انہیں تیروں کی پہلی بوچھاڑ میں گھوڑے سے گرتے ہوئے دیکھا تھا۔ اس کے باوجود میں اپنے دل کو فریب دیتا رہا کہ شاید وہ زندہ ہوں اور ظالموں نے انہیں قتل کرنے کی بجائے گرفتار کر لیا ہو۔ لوگ تو اب یہی کہیں گے کہ میں انہیں موت کے دروازے پر چھوڑ کر بھاگ آیا ہوں لیکن خدا گواہ ہے کہ اگر میرے سامنے سعید کی جان بچانے کا سوال نہ ہوتا تو میں اپنی زندگی کی آخری سانس تک ان کا ساتھ دیتا۔ مجھے مرتے دم تک کی ندامت رہے گی کہ میں ایک نادان دوست تھا۔ اگر میں آپ کو ان تک پہنچے دیتا تو شاید ان کی جان بچ جاتی۔"

سلمان نے اسے تسلّی دیتے ہوئے کہا۔ "وہ اپنی منزل دیکھ چکے تھے اور ان کا راستہ بدلنا ہمارے بس کی بات نہیں تھا۔ اب ہماری پہلی ذمہ داری یہ ہے کہ ہم سعید کی جان بچانے کی بھرپور کوشش کریں۔ اس کے زخم زیادہ خطرناک تو نہیں؟" ولید نے جواب دیا۔ "سردست اس کے متعلق کوئی بات وثوق سے نہیں کی جاسکتی!"

سلمان نے کہا۔ "اگر آپ کسی اچھے طبیب کا پتا دے سکتے ہیں تو میں غرناطہ

جانے کے لئے تیار ہوں۔"

ولید نے جواب دیا۔ "مگر مجھے اطمینان ہو تا کہ حکومت کے جاسوس اس گھر تک اس کا پیچھا نہیں کریں گے تو غرناطہ کے ہر اچھے طبیب کو یہاں بلایا جاسکتا ہے۔ لیکن آپ کو فکر مند نہیں ہونا چاہیے۔ اس وقت ان کی مرہم پٹی ہو رہی ہے۔ تھوڑی دیر تک آپ اسے دیکھ سکیں گے۔"

سلمان نے کہا۔ "دوسرا اہم مسئلہ یہ ہے کہ اس تیسرے آدمی کے بچ نکلنے کے امکانات کیا ہیں جس نے حملہ آوروں میں سے دو آدمی قتل کرنے اور باقی سارے گروہ کو اپنے پیچھے لگا لینے کے بعد آپ کو بچ نکلنے کا موقع دیا تھا۔ ایسے بہادر آدمی کو بچانا ہمارا اوّلین فرض ہے۔ اگر آپ کو معلوم ہو کہ وہ کس طرف گیا ہے تو میں اس کی مدد کے لیے تیار ہوں۔"

ولید نے جواب دیا۔ "اب وہ بہت دور جا چکا ہے۔ اگر ہم کوشش کریں تو بھی اس کی مدد کو نہیں پہنچ سکتے۔ لیکن آپ کو فکر نہیں کرنی چاہیے۔ اس کا گھوڑا اتنا تیز رفتار ہے کہ دشمن اس کی گرد کو بھی نہیں پہنچ سکیں گے۔ اگر

حملہ آوروں کے دوسرے گروہ کو چکمہ دینے کے لیے ہمیں اپنے گھوڑوں سے محروم نہ ہونا پڑتا تو میں سعید کو یہاں پہنچاتے ہی اس کی مدد کے لیے روانہ ہو جاتا۔ اس گھر میں صرف دو گھوڑے تھے لیکن وہ ایسی مہم کے قابل نہ تھے۔ میں نے سعید کے متعلق اطمینان ہوتے ہی گاؤں کے لوگوں کو جمع کیا تھا لیکن ایک آدمی کے سوا کسی کے پاس گھوڑا نہ تھا۔ اس لیے میں نے یہی مناسب سمجھا کہ چار آدمیوں کو پل کی طرف بھیج کر یہ معلوم کیا جائے کہ غدّاروں نے زخمیوں کے ساتھ کیا سلوک کیا ہے۔ اُمید ہے کہ وہ تھوڑی دیر تک واپس آجائیں گئے۔“

سلمان نے کچھ سوچ کر سوال کیا۔ ”تیسرا آدمی کون تھا؟“

”معاف کیجیے میں اس سے متعلق آپ کو نہیں بتا سکتا۔ ہمیں اس کا نام ظاہر کرنے کی بھی اجازت نہیں۔ فی الحال آپ کے لیے اتنا جان لینا کافی ہے کہ وہ ایک اچھا سپاہی ہے۔“

”اس نے آپ کو پل کے قریب جانے سے روکا تھا۔“

"ہاں!"

"آپ کو یہ اطمینان ہے کہ سعید کے لیے یہ گھر محفوظ ہے؟"

ولید نے جواب دیا۔ "سر دست اس کے لیے اس گھر سے بہتر کوئی اور جگہ نہیں۔ اگر اس کی حالت ذرا بہتر ہوتی تو میں اسے غرناطہ پہنچانے کی کوشش کرتا۔ اب چند دن تک اسے یہیں رہنا پڑے گا۔ یہ میری ماموں زاد بہن کا گھر ہے اور ایک زخمی کو اس وقت ان سے بہتر تیمار دار اور معالج نہیں مل سکتا۔ ان کا خیال ہے کہ سعید ہوش میں آنے کے بعد بھی چند دن تک سفر کے قابل نہیں ہو سکے گا۔"

"اب وہ بے ہوش ہے تو ہمیں سب سے پہلے کسی اچھے طبیب کا بندوبست کرنا چاہیے۔"

ولید نے جواب دیا۔ "طبیب کے متعلق آپ کو پریشان نہیں ہونا چاہیے۔ میرے والد غرناطہ کے چند نامور طبیبوں میں سے ایک ہیں۔ اگر ضروری سمجھا گیا تو وہ یہاں پہنچ جائیں گے۔ لیکن اس وقت حکومت کے جاسوس

بہت چوکس ہیں۔ ہم یہ خطرہ مول نہیں لے سکتے کہ وہ گھر سے نکلیں اور قاتل ان کا پیچھا کر رہے ہوں۔ بدریہ میری رشتے کی بہن ہیں اور ان کی شاگرد ہیں اور عام طبیبوں سے زیادہ تجربہ کار ہیں۔ سعید کے بے ہوش ہو جانے کی وجہ یہ ہے کہ ان کے جسم سے دو تیر نکالنے کے لیے بے ہوشی کی دوا دی گئی تھی۔" سلمان نے کہا: "اور آپ اس بدنصیب کی لاش کے دفن کرنے کا بھی بندوبست کریں جس میں راستے میں چھوڑ آیا ہوں۔ سڑک کے کنارے پر ایک شکستہ مکان تلاش کرنے میں کوئی دقّت پیش نہیں آئے گی۔ اس کے قریب کافی پانی بہہ رہا ہے۔ یہ بہت ضروری ہے کہ اس کو وہاں سے کہیں دور دفن کیا جائے۔"

ولید نے کہا۔ "آپ اس بات کی فکر نہ کریں۔ میں آپ کا مطلب سمجھ گیا ہوں۔"

"اب آپ سعید کا حال پوچھ آئیں۔ اگر اس کی حالت تسلّی بخش ہو تو میں بھی آپ کا ساتھ دوں گا۔"

☆☆☆

مسعود کمرے میں داخل ہوا اور اس نے ولید سے مخاطب ہو کر کہا۔ ”وہ واپس آ گئے ہیں اور کہتے ہیں کہ ہمیں پل کے آس پاس کوئی لاش نہیں ملی۔ عمر کہتا ہے کہ آپ کو ضرورت ہو تو آپ میرا گھوڑا لے جائیں۔“

”نہیں اب اسے تکلیف دینے کی ضرورت نہیں لیکن تم انہیں روک لو اور عمر کو یہاں لے آؤ۔“

مسعود واپس چلا گیا اور ولید نے سلمان سے مخاطب ہو کر کہا۔ ”مجھے آپ سے بہت کچھ پوچھنا تھا لیکن موجودہ حالات میں میرا فوراً غرناطہ پہنچنا ضروری ہے۔ اب دوسرا گھوڑا میرے کام آئے گا۔ لیکن فی الحال آپ غرناطہ نہیں جا سکیں ہے۔“

سلمان نے کہا۔ ”لیکن یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ میں غرناطہ کی تازہ صورت حال معلوم کیے بغیر واپس چلا جاؤں؟“

”نہیں نہیں“ ولید نے جواب دیا۔ ”آپ وہاں نہیں جا سکتے۔ مجھے راستے

میں سعید نے آپ کی سرگزشت سنائی تھی۔ وہ اس بات سے سخت مُضطرب تھا کہ آپ غرناطہ پہنچ گئے ہیں۔ اس لیے میرا مشورہ یہ ہے کہ آپ یہیں ٹھہریں۔ انشاء اللہ میں بہت جلد واپس آؤں گا۔ اگر مجھے روپوش ہونا پڑا تو بھی آپ کو میرا پیغام مل جائے گا۔ سعید کی حفاظت کے لیے بھی آپ کا یہاں رہنا ضروری ہے۔ ممکن ہے کہ فوری خطرے کے پیشِ نظر اسے یہاں سے نکالنے کے لیے آپ کی مدد کی ضرورت پیش آ جائے۔ آپ کب تک یہاں ٹھہر سکتے ہیں؟"

سلمان نے جواب دیا۔ "آج سے چار دن بعد ایک جہاز ساحل کے قریب کسی جگہ میرا انتظار کرے گا۔ اگر میں معین وقت پر نہ پہنچ سکا تو جہاز واپس چلا جائے گا اور مجھے چند دن بعد کسی اور جگہ پہنچ کر اس کا انتظار کرنا پڑے گا۔ اس طرح آئندہ دو ماہ تک میرے ساتھی مقررہ تاریخوں پر ساحل کے مختلف مقامات کا طواف کرتے رہیں گے۔ پھر اگر مجھے زیادہ مدّت کے لیے رکنا پڑا تو میں ساحلی علاقے میں ان لوگوں کو جانتا ہوں جن سے مجھے کوئی مدد مل سکتی ہے۔"

ولید نے کہا۔ ”عام حالات میں حامد بن زہرہ کی موت کے بعد ہمارے دشمن سعید سے متعلق زیادہ پریشان نہ ہوتے لیکن مجھے ڈر ہے کہ وہ حامد بن زہرہ کے ساتھیوں کو تلاش کرنے کے لیے بھی سعید کو گرفتار کرنا ضروری سمجھیں گے اور اگر انہیں شبہ ہو گیا کہ باہر سے بھی ان کا کوئی مددگار یہاں آپہنچا ہے تو سعید کو گرفتار کرنا ان کے لیے زندگی اور موت کا سوال بن جائے گا۔ اس لیے آپ کو محتاط رہنا چاہیے۔“

☆☆☆

مسعود عمر کے ساتھ کمرے میں داخل ہوا۔ اس کی عمر چالیس سال کے لگ بھگ معلوم ہوتی تھی۔ ولید نے سلمان کو حامد بن زہرہ کے ایک دوست کی حیثیت سے متعارف کراتے ہوئے لاش کو دفن کرنے کے متعلق ہدایات دیں اور مسعود کو گھوڑے لانے کے لیے کہا۔ اور جب واپس چلے گئے تو سلمان نے کہا۔

”میں ایسا محسوس کرتا ہوں کہ غرناطہ میں اپنے حصّے کا کام ادھورا چھوڑ آیا

ہوں۔ اور مجھے وہاں جانا پڑے گا۔ اگر آپ کی طرف سے کوئی پیغام نہ ملا تو ممکن ہے کہ میں اچانک وہاں پہنچ جاؤں۔ مجھے بہت زیادہ عقلمند ہونے کا دعویٰ نہیں تاہم میں آپ کے ساتھیوں کو مشورہ دوں گا کہ انہیں موجودہ حالات میں حامد بن زہرہ کے قتل کا سانحہ عوام کے سامنے نہیں لانا چاہیے۔ اگر عوام مشتعل ہو گئے تو قوم کے غدّاروں سے بعید نہیں کہ وہ اپنی جانیں بچانے کی خاطر دشمن کے لیے شہر کے دروازے کھول دیں۔ آپ کو اندرونی غداروں اور بیرونی دشمنوں کے ساتھ ٹکر لینے سے پہلے اتنا موقع ضرور ملنا چاہیے کہ آپ کوہستانی قبائل کو اپنا ہمنوا بنا سکیں۔ اس کے بعد حامد بن زہرہ کے قاتلوں سے ہر وقت انتقام لیا جا سکتا ہے۔"

ولید نے کہا۔ "آپ اطمینان رہیں۔ ہمیں معلوم ہے کہ دشمن ہماری ہر غلطی سے فائدہ اٹھانے کی کوشش کرے گا۔ اس وقت حکومت کو ایک ذہنی الجھن میں مبتلا رکھنے کا بہترین طریقہ یہی ہے کہ ہم اپنی طرف سے کوئی بات ظاہر نہ ہونے دیں۔ میرے علاوہ صرف دو آدمی ایسے ہیں جنہیں اس المناک حادثے کا علم ہے۔ سعید زخمی ہے اور وہ غرناطہ نہیں جا

سکتا۔ دوسرا آدمی کسی صورت مجھ سے پہلے غرناطہ نہیں پہنچ سکتا اور اگر وہ پہنچ گیا ہو تو بھی آپ اسے انتہائی دور اندیش پائیں گے۔ میں ان واقعات کا صرف چند انتہائی قابلِ اعتماد آدمیوں سے ذکر کروں گا۔"

ایک عمر رسیدہ خادمہ نے دروازے سے اندر جھانکتے ہوئے کہا۔ "جناب! بدریہ کہتی ہے کہ آپ مہمان کو لے کر اندر آئیں۔"

وہ اٹھ کر کمرے سے باہر نکل گئے۔

☆☆☆

تھوڑی دیر بعد وہ سکونتی مکان کے ایک کشادہ کمرے میں داخل ہوئے۔ سعید آنکھیں بند کیے بستر پر بے حس و حرکت لیٹا ہوا تھا اور اس کے چہرے پر سکون برس رہا تھا۔ ایسا معلوم ہوتا تھا کہ وہ گہری نیند سو رہا ہے۔ سلمان نے آگے بڑھ کر اس کی پیشانی پر ہاتھ رکھا۔ اچانک ساتھ والے کمرے سے ایک نسوانی آواز سنائی دی:

"آپ زخمی سے کوئی بات نہیں کر سکیں گے۔ ابھی تک ان پر دوا کا اثر

ہے۔“

سلمان نے مُڑ کر دیکھا اور اس کی نگاہیں ایک سنجیدہ حسین اور باوقار چہرے پر جم کر رہ گئیں۔

”بدریہ!“ ولید نے اس سے مخاطب ہو کر کہا۔ ”یہ سلمان ہیں اور جو واقعات انہوں نے بیان کیے ہیں ان سے بھی اس بات کی تصدیق ہوتی ہے کہ حامد بن زہرہ شہید ہو چکے ہیں۔ اور قاتلوں نے ان کے علاوہ ہمارے باقی چار ساتھیوں کی لاشیں بھی نالے میں پھینک دی ہیں۔ اب میں فوراً غرناطہ جانا چاہتا ہوں اور یہ سعید کی حفاظت کے لیے آپ کے پاس رہیں گے۔ اگر آپ سعید کے متعلق کوئی تشویش محسوس کریں تو یہاں سے کسی کو ابّا جان کے پاس بھیج دیں۔“

بدریہ نے جواب دیا۔ ”اگر قاتلوں کے تیز زہر آلو نہیں تھے تو انہیں تکلیف دینے کی ضرورت پیش نہیں آئے گی۔ لیکن آپ گھر پہنچتے ہی چند ادویات بھیج دیں۔ آپ ایک منٹ ٹھہریں میں ماموں جان کے نام ایک

رقعہ لکھ دیتی ہوں۔ ممکن ہے وہ کوئی بہتر مشورہ دے سکیں۔"

ولید نے کہا۔ "میرا گھر جانا غرناطہ کے حالات پر منحصر ہے۔ ممکن ہے مجھے کچھ عرصہ کے لیے روپوش رہنا پڑے۔ بہر حال میں یہ کوشش کروں گا کہ آپ کا رقعہ ابّا جان کو مل جائے۔"

"میں ابھی آتی ہوں۔"

بدریہ جلدی سے برابر کے کمرے میں چلی گئی۔ اور سلمان نے ولید سے مخاطب ہو کر کہا۔ "اگر ادویات بھیجنے کے لیے کوئی اور تسلّی بخش انتظام نہ ہو سکے تو آپ جعفر کو تلاش کر کے یہاں بھیج دیں۔ آپ سیدھے سرائے میں جائیں۔ مجھے امید ہے کہ وہ آپ کو وہاں مل جائے گا اور اگر تیسرا آدمی جس نے سعید کی خاطر بھیڑیوں کا گروہ اپنے پیچھے لگا لیا تھا بخیریت واپس پہنچ جائے تو اسے میرا اسلام پہنچا دیں اور میری طرف سے یہ پیغام دیں کہ اگر مجھے غرناطہ آنے کا موقع ملا تو میری سب سے بڑی تمنّا یہ ہو گی کہ اسے ایک نظر دیکھ لوں۔"

ولید نے جواب دیا۔ ”مجھے یقین ہے کہ جب میں ان سے آپ کا ذکر کروں گا تو وہ بھی آپ کو دیکھنے کے لیے کم بے چین نہیں ہوں گے۔ دوبارہ جنگ شروع ہو جانے کی صورت میں ہماری اوّلین ضرورت یہ ہو گی کہ ہم اہلِ بربر اور ترکوں سے رابطہ پیدا کرنے کے لیے فوج کے کسی تجربہ کار افسر کو ان کے پاس بھیجیں اور میں یہ محسوس کرتا ہوں کہ وہ جسے آپ تیسرا آدمی کہتے ہیں اس کام کے لیے انتہائی موزوں ہو گا۔۔۔ اس لیے امکان سے بعید نہیں کہ وہ کسی وقت اچانک یہاں پہنچ جائے اور آپ سے کہے میں تمہارے ساتھ چل رہا ہوں۔“

”میں ایسے آدمی کی رفاقت میں سفر کرنا اپنے لیے باعثِ سعادت سمجھوں گا۔“

بدریہ برابر والے کمرے سے نکلی اور اس نے ایک کاغذ ولید کے ہاتھ میں تھما دیا۔ ولید نے جلدی سے ان سے مصافحہ کرتے ہوئے خدا حافظ کہا اور کمرے سے نکل گیا۔

☆☆☆

بدریہ نے کرسی گھسیٹ کر آتش دان کے سامنے کرتے ہوئے کہا۔ ”معاف کیجیے مجھے یہ خیال نہیں آیا کہ آپ بارش میں بھیگ کر آئے ہیں۔ یہاں تشریف رکھیں۔ میں آپ کے لیے خشک کپڑوں کا بندوبست کرتی ہوں۔“

سلمان نے آگ کے سامنے سرکتے ہوئے کہا۔ ”نہیں آپ تشریف رکھیں۔ اب مجھے سردی محسوس نہیں ہوتی اور میرا لباس بھی جلد خشک ہو جائے گا۔“

بدریہ نے سعید کے بستر کے قریب جا کر اس کی نبض دیکھی اور پھر سلمان سے دو قدم دور ایک کرسی پر بیٹھتے ہوئے کہا:

”ولید کہتا تھا کہ آپ ترکوں کے بحری بیڑے سے تعلق رکھتے ہیں۔ میں آپ سے حامد بن زہرہ کی قید اور رہائی کے واقعات سننا چاہتی ہوں۔ کیا انہیں اندلس سے روانہ ہوتے ہی گرفتار کر لیا گیا تھا؟“

”نہیں۔ وہ مراکش کے ساحل پر پہنچ گئے تھے۔ وہاں سے ایک بربر جہاز
ران نے انہیں قسطنطنیہ پہنچانے کا ذمہ لیا تھا لیکن راستے میں مالٹا کے دو
جنگی جہازوں نے ان پر حملہ کر دیا تھا اور جن مسافروں نے جلتے ہوئے
جہاز سے کود کر اپنی جانیں بچانے کی کوشش کی تھی انہیں گرفتار کر کے
مالٹا لے گئے تھے۔ چند ہفتے حامد بن زہرہ کے متعلق انہیں کچھ معلوم نہ ہو
سکا لیکن بعد کے واقعات سے معلوم ہوتا ہے کہ اندلس میں ان کے
دشمن غافل نہ تھے۔ ایک دن قیدیوں کو فرڈنینڈ کے سفیر کے سامنے پیش
کیا گیا اور چند گھنٹے کے بعد حامد بن زہرہ مالٹا کے قید خانے سے ہسپانیہ کے
ایک جنگی جہاز پر منتقل ہو چکے تھے۔ انہی دنوں ترکوں کے دو جہاز تیونس
اور صقیلہ کے درمیان گشت کر رہے تھے۔ انہوں نے ایک شام ہسپانیہ
کے جنگی جہاز کی پہلی جھلک دیکھی اور اگلی صبح دُھندلکے میں وہ دونوں
طرفہ گولہ باری کی زد میں تھا۔ دشمن کے لیے جہاز کے ساتھ غرق ہونے
یا ہتھیار ڈال دینے کے سوا کوئی اور راستہ نہ تھا۔ چنانچہ چند منٹ کے اندر
اندر وہ سفید جھنڈا بلند کر رہے تھے۔ آپ کو تفصیلات بتانے کی ضرورت
نہیں۔ حامد بن زہرہ کو شدید بخار کی حالت میں دوسرے جہاز پر منتقل کیا

گیا۔ انہیں دو دن تک بالکل ہوش نہ تھا۔

تیسرے دن انہوں نے ہوش میں آتے ہیں جو پہلا سوال کیا وہ غرناطہ کے متعلق تھا۔ اور جب کسی نے متارکہ جنگ کے معاہدے کا ذکر کیا تو وہ چلا اٹھے۔ نہیں نہیں تم غلط کہتے ہو۔ یہ کبھی نہیں ہو سکتا۔ تم موسیٰ ابی غسان کو نہیں جانتے۔ اس کے بعد وہ دوبارہ بے ہوش ہو چکے تھے۔ اگلے دن ہوش میں آتے ہی ان کا پہلا مطالبہ یہ تھا کہ ہسپانوی جہاز کے کپتان کی تلوار اسے واپس کر دی جائے اور اسے یہ اطمینان دلایا جائے کہ اس کے ساتھ ایک شریف دشمن کا سا سلوک کیا جائے گا۔ اور اس کی وجہ تھی کہ جب ان پر حملہ ہوا تھا تو جہاز کے دوسرے افسروں کی متفقہ رائے تھی کہ حامد بن زہرہ کو فی الفور موت کے گھاٹ اتار دیا جائے لیکن کپتان نے سختی سے اس تجویز کی مخالفت کی تھی۔"

بدریہ نے سوال کیا۔ "آپ اس دوران حامد بن زہرہ کے ساتھ تھے؟"

"جی نہیں۔ ہماری رفاقت لڑائی کے بعد شروع ہوئی تھی۔ میں اس جہاز کا

کپتان تھا جس نے ہسپانوی جہاز پر پہلا گولہ چلایا تھا۔ حامد بن زہرہ کو دشمن کی قید سے آزاد ہونے کے بعد میرے جہاز پر منتقل کیا گیا تھا۔ ہمارے جنگی بیڑے کا ایک حصّہ یونان سے افریقہ کے ساحل کی طرف منتقل ہو رہا تھا اور امیر البحر کمال رئیس طرابلس کے قریب لنگر انداز تھے۔ غرناطہ کے حالات کے متعلق حامد بن زہرہ کا اضطراب دیکھ کر ہم نے انہیں کسی تاخیر کے بغیر امیر البحر کے سامنے پیش کرنے کی ضرورت محسوس کی۔"

"امیر البحر نے بڑی گرمجوشی سے ان کا استقبال کیا اور یہ مشورہ دیا کہ آپ کسی تاخیر کے بغیر واپس چلے جائیں اور غرناطہ کو دشمن کے قبضے سے بچانے کی کوشش کریں۔ اگر اہلِ غرناطہ نے ہتھیار ڈال دیے تو آپ کا سلطان کے پاس جانا بے سود ہو گا۔ ہم اسی صورت میں اندلس کی کوئی مدد کر سکیں گے جب آپ کا اندرونی حصار قائم ہو۔

حامد بن زہرہ کو مطمئن کرنے کے لیے امیر البحر نے یہ وعدہ کیا کہ وہ بذاتِ خود سلطان کے سامنے غرناطہ کی اعانت کا مسئلہ پیش کریں گے۔

پھر انہیں اندلس پہنچانے کی ذمہ داری مجھے سونپی گئی۔ ساحل بربر سے چند جہاز ران جو ترکی بیڑے کے حلیف ہیں، امیر البحر سے ملاقات کے لیے آئے ہوئے تھے۔ انہوں نے میرے جہاز کی حفاظت کا ذمہ لیا اور اپنے دو جہاز میرے ساتھ روانہ کر دیے۔

اندلس کے ساحلی علاقے سے چند میل دور دشمن کے دو جہاز گشت کر رہے تھے۔ انہوں نے ہمارا تعاقب شروع کر دیا۔ سورج غروب ہونے میں ابھی دو گھنٹے باقی تھے۔ ہم نے تصادم سے بچنے کے لیے اپنے جہازوں کا رُخ ساحل کے بجائے مغرب کی سمت پھیر دیا۔ اور شام تک ان کے آگے بھاگتے رہے۔ اس کے بعد میں نے تاریکی کا فائدہ اٹھایا اور اپنے ساتھیوں سے مشورہ کرنے کے بعد اپنا جہاز ساحل کی دو چٹانوں کے درمیان ایک تنگ خلیج کے اندر لے گیا۔

ہمارا ایک جہاز ساحل سے کچھ دور رُک گیا اور دوسرے جہاز نے دو میل آگے جا کر ایک ساحلی چوکی پر گولہ باری شروع کر دی۔ اس کا نتیجہ یہ ہو کہ دشمن کے جہاز جو شاید تمام حالات میں زیادہ احتیاط سے کام لیتے پوری

رفتار سے آگے بڑھے اور تھوڑی دیر بعد ایک جہاز خلیج کے عین سامنے میرے جہاز کی توپوں کی زد میں آچکا تھا۔ پھر آن کی آن میں اس کے تختے ہوا میں اڑ رہے تھے۔ اس کے پیچھے آنے والے جہاز نے کھلے سمندر کی طرف فرار ہونے کی کوشش کی لیکن وہ بھی اپنا راستہ تبدیل کرتے ہی ہمارے دوسرے جہاز کی گولہ باری کا سامنا کر رہا تھا۔ پھر میں نے بھی خلیج سے باہر نکل کر اس پر حملہ کر دیا اور چند منٹ سے زیادہ دو طرفہ گولہ باری کے سامنے نہ ٹھہر سکا۔ اس کے بعد آس پاس کوئی جگہ حامد بن زہرہ کو اتارنے کے لیے محفوظ نہ تھی۔

ہم نے کچھ دیر ساحل سے ذرا دور ہٹ کر تیسرے جہاز کا انتظار کیا اور اس کے بعد یہ فیصلہ ہوا کہ انہیں مشرق کی سمت اسی جگہ اتارا جائے جو ہم نے پہلے منتخب کی تھی۔ مجھے امیر البحر نے یہ حکم دیا تھا کہ میں حامد بن زہرہ کی حفاظت کا تسلّی بخش انتظام کیے بغیر واپس نہ آؤں اور اگر ضرورت پڑے تو آخری منزل تک ان کا ساتھ دوں۔ حامد بن زہرہ کو پہاڑی علاقے میں جس بستی کے لوگوں سے اعانت کی توقع تھی وہ ساحل سے پانچ میل دور

تھی۔ اگر دشمن کے جہازوں سے تصادم نہ ہوتا تو میں راتوں رات اس کا انہیں وہاں پہنچا کر واپس ہو سکتا تھا اور میرے ساتھی میرا انتظار کر سکتے تھے۔ لیکن اب یہ ممکن نہ تھا۔ صبح ہونے والی تھی۔ اور ہمارے جہاز دن کے وقت ساحل کے قریب تصادم کا خطرہ مول نہیں لے سکتے تھے۔

چنانچہ میں نے اپنے ساتھیوں سے رخصت لی اور اپنے نائب کو حکم دیا کہ وہ بھی اپنا جہاز واپس لے جائے۔ حامد بن زہرہ ابھی پیدل چلنے کے قابل نہیں ہوئے تھے اور پہاڑ کے دامن میں ایک کٹھن راستے پر مجھے بار بار ان کو سہارا دینے کی ضرورت پیش آتی تھی۔ طلوعِ سحر کے وقت ہمیں ایک تنگ وادی میں خانہ بدوشوں کی چند جھونپڑیاں دکھائی دیں۔ میں نے وہاں پہنچ کر حامد بن زہرہ کی سواری کے لیے ایک گھوڑا خرید لیا۔ پھر ہم بربر چرواہوں اور کسانوں کی بستی میں پہنچ گئے۔

بستی کا سردار غرناطہ میں حامد بن زہرہ کا شاگرد رہ چکا تھا۔ اس نے بڑے تپاک سے ہمارا خیر مقدم کیا۔ وہ ہمیں اپنے پاس ٹھہرانے پر مصر تھا لیکن حامد بن زہرہ ایک لمحہ ضائع کرنے کے لیے بھی تیار نہ تھے۔ انہوں نے

کہا کہ ہم کھانا کھاتے ہی یہاں سے روانہ ہو جائیں گے۔ اس لیے آپ میرے ساتھی کے لیے ایک گھوڑے کا انتظام کر دیں۔

ہمارے میزبان نے مجھے ایک بہترین گھوڑا پیش کرتے ہوئے کہا کہ اسے میری طرف سے تحفہ سمجھ کر قبول فرمایئے۔ اس کے بعد باقی سفر کے دوران میں کوئی وقت پیش نہ آئی۔

دو دن بعد حامد بن زہرہ کو ان کے گھر پہنچانے کے بعد میری ذمہ داری ختم ہو چکی تھی لیکن انہوں نے اچانک غرناطہ آنے کا فیصلہ کر لیا اور مجھے حکم دیا کہ میں ان کی واپسی کا انتظار کروں۔ پھر ایسے حالات پیش آئے کہ مجھے بھی ان کے پیچھے غرناطہ جانا پڑا۔"

بدریہ نے کچھ سوچ کر کہا۔ "اگر غدّاروں کو معلوم ہو گیا کہ حامد بن زہرہ کا ایک ساتھی ترکوں کے بحری بیڑے سے تعلق رکھتا ہے تو وہ بلا تاخیر دشمن کو خبر دار کرنے کی کوشش کریں گے۔ اور پھر آپ کے لیے ساحل کی طرف واپس جانے کا کوئی راستہ محفوظ نہیں رہے گا۔ اگر آپ سعید کی

وجہ سے رُک گئے ہیں تو میں یہ کہوں گی کہ آپ کو ایک لمحہ کے لیے بھی یہاں نہیں ٹھہرنا چاہیے۔"

سلمان نے جواب دیا۔ "مجھے معلوم ہے کہ موجودہ حالات میں سعید کی کوئی مدد نہیں کر سکتا۔ لیکن اب واپس جانے سے پہلے میرے لیے غرناطہ کے تازہ حالات معلوم کرنے ضروری ہیں۔ اگر کل تک ولید کی طرف سے کوئی اطلاع نہیں آئی تو مجھے بذاتِ خود وہاں جانے کا خطرہ مول لینا پڑے گا۔ حامد بن زہرہ نے مجھے اس لیے روکا تھا کہ شاید غرناطہ میں اپنے احباب سے مشورہ کرنے کے بعد انہیں ہمارے امیر البحر کو کوئی پیغام بھیجنے کی ضرورت پیش آجائے۔"

☆☆☆

بدریہ پورے انہماک کے ساتھ سلمان کی باتیں سن رہی تھی اور سلمان کو ایسا محسوس ہو رہا تھا کہ اس کے دل کا بوجھ ہلکا ہوتا جا رہا ہے۔ تھوڑی دیر قبل جب وہ اس کمرے میں داخل ہوا تھا تو اس نے صرف ایک ثانیہ کے

لیے بدریہ کی طرف دیکھا تھا اور اس کے بعد اس کی یہ حالت تھی کہ کبھی بے خیالی کے عالم میں بھی وہ اسی کی طرف متوجہ ہوتا تو اس کی نگاہیں حیا اور وقار حسن کے احساس سے جھک جاتیں۔ معاً اسے خیال آیا کہ وہ ضرورت سے زیادہ باتیں کر رہا ہے اور وہ خاموش ہو گیا۔

بدریہ نے چند ثانیے توقف کے بعد کہا۔ ”مجھے ایسا محسوس ہوتا ہے کہ آپ میرے ہم وطن ہیں۔ باہر کا کوئی آدمی اندلس کے ساحلی علاقوں سے اس قدر واقف نہیں ہو سکتا۔“ سلمان نے جواب دیا۔ ”میں المریہ کے ایک غریب گھرانے میں پیدا ہوا تھا اور والدہ ایک بربر قبیلے سے تعلق رکھتی تھیں لیکن یہ ایک طویل داستان ہے۔“

”اگر آپ تھک نہ گئے ہوں تو میں وہ طویل داستان سُننا چاہتی ہوں۔“

بدریہ کے اصرار پر سلمان نے اپنی سرگزشت شروع کر دی۔

”جہاز رانی اور تجارت ہمارا خاندانی پیشہ تھا۔ میرے والد کے چار ذاتی جہاز تھے۔ انہوں نے المریہ اور مالقہ کے علاوہ مراکش اور الجزائر میں بھی

تجارتی مراکز قائم کر رکھے تھے اور اکثر گھر سے باہر رہتے تھے۔ جب میری عمر چھ سال کی ہوئی تو والدہ ان کی غیر حاضری میں فوت ہو گئیں۔ میرے نانا مجھے اپنے پاس لے آئے۔ دو ماہ بعد ابّا جان واپس آئے اور مجھے اپنے ساتھ مالقہ لے آئے۔ وہاں میں نے ابتدائی تعلیم حاصل کی۔ ان کی سب سے بڑی خواہش تھی کہ میں ایک اچھا جہاز ران بنوں اور مجھے عملی تربیت دینے کے لیے کبھی کبھی اپنے ساتھ بھی لے جایا کرتے تھے۔ دو سال بعد وہ ایک لمبے سفر پر گئے تو میں ان کی غیر حاضری میں بیمار ہو گیا۔ واپس آکر انہوں نے مجھے مستقل طور پر اپنے ساتھ رکھنے کا فیصلہ کر لیا۔ اس کے بعد میرا گھر ان کا جہاز تھا۔ میری تعلیم کے لیے انہوں نے ایک ایسا اتالیق مقرر کر دیا تھا جو سفر میں ہمارے ساتھ رہتا تھا۔ کوئی ڈیڑھ سال کے عرصہ میں میں المریہ اور مالقہ کے درمیان کئی بار چکر لگا چکا تھا۔ جب ترکوں نے اطالیہ پر حملے شروع کیے تھے تو کئی اور بربر جہاز رانوں کی طرح ابّا جان نے بھی رضاکارانہ طور پر اپنی خدمات پیش کر دی تھیں۔ اس مرتبہ وہ مجھے گھر چھوڑ گئے تھے۔ چند ماہ بعد وہ واپس آئے تو سلطان ابو الحسن نے انہیں مالقہ کی بحری درس گاہ کا ناظم مقرر کر دیا۔ میں ایک سال

اور ان کے ساتھ رہا۔ اس کے بعد انہوں نے مجھے ذاتی جہاز رانی کی اعلیٰ تعلیم حاصل کرنے کے لیے قسطنطنیہ بھیج دیا۔ جنگ کے ایام میں مجھے یہ اطلاع ملی کہ وہ نائب امیر البحر بنادیے گئے ہیں۔" "اچھا تو آپ نائب امیر البحر ابراہیم کے بیٹے ہیں۔" بدریہ نے سوال کیا۔

"ہاں! جنگ کے دوران مجھے ماموں جان کی طرف سے یہ اطلاع ملی تھی کہ میرے نانا فوت ہو چکے ہیں اور ان کا خاندان ہجرت کر کے الجیریا پہنچ چکا ہے۔ چھ ماہ بعد ان کا دوسرا پیغام یہ تھا کہ ابّا جان ایک بحری جنگ میں شہید ہو چکے ہیں۔ اس کے بعد اندلس سے میرا رشتہ ٹوٹ چکا تھا۔

کمال رئیس جو اب بحیرہ روم میں ترکی بیڑے کے امیر بن چکے ہیں میرے والد کو اس زمانے سے جانتے تھے جب انہوں نے اور اوٹرانٹو کی جنگ میں حصّہ لیا تھا۔ وہ جب بھی قسطنطنیہ آتے تو میرا حال ضرور پوچھتے تھے۔ ابّا جان کی موت کے بعد انہوں نے مجھے اپنی سرپرستی میں لے لیا۔ جب میں فارغ التحصیل ہوا تو انہوں نے مجھے اپنے ذاتی عملے میں شامل کر لیا۔ دو سال بعد مجھے ایک جہاز کی کمان مل گئی۔"

سلمان یہاں تک کہہ کر خاموش ہو گیا۔ بدریہ کے ذہن میں کئی سوال ابھر چکے تھے۔ اچانک سعید نے انہیں اپنی طرف متوجہ کر لیا۔ وہ بے ہوشی کی حالت میں کراہنے کے بعد آہستہ آہستہ عاتکہ کو آوازیں دے رہا تھا۔ وہ دونوں جلدی سے اٹھ کر بستر کی طرف بڑھے اور بدریہ سعید کی نبض پر ہاتھ رکھ کر سلمان کی طرف دیکھنے لگی۔ سعید بے چینی کی حالت میں چند بار کروٹ بدلنے کے بعد اچانک خاموش ہو گیا۔ بدریہ اس کے چہرے سے پسینہ پونچھنے کے بعد سلمان سے مخاطب ہوئی۔

”انہیں کافی دیر ہوش نہیں آئے گا۔ اگر آپ تھوڑی دیر یہاں بیٹھنا پسند کریں تو میں آپ سے کچھ اور پوچھنا چاہتی ہوں۔“

سلمان نے کرسی پر بیٹھتے ہوئے کہا۔ ”اگر آپ کو اعتراض نہ ہو تو میں سعید کے ہوش میں آنے تک یہاں سے ہلنا بھی پسند نہیں کروں گا۔“

بدریہ اور سلمان دوبارہ اپنی اپنی جگہ بیٹھ گئے اور بدریہ نے کہا۔ ”ولید کہتا تھا کہ آپ حامد بن زہرہ کو غدّاروں کی سازش سے خبر دار کرنے کے لیے

غرناطہ پہنچے تھے لیکن آپ کو یہ کیسے معلوم ہوا کہ ان کے خلاف کوئی سازش ہو رہی ہے؟؛

سلمان نے جواب دیا۔ ”سعید کے گاؤں کی ایک لڑکی ہے۔ وہ صبح ہوتے ہی اس کے گھر آئی تھی اور اس نے مجھے بتایا تھا کہ قوم کے غدّار حامد بن زہرہ کو تلاش کر رہے ہیں۔ یہ ایک المیہ تھا کہ ولید اور اس کے ساتھیوں نے مجھے ایک کمرے میں بند کر دیا تھا۔“

بدریہ نے پوچھا۔ ”گاؤں کی ایک لڑکی کو کیسے معلوم ہو گیا تھا کہ غدّار انہیں تلاش کر رہے ہیں۔ آپ کو معلوم ہے وہ کون تھی؟“

”اس کا نام عاتکہ ہے اور اس نے یہ خدشہ ظاہر کیا تھا کہ اس کا چچا غدّاروں کے ساتھ شامل ہو چکا ہے۔“

بدریہ کے مزید استفسار پر سلمان کو اپنی داستان کا باقی حصّہ سنانا پڑا۔ اختتام پر بدریہ نے کہا۔ ”سعید بے ہوشی کی حالت میں عاتکہ کو بھی دو مرتبہ آوازیں دے چکا ہے۔ اگر صبح تک اس کی حالت یہی رہی تو ہو سکتا

ہے کہ اس کو یہاں بلانے کی ضرورت پیش آ جائے۔ لیکن اگر اس کا چچا غدّاروں کے ساتھ مل چکا ہے تو اس کے لیے گھر سے جانا آسان نہ ہو گا۔"

سلمان نے کہا۔ "اگر سعید کی موجودہ حالت کے پیشِ نظر آپ اسے یہاں بلانے کی ضرورت محسوس کرتی ہیں تو ہمیں وقت ضائع نہیں کرنا چاہیے۔ ایک یا دو دن بعد آس پاس کے سارے علاقے میں حکومت کے جاسوس پھیل جائیں گے۔"

"حکومت کے جاسوس اس گھر میں قدم رکھنے کی جرأت نہیں کر سکتے اور انہیں یہ معلوم بھی نہیں ہو سکتا کہ سعید زخمی ہے۔ ولید کے فوراً غرناطہ جانے کا مقصد بھی یہی ہے کہ غدّاروں کی توجہ اس علاقے کی بجائے غرناطہ کی طرف مبذول رکھی جائے۔"

سلمان نے کہا۔ "اگر آپ اجازت دیں تو میں ابھی وہاں جانے کے لیے تیار ہوں۔"

"نہیں۔ اس وقت آپ نہیں جا سکتے۔ ممکن ہے کہ صبح تک زخمی کی حالت

بہتر ہو جائے اور ہم اس لڑکی کو پریشان کرنے کی بجائے کوئی تسلّی بخش پیغام دے سکیں۔"

وہ کچھ دیر خاموش رہے پھر بدریہ نے کہا۔ "کل میری بیٹی بہت خوش تھی۔ اس نے آپ کو دیکھتے ہی مجھے یہ پیغام دیا تھا کہ ایک مجاہد غرناطہ گیا ہے اور واپسی پر ہمارے ہاں مہمان ہو گا۔ وہ آپ کی آمد سے قبل سو گئی تھی۔ ورنہ صبح تک آپ سے باتیں کرتی۔"

"اسماء میری میزبانی پر مصر تھی اور میں نے محض اس کی دلجوئی کے لیے جو وعدہ کیا تھا وہ اب ایسے حالات میں پورا کر رہا ہوں جو مجھے بھیانک سپنا محسوس ہوتے ہیں۔"

بدریہ نے کہا۔ "آپ کو معلوم ہے کہ میں سعید کی طرح آپ کے متعلق بھی سخت فکر مند ہوں۔ اگر غدّاروں کے دل میں یہ شبہ پیدا ہو گیا کہ کوئی بربر یا ترک حامد بن زہرہ کے ساتھ ہے تو وہ آپ کو گرفتار کر کے دشمن کے حوالے کرنے سے دریغ نہیں کریں گے۔ اگر جانے سے پہلے غرناطہ

کے بعض رہنماؤں سے آپ کی ملاقات ضروری نہ ہوتی تو میں یہ مشورہ دیتی کہ آپ کو اسی وقت روانہ ہو جانا چاہیے۔ اب اس گھر میں کسی کو معلوم نہیں ہونا چاہیے کہ آپ کا ترکوں کے ساتھ کیا تعلق ہے۔ اگر کوئی پوچھے تو آپ اسے یہ کہ کر ٹال دیں کہ آپ اندراش سے آئے ہیں اور میرے شوہر کے عم زاد ہیں۔ میرے شوہر کا نام عبدالجبار تھا۔"

سلمان نے کہا۔ "میں قسطنطنیہ کی بحری درسگاہ میں تعلیم حاصل کر رہا تھا تو میں اکثر اس قسم کے خواب دیکھا کرتا تھا کہ میں ایک جنگی جہاز کا کپتان ہوں اور اندلس کے ساحل پر دشمن کے قلعے پر گولہ باری کر رہا ہوں لیکن اب مجھے ایسا محسوس ہوتا ہے کہ قدرت نے اچانک مجھے ایک ایسے راستے پر ڈال دیا ہے جو میرے لیے بالکل نیا ہے۔ میں ایسے کام کے لیے موزوں نہیں تھا اس کے لیے زیادہ ہوشیار آدمی کی ضرورت تھی۔ بہرحال میں کوشش کروں گا کہ میرے یہاں ٹھہرنے سے اگر غرناطہ کے حریت پسندوں کو کوئی فائدہ نہ ہو تو انہیں کوئی نقصان بھی نہ پہنچے۔"

بدریہ نے کہا۔ "آپ کی آمد سے تھوڑی دیر پہلے ولید کہ رہا تھا کہ خالد بن

زہرہ کا خون بہانے والوں نے ہم پر اللہ کی رحمت کے دروازے بند کر دیے ہیں۔ غرناطہ میں ان کی تقریر اس قوم کے ضمیر کی آخری چیخ تھی جو برسوں سے ہلاکت اور تباہی کے طوفانوں کو آواز دے رہی تھی۔ اب ہمیں سلامتی کا راستہ کون دکھائے گا! پھر جب اس نے بتایا کہ آپ ترکوں کی بحری فوج سے تعلق رکھتے ہیں تو میں نے اچانک محسوس کیا کہ ہم تنہا نہیں ہیں۔ میں اہل غرناطہ کے متعلق مایوس ہو سکتی ہوں لیکن مجھے ترکوں سے مایوس نہیں ہونا چاہیے۔ میں محمد بن فاتح کے جانشین کا دامن پکڑ کر کہہ سکتی ہوں کہ اب میری عزّت اور آزادی کے محافظ تم ہو۔ اب اگر آپ کو ترکی کے امیر البحر نے بھیجا ہے تو یہ اس بات کا ثبوت ہے کہ وہ ہمارے حال سے غافل نہیں ہیں۔"

سلمان نے کہا۔ "کاش مجھے ترکوں کی طرف سے کوئی اعلان کرنے کا اختیار حاصل ہوتا۔ امیر البحر کمال رئیس کو یہ تشویش نہیں تھی کہ متارکہ جنگ کا معاہدہ ہتھیار ڈال دینے کا پیش خیمہ نہ ہو اور انہیں اس بات کی امید تھی کہ اگر حامد بن زہرہ ان کے حوصلے جگا سکا تو ترک ان کی جنگ کو خاموش

تماشائی کی حیثیت سے نہیں دیکھیں گے۔ اب ہمیں یہ دعا کرنی چاہیے کہ اہلِ غرناطہ قبل از وقت خود کُشی کا فیصلہ نہ کرلیں۔ آپ دعا کریں کہ حامد بن زہرہ نے عوام کے دلوں میں جو جذبات بھڑکائے ہیں وہ سرد نہ ہو جائیں؟"

بدریہ کے چہرے پر اچانک اداسی چھا گئی۔ اس نے کہا۔ "جب قوم کے اکابر نفاق اور گمراہی کا راستہ اختیار کرلیں اور جب فاسق اور فاجر لوگ قوم کی قسمت کے امین بن جائیں تو عوام کیا کر سکتے ہیں۔ مجھے ان کے متعلق بھی کوئی خوش فہمی نہیں رہی۔ وہ حامد بن زہرہ کے گرد اس لیے جمع نہیں ہوئے تھے کہ ان کے سینے زندگی کے حوصلوں اور آزادی کے ولولوں سے لبریز تھے بلکہ بھیڑوں کے گلے کو موت کے خوف نے تھوڑی سی کے لیے ان کے گرد جمع کر دیا تھا۔ اب جب وہ یہ سنیں گے کہ آزادی کی راہ میں خون کے چراغ جلانے کی دعوت دینے والا دوبارہ ان کے پاس نہیں آئے گا تو ان میں سے اکثر اپنے دل میں یہ اطمینان محسوس کریں گے کہ وہ مزید قربانیوں سے بچ گئے ہیں۔ میں آپ کو مایوس نہیں کرنا

چاہتی لیکن کاش اہل غرناطہ کے متعلق میں آپ کو کوئی بہتر رائے دے سکتی۔ میں نے سولہ سال کی عمر میں غرناطہ کی جنگ آزادی میں حصّہ لینا شروع کیا تھا۔ میں کئی معرکوں میں زخمی ہونے والوں کی مرہم پٹی کر چکی ہوں۔ میں ان مجاہدوں کو دیکھ چکی ہوں۔ ان کا عزم ویقین نصرت و فتح کا ضامن سمجھا جاتا تھا۔ جن کی آواز سن کر بکریوں میں شیروں کے حوصلے پیدا ہو جایا کرتے تھے۔ میرا اپنا رفیقِ حیات ان میں سے ایک تھا۔ وہ اس گاؤں کا رئیس تھا اور موسیٰ بن ابی غسان کے دوش بدوش کئی معرکوں میں حصّہ لے چکا تھا۔ اس کے جسم پر پرانے زخموں کے گیارہ نشان موجود تھے۔ وہ ان ہزاروں مجاہدوں میں سے ایک تھا جن کے نام سے دشمن کے دل دہل جاتے تھے۔ اگر اس وقت کوئی یہ کہتا کہ ان غیور اور بہادر انسانوں کے ایثار و خلوص اور عزم و ہمّت کے باوجود کسی دن ہماری عظیم فتوحات بدترین شکستوں میں بدل جائیں گی تو میں اور میری طرح اندلس کی ہر بیٹی اس کا منہ نوچنے کے لیے تیار ہو جاتی۔ لیکن ہمارے لیے اندرونی غدّار، نااہل حکمران اور سازشی امرا و بیرونی دشمنوں سے زیادہ خطرناک ثابت ہوئے اور آج یہ حالت ہے کہ قوم کا با اثر طبقہ غلامی کا درس دینے

والوں کی بجائے جہاد کا راستہ دکھانے والوں کو اپنا دشمن سمجھتا ہے۔ مجھے ڈر ہے کہ حامد بن زہرہ کے قتل کی خبر ملتے ہی عوام کے حوصلے ٹوٹ جائیں گے اور ملّت کے غدّار اس بات پر خوشیاں منائیں گے کہ انہیں جنگ کے مصائب سے ہمیشہ کے لیے نجات مل گئی ہے۔ انہوں نے دشمن سے وطن کی آزادی کا سودا کر کے اپنی جائدادیں اپنے باغات اور اپنے کھیت بچا لیے ہیں۔ وہ حامد بن زہرہ کے متعلق لوگوں کو یہ سمجھائیں گے کہ وہ ایک شر پسند باغی تھا اور اپنی انا کی تسکین کے لیے قوم کو تباہی کے راستے پر ڈالنا چاہتا تھا۔"

سلمان نے کہا۔ "مجھے آپ کے نوکروں سے یہ معلوم ہوا تھا کہ آپ صرف چند دن قبل اپنے اجڑے ہوئے گھر میں واپس آئی ہیں۔ کیا ایسے غیر یقینی حالات میں یہ بہتر نہ تھا کہ آپ یہاں سے دور رہتیں۔"

بدریہ نے جواب دیا۔ "میں اس وقت یہاں سے گئی تھی جب کہ عورتوں اور بچوں کا یہاں ٹھہرنا ناممکن ہو گیا تھا۔ اگر صرف اپنی جان بچانے کا مسئلہ ہوتا تو میں ہر صورت میں اپنے شوہر کے ساتھ رہتی لیکن اگر اس

گھر میں چالیس سے زیادہ زخمی اور بیمار پڑے ہوئے تھے۔ غرناطہ میں قحط پڑا ہوا تھا اور تمام شفاخانے زخمیوں سے بھرے ہوئے تھے۔ جب میرے شوہر نے مجھے زخمیوں کے ساتھ جانے کا حکم دیا تو میں انکار نہ کر سکی۔ اس نے وعدہ کیا تھا کہ جب اس کی بستی کی حفاظت ناممکن ہو جائے گی تو میں بچے کھچے آدمیوں کو لے کر تمہارے پاس پہنچ جاؤں گا لیکن میرا دل اس وقت بھی یہی گواہی دیتا تھا کہ یہ ہماری آخری ملاقات ہے۔ ہم نے اندراش کے قریب پناہ لی تھی۔ وہاں میرے شوہر کے ماموں کا خاندان آباد ہے۔

جب اس گاؤں پر دشمن نے قبضہ کر لیا تو چند پناہ گزین وہاں پہنچے۔ ان سے مجھے معلوم ہوا کہ وہ شہید ہو چکے ہیں۔ انہیں مکان کی پچھلی طرف دفن کر دیا گیا تھا۔

متارکہ جنگ کے بعد ہمارے لیے صرف دو راستے تھے۔ ایک یہ کہ ہم اندلس کو ہمیشہ کے لیے خیر باد کہہ کر مراکش الجزائر یا تیونس کا رُخ کریں اور دوسرا یہ کہ ہم ان لاکھوں انسانوں کے ساتھ رہیں جو اس خطۂ زمین

سے باہر اپنے لیے کسی مستقبل کا تصور نہیں کر سکتے۔ میں ان بیواؤں اور یتیموں کے ساتھ رہنا چاہتی ہوں جن کے بھائی، شوہر اور باپ میرے شوہر کے ساتھ شہید ہوئے ہیں۔"

وہ کچھ دیر آپس میں باتیں کرتے رہے۔ بالآخر بدریہ نے کہا۔ "معاف کیجیے۔ آپ سے باتیں کرتے ہوئے مجھے وقت کا احساس نہیں ہوا۔ آپ کو آرام کی ضرورت ہے۔"

سلمان نے جواب دیا۔ "آپ میری فکر نہ کریں۔ مجھے سونے کی بجائے سعید کی تیمارداری میں زیادہ آرام ملے گا۔"

"سعید کی تیمارداری کے لیے میرے علاوہ خادمہ اور دو نوکر موجود ہیں۔ آپ کو کچھ دیر سو لینا چاہیے۔ ممکن ہے کہ آپ کو اچانک سفر کرنے کی ضرورت پیش آجائے؟"

بدریہ نے یہ کہہ کر خادمہ کو آواز دی۔ خادمہ کمرے کی طرف سے کمرے میں داخل ہوئی اور ساتھ ہی برابر والے کمرے سے اسماء کی

آوازیں سنائی دینے لگیں۔ ”بیٹی! میں یہاں ہوں۔ ابھی صبح ہونے میں بہت دیر ہے۔ تم آرام سے بستر پر لیٹی رہو۔ میں ابھی آتی ہوں۔“

اسماء آنکھیں ملتی ہوئی کمرے میں داخل ہوئی۔ چند ثانیے حیرت زدہ ہو کر سلمان کی طرف دیکھتی رہی۔ پھر اچانک آگے بڑھی اور قریب آ کر بولی۔ ”آپ زخمی تو نہیں ہیں نا؟“

”بالکل ٹھیک ہوں۔“ سلمان نے اس کے سر پر ہاتھ رکھتے ہوئے جواب دیا۔

”میں نے امّی جان سے کہا تھا کہ آپ ضرور آئیں گے اور یہ میرا مذاق اُڑائی تھیں۔ میں سارا دن آپ کا انتظار کرتی رہی۔ جب بارش شروع ہو گئی تو میں نے سمجھا اب آپ نہیں آئیں گے۔ پھر ماموں ولید آئے تو میں نے سمجھا شاید آپ آ گئے ہیں۔“

”بیٹی! یہ باتوں کا وقت نہیں۔ انہیں آرام کی ضرورت ہے اور تم جا کر ابھی سو جاؤ۔“

بدریہ یہ کہہ کر خادمہ سے مخاطب ہوئی۔ ”تم انہیں مہمان خانے میں لے جاؤ۔“

سلمان نے اُٹھ کر کہا۔ ”نہیں، انہیں تکلیف دینے کی ضرورت نہیں۔“

تھوڑی دیر بعد وہ اپنے کمرے میں داخل ہوا تو وہاں آگ جل رہی تھی اور مسعود آتشدان کے سامنے بیٹھا اس کا چغہ سکھا رہا تھا۔ وہ اسے دیکھتے ہی اٹھا اور چغے کو کھونٹے پر لٹکاتے ہوئے بولا۔ ”یہ اب جلدی سوکھ جائے گا۔ ولید نے تاکید کی تھی کہ آپ کو مہمان خانے سے باہر نہیں نکلنا چاہیے۔ آپ کو کسی چیز کی ضرورت ہے؟“

”نہیں۔ تم جا کر آرام کرو۔“

مسعود نے چند لکڑیاں اُٹھا کر آتشدان میں ڈال دیں اور کمرے سے نکل گیا۔

باپ اور بیٹا

وزیر ابو القاسم کی قیام گاہ پر ہاشم کی بے بسی اور بے چارگی میں ہر لمحہ اضافہ ہو رہا تھا۔ اس نے متعدد بار محل سے باہر نکلنے کی کوشش کی لیکن پہرے داروں اور نوکروں کے طرزِ عمل نے اس پر یہ حقیقت واضح کر دی تھی کہ اس کی حیثیت ایک قیدی سے زیادہ نہیں۔ وہ انہیں دھمکیاں اور گالیاں دے چکا تھا اور طیش میں آ کر ایک ملازم کے منہ پر تھپڑ مار چکا تھا۔ سلطان ابو عبداللہ اور وزیر ابو القاسم کو غدّار اور ملّت فروش کہہ چکا تھا لیکن محل کے ملازم اور پہرے دار اس کے سب حشم اور غم و غصہ سے قطعاً بے نیاز تھے۔ وہ بظاہر اس کے ساتھ انتہائی احترام سے پیش آتے لیکن کمرے کے دروازے سے ننگی تلواروں کا پہرہ ہٹانے کے لیے بالکل

تیار نہ تھے۔

پہرے داروں کے پاس اس کے تمام سوالات کا ایک ہی جواب تھا:

”وزیر اعظم آپ کو یہاں ٹھہرانے کا حکم دے گئے ہیں وہ فرماتے ہیں کہ آپ کا باہر نکلنا خطرناک ہے۔ اس لیے میری واپسی تک آپ کو روکا جائے۔ اب اگر آپ باہر نکل جائیں اور راستے میں آپ کو کوئی حادثہ پیش آجائے تو وہ ہماری کھالیں کھنچوادیں گے۔ ہمیں حکم ہے کہ آپ کو کوئی تکلیف نہ دی جائے لیکن ہمیں یہ بھی ہدایت کی گئی ہے کہ اگر آپ باہر نکلنے کی کوشش کریں تو آپ کو گرفتار کرنے سے بھی دریغ نہ کیا جائے۔“

ہاشم نے وزیر اعظم کے گھر کا کھانا کھانے سے انکار کر دیا تھا۔ دوپہر کے وقت اس نے سردی کا بہانہ کر کے باہر دھوپ میں بیٹھنے کی خواہش کی تو مسلح آدمی اسے صحن میں لے گئے۔ قریباً ایک ساعت وہ آنکھیں بند کیے دھوپ میں بے سدھ بیٹھا رہا اور پھر اچانک اُٹھ کر صحن کی طرف بڑھا۔ لیکن وہ ڈیوڑھی سے پچاس قدم دور تھا کہ پہرے داروں نے بھاگ کر

اسے گھیر لیا اور زبردستی ایک کمرے میں بند کر دیا۔ اب وہ ایک بھوکے جانور کی طرح اس کمرے میں ٹہل رہا تھا۔ ہاشم یہ جاننے کے لیے بے قرار تھا کہ غرناطہ میں کیا ہو رہا ہے۔ اس نے آنے جانے والوں کے قدموں کی آہٹ سن کر انہیں آوازیں دیں لیکن وہ اس سے قطعاً بے نیاز ہو چکے تھے۔ رنج و غم سے نڈھال ہو کر اس نے اپنے آپ کو بستر پر گرا دیا۔

☆☆☆

رات ایک پہر گزر چکی تھی کہ کمرے کا دروازہ کھلا ایک افسر اور دو ملازم کمرے میں داخل ہوئے۔ ایک نوکر نے مشعل کی لو سے کمرے کا چراغ جلا دیا۔ ہاشم نے ملتجی ہو کر کہا۔

”خدا کے لیے مجھے بتاؤ کہ میں کب تک تمہاری قید میں ہوں۔ شہر میں کیا ہو رہا ہے اور ابو القاسم کہاں ہے؟“

افسر نے جواب دیا۔ ”شہر میں بدامنی بلکہ بغاوت کا خطرہ ہے اور وزیر

اعظم دوستوں کو اس افراتفری سے دور رکھنا چاہتے ہیں۔ آپ کو پریشان نہیں ہونا چاہیے۔ ہمیں یقین ہے کہ شہر کی فضا بہت جلد ٹھیک ہو جائے گی۔ اب اگر آپ اجازت دیں تو آپ کے لیے کھانا منگوایا جائے۔"

ہاشم نے تلملا کر کہا۔ "کیا یہ نہیں ہو سکتا کہ تم مجھے زہر مہیا کر دو۔"

"معاف کیجیے! ہم اس سوال کا جواب نہیں دے سکتے۔" افسر نے مڑتے ہوئے کہا۔

ہاشم چلایا۔ "خدا کے لیے ٹھہریے۔"

وہ رُک کر ہاشم کی طرف دیکھنے لگا۔ ہاشم نے قدرے توقّف کے بعد کہا۔ "میں حامد بن زہرہ کے متعلق پوچھنا چاہتا ہوں۔ کیا ابو القاسم اس کی گرفتاری یا قتل کا حکم دے چکے ہیں؟"

افسر نے جواب دیا۔ "وزیر اعظم کو اس کے متعلق کوئی حکم دینے کی ضرورت نہیں۔ اس کا معاملہ ان لاکھوں انسانوں کے ساتھ ہے جو غرناطہ میں امن چاہتے ہیں۔ اور اس سے نجات حاصل کرنا ان لوگوں کا اوّلین

فرض ہے جن کے بھائی، عزیز اور دوست یرغمال کے طور پر دشمن کے پاس قید ہیں۔ میرا بیٹا بھی ان میں سے ایک ہے اور میں نے سنا ہے کہ آپ کے دو بیٹے بھی یرغمال بنائے جا چکے ہیں۔ مجھے یہ بھی معلوم ہے کہ آپ نے غرناطہ کو اس کے شر سے بچانے کی ذمہ داری قبول کی تھی۔"

ہاشم کرب کی حالت میں چلایا۔ "میں اس شرمناک سازش سے دور رہنا چاہتا ہوں۔ کسی برائی سے کنارہ کش ہونے، کسی گناہ سے توبہ کرنے یا کسی غلط راستے کی بجائے صحیح راستہ اختیار کرنے کا حق رکھتا ہوں اور ابو القاسم مجھے اس حق سے محروم نہیں کر سکتا۔"

"اگر آپ کے خیال میں صحیح راستہ یہی ہے کہ غرناطہ کو پھر ایک بار جنگ کی آگ میں جھونک دیا جائے تو اہلِ غرناطہ کو ایک ایسے آدمی کے شر سے محفوظ رکھنا ہماری پہلی اور سب سے بڑی ذمہ داری ہے جس کی باتوں سے آپ جیسے سنجیدہ لوگ بھی متاثر ہو چکے ہیں۔ میں آپ سے وعدہ کرتا ہوں کہ حامد بن زہرہ کا سحر بہت جلد ٹوٹ جائے گا۔"

یہ کہہ کر افسر اور اس کے ساتھی کمرے سے باہر نکل گئے اور ہاشم دیر تک بے حس و حرکت کھڑا رہا۔ اس کے ذہن میں کئی خیالات آ رہے تھے۔

☆☆☆

ہاشم نے سلطنتِ غرناطہ کے مستقبل سے مایوس ہو جانے کے بعد ابو القاسم سے تعاون کیا تھا اور اپنے ضمیر کو مطمئن کرنے کے لیے اس کے پاس سب سے بڑی دلیل تھی کہ حامد بن زہرہ یا تو کسی حادثے کا شکار ہو گیا تھا یا غرناطہ کے حالات سے اس قدر بد دل اور بیرونی اعانت کے متعلق اس قدر مایوس ہو چکا ہے کہ اس نے واپس آنا پسند نہیں کیا۔ لیکن گزشتہ رات حامد بن زہرہ سے غیر متوقع ملاقات نے اس کی امیدوں کے بجھتے ہوئے چراغ دوبارہ روشن کر دیے تھے۔ حامد بن زہرہ نے کہا تھا کہ اگر اہلِ غرناطہ صرف چند ماہ اور دشمن کو دارالحکومت کے باہر روک لیں تو ترک انہیں مایوس نہیں کریں گے۔ لیکن اگر وہ غلامی پر رضامند ہو گئے تو باہر سے کوئی طاقت ان کے سیاسی گناہوں کا کفّارہ ادا کرنے کے لیے نہیں آئے گی۔

جب ہاشم، حامد بن زہرہ کو غرناطہ جانے سے روکنے کے لیے وہاں کے باشندوں کی مایوسی اور بے بسی کا نقشہ کھینچ رہا تھا تو اس کے ذہن پر یہ خوف سوار تھا کہ اگر وہ عوام کو مشتعل کرنے میں کامیاب ہو گئے اور جنگ دوبارہ چھڑ گئی تو اسے فتح و شکست سے بے پروا ہو کر اس کا ساتھ دینا پڑے گا اور اس کا پہلا نتیجہ یہ ہو گا کہ جن لوگوں کو یرغمال کے طور پر فرڈنینڈ کے حوالے کیا جا چکا ہے وہ دشمن کے انتقام کا پہلا نشانہ بنیں گے۔ اولاد کی محبت نے اسے ابو القاسم کے پاس جانے پر مجبور کر دیا تھا۔ تاہم اس سے التجا کرتے ہوئے بھی وہ اپنے ضمیر کو تسلّی دے رہا تھا کہ اگر حامد بن زہرہ اہلِ غرناطہ کی غیرت بیدار کرنے میں کامیاب ہو گیا اور میرے بیٹے دشمن کے قبضے سے نکل آئے تو میں انہیں آزادی کا پرچم بلند کرنے والوں کی اگلی صف میں دیکھنا چاہتا ہوں۔۔۔۔" ابو القاسم کے طرزِ عمل نے اس کے اونگھتے ہوئے ضمیر کے لیے ایک تازیانے کا کام کیا تھا۔

وہ بار بار اپنے دل میں کہہ رہا تھا۔ "حامد بن زہرہ اس وقت آیا ہے جب کہ قوم زہر کا پیالہ حلق سے اتار چکی ہے۔ کاش وہ ہفتہ پہلے آ جاتا اور ہم قوم

کے قاتلوں سے اپنا مستقبل وابستہ کرنے کی ذلّت سے بچ جاتے۔ کیا میرے لیے حامد بن زہرہ کی رفاقت میں مرنا، ابو القاسم اور ابو عبداللہ جیسے ملّت فروشوں کے ساتھ زندہ رہنے سے بہتر نہیں تھا۔ عمیر یقیناً اس بات سے خوش ہو گا کہ ابو عبداللہ اور ابو القاسم کی خوشنودی حاصل کر کے ہم نے اپنے خاندان کو مستقبل کے خطرات سے بچا لیا ہے۔ ان کی بدولت فرڈنینڈ ہمیں بہتر سلوک کا مستحق سمجھے گا اور سلمٰی بھی اپنے دو بیٹوں کی رہائی کے بعد خوش ہو جائے گی لیکن اگر حامد بن زہرہ کے خدشات درست ثابت ہوئے۔ اور نصرانیوں نے اہلِ غرناطہ کے ساتھ وہی وحشیانہ سلوک کیا جو اس سے قبل وہ دوسری مفتوحہ ریاستوں کے مسلمانوں کے ساتھ کر چکے ہیں تو آئندہ نسلیں میرے متعلق کیا کہیں گی۔

میں ابو القاسم کے پاس کیوں آیا؟ مجھے حامد بن زہرہ کے ساتھ رہنا چاہیے تھا۔ میں نے اپنے بیٹوں کے لیے غلامی کی زندگی کی بجائے آزادی کی موت کی تمنّا کیوں نہ کی۔ کاش میں انہیں فرڈنینڈ کی قید میں جانے سے

روک سکتا۔ اب کیا ہو گا؟ اب میں کیا کر سکتا ہوں؟"

☆☆☆

ہاشم تھوڑی دیر کے لیے کرسی پر بیٹھ جاتا اور پھر اضطراب کی حالت میں اٹھ کر ٹہلنا شروع کر دیتا۔ آدھی رات کے قریب اچانک کمرے کا دروازہ کھلا۔ ایک پہریدار مشعل ہاتھ میں لیے اندر داخل ہوا اور اس نے کہا:

"وزیر سلطنت نے آپ کو یاد فرمایا ہے۔ انہوں نے یہ بھی کہا ہے کہ اگر آپ آرام کر رہے ہوں تو آپ کو تکلیف نہ دی جائے۔"

ہاشم خون کے گھونٹ پی کر رہ گیا اور کچھ کہے بغیر پہرے دار کے ساتھ چل پڑا۔ چند منٹوں کے بعد وہ ملاقات کے کمرے میں ابو القاسم کے سامنے کھڑا تھا۔ اس نے ایک نظر ہاشم کو دیکھا اور ہاتھ سے خالی کرسیوں کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا:

"تشریف رکھیے۔"

ہاشم بادل نخواستہ اس کے سامنے بیٹھ گیا۔

چند ثانیے وہ خاموشی سے ایک دوسرے کی طرف دیکھتے رہے۔ بالآخر ابو القاسم نے کہا: "مجھے افسوس ہے کہ آپ کو میری غیر حاضری میں تکلیف ہوئی۔ میں نے اپنے آدمیوں کو ہدایت کی تھی کہ آپ کو باہر نہ جانے دیں۔ مجھے اندیشہ ہے کہ آپ اگر ایک بار جنگ کے حامیوں کے نرغے میں آ گئے تو آپ کے لیے واپسی کا کوئی راستہ باقی نہیں رہے گا۔ کوئی عقلمند آدمی اپنے دوستوں سے محروم ہونا پسند نہیں کرتا۔ اگر میں آپ کو یہاں روکنے کی کوشش نہ کرتا تو شاید آج الحمراء کے دروازے پر مظاہرہ کرنے اور میرے خلاف نعرے لگانے والوں کے ہجوم میں آپ کی آواز سب سے بلند ہوتی۔"

ہاشم نے جواب دیا۔ "اگر اہل غرناطہ میں زندگی کی کوئی رمق باقی دیکھتا تو حامد بن زہرہ کو یہاں آنے سے منع کرنے کے بجائے اس کا ساتھ دیتا۔ پھر مجھے اس بات کی بھی پروانہ ہوتی کہ فرڈنینڈ میرے بیٹوں کے ساتھ کیا سلوک کرے گا۔ مگر آپ کو نعروں سے پریشان نہیں ہونا چاہیے۔ یہ ان

بے بس انسانوں کا آخری احتجاج ہے جو تباہی کے آخری کنارے پہنچ چکے ہیں۔ مجھے یقین ہے کہ غرناطہ کے گلی کوچوں میں بہت جلد قبرستانوں کے سنّاٹے چھا جائیں گے۔"

ابو القاسم نے کہا۔ "مجھے بتایا گیا ہے کہ آپ باہر نکلنے کے لیے سخت بے چین تھے؟"

"میں یہ جاننا چاہتا ہوں کہ آپ نے حامد بن زہرہ کے ساتھ کیا سلوک کیا ہے لیکن یہاں کوئی مجھ سے ہم کلام ہونے کے لیے تیار نہ تھا۔"

"ہم نے اس کے ساتھ بد سلوکی نہیں کی۔ وہ لوگوں کو مشتعل کرنے کے بعد شہر سے نکل گیا اور ہم نے اس کا راستہ روکنے کی بھی کوشش نہیں کی۔ ہماری اطلاعات یہ ہیں کہ وہ پہاڑی علاقوں کا دورہ کرے گا اور قبائل کو منظم کرنے کے بعد رضا کاروں کے دستے غرناطہ بھیجنا شروع کر دے گا۔"

ہاشم نے کہا۔ "جو قبائل مایوس ہو چکے ہیں انہیں دوبارہ آمادۂ جنگ کرنے

کے لیے پر جوش تقریریں کافی نہیں ہوں گی اور جو ابھی تک بر سرِ پیکار ہیں وہ اہلِ غرناطہ پر اعتماد کرنے کی بجائے پہاڑوں اور چٹانوں میں دشمن کا انتظار کرنا بہتر سمجھیں گے۔ جہاں ایک تیر انداز سو آدمیوں کا راستہ روک سکتا ہے۔ متارکہ جنگ کے بعد وہ ہم سے بہت دور جا چکے ہیں۔ حامد بن زہرہ اسی صورت میں کامیاب ہو سکتا ہے کہ ترک اور بربر بلا تاخیر ہماری مدد کے لیے پہنچ جائیں۔ وہ ترکوں کے جنگی بیڑے کی آمد کے متعلق پر امید ہے لیکن مجھے وہ یہ اطمینان نہیں دلا سکا کہ متارکہ جنگ کی مدّت ختم ہونے سے پہلے وہ ہماری مدد کو پہنچ جائیں گے۔"

ابو القاسم نے کہا۔ "حامد بن زہرہ اہلِ غرناطہ کو بھی کوئی تسلّی بخش پیغام نہ دے سکا۔ تاہم اس نے شہر کی ایک بڑی تعداد کو جنگ شروع کرنے پر آمادہ کر لیا ہے۔ ممکن ہے بعض قبائل بھی اس کی باتوں میں آجائیں اور وہ جنگل کی آگ بھڑکا کر دشمن کو قتل و غارت کا ایک اور موقع فراہم کر دے۔ اس کا مقدر بہر حال یہ ہے کہ ہم ہر حالت میں دشمن سے الجھ پڑیں۔ اسے قوم کے چار سو بیٹوں کی کوئی پروا نہیں جنہوں نے غرناطہ کو

تباہی سے بچانے کے لیے یر غمال بننا قبول کر لیا ہے۔ اس کے لیے یہ بات بھی کوئی اہمیت نہیں رکھتی کہ جب قبائل غرناطہ کا رُخ کریں گے تو دشمن کو دوبارہ شہر کی ناکہ بندی میں دیر نہیں لگے گی۔“

ہاشم نے کہا۔ ”آپ نے ان تمام خدشات کے باوجود اسے روکنے کی کوشش نہیں کی؟“

ابو القاسم نے جواب دیا۔ ”اسے روکنا تنہا میرا ہی مسئلہ نہیں۔ غرناطہ میں ہزاروں افراد ایسے ہیں جو جنگ دوبارہ شروع کرنے کے نتائج سوچ سکتے ہیں۔“

ہاشم چند ثانیے ابو القاسم کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر دیکھتا رہا۔ پھر اس نے کہا۔ ”اگر وہ اپنی مرضی سے کہیں گیا ہے تو اس کا مطلب یہ ہے کہ اس نے خود ہی آپ کی ساری پیشانی دور کر دی ہے۔“

”میں آپ کا مطلب نہیں سمجھا۔“

”میرا مطلب ہے کہ آپ غرناطہ کے اندر اس پر ہاتھ نہیں اٹھا سکتے تھے

لیکن غرناطہ کے باہر اس کی حفاظت کے سلسلہ میں آپ پر کوئی ذمہ داری عائد نہیں ہو گی۔۔۔۔ ابو القاسم! آپ مجھ سے کوئی بات چھپا رہے ہیں۔ میں یہ جاننا چاہتا ہوں کہ آپ نے اس کے ساتھ کیا سلوک کیا ہے؟"

ابو القاسم نے جواب دیا۔ "مجھے ایسا محسوس ہوتا ہے کہ آپ میری کسی بات پر یقین نہیں کریں گے۔ اس لیے بہتر ہو گا کہ آپ براہ راست ان لوگوں سے گفتگو کر لیں جو مجھ سے زیادہ جانتے ہیں۔"

"وہ کون ہیں؟"

ابو القاسم نے تالی بجاتے ہوئے کہا۔ "آپ کو ابھی معلوم ہو جائے گا۔"

ہاشم چند ثانیے اضطراب کی حالت میں اِدھر اُدھر دیکھتا رہا۔ پھر برابر کے کمرے سے قدموں کی آہٹ سنائی دی۔ دروازہ کھلا اور وہ سکتے کے عالم میں عمیر اور عتبہ کی طرف دیکھنے لگا۔

ابو القاسم نے کہا "عمیر! تمہارے والد حامد بن زہرہ کے متعلق پریشان تھے۔ تم انہیں تسلّی دے سکتے ہو؟"

عمیر نے باپ کی طرف دیکھا لیکن اسے زبان کھولنے کی جرأت نہیں ہوئی۔ عتبہ نے آگے بڑھ کر کہا۔ ”جناب عمیر کے بھائیوں کے متعلق آپ کی پریشانی دور ہو جانی چاہیے۔ حامد بن زہرہ نے غرناطہ میں جو آگ بھڑکائی تھی وہ ہمیشہ کے لیے بجھ چکی ہے۔ اب لوگ ان جنونیوں کی باتیں نہیں سنیں گے جو اس عظیم شہر کو قبرستان بنانا چاہتے ہیں اور آپ کو بھی قبائل کے پاس جانے کی ضرورت پیش نہیں آئے گی۔“

ہاشم نے ڈوبتی ہوئی آواز میں کہا۔ ”تم اسے قتل کر چکے ہو؟“

عتبہ جواب دینے کی بجائے ابو القاسم کی طرف دیکھنے لگا۔ ہاشم کے کرب کی حالت میں اپنے بیٹے کی طرف دیکھا اور پوری قوّت سے چلّایا۔

”عمیر! میں تم سے پوچھتا ہوں خدا کے لیے مجھے بتاؤ کہ تم اس سازش میں شریک نہیں تھے۔ تمہارے ہاتھ حامد بن زہرہ کے خون سے داغ دار نہیں ہوئے۔ میں موت سے پہلے یہ سننا چاہتا ہوں کہ غلامی کی ذلّت اور رسوائی قبول کر لینے کے باوجود میرے خاندان نے قوم کے خلاف اس

آخری گناہ میں حصہ نہیں لیا۔ تم خاموش کیوں ہو؟"

ابو القاسم نے کہا۔ "ہاشم! میں تمہارے جذبات کا احترام کرتا ہوں۔ اگر تم حامد بن زہرہ کے دوست تھے تو ہم اس کے دشمن نہیں ہیں۔ لیکن مجھے اس بات کا بھی یقین نہیں آئے گا کہ تم ایک سر پھرے آدمی کے جذبات کی تسکین کے لیے غرناطہ کی مزید تباہی گوارا کر چکے ہو۔ تم اس حقیقت کا اعتراف کر چکے ہو کہ ہم جنگ ہار چکے ہیں۔ تم یہ بھی جانتے ہو کہ اہلِ غرناطہ کا جوش و خروش نعروں اور مظاہروں سے آئے نہیں بڑھے گا اور باہر کے قبائل میں زیادہ تعداد ان لوگوں کی ہے جو بد دل اور مایوس ہو چکے ہیں اور چند سر پھرے جو ابھی تک برسرِ پیکار ہیں اب اہلِ غرناطہ کی مدد کے لیے اپنی پناہ گاہوں سے باہر آنا پسند نہیں کریں گے۔ ایک محدود علاقے میں مقامی نوعیت کی لڑائیاں فرڈنینڈ کے لیے کسی پریشانی کا باعث نہیں ہو سکتیں۔ اندلس کے زرخیز علاقوں، اہم شہروں اور بندرگاہوں پر قبضہ کرنے کے بعد وہ آخری ضرب لگانے کے لیے اطمینان سے موزوں وقت کا انتظار کر سکتا ہے۔ جب ان سر پھروں کے خون کا آخری قطرہ بہہ

چکا ہو گا تو اس کی افواج کسی مزاحمت کا سامنا کیے بغیر ان درّوں اور گھاٹیوں میں پھیل جائیں گی جنہیں لوگ ناقابلِ تسخیر سمجھتے ہیں۔ حامد بن زہرنے اچانک یہ خطرہ پیدا کر دیا تھا کہ امن پسند قبائل بھی از سرِ نو جنگ کی آگ میں کود پڑیں اور فرڈنینڈ اس انتقامی کارروائی پر مجبور ہو جائے جس کے خوف سے ہم متارکہ جنگ کے لیے مجبور ہو گئے تھے۔ ہاشم! تم اپنے لڑکوں کو ہلاکت میں ڈال سکتے ہو لیکن دوسروں کے بیٹوں اور بھائیوں کی زندگی خطرے میں ڈالنے کا حق نہیں رکھتے۔ تم لاکھوں انسانوں سے اس شکست اس بے بسی اور مایوسی کے باوجود زندہ رہنے کا حق نہیں چھین سکتے۔ عمیر نے صرف زندہ رہنے کی خواہش کے عملی اظہار کے سوا کوئی جرم نہیں کیا۔"

ہاشم نے لرزتی ہوئی آواز میں کہا۔ "ان لاکھوں انسانوں کی شکست بے بسی اور مایوسی ان غدّاروں کی سازشوں کا نتیجہ ہے جنہوں نے ہمارے ماضی کی ساری عظمتیں اپنے پاؤں تلے روند ڈالی تھیں اور مستقبل کی اُمّیدوں کے سارے چراغ بجھا دیے تھے۔ حامد بن زہرہ قوم کے سامنے ان عیاش اور

بے غیرت حکمرانوں کے گناہوں کا کفّارہ ادا کرنے کی دعوت لے کر آیا تھا جنھوں نے اپنے اقتدار کے لیے ملک کا مستقبل داؤ پر لگا دیا تھا۔ ابو القاسم! تم یہ کہہ سکتے ہو کہ وہ ایک سر پھرا تھا اور ان حالات میں اس سے کسی معجزے کی توقع ایک دیوانگی تھی لیکن تم یہ کہنے کا حق نہیں رکھتے کہ اب قوم ذلّت کی زندگی پر رضامند ہو چکی ہے۔ اس لیے حامد بن زہرہ کو عزّت کا راستہ دکھانے کا کوئی حق نہ تھا اور چونکہ لاکھوں انسان ظلم اور وحشت کے خلاف لڑنے کے حق سے ہمیشہ کے لیے دستبردار ہو چکے ہیں۔ اس لیے وہ عظیم انسان واجب القتل تھا جسے اس حق سے دست بردار ہونا پسند نہ تھا۔ چونکہ ذلّت اور رسوائی کی زندگی ہمارا مقدر بن چکی ہے اس لیے آزادی کی زندگی یا غیرت کی موت کا راستہ دکھانے والے مجرم ہیں۔ حامد بن زہرہ ان نیک نیت لوگوں کے ضمیر کی آواز تھا جنہیں بدترین مصائب بھی اللہ کی رحمت سے مایوس نہیں کرتے۔ اگر ہم اس کا ساتھ دینے سے انکار کر دیتے اور اس سے یہ کہتے کہ ہم دشمن کی غلامی پر رضامند ہو چکے ہیں اور صرف زندہ رہنے کے لیے ہر ذلّت اور رسوائی برداشت کرنے لیے تیار ہیں تو دنیا ہمیں بزدل اور بے غیرت ہونے کا

طعنہ دیتی رہتی۔ پھر بھی ہم اس امّید پر زندہ رہتے کہ موجودہ دور کے اندھیرے دائمی نہیں ہیں۔ ہمیں دوبارہ اٹھنے اور سنبھلنے کے لیے موزوں حالات کا انتظار رہتا۔ ہم مایوسی کے اندھیروں میں ان رہنماؤں کا انتظار کرتے جو بھٹکے ہوئے قافلوں کے لیے روشنی کا مینار بن جاتے ہیں اور جن کی آواز سے مردہ رگوں میں خون کی گردش تیز ہو جاتی ہے۔ اگر حامد بن زہرہ کو اپنے مقاصد میں کوئی کامیابی نہ ہوتی تو بھی یہ امّید باقی رہتی کہ اس سے بہتر دیکھنے اور سمجھنے والے اس سے زیادہ عزم و یقین کے ساتھ ابھریں گے اور ہماری آئندہ نسلیں ان کے ضمیر کی روشنی اور بقا اور سلامتی کے راستے دیکھیں گی۔ لیکن حامد بن زہرہ کا قتل اس بات کا ثبوت ہو گا کہ ہم نے اپنے دائمی اندھیروں کے ساتھ صرف اپنا نہیں بلکہ اپنی آئندہ نسلوں کے مستقبل کا بھی رشتہ جوڑ لیا ہے۔ اب اس ظلمت کدہ میں کبھی روشنی نہیں ہو گی۔ ہم اس تاریک رات کے مسافر ہوں گے جس کا دامن مہ و انجم کی ضیا پاشیوں سے خالی ہو گا۔ اب کوئی سر پھرا حامد بن زہرہ کے نقش قدم پر چلنے کی جرأت نہیں کرے گا۔ وہ اس بدنصیب قوم کی رگوں میں زندگی کے خون کا آخری قطرہ تھا اور جس زمین سے یہ

خون گرا ہے وہ شاید قیامت تک ہماری بے حسی کا ماتم کرتی رہے گی۔“

ابو القاسم کی قوّت برداشت جواب دے چکی تھی۔ اس نے اپنے ہونٹ کاٹتے ہوئے کہا۔ ”ہاشم غرناطہ کو مزید تباہی سے بچانا کوئی جرم تھا تو اس کی ذمہ داری تنہا میری ذات پر نہیں۔ تم نے خود اس حقیقت کا اعتراف کیا تھا کہ اب ہم دوبارہ جنگ شروع کرنے کے قابل نہیں رہے۔ اس لیے اگر حامد بن زہرہ واپس آ گیا تو بھی اسے اشتعال انگیزی کا موقع دینا ایک غلطی ہو گی۔ تم نے اس بات کی ذمہ داری قبول کی تھی کہ تم قبائل کو اس کا ساتھ دینے سے منع کرو گے۔ اب تم صرف اس خوف سے اپنا مؤقف تبدیل کر رہے ہو کہ تمہیں لوگوں کے سامنے رسوائی کا ڈر ہے۔ لیکن میرے خلاف زبان کھولنے سے پہلے یہ اچھی طرح سوچ لو کہ تمہارا بیٹا براہ راست اس جرم میں حصّہ دار بن چکا ہے۔ تم زیادہ سے زیادہ دو دن کے لیے لوگوں کو میرے خلاف مشتعل کر سکو گے۔ لیکن وہ بااثر لوگ جن کے بیٹے دشمن کے پاس یرغمال ہیں تمہاری تائید نہیں کریں گے۔ وہ تمہیں شاید زبان کھولنے کا موقع ہی نہ دیں۔ میں تمہیں یہ بھی بتا سکتا

ہوں اور غرناطہ کے وہ خطیب اور مفتی جن کی آواز عوام پر اثر انداز ہوتی ہے ہر صورت حال سے نپٹنے کے لیے میرا ساتھ دیں گے۔"

ہاشم نے شکست خوردہ ہو کر جواب دیا۔ "اگر میں عوام کو منہ دکھانے کے قابل ہو جاتا تو سب سے پہلے اپنی بے غیرتی اور بزدلی کا اعتراف کرتا۔ اگر میں چپ رہوں گا تو تمہارے خوف سے نہیں بلکہ اپنی شرم اور ندامت کے باعث خاموش رہوں گا۔ لیکن اگر تم گواہ رہو کہ میں حامد بن زہرہ کے قتل کی سازش میں حصہ دار نہیں ہوں۔"

ابو القاسم چند ثانیے غصّے اور اضطراب کی حالت میں اس کی طرف دیکھتا رہا۔ پھر اس نے اپنے چہرے پر ایک حقارت آمیز مسکراہٹ لاتے ہوئے کہا۔ "اب تک صرف چند آدمیوں کو اس بات کا علم ہے کہ ہم نے غرناطہ کو اس کے شر سے بچا لیا ہے اور اگر تم اپنی زبان بند رکھ سکو تو ان میں سے کوئی یہ نہیں کہے گا کہ تمہارا بیٹا بھی اس کے قتل کی سازش میں شریک ہے۔ کسی کو یہ گواہی دینے کی ضرورت بھی پیش نہیں آئے گی کہ تم نے قبائل کو پر امن رکھنے کا ذمہ لیا تھا۔ تم اس حقیقت سے انکار نہیں کر سکتے

کہ ہم ایک ہی کشتی میں سوار ہیں۔ فرق صرف یہ ہے کہ تم مجھ پر ذمہ داری ڈال کر اپنی ضمیر کا بوجھ ہلکا کرنا چاہتے ہو۔ اس وقت تمہیں آرام کی ضرورت ہے۔ کل تک تمہاری طبیعت ٹھیک ہو جائے گی اور تم محسوس کرو گے کہ ہم اپنے ضمیر کی چیخوں کے باوجود زندہ رہنا چاہتے ہیں۔ مجھے اس بات کا کم صدمہ نہیں کہ حامد بن زہر قتل ہو چکا ہے۔ لیکن میں اس سلطنت کا وزیر ہوں جس کے عوام اپنے خون سے آزادی کے چراغ جلانے کی بجائے صرف بے بسی کے آنسوؤں سے زندگی کا سودا کرنا چاہتے ہیں۔ مجھے اس قبرستان کا محافظ منتخب کیا گیا ہے جس کے مکین کسی زندہ آدمی کی چیخ و پکار سننا پسند نہیں کرتے۔ تم خود تسلیم کرتے ہو کہ تم نے اسے غرناطہ آنے سے روکنے کی کوشش کی تھی۔ کیا اس کا مطلب یہ نہیں کہ تم اہلِ غرناطہ سے مایوس ہو چکے تھے اور جنگ کے آلام و مصائب سے بچنا چاہتے تھے۔ تمہیں اس وقت میرے سوالوں کا جواب دینے کی ضرورت نہیں۔ مجھے یقین ہے کہ دو دن بعد جب تم البسین کے چوراہے میں لوگوں کی باتیں سنو گے تو تمہیں حامد بن زہرہ کی یاد پریشان نہیں کرے گی۔"

ابو قاسم نے تالی بجائی۔ ایک مسلح آدمی کمرے میں داخل ہوا۔ ابو قاسم نے کہا۔ ”انہیں مہمان خانے میں لے جاؤ۔“

ہاشم چند ثانیے غصے اور ندامت کی حالت میں ابو قاسم کی طرف دیکھتا رہا۔ بالآخر اس نے کہا۔ ”اگر میں آپ کی قید میں ہوں تو مجھے اجازت دیجیے۔“

ابو القاسم نے جواب دیا۔ ”لوگ اپنے قیدیوں کے ساتھ آدھی رات کے وقت بحث نہیں کرتے۔ اگر میں تمہارا دشمن بھی ہوتا تو بھی تمہیں اس وقت رخصت کرنا پسند نہ کرتا۔ تم صبح تک آرام کرو۔ اس وقت غرناطہ کی فضا ٹھیک نہیں۔ ابھی حامد بن زہرہ کے طرفدار کافی چوکس ہوں گے۔ ہو سکتا ہے کہ باہر نکلتے ہی تمہیں ان کا سامنا کرنا پڑے۔ حکومت کے حامیوں کا معاملہ تم سے مختلف ہے۔ وہ اس جگہ ان کی آمد و رفت کو زیادہ اہمیت نہیں دیں گے۔ لیکن تم حامد بن زہرہ کے پرانے دوست اور ساتھی ہو۔ اگر اس وقت انہوں نے تمہیں میرے مکان سے نکلتے دیکھا تو ان کے دل میں کئی شکوک پیدا ہوں گے۔ تم باقی رات یہاں آرام کرو۔“

ہاشم نوکر کے ساتھ چل دیا لیکن دروازے کے قریب پہنچ کر وہ اچانک رُک گیا اور مڑ کر دیکھتے ہوئے بولا۔ ”عمیر! تم میرے ساتھ آؤ“

عمیر تنہائی میں اپنے باپ سے گفتگو کرنے کے لئے تیار نہ تھا۔ اس نے ملتجی نگاہوں سے ابو القاسم کی طرف دیکھا اور ابو القاسم نے اس کے باپ سے مخاطب ہو کر کہا۔

”عمیر کو تھوڑی دیر میرے پاس رہنے دیجیے۔ میں چند ضروری باتیں کرنا چاہتا ہوں۔“ ہاشم چند ثانیے کرب کی حالت میں عمیر کی طرف دیکھتا رہا اور پھر اچانک باہر نکل گیا۔

☆☆☆

ابو القاسم نے عتبہ اور عمیر کی طرف متوجہ ہو کر کہا۔ ”اگر حامد بن زہرہ کا بیٹا غرناطہ پہنچ چکا ہے تو ہمیں بہت جلد معلوم ہو جائے گا لیکن اگر وہ تمہیں چکمہ دے کر کسی اور طرف نکل گیا ہے تو اس کو تلاش کرنا تمہاری سب سے بڑی ذمہ داری ہے۔ اسے کسی حالت میں بھی قبائل کو مشتعل

کرنے کا موقع نہیں ملنا چاہیے۔ اگر وہ اپنے گاؤں پہنچ گیا ہو تو عمیر کے لئے اس کا سراغ لگانا مشکل نہیں ہو گا۔"

عمیر نے کہا۔ "جناب! آپ اس کی فکر نہ کریں۔ ہم صبح ہوتے ہی روانہ ہو جائیں گے۔"

ابو القاسم نے کہا۔ "تمہیں زیادہ آدمی اپنے ساتھ لے جانے کی ضرورت نہیں۔ موجودہ حالات میں ہم اس سے کھلے تصادم کا خطرہ مول نہیں لے سکتے۔ اسے یہ معلوم نہیں ہونا چاہیے کہ اس کے باپ کے قاتل کون تھے اور تمہارے لئے ایک دشمن کی بجائے ایک دوست کی حیثیت سے اسے قابو میں لانا زیادہ آسان ہو گا۔ اب تم جا سکتے ہو۔ تمہارے والد تمہارا انتظار کر رہے ہوں گے۔ لیکن انہیں یہ بتانے کی ضرورت نہیں کہ تم کہاں جا رہے ہو۔ مجھے یقین ہے کہ ایک دو دن تک ان کا غم و غصّہ دور ہو جائے گا۔"

عمیر نے کہا۔ "جناب! مجھے ان کا سامنا کرنے سے خوف محسوس ہوتا

ہے۔“

”بہت اچھا تم جاؤ۔ اس وقت ان سے بات کرنا مناسب نہیں۔ میں صبح ہوتے ہی انہیں تسلّی دینے کی کوشش کروں گا۔ سرِ دست سعید کی تلاش بہت ضروری ہے۔ اس کی اہمیت صرف یہی نہیں کہ وہ حامد بن زہرہ کا بیٹا ہے اور جنگ کے حامی اسے اپنا آلہ کار بنا کر حکومت کے خلاف ایک طوفان کھڑا کر سکتے ہیں بلکہ میں محسوس کرتا ہوں کہ اسے قابو میں لانے کے بعد حکومت کے لئے حامد بن زہرہ کے بیرونی مدد گاروں کو پکڑنا آسان ہو جائے گا۔ فرڈنینڈ کو یقین ہے کہ جن نامعلوم جہازوں نے اسے اندلس کے ساحل پر اتارا تھا وہ بیرونی جاسوسوں کو بھی یہاں پہنچا گئے ہیں۔ اگر تم سعید کے ذریعے ان کا سراغ لگا سکو تو فرڈنینڈ تمہاری یہ خدمت کبھی فراموش نہیں کرے گا۔ فی الحال حامد بن زہرہ کے قتل کی خبر اہل غرناطہ سے پوشیدہ رہنی چاہیے۔ اگر اس کے ساتھی یہ خبر مشہور کر دیں تو بھی تمہیں اس سے متعلق لاعلمی کا اظہار کرنا چاہیے۔“

عتبہ نے کہا۔ ”ہمیں معلوم تھا کہ اگر ہم یہ خبر مشہور کریں تو عوام ہم پر

شک کریں گے۔ اس لئے میں نے اپنے ساتھیوں کو پہلے ہی سمجھا دیا تھا کہ تمہیں خاموش رہنا چاہیے۔ اگر اس کا کوئی ساتھی یہاں پہنچ چکا ہے تو کل شہر میں کہرام مچ جائے گا۔ پہرے داروں کے متعلق ہم پہلے بھی مطمئن نہیں تھے اور اب تو یہ بات ثابت ہو گئی ہے کہ ان کے افسر درپردہ باغیوں کے ساتھ ملے ہوئے ہیں۔ پولیس کے جو آدمی ہمارے ساتھ بھیجے گئے تھے انہوں نے بھی کسی فرض شناسی کا ثبوت نہیں دیا۔ اگر ان کا افسر اپنے ساتھیوں کو دوبارہ تیر چلانے سے منع نہ کرتا تو باقی تین آدمیوں کو بھی بچ نکلنے کا موقع نہ ملتا۔ میں اس بات سے پریشان ہوں کہ ہم کئی میل چکر لگانے کے بعد واپس آ گئے ہیں لیکن پولیس کے چھ آدمی جو سیدھی سڑک سے اس طرف بھیجے گئے تھے ابھی تک غائب ہیں۔"

ابو القاسم نے کہا۔ "تم نے پہرے داروں سے پوچھا تھا؟"

"نہیں! ہم مغربی دروازے سے شہر میں داخل ہوئے تھے اور سیدھے کوتوال کے پاس گئے تھے لیکن اسے بھی اس وقت تک کوئی اطلاع نہیں ملی تھی۔ میں نے اسے تاکید کی تھی کہ وہ فوراً ان کا پتا لگائے اور یہاں

اطلاع بھیج دے۔ اگر آپ کو ان واقعات سے باخبر کرنا ضروری نہ ہوتا تو ہم بھی اس کے ساتھ جاتے۔ اب ہم دوبارہ اس کے پاس جائیں گے۔"

عمیر نے کہا۔ "ہم نے ایک سوار کا پیچھا کیا تھا اور وہ اچانک کہیں غائب ہو گئے تھے۔ ممکن ہے کہ وہ ہمیں چکمہ دے کر سڑک کی طرف نکل گئے ہوں اور پولیس کے آدمیوں کو ان کا سراغ مل گیا ہو۔ یہ بھی ہو سکتا ہے کہ انہوں نے انہیں گرفتار کر لیا ہو اور اطمینان سے واپس آ گئے ہوں۔"

ابو القاسم نے کہا۔ "یہ بھی تو ہو سکتا ہے کہ وہ ابھی تک ان کا پیچھا کر رہے ہوں۔ بہر حال تم کوتوال کے پاس جا کر پتا لگاؤ اور اگر کوئی تشویش ناک بات ہو تو اس سے کہو کہ مجھے فوراً اطلاع دے۔ اس کے بعد ہماری ذمہ داری سعید کو تلاش کرنا ہے۔"

☆☆☆

ابو القاسم کے محافظ دستے کا سالار کمرے میں داخل ہوا اور اس نے کہا۔ "جناب! کوتوال حاضر ہونے کی۔۔۔۔۔"

ابو القاسم نے اسے فقرہ ختم کرنے کا موقع نہ دیا۔ وہ چلّایا۔ ”اسے لے آؤ!“

افسر الٹے قدموں تیزی سے باہر نکلا اور ایک منٹ بعد کوتوال ہانپا کانپا ہوا کمرے میں داخل ہوا۔ اس کا لباس کیچڑ سے لت پت تھا اور چہرے پر بھی کیچڑ کے چھینٹے نظر آرہے تھے۔

اس نے کہا۔ ”جناب! سڑک پر چار آدمیوں کی لاشیں مل گئی ہیں اور باقی دو آدمیوں کی تلاش جاری ہے۔ اور“

”اور وہ چاروں پولیس کے آدمی ہیں؟“ ابو القاسم نے حیران ہو کر پوچھا۔

”ہاں!“

”اور انہیں قتل کرنے والے بچ کر نکل گئے ہیں؟“

”جناب! ابھی ان چار کے علاوہ ہمیں کوئی اور لاش نہیں ملی۔ ہمارا ایک آدمی طمنچے کی گولی لگنے سے ہلاک ہوا ہے اور باقی تین۔۔۔۔“

ابو القاسم غضب ناک ہو کر چلایا۔ ”بے وقوف! مجھے اس بات سے کوئی دلچسپی نہیں کہ تمہارے بزدل آدمیوں کو جہنم واصل کرنے والوں نے کون سے ہتھیار استعمال کیے تھے۔ تمہیں اب یہ کوشش کرنی چاہیے کہ صبح تک تمہیں اپنے باقی دو ساتھیوں کی لاشیں بھی مل جائیں۔ وہ زخمی ہونے کے بعد دشمن کے ہاتھ نہ آگئے ہوں ورنہ یہ ممکن ہے وہ اپنی جانیں بچانے کے لئے تمہاری قربانی پیش کر دیں۔ انہیں تلاش کرنا اور ان کی زبانیں بند رکھنا میری ذمّہ داری نہیں بلکہ تمہارا فرض ہے۔“

کوتوال کو اس موضوع پر کچھ اور کہنے کی جرأت نہ ہوئی۔ وہ پھٹی پھٹی آنکھوں سے ابو القاسم کی طرف دیکھ رہا تھا۔

ابو القاسم نے قدرے نرم ہو کر کہا۔ ”تم نے لاشوں کے ساتھ کیا سلوک کیا ہے؟“

”جناب! لاشیں یہاں لائی جا رہی ہیں۔“

”یہاں میرے گھر؟“ ابو القاسم گرجا۔

”نہیں جناب !لاشوں کو ان کے گھر پہنچا دیا جائے گا۔“

”وہ کس لئے ؟“

”جناب ! اگر آپ انہیں یہاں لانا مناسب نہیں سمجھتے تو انہیں راستے میں روکا جاسکتا ہے۔“

”مجھے اس سے کوئی سروکار نہیں کہ تم لاشوں کو کہاں غائب کرتے ہو لیکن میں تمہیں یہ بتا سکتا ہوں کہ اگر عوام کو حامد بن زہرہ کے قتل کا پتا چل گیا تو یہ لاشیں تمہارے خلاف گواہی دیں گی۔ خدا کے لئے میری طرف اس طرح نہ دیکھو!“

عتبہ نے کوتوال سے کہا۔ ”آپ فوراً لاشوں کو ٹھکانے لگانے کی کوشش کریں اور باقی دو آدمیوں کا پتا لگائیں۔ اس کے بعد غرناطہ میں حامد بن زہرہ کے ساتھیوں کی تلاش شروع کر دیں۔ آپ نے پہرے داروں سے دریافت کیا تھا؟“

”ہاں !وہ یہ کہتے ہیں کہ ابھی تک وہ شہر کی طرف نہیں آئے لیکن میں ان

پر اعتماد نہیں کر سکتا۔“ ابو القاسم نے کہا۔ ”کاش! تم اپنے آدمیوں کے متعلق بھی اس قدر محتاط ہوتے۔ خدا کے لیے اب میرا وقت ضائع نہ کرو۔ جاؤ!“

کوتوال کمرے سے باہر نکل گیا۔

ابو القاسم عتبہ اور عمیر کی طرف متوجہ ہوا۔ تم صبح ہوتے ہی سعید کے گاؤں کا رُخ کرو۔ ہو سکتا ہے کہ پولیس کے آدمیوں کو قتل کرنے کے بعد وہ غرناطہ آنے کی بجائے وہاں پناہ لینا زیادہ مناسب سمجھے لیکن کسی کو یہ شک نہیں ہونا چاہیے کہ تم ان کے دشمن ہو۔ گاؤں میں اس پر حملہ کرنے کی ضرورت نہیں۔ ہم اس کی جائے پناہ کا پتا لگانے کے بعد مناسب قدم اٹھا سکیں گے۔“

☆☆☆

ہاشم اپنے دل پر ایک ناقابلِ برداشت بوجھ محسوس کرتے ہوئے مہمان خانے کے ایک کشادہ کمرے میں داخل ہوا اور کچھ دیر بے چینی کی حالت

میں ٹہلتا رہا۔ اسے یہ بات ناقابلِ یقین معلوم ہوتی تھی کہ حامد بن زہرہ قتل ہو چکا ہے اور وہ اپنے دل کو بار بار یہ تسلّی دینے کی کوشش کر رہا تھا کہ ابو القاسم نے ایک فرضی داستان سنا کر اس کا امتحان لینے کی کوشش کی ہے۔ شاید وہ گرفتار ہو چکا ہو اور ابو القاسم اس کے قتل کا حکم دینے سے پہلے یہ جاننا چاہتا ہو کہ اس کے دوستوں کا ردِّ عمل کیا ہو گا۔ لیکن پھر اچانک عمیر کی شکل اس کی نگاہوں کے سامنے آجاتی اور اس کا دل ڈوبنے لگتا۔

کچھ دیر بعد وہ ایک ناقابلِ برداشت گھٹن محسوس کرتے ہوئے کمرے سے باہر نکل آیا۔ برآمدے میں ایک مسلح پہرے دار نے اس کا راستہ روکتے ہوئے پوچھا۔

"جناب! آپ کہاں جا رہے ہیں؟"

"میں وزیر اعظم سے ایک ضروری بات کرنا چاہتا ہوں۔"

"جناب! اب آپ صبح سے پہلے ان سے نہیں مل سکتے۔ وہ اندر جا چکے

ہیں؟“

”مجھے معلوم ہے۔ تم انہیں اطلاع دو کہ میں صرف اپنے بیٹے سے ملنا چاہتا ہوں۔“ ”آپ کا بیٹا؟“

”ہاں۔ وہ ان کے کمرے میں ہے۔“

”جناب! اس وقت میں ان کے کمرے میں کیسے جا سکتا ہوں!“

”تمہیں ان کے کمرے میں جانے کی ضرورت نہیں۔ میں یہ چاہتا ہوں کہ عمیر وزیر اعظم سے ملاقات کے اختتام پر میرے پاس آ جائے۔ اس لئے تم کسی نوکر سے کہو کہ اسے باہر نکلتے ہی میرا پیغام پہنچا دے۔ ورنہ میں خود اس کے راستے میں کھڑا رہوں گا۔“

”نہیں جناب! آپ اپنے کمرے میں آرام کریں۔ میں اس کا پتا لگاتا ہوں۔“

پہرے دار یہ کہ کر وہاں سے چل دیا اور ہاشم نے کمرے میں جانے کی

بجائے برآمدے میں ٹہلنا شروع کر دیا۔ ذہنی اضطراب اور خلجان کے باعث اسے سردی کی شدّت کا بالکل احساس نہ تھا۔ چند منٹ بعد پہرے دار واپس آیا تو اس کے ساتھ محافظ دستے کا افسر تھا جس کے ساتھ دن کے وقت اس کی ملاقات ہو چکی تھی۔ پہرے دار چند قدم دور رُک گیا اور افسر نے ہاشم کے قریب آکر کہا۔

"جناب! عمیر تو کافی دیر سے جا چکا ہے اور وزیر اعظم اس وقت شہر کے چند معززین سے گفتگو کر رہے ہیں۔"

ہاشم کا دل بیٹھ گیا۔ اس نے ڈوبتی ہوئی آواز میں پوچھا۔ "عمیر کہاں گیا ہے؟"

"جناب! مجھے کچھ معلوم نہیں۔ اگر کوئی ضروری بات ہے تو میں صبح کے وقت کسی کو اس کی تلاش میں بھیج دوں گا۔ اس وقت آپ کو آرام کرنا چاہیے۔"

"نہیں! میں اسے اسی وقت تلاش کرنا چاہتا ہوں۔" ہاشم نے آگے بڑھنے

کی کوشش کی لیکن افسر نے جلدی سے اس کا راستہ روکتے ہوئے کہا۔ ”میں اس گستاخی کے لئے معذرت چاہتا ہوں لیکن وزیر اعظم کی اجازت کے بغیر آپ محل سے باہر نہیں جا سکیں گے۔ اس وقت پہرے دار آپ کے لئے محل کا دروازہ کھولنے کی جرأت نہیں کر سکتے۔“

ہاشم نے غصّے سے ہونٹ کاٹتے ہوئے کہا۔ ”میں وزیر اعظم سے بات کرنا چاہتا ہوں۔“

”جناب! آپ اس وقت ان سے نہیں مل سکیں گے۔“ افسر نے واپس مڑتے ہوئے کہا۔

ہاشم نے پوری قوّت سے چلانے کی کوشش کی لیکن اس کے حلق میں آواز نہ تھی۔ وہ بھاگنا چاہتا تھا لیکن اس کی ٹانگوں میں اس کا بوجھ سہارنے کی سکت نہ تھی۔ اس نے دونوں ہاتھوں سے برآمدے کا ستون تھام لیا اور پھٹی پھٹی آنکھوں سے پہرے دار کی طرف دیکھنے لگا۔ اس کا سانس رفتہ رفتہ گھٹ رہا تھا۔ اور ڈوبتے ہوئے دل کی ہر دھڑکن کے ساتھ درد کی

ٹیسوں میں اضافہ ہو رہا تھا۔ پھر اچانک اس کے بازو شل ہو گئے۔ دونوں گھٹنے زمین کے ساتھ آ لگے۔

پہرے دار نے جلدی سے آگے بڑھ کر اس کا بازو پکڑنے کی کوشش کی لیکن اس نے رہی سہی قوّت سے کام لیتے ہوئے اس کا ہاتھ جھٹک دیا اور ایک طرف گر پڑا۔ پھر اس نے چند ثانیے تڑپنے کے بعد آخری بار جھرجھری لی اور اس کی آنکھوں کے سامنے موت کے دائمی اندھیرے چھاگئے۔

پہرے دار سراسیمگی کی حالت میں اس کا بے جان جسم ٹٹولتا رہا۔ پھر اچانک اپنے افسر کو اطلاع دینے کے لئے بھاگا۔ تھوڑی دیر بعد تین آدمی ہاشم کی لاش اٹھاکر کمرے کے اندر لٹاچکے تھے۔ محافظ دستے کے افسر نے پہرے دار کو دروازہ بند رکھنے اور سختی کے ساتھ پہرہ دینے کی ہدایت دینے کے بعد ایک نوکر سے کہا۔ ”تم باہر دروازے پر جاکر حکم دو کہ چار سوار فوراً کوتوال کے پیچھے روانہ ہو جائیں اور اسے تلاش کر کے فوراًواپس لے آئیں۔ اسے صرف یہ بتایا جائے کہ وزیر اعظم کو ایک ضروری کام

ہے۔ دروازے پر ایک بگھی بھی تیار رہنی چاہیے۔" ایک سپاہی نے کہا۔
"جناب! اگر آپ عمیر کو تلاش کرنا چاہتے ہیں تو اس کام کے لئے کوتوال کو بلانے کی ضرورت نہیں۔ جب وہ ملاقات کے بعد وزیر اعظم کے کمرے سے باہر نکل رہے تھے تو میں نے عتبہ کو یہ کہتے سنا تھا کہ اب صبح ہونے والی ہے۔ اس لیے تمہیں اپنی قیام گاہ کی بجائے تھوڑی دیر میرے ہاں آرام کر لینا چاہیے۔"

افسر نے کہا۔ "نہیں اس وقت عمیر کو اطلاع دینے کی ضرورت نہیں۔ فی الحال اس محل کے اندر اور باہر کسی کو بھی ہاشم کی موت سے متعلق علم نہیں ہونا چاہیے۔ اور تمہیں یاد رکھنا چاہیے کہ یہ وزیر اعظم کا حکم ہے۔"

☆☆☆

ابھی پو پھٹی نہ تھی۔ ایک نوکر نے عتبہ کو گہری نیند سے جگاتے ہوئے کہا۔
"جناب! میں اس گستاخی کے لئے معافی چاہتا ہوں لیکن کوتوال اسی وقت آپ سے ملنے پر مصر ہے۔ وہ کہتا ہے کہ مجھے وزیر اعظم نے بھیجا ہے۔"

عتبہ نے بڑی مشکل سے اپنا غصّہ ضبط کرتے ہوئے پوچھا۔ ”وہ کہاں ہے؟“

”جناب! وہ باہر بگھی میں بیٹھا ہوا ہے۔ میں نے اسے ملاقات کے کمرے میں بیٹھنے کے لئے کہا تھا لیکن وہ کہتا ہے کہ مجھے بہت جلدی ہے اور عمیر کی موجودگی میں میرا اندر آنا ٹھیک نہیں۔ دو سوار بھی اس کے ساتھ ہیں۔ میں نے کہا تھا کہ آپ ابھی سوئے ہیں لیکن وہ کوئی ضروری پیغام لائے ہیں۔“

عتبہ نے بستر سے اُٹھ کر جوتا پہنا اور نوکر نے ایک بھاری قبا کھونٹے سے اتار کر اس کے کندھے پر ڈال دی۔

چند ثانیے بعد عتبہ مکان کے دروازے پر پہنچا۔ کوتوال اسے دیکھ کر بگھی سے اُتر پڑا اور اس نے کہا۔ ”معاف کیجئے! میں نے آپ کو بے وقت جگایا ہے لیکن آپ کو اطلاع دینا ضروری تھا۔ وزیر اعظم کا بھی یہی حکم تھا کہ ہاشم سے متعلق آپ سے مشورہ کر لیا جائے۔“

عتبہ نے کہا۔ ”لیکن ہم یہ فیصلہ کر کے وہاں سے آئے تھے کہ جب تک ہم اپنی مہم سے فارغ نہیں ہوتے اسے وہیں روکا جائے اور عمیر کو بھی اس فیصلے پر کوئی اعتراض نہیں تھا کہ اگر اس کا باپ کسی پریشانی کا باعث ہو تو اس کو صبح تک کسی زیادہ موزوں جگہ منتقل کیا جائے۔“

”میں آپ کو یہ بتانے آیا تھا کہ ہاشم مر چکا ہے۔ مجھے گھر پہنچتے ہی دوبارہ وہاں حاضر ہونے کا حکم ہوا تھا۔ ہاشم کے دل کی حرکت اچانک بند ہوئی تھی۔ اب اس کی لاش وہاں سے ایک سرکاری طبیب کے پاس پہنچا دی گئی ہے اور اسے یہ ہدایت کر دی گئی ہے کہ سر دست یہ بات کسی پر ظاہر نہ ہو۔ وزیر اعظم یہ جاننا چاہتے ہیں کہ اگر یہ بات ظاہر کر دی جائے تو عمیر کا ردِّ عمل کیا ہو گا؟“

عتبہ نے ہاشم کی موت کے متعلق چند سوالات پوچھنے کے بعد کہا۔ ”عمیر کو موزوں وقت پر اطلاع مل جائے گی۔ اس وقت وہ شراب میں مدہوش پڑا ہوا ہے۔ اسے صرف اس بات کی فکر تھی کہ کل جب ہم سعید اور اس کے ساتھیوں کی تلاش میں اس کے گاؤں پہنچیں گے تو پیچھے سے کہیں

وزیر اعظم اس کے باپ کو آزاد کرنے کی غلطی نہ کر بیٹھیں۔ وہ جس قدر حامد بن زہرہ کے بیٹے سے خوفزدہ ہے اس سے کہیں زیادہ اپنے باپ کا سامنا کرتے ہوئے خوف محسوس کرتا ہے۔ اب وہ اپنے گھر جا کر اطمینان سے اپنی سرگرمیاں جاری رکھ سکے گا اور جب ہماری مہم ختم ہو جائے گی تو وہ ہمارے لئے کسی پریشانی کا باعث نہیں ہو گا۔ اس شہر میں کسی کو یہ معلوم نہیں ہونا چاہیے کہ ہاشم رات وزیر اعظم کا مہمان تھا۔ ورنہ اس کی اچانک موت سے یہی نتیجہ نکالا جائے گا کہ ہم نے حامد بن زہرہ کے ایک اور ساتھی کو راستے سے ہٹا دیا ہے۔ جن لوگوں نے اسے وہاں دیکھا تھا آپ انہیں اچھی طرح سمجھا دیں!"

"لیکن اس کی لاش؟" عتبہ نے جواب دیا۔ "اس کی لاش کو ٹھکانے لگانا تمام کاموں سے مقدم ہے۔ اور میرا خیال ہے کہ اس کام کے لئے آپ کو میری مدد کی ضرورت نہیں۔ ہم بوقتِ ضرورت یہ بھی مشہور کر سکتے ہیں کہ وہ حامد بن زہرہ کی تلاش میں کہیں جا چکا ہے۔ یا وہ اپنے قیدی بیٹیوں کے متعلق بہت پریشان تھا اور وزیر اعظم نے اسے اپنی طرف سے

سفارشی خط دے کر سینٹا نے بھیج دیا ہے۔

عاتکہ بدریہ کے گھر میں

عاتکہ کو غرناطہ جانے والوں کے متعلق کسی اطلاع کا شدّت سے انتظار تھا۔ صبح نماز سے فارغ ہوتے ہی اس نے سعید کے گھر جا کر زبیدہ اور منصور کو تاکید کی تھی کہ اگر غرناطہ سے کوئی واپس آئے تو مجھے فوراً خبر دی جائے۔ اس کے باوجود اس کی بے چینی میں بدستور اضافہ ہو رہا تھا۔ کافی دیر انتظار کے بعد وہ دھوپ میں بیٹھنے کے بہانے چھت پر پہنچ گئی اور وہاں وہ کبھی کھڈ کے پار سعید کے گھر کی طرف دیکھتی اور کبھی اس کی نگاہیں شمال کی سمت غرناطہ کے راستے پر بھٹکنے لگتیں۔

جب وادی کے پار کوئی سوار نظر آتا تو اس کے دل کی دھڑکن قدرے تیز ہو جاتی لیکن جب وہ ندی عبور کرنے کے بعد سعید کے گھر کا راستہ اختیار

کرنے کی بجائے کسی اور طرف کا رُخ کرتا تو اس کے چہرے پر اداسی چھا جاتی۔

وہ نیچے جانے کا ارادہ کر رہی تھی کہ اچانک اسے ایک سوار دکھائی دیا۔ اس کا گھوڑا آہستہ آہستہ نشیب کی طرف اتر رہا تھا۔ ندی کے قریب کچھ دیر اس کی نگاہوں سے اوجھل رہنے کے بعد جب وہ دوبارہ نظر آیا تو اس کا رُخ کھڈ کے پار بستی کے دوسرے حصّے کی طرف تھا اور تھوڑی دیر بعد وہ سلمان کو سعید کے گھر میں داخل ہوتے دیکھ رہی تھی۔

وہ بھاگ کر زینے کی طرف بڑھی۔ نصف زینہ طے کرنے کے بعد جب اسے احساس ہوا کہ نیچے سے سلمٰی اسی کی طرف دیکھ رہی ہے تو ایک ثانیے کے لئے جھجکی مگر دوسرے ہی لمحے آہستہ آہستہ نیچے اترنے لگی۔ وہ صحن سے ڈیوڑھی کا رُخ کر رہی تھی کہ سلمٰی نے آواز دی ”بیٹی! کہاں جا رہی ہو؟“

”منصور کے گھر چچی جان!“ اس نے مُڑ کر دیکھنے کی بجائے اپنی رفتار اور تیز

کر دی۔ تھوڑی دیر بعد جب وہ کھڈ پار کر رہی تھی تو اچانک منصور دکھائی دیا۔

"میں آپ ہی کے پاس آ رہا تھا۔" اس نے بھاگ کر عاتکہ کے قریب پہنچتے ہوئے کہا۔

"وہ مہمان واپس آ گیا ہے اور آپ سے اسی وقت ملنا چاہتا ہے۔"

عاتکہ نے پوچھا۔ "اس نے تمہارے نانا کے متعلق کچھ بتایا ہے؟"

"نہیں!"

"اس نے یہ بھی نہیں بتایا کہ سعید اور جعفر کب آئیں گے؟"

"نہیں، وہ آپ کے لئے کوئی ضروری پیغام لایا ہے۔ اچھا ہوا کہ آپ یہاں مل گئیں۔ اس نے بار بار تاکید کی تھی کہ میں کسی اور کے سامنے آپ سے بات بھی نہ کروں۔"

"وہ زخمی تو نہیں؟"

"بالکل نہیں۔"

عاتکہ قدرے مطمئن ہو کر اس کے ساتھ چل پڑی۔ جب وہ منصور کے گھر پہنچی تو سلمان صحن میں کھڑا زبیدہ سے باتیں کر رہا تھا۔ وہ ایک ثانیہ کے لئے رکی اور پھر آگے بڑھ کر جواب طلب نگاہوں سے اس کی طرف دیکھنے لگی۔

سلمان نے زبیدہ سے کہا۔ "آپ منصور کو اندر لے جائیں۔ میں ان سے ایک ضروری بات کرنا چاہتا ہوں۔"

زبیدہ نے آگے بڑھ کر منصور کا ہاتھ پکڑ لیا اور وہ بادل نخواستہ اس کے ساتھ چل دیا۔

عاتکہ نے مُضطرب ہو کر کہا۔ "منصور کو اندر بھیجنے کی ضرورت نہ تھی۔ جو خبر میرے لئے قابل برداشت ہو سکتی ہے وہ حامد بن زہرہ کے نواسے کے لئے بھی ناقابلِ برداشت نہیں ہو سکتی۔ ہم سب بری خبریں سننے کے عادی ہو چکے ہیں۔"

سلمان نے کہا۔ ”کاش میں آپ کے لئے کوئی اچھی خبر لا سکتا۔ سعید ایک حادثے میں زخمی ہو چکا ہے۔“ عاتکہ نے پوچھا۔ ”آپ کو یقین ہے کہ اس سے زیادہ آپ اور کوئی بری خبر لے کر نہیں آئے؟“

”سعید کے متعلق میں آپ کو یہ اطمینان دلاتا ہوں کہ اس کی حالت خطرے سے باہر ہے۔“

”میں تو ان کے والد کے متعلق پوچھ رہی ہوں۔ جن کے لئے میں نے آپ کو بھیجا تھا۔ اور خُدارا! آپ کو میرے حوصلے کا امتحان نہیں لینا چاہیے۔“

سلمان نے جواب دیا۔ ”وہ اپنی بدنصیب قوم کے گناہوں کا کفّارہ ادا کر چکے ہیں۔ مجھے ندامت ہے کہ ان کا راستہ روکنے کے لئے میری کوشش کامیاب نہ ہو سکی اور جب ان پر حملہ کیا گیا تھا تو میں ان کے ساتھ نہیں تھا انہوں نے رات کے وقت اچانک غرناطہ سے نکلنے کا فیصلہ کیا تھا۔“ وہ وفات پا گئے۔ اناللہ وانا الیہ راجعون“

عاتکہ چند ثانیے سکتے کے عالم میں کھڑی رہی۔ پھر اس نے ڈوبی ہوئی آواز میں پوچھا۔ ”سعید کہاں ہے؟“

سلمان نے کہا۔ ”زخمی ہونے کے بعد اس کو غرناطہ کے قریب ایک بستی میں پہنچا دیا گیا تھا۔ وہ اس وقت نہایت قابلِ اعتماد لوگوں کی پناہ میں ہے اور میں آپ کو یہ بتانے آیا ہوں کہ وہ بے ہوشی کی حالت میں بار بار آپ کو یاد کر رہا ہے۔“

”آپ مجھے اس کے پاس پہنچا دیں گے؟“

”ہاں! لیکن یہاں سے نکلتے ہوئے آپ کو کافی احتیاط سے کام لینا پڑے گا۔ حامد بن زہرہ کے قاتل اس کے بیٹے کو تلاش کر رہے ہیں۔ اگر آپ کے پیچھے پیچھے سعید کی جائے پناہ تک کوئی پہنچ گیا تو پھر اس کی حفاظت بہت مشکل ہو جائے گی۔ وہ شاید کئی دن اور سفر کے قابل نہ ہو سکے۔ آپ میرے گھوڑے پر سوار ہو جائیں۔ ہمیں کسی تاخیر کے بغیر وہاں پہنچنے کی کوشش کرنی چاہیے۔“

”اور آپ؟“ عاتکہ نے سوال کیا۔

”میں پیدل چل سکتا ہوں۔“

عاتکہ نے کہا۔ ”نہیں آپ کو پیدل چلنے کی ضرورت نہیں۔ ہمارے اصطبل میں اب بھی تین گھوڑے موجود ہیں۔ آپ اپنے گھوڑے پر روانہ ہو جائیں اور ندی سے آگے میرا انتظار کریں۔ میں بہت جلد وہاں پہنچ جاؤں گی۔“

سلمان نے کہا۔ ”سعید غرناطہ کے راستے کی ایک بستی میں ہے لیکن آپ اپنے گھر میں کسی پر یہ ظاہر نہ کریں کہ آپ کس طرف جا رہی ہیں۔“

عاتکہ نے کہا۔ ”اس صورت میں ہمارا ایک ساتھ یہاں سے نکلنا ٹھیک نہیں ہو گا۔ اگر راستے میں ہمیں کسی نے دیکھ لیا تو اس کے لئے یہ سمجھنا مشکل نہیں ہو گا کہ میں کہاں جا رہی ہوں۔ آپ نے راستے میں ایک اجڑا ہوا قلعہ دیکھا ہے؟“

”ہاں!۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔ہاں!!“

”تو آپ اس قلعہ میں پہنچ کر میرا انتظار کریں۔ میں عام راستہ چھوڑ کر دوسرے راستے سے آؤں گی۔ یہ راستہ کافی طویل اور دشوار گزار ہے۔ اس لئے اگر مجھے پہنچنے دیر ہو جائے تو آپ کو پریشان نہیں ہونا چاہیے۔“

سلمان نے کہا۔ ”اگر میں کسی وجہ سے قلعے تک نہ پہنچ سکا تو آپ وہاں رکنے کی کوشش نہ کریں۔ قلعے سے آگے غرناطہ کی سڑک پر ایک بستی کے درمیان سے گزرتی ہے۔ وہاں سڑک کے بائیں کنارے آپ کو ایک مسجد دکھائی دے گی۔ جہاں سے چند قدم آگے دائیں ہاتھ بستی کے سردار کا مکان ہے جہاں سعید ٹھہرا ہوا ہے۔ آپ بلا جھجک اندر چلی جائیں۔ گھر کے مکین آپ کے منتظر ہوں گے اور آپ کو یہ بتانے کی ضرورت پیش نہیں آئے گی کہ آپ کون ہیں!“

”میں باہر سے وہ مکان دیکھ چکی ہوں۔ آپ کو تفصیلات بیان کرنے کی چنداں ضرورت نہیں۔ آپ نے زبیدہ کو بتا دیا ہے کہ سعید وہاں ہے؟“

”نہیں! میں نے اسے صرف یہ بتایا ہے کہ میں عاتکہ کے لئے ایک

ضروری پیغام لایا ہوں۔"

عاتکہ نے کہا۔ "اب میں بھی یہ محسوس کرنے لگی ہوں کہ سعید کو تلاش کرنے والے یہاں ضرور آئیں گے۔ اس لئے آپ زبیدہ کو اچھی طرح سمجھا دیں کہ اگر کوئی سعید سے متعلق پوچھے تو وہ یہ کہہ دے کہ ایک اجنبی عاتکہ کے لئے کوئی خفیہ پیغام لایا تھا اور وہ جنوب کی طرف چلے گئے ہیں!"

یہ کہہ کر عاتکہ تو اسی گھوڑے پر سوار ہو کر چلی گئی مگر سلمان جب آگے بڑھا تو زبیدہ اور منصور بھاگ کر اس کے قریب آ گئے۔

"آپ مجھ سے کوئی بات چھپا رہے ہیں۔" زبیدہ نے شکایت کے لہجے میں کہا۔

سلمان نے جواب دیا۔ "میری احتیاط کی وجہ یہ نہیں کہ مجھے آپ پر اعتماد نہیں ہے۔ جب جعفر واپس آئے گا تو آپ کو ساری باتیں معلوم ہو جائیں گی۔"

”میں سعید اور اس کے والد کے متعلق پوچھنا چاہتی ہوں۔ وہ بخیریت ہیں؟“

”ان سے میری ملاقات نہیں ہو سکی۔“

”لیکن آپ تو یہ کہتے تھے کہ سعید کی طرف سے عاتکہ کے لئے کوئی پیغام لائے ہیں؟“

”ان کا پیغام مجھے کسی اور آدمی کے ذریعے ملا تھا۔ جعفر آج یا کل یہاں پہنچ جائے گا۔ میں آپ کو صرف اتنا بتا سکتا ہوں کہ سعید غرناطہ میں نہیں ہے۔ وہ کہیں روپوش ہو گیا ہے۔ اسے گاؤں میں ہاشم کی طرف سے خطرہ تھا۔ اس لئے وہ یہاں نہیں آ سکا۔ اب اگر ہاشم یا اس کے ساتھی یہاں آ کر آپ سے سعید کے متعلق پوچھیں تو آپ صرف اتنا بتا دیں کہ ایک اجنبی عاتکہ کو اس کی طرف سے کوئی پیغام دے کر واپس چلا گیا ہے اور آپ کو اس نے صرف اتنا ہی بتایا تھا کہ سعید جنوب کا رُخ کر رہا ہے۔“

زبیدہ نے کہا۔ ”اگر ہاشم اس کا دشمن بن چکا ہے تو میں اسے یہ کیسے بتا سکتی

ہوں کہ سعید کس طرف گیا ہے؟"

سلمان نے کچھ سوچ کر جواب دیا۔ "ہو سکتا ہے کہ وہ کسی اور طرف گیا ہو اور ہم اسے تلاش کرنے والوں کو الفجارہ کے راستے پر ڈال کر اس کی مدد کر سکیں۔ میں آپ کو ساری باتیں نہیں بتا سکتا۔ سر دست اتنا ہی کہہ دینا کافی ہے کہ آپ اس کے دشمنوں کو الفجارہ کی طرف متوجہ کر کے ایک اہم خدمت سرانجام دے سکتی ہیں۔"

"آپ کو یقین ہے کہ ہاشم سعید کا دشمن بن چکا ہے؟"

"ہمیں بہت جلد معلوم ہو جائے گا!"

سلمان یہ کہہ کر گھوڑے پر سوار ہو گیا اور زبیدہ کو کچھ اور کہنے کا حوصلہ نہ ہوا۔

"منصور!" سلمان نے گھوڑے کی باگیں درست کرنے کے بعد مُڑ کر دیکھتے ہوئے کہا۔ "تمہیں پریشان نہیں ہونا چاہیے۔ ہو سکتا ہے کہ تمہارے ماموں تمہیں اپنے پاس بلا لیں۔"

”آپ واپس آئیں گے؟“

”انشاء اللہ میں ضرور آؤں گا۔ خدا حافظ!“ یہ کہہ کر سلمان نے گھوڑے کو ایڑ لگا دی۔

☆☆☆

عاتکہ نے ایک تنگ اور دشوار گزار راستے کا لمبا چکر کاٹنے کے بعد وہ گہری کھڈ عبور کی جس کا دوسرا کنارا اجڑے ہوئے قلعے کی جنوبی دیوار سے جاملتا تھا۔ وہ تلوار، کمان اور ترکش سے مسلح ہو کر آئی تھی۔

جب وہ سڑک سے چند قدم دور تھی تو سلمان تیزی سے موڑ مڑتا ہوا دکھائی دیا۔ اس نے ہاتھ سے اشارہ کرتے ہوئے آواز دی۔ ”جلدی آیئے!“

عاتکہ نے تھکے ہوئے گھوڑے کو ایڑ لگائی اور آن کی آن میں اس کے قریب پہنچ گئی۔ سلمان نے گھوڑے کی باگ پکڑ لی اور تیزی کے ساتھ شکستہ دروازے سے قلعے کے اندر داخل ہوا۔ عاتکہ نے سہمی ہوئی آواز

میں کہا۔ ”کیا ہوا؟ آپ کا گھوڑا کہاں ہے؟“

سلمان نے قلعے کے دوسرے کونے کے قریب رُکتے ہوئے جواب دیا۔ ”چند سوار اس طرف آ رہے ہیں۔ میں نے انہیں اگلی پہاڑی سے اترتے ہوئے دیکھا ہے۔ آپ جلدی سے اس برج پر پہنچ جائیں۔“

عاتکہ گھوڑے سے کود پڑی اور بھاگتی ہوئی برج کی سیڑھی کی طرف بڑھی۔ سلمان نے اس کا گھوڑا قریب ہی ایک کوٹھڑی کے اندر اپنے گھوڑے کے قریب باندھ دیا۔ اپنے تھیلے سے طمنچہ نکالا اور بھاگتے ہوئے برج کے زینے کی طرف بڑھا۔ عاتکہ ایک دریچے سے سر نکال کر باہر جھانک رہی تھی۔ سلمان کے قدموں کی آہٹ پا کر وہ اس کی طرف متوجہ ہوئی۔ ”ان کی تعداد آٹھ ہے اور وہ پل کے قریب پہنچ چکے ہیں۔ ممکن ہے وہ قلعے کی تلاشی لینے کی کوشش کریں۔“

سلمان نے کہا۔ ”آپ پریشان نہ ہوں۔ اگر ان کے پیچھے کوئی لشکر نہیں آ رہا تو یہ چھ آدمی ہمارے لئے کسی خطرے کا باعث نہیں ہو سکتے۔“

عاتکہ نے اپنے ترکش سے تیر نکال کر کمان میں جوڑتے ہوئے کہا۔ "مجھے صرف یہ پریشانی ہے کہ اگر ان میں سے کوئی باہر رُک گیا تو اسے بھاگنے کا موقع مل جائے گا۔"

"آپ فکر نہ کریں۔ ہم اس برج سے اس کا راستہ روک سکیں گے۔ لیکن مجھے ڈر ہے کہ آپ بلاوجہ تیر نہ چلا دیں۔"

عاتکہ نے دریچے سے جھانکتے ہوئے کہا۔ "آپ فکر نہ کریں۔"

تھوڑی دیر بعد سوار پل عبور کرنے کے بعد ان کی نگاہوں سے اوجھل ہو گئے تو عاتکہ برج کے دوسرے کونے کے دریچے کی طرف بڑھی اور وہاں سے گھاٹی کے موڑ کی طرف دیکھنے لگی۔ سوار کوئی دو سو گز کے فاصلے پر دوبارہ نمودار ہوئے تو سلمان نے قدرے مُضطرب ہو کر کہا۔ "آپ پیچھے ہٹ جائیں۔ وہ دیکھ لیں گے۔"

عاتکہ نے ایک قدم پیچھے ہٹ کر اس کی طرف دیکھا اور کہا۔ "شاید یہ وہی ہوں۔"

”کون؟“

”عمیر اور اس کا ساتھی!“

”اگر عمیر ان کے ساتھ ہوا تو مجھے یقین ہے کہ وہ سعید کی تلاش میں سیدھے آپ کے گاؤں جائیں گے۔“

وہ تھوڑی دیر خاموشی سے ایک دوسرے کی طرف دیکھتے رہے۔ پھر جب گھوڑوں کی ٹاپ قریب سنائی دینے لگی تو عاتکہ دوبارہ دریچے کی طرف بڑھی۔ اس نے ایک نظر سڑک پر ڈالی۔ اچانک اس نے ترکش سے تیر نکال کر کمان پر چڑھالیا لیکن عین اس وقت جب کہ وہ دریچے سے باہر سر نکال کر نشانہ لے رہی تھی، سلمان نے اس کا کندھا پکڑ کر پیچھے کھینچ لیا۔ عاتکہ بے بسی اور غصّے کی حالت میں اس کی طرف دیکھنے لگی۔ معاً سڑک کی طرف سے کسی کی آواز سنائی دی۔ ”کیا یہ بہتر نہیں ہو گا کہ ہم آگے جانے سے پہلے اس قلعے کی تلاشی لے لیں۔“

دوسرے نے جواب دیا۔ ”وہ اتنا بیوقوف نہیں۔ اگر وہ اس طرف آیا ہے

تو اپنے گاؤں سے پہلے کسی اور جگہ نہیں رُکے گا۔ جبکہ میرا خیال ہے کہ وہ وہاں سے بھی کوسوں دور آگے جا چکا ہو گا۔"

عاتکہ سلمان کا ہاتھ جھٹک کر دوسرے دریچے کی طرف بڑھی لیکن اس نے جلدی سے اس کا بازو پکڑا اور اسے زینے کی طرف ہٹا دیا۔ وہ اس کی آہنی گرفت میں بے بس سی ہو کر رہ گئی۔

سوار آگے نکل گئے۔

سلمان نے قدرے توقّف کے بعد کہا۔ "معاف کیجئے مجھے ایسا محسوس ہوا تھا کہ آپ سچ مچ تیر چلا دیں گی۔ آپ نے اپنا سر دریچے سے باہر نکال دیا تھا اور یہ محض اتفاق تھا کہ اس وقت ان میں سے کسی کی نظر اس طرف نہیں گئی۔"

عاتکہ نے جواب دیا۔ "مجھے صرف اس بات کا افسوس ہے کہ عمیر اس کے آگے تھا اور جب وہ میری زد میں آ چکا تھا تو آپ نے میرا ہاتھ روک لیا۔"

عاتکہ کی آنکھوں میں آنسو جمع ہو رہے تھے۔

"عتبہ اس کے ساتھ تھا؟"

عاتکہ نے اثبات میں سر ہلا دیا اور اس کے ساتھ ہی اس کی آنکھوں سے آنسو بہہ نکلے۔

سلمان نے کہا۔ "سعید کی جان بچانے کا مسئلہ عتبہ سے انتقام لینے کے مقابلے میں زیادہ اہم ہے۔ ورنہ آپ کی یہ خواہش اس وقت بھی پوری کر سکتا ہوں۔ اب وہ قلعے کے اندر نہیں آئیں گے۔ میں ان کا پیچھا کرتا ہوں۔ آپ احتیاطاً چند منٹ کے لئے رُک جائیں اور اس کے بعد روانہ ہو جائیں۔"

عاتکہ نے کہا۔ "نہیں آپ کو ان کے پیچھے جانے کی ضرورت نہیں۔" وہ تھوڑی دیر خاموشی سے قلعے کے صحن کی طرف دیکھتے رہے اور پھر نیچے اُتر آئے۔

سلمان نے کہا۔ "آپ یہیں ٹھہریں میں ابھی آتا ہوں۔"

عاتکہ رُک گئی اور وہ تیزی سے قلعے سے باہر نکل گیا۔ تھوڑی دیر بعد وہ واپس آیا تو عاتکہ صحن کے درمیان ایک چبوترے پر دو قبروں کے سامنے دُعا کے لئے ہاتھ پھیلائے کھڑی تھی۔ چبوترے کے آس پاس کئی قبریں تھیں۔ سلمان نے چبوترے کے قریب پہنچ کر دُعا کے لئے ہاتھ اٹھا دیے۔

فاتحہ پڑھنے کے بعد سلمان نے کہا۔ "آیئے اب وہ کافی دور جا چکے ہیں۔"

"آپ کو معلوم ہے کہ یہاں میرے والدین دفن ہیں؟" عاتکہ نے اس کے ساتھ چلتے ہوئے سوال کیا۔ "ہاں! اللہ تعالیٰ ان کی قبروں کو اپنی رحمتوں کے پھولوں میں ڈھانپ لے۔ حامد بن زہرہ نے مجھے اس قلعے کی تباہی اور آپ کے ابّا جان کی شہادت کا حال سنایا تھا۔"

"تھوڑی دیر بعد وہ گھوڑوں پر سوار قلعے سے نکل رہے تھے۔

نالے کا پل عبور کرنے کے بعد سلمان نے اچانک اپنا گھوڑا روکا اور عاتکہ سے مخاطب ہوا۔ "اب میں منصور کے متعلق پریشان ہوں۔ اگر میں

اسے ساتھ لے آتا تو بہت اچھا ہوتا۔“

عاتکہ نے جواب دیا۔ ”مجھے بھی عمیر کو دیکھتے ہی اس کا خیال آیا تھا لیکن آپ فکر نہ کریں۔ عمیر ہمارے گاؤں میں حامد بن زہرہ کے نواسے پر ہاتھ اٹھانے کی جرأت نہیں کر سکتا۔“

”لیکن میں محسوس کرتا ہوں کہ اسے وہاں نہیں رہنا چاہیے۔ سعید سے مشورہ کرنے کے بعد اگر یہ فیصلہ ہوا کہ اسے وہاں سے نکال لینا چاہیے تو مجھے فوراً واپس آنا پڑے گا۔“

”نہیں نہیں! وہاں پہنچ کر ہم کوئی اور انتظام کریں گے۔ آپ کا دوبارہ وہاں جانا ٹھیک نہیں۔“

سلمان نے کچھ سوچ کر کہا۔ ”میں احتیاطاً آپ سے دو تین سو قدم آگے رہوں گا۔ اگر کسی جگہ میں اچانک سڑک سے ایک طرف ہٹ جاؤں تو اس کا یہ مطلب ہو گا کہ آگے کوئی خطرہ ہے اور آپ کو آس پاس کسی ٹیلے یا درختوں کی اوٹ میں چھپ کر انتظار کرنا چاہیے۔ بستی کے قریب پہنچ کر

ہم سیدھے مکان کا رُخ کرنے کی بجائے سڑک کے دائیں جانب باغ اور کھیت عبور کر کے پچھلے دروازے سے اندر داخل ہونے کی کوشش کریں گے!"

☆☆☆

باقی راستہ انہیں کوئی مشکل پیش نہ آئی۔ جب وہ مکان کے پچھلے دروازے کے قریب پہنچے تو مسعود اور اسماء باہر نکل کر ان کا انتظار کر رہے تھے۔ اسماء نے آگے بڑھ کر سلمان سے کہا۔ "میں نے آپ کو دور سے دیکھ کر پہچان لیا تھا۔ میں صبح سے چھت پر کھڑی تھی۔"

پھر وہ جھجکتی ہوئی عاتکہ کی طرف متوجہ ہوئی۔ "آیئے! امّی آپ کا بھی انتظار کر رہی ہیں۔ اگر کچھ دیر پہلے آپ آجاتی تو زخمی ہونے والے چچا جان سے باتیں کر لیتیں۔ امّی جان کہتی ہیں اب انہیں پھر نیند آگئی ہے لیکن وہ بہت جلد ٹھیک ہو جائیں گے۔"

عاتکہ اس کا ہاتھ پکڑ کر مکان میں داخل ہوئی اور تھوڑی دیر بعد وہ سعید

کے بستر کے قریب کھڑی اپنے آنسو پونچھ رہی تھی۔

بدریہ سے بار بار تسلّی دے رہی تھی۔ ”آپ ہمّت سے کام لیں۔ انشاء اللہ یہ ٹھیک ہو جائیں گے۔ آپ تشریف رکھیں۔ امّید ہے کہ انہیں جلد ہوش آ جائے گا۔ ابھی ایک ساعت قبل یہ اطمینان سے باتیں کر رہے تھے اور اس بات سے بہت پریشان تھے کہ میں نے آپ کو اطلاع بھیج دی ہے۔ تاہم ان کی نگاہیں دروازے پر لگی ہوئی تھیں۔ مجھے اندیشہ ہے کہ آپ نے یہاں آ کر بہت بڑا خطرہ مول لیا ہے لیکن میں نے یہ محسوس کیا تھا کہ آپ کا یہاں آنا ہزار علاج سے زیادہ ضروری ہے۔ ہم کوشش کریں گے کہ ان کے متعلق اطمینان حاصل کرتے ہی آپ کو واپس بھیج دیا جائے!“

”نہیں نہیں!“ عاتکہ نے کرب انگیز لہجے میں کہا۔ ”خُدارا یہ دُعا نہ کیجیے کہ میں حامد بن زہرہ کے قاتلوں کو دوبارہ دیکھوں۔ اور پھر وہ پھوٹ پھوٹ کر رو رہی تھی۔“

اغوا

عمیر اور اس کے ساتھی، سعید کے گھر سے کچھ دور رکے اور عمیر نے گھوڑے سے اتر کر عتبہ سے کہا۔ ”آپ یہیں ٹھہریں۔ میں ابھی اس کا پتا لگا کر آپ کو اطلاع دوں گا۔“

”میں بھی تمہارے ساتھ چلوں گا۔“ عتبہ نے گھوڑے سے اترتے ہوئے کہا۔ دو سواروں نے ان کے گھوڑوں کی باگیں پکڑ لیں اور تھوڑی دیر بعد وہ مکان کے صحن میں داخل ہوئے۔

”سعید! سعید!“ عمیر نے آوازیں دیں۔

مکان کے دائیں طرف سے دو نوکر نمودار ہوئے اور ان میں سے ایک

بھاگ کر آگے بڑھا اور اس نے کہا۔ ”وہ یہاں نہیں ہیں۔“

اتنی دیر میں زبیدہ اور منصور بھی درمیانی کمرے سے نکل کر برآمدے میں آ گئے اور اضطراب کی حالت میں عمیر اور اس کے ساتھی کی طرف دیکھنے لگے۔ عمیر نے آگے بڑھ کر کہا۔ ”مجھے معلوم ہے کہ سعید اندر ہے۔ میں اسے ایک ضروری پیغام پہنچانا چاہتا ہوں۔“

زبیدہ نے جواب دیا۔ ”وہ اندر نہیں۔ آپ دیکھ سکتے ہیں۔“

عمیر کچھ کہے بغیر اندر داخل ہوا اور یکے بعد دیگرے نچلی منزل کے کمروں کی تلاشی لینے کے بعد زینے سے اوپر چلا گیا۔ تھوڑی دیر میں اس نے مکان کا کونہ کونہ چھان مارا۔ اس عرصہ میں عتبہ خاموشی سے صحن میں کھڑا زبیدہ کے چہرے کا اتار چڑھاؤ دیکھتا رہا۔ عمیر مکان کی تلاشی سے فارغ ہو کر زبیدہ کی طرف متوجہ ہوا۔

”وہ کسی طرف گیا ہے؟“

زبیدہ نے کہا۔ ”عمیر! میں جھوٹ نہیں کہتی۔ سعید اپنے والد کے ساتھ

غرناطہ گیا تھا اور ابھی تک ان میں سے کوئی واپس نہیں آیا۔"لیکن عمیر کا چہرہ بتا رہا تھا کہ ابھی تک اس کی تسلّی نہیں ہوئی۔ بالآخر عتبہ نے کہا۔ "عمیر! یہاں وقت ضائع کرنے سے کوئی فائدہ نہیں۔ آؤ چلیں!"

عمیر کچھ دیر تذبذب کی حالت میں زبیدہ کی طرف دیکھتا رہا۔ پھر اس نے منصور سے پوچھا۔ "منصور! تم نے بھی اپنے ماموں کو یہاں نہیں دیکھا؟"

"نہیں!" اس نے جواب دیا۔ یہ سن کر عمیر جلدی سے عتبہ کی طرف بڑھا اور پھر وہ دونوں مکان سے باہر نکل گئے۔ تھوڑی دور جا کر وہ رُک گئے اور ایک دوسرے کی طرف دیکھنے لگے۔

عتبہ نے کہا۔ "نوکروں کو دیکھتے ہی میں سمجھ گیا تھا کہ سعید یہاں نہیں ہو سکتا۔ تمہیں مکان کی تلاشی لینے کی ضرورت نہ تھی۔ تاہم یہ واضح ہے کہ وہ عورت ہمیں دیکھتے ہی سہم گئی تھی۔"

عمیر نے کہا۔ "اگر آپ مجھے ذرا سی سختی کرنے کی اجازت دیں تو وہ سب کچھ بتا دے گی۔"

عتبہ نے جواب دیا۔ ”ابھی نہیں جب سختی کرنے کی ضرورت پیش آئے گی تو میں تمہیں منع نہیں کروں گا۔ اگر سعید یہاں آتا تو حامد بن زہرہ کے متعلق سننے کے بعد اس گھر کی فضا یقیناً مختلف ہوتی!“

عمیر نے پوچھا۔ ”آپ کے خیال میں اب ہمیں کیا کرنا چاہیے؟“

”میرے خیال میں اب ہمیں یہیں ٹھہر جاپڑے گا۔ اگر سعید غرناطہ نہیں پہنچ گیا تو ہوسکتا ہے کہ وہ کسی وقت بھی یہاں پہنچ جائے۔ یہ بھی ممکن ہے کہ وہ زخمی ہو اور اپنے گھر آنے کی بجائے کسی اور بستی میں پناہ لے چکا ہو۔ بہرحال مجھے یقین ہے کہ اس صورت میں بھی وہ کسی کو اپنے متعلق اطلاع دینے کے لئے یہاں ضرور بھیجے گا۔ جب تک اس کا بھانجا یہاں موجود ہے وہ اس علاقے سے کہیں دور نہیں جاسکتا۔ اس لئے یہ ضروری ہے کہ ہم اس گھر میں آنے جانے والوں کے متعلق باخبر رہیں۔“ عمیر نے کہا۔ ”چلئے! آپ ہمارے گھر میں آرام کیجیے۔ میں وہاں سے اپنے نوکروں کو اس جگہ پہرہ دینے کے لئے بھیج دوں گا۔ ہاں! آپ کو یہ تو اطمینان ہے نا کہ وزیر اعظم ابّا جان کو جلدی واپس نہیں آنے دیں گے۔ میں ابھی تک

یہ خطرہ محسوس کر رہا ہوں کہ اگر وہ اچانک یہاں پہنچ گئے تو پھر مجھے سخت الجھن کا سامنا کرنا پڑے گا۔“

عتبہ نے کہا۔ ”میں کتنی مرتبہ یہ کہہ چکا ہوں کہ وہ وزیر اعظم کے گھر سے باہر نہیں نکل سکتے۔ اگر مجھے یہ اطمینان نہ ہوتا تو میں اس گاؤں میں پاؤں رکھنے کی کبھی جرأت نہ کرتا۔ تمہارے والد تمہیں تو معاف کر سکتے ہیں لیکن مجھ پر کبھی رحم نہ کریں گے۔ جب ہمیں سعید اور اس کے ساتھیوں کے متعلق اطمینان ہو جائے گا تو وزیر اعظم کے لئے تمہارے ابّا جان کو یہ سمجھانا مشکل نہ ہو گا کہ ہم نے جو کچھ کیا ہے وہ ملک اور قوم کی بہتری کے لئے تھا۔ اب یہاں سے چلو! جب تک تمہارے آدمی پہرہ دینے کے لئے یہاں نہیں پہنچ جاتے، ہمارا ایک آدمی اس مکان کی نگرانی کرتا رہے گا۔“
تھوڑی دیر بعد وہ گھوڑوں پر سوار ہو کر عمیر کے گھر کا رُخ کر رہے تھے۔

☆☆☆

عمیر کو گھر پہنچتے ہی ایک غیر متوقع صورتِ حال کا سامنا کرنا پڑا۔ ڈیوڑھی

کا دروازہ کھلا تھا لیکن آس پاس کوئی نوکر موجود نہ تھا۔ صرف گاؤں کے چند آدمی ڈیوڑھی سے باہر بیٹھے ہوئے تھے۔ وہ جلدی سے اُٹھ کر آگے بڑھے لیکن عمیر نے گھوڑے سے اترتے ہی سوال کیا۔ ”ہمارے آدمی کہاں چلے گئے؟“

ایک بوڑھے آدمی نے گھوڑے کی باگ پڑتے ہوئے جواب دیا۔ ”معلوم نہیں وہ کہاں ہیں۔ صبح میں نے آپ کے دو نوکریوں کو گھوڑوں پر سوار ہو کر باہر جاتے دیکھا تھا۔ اس کے بعد شاید باقی نوکر بھی کہیں چلے گئیں ہیں۔ ابھی آپ کی خادمہ انہیں تلاش کر رہی تھی۔“

عمیر نے پریشان ہو کر عتبہ کی طرف دیکھا اور پھر بھاگتا ہوا اندر چلا گیا۔ پانچ منٹ بعد وہ واپس آیا اور گھوڑوں کو اصطبل میں بھجوانے کے بعد عتبہ کو مہمان خانے کے اندر لے گیا۔

”عمیر! کیا بات ہے؟“ عتبہ نے سوال کیا۔ تم بہت پریشان نظر آتے ہو۔

اس نے مغموم لہجے ہے۔ ”عاتکہ گھر میں نہیں ہے۔ وہ صبح ہوتے ہی کہیں

چلی گئی تھی۔ اب مجھے یقین آ گیا ہے کہ سعید زخمی ہے اور آس پاس کسی جگہ چھپا ہوا ہے۔"

"عاتکہ نصیر کی بیٹی؟"

"ہاں! مجھے پہلے ہی اس بات کا خدشہ تھا کہ اگر سعید اس طرف آیا ہے تو وہ عاتکہ کو ضرور اطلاع دے گا۔"

عمیر نے چند بار سر سری طور پر عتبہ سے اپنی عم زاد کا ذکر کیا تھا لیکن اس نے یہ نہیں بتایا تھا کہ اسے سعید کے ساتھ بھی کوئی دلچسپی ہو سکتی ہے۔ اس نے اپنے ذہنی اضطراب کو چھپانے کی کوشش کرتے ہوئے کہا۔ "ممکن ہے کہ گاؤں میں کسی سہیلی سے پاس گئی ہو؟ وہ صبح سواری کے بہانے گھر سے نکلی تھی اور ابھی تک واپس نہیں آئی۔"

"باہر سے کوئی ایلچی اس کے پاس آیا تھا؟"

"نہیں۔ لیکن جب وہ تھوڑی دیر کے لئے گھر سے باہر گئی تو یہ کہہ کر گئی تھی کہ میں سعید کے گھر جا رہی ہوں۔ اس کے بعد وہ واپس آتے ہی

گھوڑے پر سوار ہو کر کہیں اور چلی گئی۔ گاؤں والوں سے صرف اتنا معلوم ہوا ہے کہ وہ جنوب کا رُخ کر رہی تھی۔ آپ یہیں ٹھہریں، میں جانتا ہوں!"

"تم کہاں جا رہے ہو؟" "میں دوبارہ سعید کے گھر جا رہا ہوں۔ مجھے یقین ہے وہاں سعید کے ساتھ اس کی ملاقات ہوئی ہو گی اور اس نے یہ بتا دیا ہو گا کہ میں فلاں جگہ پہنچ کر تمہارا انتظار کروں گا۔"

"اب تم وہاں جا کر کیا کرو گے؟"

"مجھے اس کی خادمہ اور بھانجے سے معلوم کرنے میں دیر نہیں لگے گی کہ وہ کہاں ہے۔ اگر مجھے ان کی کھال بھی اتارنی پڑی تو بھی میں دریغ نہیں کروں گا۔"

"تم اطمینان سے یہاں بیٹھ جاؤ!"

"میں اطمینان سے بیٹھ جاؤں؟" عمیر حیرت زدہ ہو کر اس کی طرف دیکھنے لگا۔

”ہاں! تم اب باہر نہیں جا سکتے!“

”لیکن میری سمجھ میں نہیں آتا کہ آپ کیا کرنا چاہتے ہیں؟“

عتبہ نے اطمینان سے جواب دیا۔ ”عقل کی کوئی بات بھی اس وقت تمہاری سمجھ میں نہیں آئے گی۔ اس وقت تم یہ نہیں سوچ سکتے کہ تم حامد بن زہرہ کے نواسے کے گھر جا رہے ہو اور اس کی ہلکی سی چیخ پر بستی کے لوگ تم پر ٹوٹ پڑیں گے۔ تم یہ بھی نہیں سمجھ سکتے کہ اگر وہاں جا کر ہمیں سعید کا ٹھکانا معلوم ہو بھی ہو جائے تو بھی تمہیں اس کا پیچھا کرنے کے لئے اس بستی کے لوگوں کے تعاون کی ضرورت ہو گی۔ پھر اگر عاتکہ اس کے ساتھ ہے تو اس علاقے میں کوئی آدمی ایسا نہیں ہو گا جو اس کی طرف آنکھ اٹھا کر دیکھنے کی جرأت کر سکے!“

”لیکن میں عاتکہ کو ہر قیمت پر واپس لانا چاہتا ہوں۔“

”اب تم اسے واپس نہیں لا سکتے۔ لیکن میں اسے واپس لا سکتا ہوں۔ بیٹھ جاؤ اور اطمینان سے میری بات سنو!“

عمیر نڈھال سا ہو کر ایک کرسی پر بیٹھ گیا اور عتبہ نے اس کے سامنے بیٹھتے ہوئے کہا۔ اب ہماری آخری کوشش یہ ہونی چاہیے کہ سعید کے بھانجے کو پکڑ کر لے جائیں۔ اس کے بعد سعید کو یہ پیغام بھیجا جا سکتا ہے کہ اگر عاتکہ کو ہمارے سپرد نہ کیا گیا تو تمہارے بھانجے کو سینٹا فے بھیج دیا جائے گا۔ پھر تم دیکھو گے کہ وہ دونوں کس طرح ہمارے قابو میں آتے ہیں۔ لیکن اس لڑکے کو پکڑانے کے لئے یہ وقت موزوں نہیں۔ ہم رات کے وقت ان کے گھر پر چھاپہ ماریں گے اور جب تک رات نہیں ہو جاتی تمہاری ذمہ داری صرف اتنی ہے کہ ایک دو قابلِ اعتماد آدمیوں کے ساتھ ان کے مکان پر پہرہ دیتے رہو۔ ورنہ میرے نوکر تمہارا ساتھ دیں گے۔ لیکن تمہیں گھر سے کافی دور رہنا چاہیے اور آس پاس گاؤں کے کسی آدمی کو یہ شک کرنے کا موقع نہیں دینا چاہیے کہ تم کسی مہم پر آئے ہو۔ اب تم جا سکتے ہو۔ میں کچھ دیر آرام کرنا چاہتا ہوں لیکن یہ یاد رکھو کہ اگر تم نے میری ہدایات کی ذرّہ بھر خلاف ورزی کی تو آج سے ہمارے راستے جدا ہوں گے۔"

عمیر نے کہا۔ ”آپ کی تجویز تو ٹھیک ہے لیکن میرے دل میں یہ خدشہ ابھی تک باقی ہے کہ اگر ابّا جان اچانک یہاں پہنچ گئے تو ہمیں انتہائی خطرناک حالات کا سامنا کرنا پڑے گا۔ ان کی موجودگی میں منصور کے گھر پر حملہ کرنے کے لئے ایک لشکر کی ضرورت ہو گی اور گاؤں کا کوئی آدمی ہمارا ساتھ نہیں دے گا۔ مجھے صرف اپنی جان کا خطرہ نہیں بلکہ آپ کو بچانا بھی میرے لئے ناممکن ہو جائے گا۔ اس لئے آپ میری بات مانیں۔ ہمیں منصور کو پکڑ کر یہاں سے بھاگنے میں چند منٹ سے زیادہ نہیں لگیں گے۔“

عتبہ نے بگڑ کر کہا۔ ”مجھے کتنی بار تمہاری تسلّی کروانی پڑے گی کہ تمہارے ابّا جان یہاں نہیں آئیں گے۔ میں تمہیں پریشان نہیں کرنا چاہتا تھا لیکن اب شاید تمہیں یہ بتانا ضروری ہو گیا ہے۔ کہ وہ قطعاً سفر کے قابل نہیں اور کئی دن تک ان سے تمہاری ملاقات کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ اگر تم مزید تسلّی چاہتے ہو تو میں تمہیں یہ بھی بتا سکتا ہوں کہ انہیں کسی طبیب کے گھر پہنچا دیا گیا ہے اور طبیب کو یہ ہدایت کر دی گئی ہے کہ وہ کسی سے

اس کا تذکرہ نہ کرے۔ اس مہم سے فارغ ہونے کے بعد تم جی بھر کر ان کی تیمار داری کر سکو گے اور ممکن ہے کہ چند دن بعد ان کا غصّہ دور کرنے میں کامیاب ہو جاؤ۔ لیکن مجھے جو اطلاع ملی ہے اس سے میرا اندازہ یہی ہے کہ آئندہ تمہارے درمیان تلخ کلامی کی نوبت نہیں آئے گی۔ قدرت نے ان کی قوّت گویائی سلب کر لی ہے۔"

عمیر کچھ دیر سکتے کے عالم میں اس کی طرف دیکھتا رہا۔ پھر اس نے کہا "لیکن میں تمام وقت آپ کے ساتھ تھا۔ آپ کو یہ اطلاع کب ملی تھی؟"

"علی الصبح محل سے ایک ایلچی آیا تھا۔ تم اس وقت سو رہے تھے اور میں نے اس مہم کی اہمیت کے پیشِ نظر تمہیں جگانا مناسب نہیں سمجھا۔ تم اس بات سے خفا تو نہیں ہو؟"

عمیر نے جواب دیا۔ "آپ کو یہ خیال کیسے آیا کہ ایک بیمار آدمی کی گالیاں سننے کا شوق مجھے آپ کا ساتھ چھوڑنے پر آمادہ کر دے گا۔ آپ کا یہ خیال غلط ہے کہ میں ان سے ڈرتا ہوں۔ مجھے صرف یہ خدشہ تھا کہ وہ ہماری

پریشانیوں میں اضافہ نہ کریں۔ ابھی میں اندر گیا تھا تو مجھے ایسا محسوس ہوتا تھا کہ میں باپ کی زندگی میں شاید دوبارہ یہاں نہیں آؤں گا اور شاید مرتے ہوئے بھی وہ میرے سوتیلے بھائیوں کے لئے یہ وصیت چھوڑ جائیں کہ ان کی وراثت میں میرا کوئی حصّہ نہیں۔ لیکن مجھے اس بات کا کوئی افسوس نہیں۔ میں یہ عہد کر چکا ہوں کہ میں ہر قیمت پر اپنے حصّے کی ذمہ داریاں پوری کروں گا۔"

عتبہ نے کہا۔ "تم اپنی ذمہ داریاں پوری کرنے کے بعد گھاٹے میں نہیں رہو گے۔ تمہارے سوتیلے بھائی تمہاری مرضی کے بغیر سینٹافے سے واپس نہیں آئیں گے۔ میں اس بات کی ذمہ داری لیتا ہوں۔ جب جنگ کے خطرات ختم ہو جائیں گے تو فرڈنینڈ انہیں بڑی سے بڑی عزّت کا مستحق سمجھے گا اور میری کوشش یہی ہو گی کہ میرا دوست اس علاقے کا سب سے بڑا سردار ہو۔ لیکن مجھے اندیشہ ہے کہ تمہاری ایک خواہش شاید کبھی پوری نہ ہو سکے۔ مجھے وہ لڑکی بہت ضدّی معلوم ہوتی ہے اور اگر وہ سعید کے لئے اپنے جابر چچا سے بغاوت کر سکتی ہے اور اپنا گھر بار چھوڑنے کا

خطرہ مول لے سکتی ہے تو اب وہ آسانی سے تمہارے قابو میں نہیں آئے گی۔“

عمیر نے کہا۔ ”مجھ سے اس کی نفرت کی وجہ سعید ہے۔ جب ہم اس سے نپٹ لیں گے تو عاتکہ کو راہِ راست پر لانا مشکل نہیں ہو گا۔“

عتبہ نے کہا۔ ”لیکن پہلے تم نے کبھی یہ نہیں بتایا کہ وہ لڑکی تمہارے لیے اتنی اہم ہے؟“

”میں ہمیشہ یہ سوچا کرتا تھا کہ کسی دن میں آپ سے اپنی زندگی کی سب سے بڑی خواہش بیان کروں گا اور آپ مجھے مایوس نہیں کریں گے۔“

عتبہ نے کہا۔ ”مجھے یقین ہے کہ سعید اور اس کے بھانجے کی خاطر وہ لڑکی بڑی سے بڑی قربانی دینے پر تیار ہو جائے گی لیکن اگر تم یہ چاہتے تو کسی دن اس کی نفرت دور ہو جائے تو ہو سکتا ہے کہ تمہیں کچھ عرصہ صبر اور حوصلے سے کام لینا ہے۔ اگر وہ بہت زیادہ بد دماغ ثابت ہوئی تو ممکن ہے کہ اسے راہ راست پر لانے کے لئے ہمیں کلیسا کے محکمہ احتساب کی

خدمات حاصل کرنا پڑیں اور پھر کسی دن تمہیں ایک نجات دہندہ کی حیثیت سے اس کے سامنے پیش کیا جائے۔ اگر اس مسئلہ میں تم میرا تعاون چاہتے ہو تو میں تم سے یہ وعدہ لینا چاہتا ہوں کہ تم ہر بات میں میری ہدایات پر عمل کرو گے۔"

عمیر نے جواب دیا۔ "میری طرف سے ذرّہ بھر کوتاہی نہیں ہو گی۔ عاتکہ کو حاصل کرنا میری زندگی اور موت کا مسئلہ ہے۔"

عتبہ نے اس کی طرف غور سے دیکھا اور پھر اچانک منہ پھیر لیا۔

☆☆☆

آدھی رات کے قریب زبیدہ کو گہری نیند کی حالت میں ایسا محسوس ہوا کہ کوئی کمرے کا دروازہ کھٹکھٹا رہا ہے۔ وہ ہڑبڑا کر اٹھ بیٹھی۔ کمرے کے ایک کونے میں چراغ ٹمٹما رہا تھا۔ منصور اس کے قریب دوسرے بستر پر گہری نیند سو رہا تھا۔ اس نے اُٹھ کر اپنی انگلی سے بتّی کی راکھ جھاڑ دی۔ چراغ میں تیل ڈالا اور دروازے کی کھٹکھٹاہٹ کو اپنا وہم سمجھ کر دوبارہ بستر پر

لیٹ گئی۔

چند ثانیے بعد کسی نے دوبارہ دستک دی۔

"کون ہے؟" اس نے سہمی ہوئی آواز میں پوچھا۔

جواب میں نوکر کی آواز سنائی دی۔ "میں ہوں۔ دروازہ کھولیے۔ جلدی کیجیے! ایک آدمی سعید کا پیغام لایا ہے۔"

زبیدہ بھاگ کر دروازے کے قریب پہنچی لیکن زنجیر کی طرف ہاتھ بڑھاتے ہوئے کچھ سوچ کر رُک گئی۔

"وہ کیا کہتا ہے؟" اس نے سوال کیا۔

نوکر نے جواب دیا۔ "وہ یہ کہتا ہے کہ سعید کی حالت خراب ہے اور اس نے منصور کو بلایا ہے۔"

"سعید کہاں ہے؟" زبیدہ نے جلدی سے دروازہ کھولتے ہوئے پوچھا۔ ایک آدمی نے اچانک اس کی گردن دبوچ کر پیچھے دھکیلتے ہوئے کہا۔

"تمہیں ابھی معلوم ہو جائے گا کہ سعید کہاں ہے!"

آنکھ جھپکنے میں نوکر کے علاوہ تین اور آدمی کمرے کے اندر آ چکے تھے۔ اور زبیدہ سکتے کے عالم میں عمیر اور اس کے ساتھیوں کی طرف دیکھ رہی تھی۔

عمیر نے اپنی تلوار کی نوک اس کی آنکھوں کے سامنے کرتے ہوئے کہا۔ "اگر تم نے شور مچانے کی ذرا بھی کوشش کی تو مجھے تمہارا سر قلم کرنے میں دیر نہیں لگے گی۔ اب بتاؤ! سعید اور عاتکہ کہاں ہیں؟"

دوسرے آدمی نے اسے اپنی گرفت سے آزاد کر دیا لیکن وہ عمیر کو جواب دینے کی بجائے نفرت اور بے بسی کی حالت میں اپنے نوکر کی طرف دیکھ رہی تھی۔ نوکر کے چہرے پر تازہ ضربوں کے نشان تھے اور اس کی ناک سے خون بہہ رہا تھا۔ اس نے زبیدہ کی طرف دیکھا اور سر جھکاتے ہوئے کہا۔

"میں بے قصور ہوں۔ انہوں نے کہا تھا کہ اگر میں نے دروازہ نہ کھلوایا تو

ہم مکان کو آگ لگا دیں گے۔"

عمیر نے گرج کر کہا۔ "اسے اس کے ساتھی کے پاس لے جاؤ اور دونوں کو اچھی طرح باندھ دو۔ اگر کوئی شور مچانے کی کوشش کرے تو فوراً قتل کر دو۔۔۔! اپنے ساتھیوں سے کہو کہ وہ گھوڑے اندر لے آئیں اور جب تک ہم ان سے فارغ نہیں ہوتے ایک آدمی صحن سے باہر کھڑا رہے۔"

دو آدمی نوکر کو پکڑ کر باہر لے گئے۔

زبیدہ نے کہا۔ "عمیر! خدا کا خوف کرو۔ یہ حامد بن زہرہ کی بیٹی کا گھر ہے۔ اپنے خاندان کی لاج رکھو!"

عمیر چلّایا۔ "میرے خاندان کی رسوائی کا باعث تم ہو۔ بتاؤ عاتکہ کہاں ہے؟"

"عاتکہ؟"

عمیر نے اس کے منہ پر تھپڑ مارتے ہوئے کہا۔ "اب تم مجھے دھوکا نہیں

دے سکتیں۔ مجھے معلوم ہے کہ سعید یہاں آیا تھا اور عاتکہ اس کے ساتھ جا چکی ہے۔"

"نہیں۔ خدا کی قسم! سعید یہاں نہیں آیا۔"

عتبہ نے کہا۔ "عمیر! تم وقت ضائع نہ کرو۔ اس لڑکے کو اٹھا کر باہر لے جاؤ۔ میں ان لوگوں سے نپٹنا جانتا ہوں۔"

عمیر جلدی سے بستر کی طرف بڑھا اور منصور کو جھنجوڑنے لگا۔ منصور نے خوفزدہ ہو کر چیخ ماری لیکن عمیر نے اس کے منہ پر ہاتھ رکھ کر دبا دیا۔ "اگر شور مچاؤ گے تو میں تمہارا گلا گھونٹ دوں گا۔ بتاؤ تمہارا ماموں کہاں ہے؟" زبیدہ عمیر کا گریبان پکڑ کر چلّائی۔ "خدا کے لئے اسے کچھ نہ ہو۔ اسے سعید کے متعلق کچھ معلوم نہیں۔"

عمیر نے اسے پوری قوت سے ایک تھپڑ مارا اور وہ ایک طرف گر پڑی۔ منصور غضبناک ہو کر اٹھا اور عمیر پر ٹوٹ پڑا۔ لیکن عتبہ نے اس کی گردن پکڑ کر دھکا دے دیا۔ اور وہ دیوار کے ساتھ ٹکرا کر فرش پر گر پڑا۔

اس نے دوبارہ اٹھنے کی کوشش کی لیکن عمیر نے آگے بڑھ کر اس کے سینے پر لات ماری اور وہ گرتے ہی بے ہوش ہو گیا۔

عتبہ نے کہا۔ ”اسے اٹھا کر باہر لے جاؤ!“

عمیر منصور کو اٹھا کر کمرے سے باہر نکلنے لگا تو زبیدہ نے دہائی دینے کی کوشش کی۔ لیکن عتبہ نے تلوار کی نوک اس کے سینے پر رکھتے ہوئے کہا۔ ”بڑھیا! اگر تمہیں اس لڑکے کی زندگی عزیز ہے تو خاموش رہو۔ اب اس کی جان بچانے کی ایک ہی صورت ہے۔ تم سعید کو یہ پیغام بھیج دو کہ عاتکہ کو اس کے گھر پہنچا دے اور اپنے آپ کو حکومت کے حوالے کر دے۔“

زبیدہ نے سسکیاں لیتے ہوئے کہا۔ ”مجھے معلوم نہیں کہ سعید نے آپ کا کیا جرم کیا ہے لیکن وہ گھر نہیں آیا اور مجھے عاتکہ کے متعلق بھی کچھ معلوم نہیں۔“

عتبہ نے کہا۔ ”ممکن ہے کہ ابھی تک تم ان سے متعلق بے خبر ہو لیکن ہمیں یقین ہے کہ سعید کہیں آس پاس چھپا ہوا ہے اور اگر وہ زندہ رہا تو

اپنے بھانجے کے پاس ضرور آئے گا۔ تم اسے ہماری طرف سے یہ پیغام دے سکتی ہو کہ اگر اس نے لوگوں کے ہمارے خلاف مشتعل کرنے کی کوشش کی تو وہ اپنے بھانجے کی لاش بھی نہیں دیکھ سکے گا۔ ہم اس کے دشمن نہیں ہیں لیکن ہمارے نزدیک غرناطہ کو مزید تباہی سے بچانے کی آخری صورت یہی ہے کہ شر پسندوں کو از سرِ نو جنگ کی آگ بھڑکانے کا موقع نہ دیا جائے۔ اس سے زیادہ ہمیں کچھ اور کہنے کی ضرورت نہیں تمہارے نوکر صبح تک اپنی کوٹھڑی میں بند رہنے چاہیں اور اس کے بعد انہیں آزاد کرتے ہوئے تمہیں تسلّی کر لینی چاہیے کہ وہ ہمارے متعلق اپنی زبانیں بند رکھیں۔ اگر ہمیں دوبارہ یہاں آنا پڑا تو ہم کسی کو زندہ نہیں چھوڑیں گے۔"

زبیدہ بے اختیار عتبہ کے پاؤں پر گر پڑی۔ "خدا کے لئے ان کی جان بچاؤ! میں وعدہ کرتی ہوں کہ میں تمہارے حکم کی تعمیل کروں گی۔ میں قسم کھاتی ہوں۔۔۔"

لیکن عتبہ کمرے سے باہر نکل گیا۔

☆☆☆

تھوڑی دیر بعد وہ مکان سے کچھ دور کھڑے تھے اور عتبہ عمیر سے کہہ رہا تھا۔ اب تم اطمینان سے گھر جاؤ۔ میں اس لڑکے کو اپنے ساتھ لے جاؤں گا۔ اگر عاتکہ یہیں آس پاس ہے تو وہ بہت جلد واپس آئے گی اور اگر وہ واپس نہ آئی تو بھی ہمیں یہ معلوم کرنے میں زیادہ دیر نہیں لگے گی کہ وہ کہاں ہے۔"

پھر وہ اپنے ایک اور ساتھی سے مخاطب ہوا۔ "ضحاک! میں تمہیں ایک نہایت اہم ذمہ داری سونپ رہا ہوں۔ یہ لوگ منصور کی جان بچانے کے لئے اس لڑکی کو فوراً واپس لانے کی کوشش کریں گے۔ اس لئے تمہیں مکان کے قریب چھپ کر ساری رات پہرہ دینا ہو گا۔ اگر کوئی اس گھر سے باہر نکلے تو تم اس کا پیچھا کرو۔ وہ گاؤں کے جس مکان کا رُخ کرے گا وہاں شاید عاتکہ کے علاوہ چند اور خطرناک باغی بھی موجود ہوں گے۔ تمہیں مکان سے ذرا دور رہ کر کچھ دیر انتظار کرنا چاہیے۔ اگر تم کسی لڑکی کو وہاں سے نکلتے ہوئے دیکھو تو اسے یہ شک نہیں ہونا چاہے کوئی اس کا پیچھا

کر رہا ہے۔ وہ یا تو بھاگتی ہوئی پہلے اس مکان کا رُخ کرے گی اور اس کے بعد اپنے گھر جائے گی۔ ورنہ سیدھی اپنے گھر کا رُخ کرے گی۔ دوسرے آدمیوں کو گرفتار کرنے کے لئے ہمیں کسی جلد بازی سے کام لینے کی ضروری نہیں۔ ہم حالات کے مطابق سوچ سمجھ کر کوئی قدم اٹھائیں گے۔" عمیر نے کہا۔ "کیا یہ بہتر نہ ہو گا کہ گاؤں سے مزید چند نوکر بھی ان کے ساتھ رہیں جی کہ عاتکہ کی جائے پناہ کا پتا مل جائے تو وہ باقی رات وہاں پہرہ دیتے رہیں۔"

عتبہ نے جواب دیا۔ "تم صرف ایک آدمی ضحاک کی رہنمائی کے لئے بھیج سکتے ہو اور اس کا کام صرف اتنا ہو گا کہ وہ دبے پاؤں ضحاک کا پیچھا کرے اور بوقت ضرورت تمہیں خبردار کر دے۔ دوسرے آدمیوں کو صرف گاؤں سے باہر جانے والے راستوں کی دیکھ بھال کرنا چاہیے۔ میں اپنے تین آدمیوں کو تمہارے پاس چھوڑ کر جا رہا ہوں اور وہ گاؤں سے باہر جانے والے راستوں کی ناکہ بندی کے لئے تمہارے نوکروں کی مدد کریں گے۔ لیکن تمہیں کسی حالت میں کسی گھر پر حملہ کرنے کی اجازت نہیں

ورنہ تمہیں گاؤں کی پوری آبادی کا مقابلہ کرنا پڑے گا۔ اس صورت میں شاید تمہیں عاتکہ سے بھی ہاتھ دھونے پڑیں۔ اگر عاتکہ کی واپسی کے بعد کسی اور آدمی نے گاؤں سے بھاگنے کی کوشش نہ کی تو اس کی وجہ یہی ہو سکتی ہے کہ وہ زخمی ہے اور ہم جب چاہیں انہیں پکڑ سکتے ہیں۔ وہ وقت زیادہ دور نہیں کہ تم اس گاؤں کی پوری آبادی پر ہاتھ ڈال سکو۔"

"میں سر دست اس لڑکے غرناطہ کی بجائے ویگا میں اپنے گھر رکھنا چاہتا ہوں اور فی الحال عاتکہ کو بھی اس گاؤں میں رکھنا مناسب نہیں ہو گا۔ اگر وہ منصور کی جان بچانے کے لئے گھر واپس آسکتی ہے تو اس کو ساتھ لے کر وہاں پہنچ جانا بھی تمہارے لئے مشکل نہیں ہو گا۔ اس صورت میں ہم کئی اُلجھنوں سے بچ جائیں گے۔ اب اگر تم کچھ دیر خاموش رہ سکو تو میں ضحاک کو چند اور ہدایات دینا چاہتا ہوں۔"

یہ کہہ کر وہ ضحاک کی طرف متوجہ ہوا۔ "تم میری بات غور سے سنو۔ ضروری نہیں کہ عاتکہ اور اس کے ساتھی اس گاؤں میں چھپے ہوئے ہوں۔ ایک آدمی احتیاطاً تمہارا گھوڑا پکڑ کر کھڈ کے پار موجود رہے گا۔ اگر

اس گھر کا کوئی آدمی سوار ہو کر باہر نکلے تو اس کا مطلب یہ ہو گا کہ وہ کہیں دور جا رہا ہے۔ اس لئے تمہیں تنہا اس کا پیچھا کرنا پڑے گا تا کہ اسے شک نہ ہو۔ اگر وہ اس علاقے کی کسی اور بستی میں چھپا ہوا ہو تو تھے اس کی جائے پناہ دیکھتے ہی مجھے اطلاع دو۔ یہ بھی ہو سکتا ہے کہ تم اس گھر سے پیغام لے جانے والے سوار کی رہنمائی میں کسی اور جگہ کی بجائے غرناطہ پہنچ جاؤ اور وہ سب کہیں چھپے ہوئے ہوں۔ اس صورت میں تم ان کی جائے پناہ دیکھتے ہی سیدھے کوتوال کے پاس جاؤ! یہ لو!"

اس نے اپنی انگلی سے ایک انگوٹھی اتار کر اسے دیتے ہوئے کہا۔ "کوتوال بہت محتاط آدمی ہے۔ جب سے اس کے چند آدمی غرناطہ کے راستے میں مارے گئے ہیں وہ ہر آدمی کو حریت پسندوں کا جاسوس خیال کرتا ہے۔ اگر اسے اس بات کا یقین نہ آئے کہ تم میری طرف سے آئے ہو تو اسے یہ انگوٹھی دکھا دو۔ پھر وہ تمہاری ہر ممکن مدد کرے گا۔"

تھوڑی دیر بعد عتبہ اور تین سوار جنہیں اس نے اپنے ساتھ رہنے کے لئے منتخب کیا تھا وہاں سے روانہ ہو چکے تھے۔ ایک سوار نے منصور کو اپنے

آگے ڈال رکھا تھا۔ اس نے نیم بے ہوشی کی حالت میں ان کی باتیں سنی تھیں اور کچھ دیر چلنے کے بعد جب وہ سڑک چھوڑ کر دائیں ہاتھ ایک تنگ پگڈنڈی پر سفر کر رہے تھے، اسے پوری طرح ہوش آچکا تھا۔ تاہم خوف کے باعث اسے سیدھا ہو کر بیٹھے یا کسی سے ہمکلام ہونے کی جرأت نہ تھی۔

جعفر کی آمد اور تیسرے آدمی کا پیغام

سعید کو نیم بے ہوشی کی حالت میں عاتکہ کی آواز سنائی دی تو وہ چند منٹ اسے ایک خواب سمجھ کر بے حس و حرکت پڑا رہا۔

عاتکہ بار بار بدریہ سے پوچھ رہی تھی۔ ”انہیں ابھی تک ہوش کیوں نہیں آیا؟“ اور بدریہ اسے تسلّی دے رہی تھی۔ ”آپ فکر نہ کریں۔ انشاءاللہ یہ دوا اب بہت جلد اثر کرے گی لیکن ان سے گفتگو کرتے ہوئے ہمیں بہت محتاط رہنا چاہیے۔“

عاتکہ نے کہا۔ ”میں اس بات سے ڈرتی ہوں کہ یہ مجھے یہاں دیکھ کر خفا نہ ہو جائیں۔ جب یہ گھر کے حالات پوچھیں گے تو میں ان سے یہ بات کیسے

چھپا سکوں گی کہ ہم نے حامد بن زہرہ کے قاتلوں کو راستے میں دیکھا تھا۔ کیا یہ نہیں ہو سکتا کہ آپ گاؤں کے کسی آدمی کو منصور کے گھر بھیج کر وہاں کے حالات معلوم کریں۔ مجھے یقین ہے کہ جب یہ ہوش میں آکر مجھے دیکھیں گے تو ان کا پہلا سوال منصور ہی کے متعلق ہو گا۔"

سلمان نے کہا۔ "اگر ولید نے جعفر کو یہ بتا دیا کہ سعید یہاں ہے تو وہ غرناطہ سے سیدھا یہیں لوٹے گا اور ہم اسے فوراً منصور کی خیریت دریافت کرنے کے لیے بھیج دیں گے ورنہ میں خود چلا جاؤں گا۔"

عاتکہ نے کہا۔ "اگر عمیر کسی برے ارادے سے گیا ہے تو اس سے نپٹنے کی یہی صورت ہے کہ گاؤں سے مدد لی جائے۔ اور یہ کام کسی اور کی بجائے میرے لیے زیادہ آسان ہے۔ عمیر ایک پاگل آدمی ہے اور منصور کو اس کے ظلم سے بچانے کے لیے میں اپنے چچا کے پاؤں پر گرنے کے لیے بھی تیار ہوں۔ میری وجہ سے اس کا بال تک بیکا نہیں ہونا چاہیے۔ میں واپس جانے سے پہلے صرف یہ دیکھنا چاہتی ہوں کہ یہ ٹھیک ہو جائیں گے۔"

عاتکہ بڑی مشکل سے اپنی سسکیاں ضبط کر رہی تھی اور بدریہ اسے تسلیاں دے رہی تھی۔ ”میری بہن ہمّت سے کام لو۔ اگر تم یہاں نہ آتیں تو بھی اس سے کوئی فرق نہ پڑتا۔ حامد بن زہرہ کے قاتلوں کے لیے سعید کو تلاش کرنا اب زندگی اور موت کا مسئلہ بن چکا ہے۔ انشاء اللہ میں بہت جلد یہ معلوم ہو جائے گا کہ انہوں نے وہاں جا کر کیا کیا ہے اور ان کے مقابلے میں ہماری جوابی کارروائی کیا ہونی چاہیے۔ اس وقت تم صرف دُعا کر سکتی ہو۔“

سعید پوری طرح ہوش میں آ چکا تھا اسے اپنے تیمار داروں کی طرف دیکھنے کی ہمّت نہ ہوئی۔ پھر اس نے ایک کپکپی لینے کے بعد اچانک آنکھیں کھول دیں تو وہ سب خاموش ہو گئے۔ سعید کی نگاہیں عاتکہ کے چہرے پر مرکوز ہو چکی تھیں اور اس کی آنکھوں میں ان گنت سوال رینگ رہے تھے۔ بدریہ نے جلدی سے اُٹھ کر پیشانی پر ہاتھ رکھتے ہوئے کہا۔ ”بھائی! عاتکہ کے متعلق آپ کو پریشان نہیں ہونا چاہیے۔ آپ کی حالت خراب تھی اور اسے میں نے ہی پیغام بھیجا تھا۔ آپ کو اس کی ضرورت تھی۔“

سعید نے اُٹھنے کی کوشش کی لیکن اسے چکر آ گیا اور اس نے نڈھال ہو کر دوبارہ تکیے پر اپنا سر رکھ دیا۔

پھر جیسے وہ خواب کی حالت میں بڑبڑا رہا تھا۔ ”میں سمجھ رہا تھا کہ میں ایک خواب دیکھ رہا ہوں۔ کاش! آپ عاتکہ کو یہاں نہ بلاتیں۔ موجودہ حالت میں ہم ایک دوسرے کی مدد نہیں کر سکتے۔“ کچھ دیر اس کے منہ سے ناقابلِ فہم آواز نکلتی رہیں اور بالآخر اسے غش آ گیا۔

بدریہ اور سلمان نے اسے بڑی مشکل سے دوا پلائی۔ اس نے قدرے ہوش میں آ کر ایک منٹ کے لیے اپنے تیمار داروں کو دیکھا اور پھر آنکھیں بند کر لیں۔ تھوڑی دی بعد وہ گہری نیند سو رہا تھا۔ دو گھنٹے بعد سلمان مہمان خانے میں جا چکا تھا اور اور بدریہ دوسرے کمرے میں عصر کی نماز پڑھ کر اٹھنے کو تھی کہ اسماء جو عاتکہ کے ساتھ سعید کے کمرے میں تھی، بھاگتی ہوئی بدریہ کے پاس آئی اور اس نے کہا۔ ”امی جان! انہیں پھر ہوش آ گیا ہے۔ وہ خالہ عاتکہ سے باتیں کر رہے ہیں۔ وہ ان سے ناراض معلوم ہوتے تھے۔ میں نے ان سے کہا تھا کہ خالہ پہلے ہی بہت رو چکی

ہیں۔ اب ان کا غصّہ کچھ کم ہو گیا ہے۔ مہمان نماز پڑھ چکے ہوں گے۔ انہیں بلالاؤں؟"

"نہیں!" بدریہ نے اس کا ہاتھ پکڑتے ہوئے کہا۔ "تم انہیں باتیں کرنے دو۔ مہمان کو پریشان کرنے کی ضرورت نہیں۔ انہیں جاکر صرف یہ بتادو کہ آپ زخمی کی حالت بہتر ہے۔"

ایک گھنٹہ بعد بدریہ اپنے کمرے میں بیٹھی ہوئی تھی کہ اچانک ایک درد ناک چیخ سنائی دی۔ وہ بھاگتی ہوئی اسماء کے ساتھ سعید کے کمرے میں داخل ہوئی لیکن وہ دوبارہ بے ہوش ہو چکا تھا اور عاتکہ پاس بیٹھی پھوٹ پھوٹ کر رورہی تھی۔

"کیا ہوا؟" اس نے گھبراہٹ کی حالت میں سوال کیا۔

عاتکہ نے بڑی مشکل سے اپنی سسکیاں ضبط کرتے ہوئے کہا۔ "یہ بالکل ٹھیک نظر آتے تھے لیکن اچانک عمیر اور عتبہ کا ذکر آ گیا، انہوں نے شاید دوپہر کے وقت نیم بے ہوشی کی حالت میں ہماری گفتگو سن لی تھی

اور اب ان کے بارے میں پے در پے سوالات کر رہے تھے۔ انہیں ٹالنا میرے بس کی بات نہ رہی تو میں نے انہیں تمام واقعات بتا دیے اور جب چچا ہاشم کی غدّاری کا بھی میں نے ذکر کیا تو تڑپ کر اُٹھ کھڑے ہوئے لیکن پھر اچانک بے ہوش ہو گئے!"

بدریہ نے کہا۔ "میرا خیال تھا کہ آپ سے اطمینان کے ساتھ گفتگو کرنے کے بعد ان کی طبیعت ٹھیک ہو جائے گی۔ لیکن آپ کو فی الحال عمیر اور عتبہ کا ذکر نہیں کرنا چاہیے تھا۔ اب یہ ہوش میں آکر زیادہ بے چینی کا مظاہرہ کریں گے۔ اس لیے مجھے پھر نیند کی دوا دینا پڑے گی۔ اسماء بیٹی! تم جلدی سے مہمان کو بلا لاؤ!"

☆☆☆

سعید کو باقی رات ہوش نہ آیا۔ اس کے تیمار دار عشاء کی نماز کے قریب کمرے کے ایک کونے میں بیٹھے آہستہ آہستہ آپس میں باتیں کر رہے تھے کہ مسعود کمرے میں داخل ہوا۔ اور اس نے کہا۔ "غرناطہ سے ایک آدمی

آیا ہے اور وہ کہتا ہے کہ میں سعید کا نوکر ہوں اور مجھے ولید نے بھیجا ہے۔"

عاتکہ نے جلدی سے سوال کیا۔ "تم نے اس کا نام نہیں پوچھا؟"

"اس کا نام جعفر ہے۔"

"وہ اکیلا ہے؟"

"ہاں"

سلمان اٹھ کر نوکر سے مخاطب ہوا۔ "میں دیکھتا ہوں۔"

عاتکہ مُضطرب ہو کر بولی۔ "ٹھہریئے! آپ خالی ہاتھ باہر نہ جائیں۔ ممکن ہے وہ کوئی اور ہو۔"

"آپ میری فکر نہ کریں۔ اگر وہ جعفر نہیں تو اسے یہ معلوم نہیں ہو سکتا کہ میں کون ہوں۔" سلمان نے دروازے کی طرف بڑھتے ہوئے نوکر کو اشارہ کیا اور وہ اس کے پیچھے ہو لیا۔ عاتکہ اور بدریہ کچھ دیر خاموش رہیں۔ پھر جعفر سلمان کے ساتھ کمرے میں داخل ہوا۔ سعید کو بستر پر

لیٹا ہوا دیکھ کر اس کی آنکھیں آنسوؤں سے لبریز ہو گئیں۔ بدریہ نے اسے تسلّی دیتے ہوئے کہا۔ ”سعید کی حالت بہتر ہے۔ اور انشاء اللہ یہ بہت جلد ٹھیک ہو جائیں گے۔ اس وقت انہیں جگانا ٹھیک نہیں۔“

جعفر چند ثانیے حیرت اور اضطراب کی حالت میں عاتکہ کی طرف دیکھتا رہا۔ پھر اس نے کہا۔ ”لیکن آپ۔۔۔۔۔۔۔؟“ عاتکہ جواب دینے کی بجائے بدریہ کی طرف دیکھنے لگی اور اس نے کہا۔ ”انہیں میں بلایا ہے۔“

سلمان نے پوچھا۔ ”تمہیں ولید نے یہاں بھیجا ہے؟“

”ہاں! صبح ہوتے ہی ان کا نوکر سرائے کے مالک کے پاس آیا تھا اور اس نے یہ پیغام دیا تھا کہ وہ صبح سے کسی جگہ ہمارا انتظار کر رہے ہیں اور کوئی ضروری بات کرنا چاہتے ہیں۔ انہوں نے سرائے کے مالک کو بھی بلایا تھا۔ وہ اپنے گھر کی بجائے کسی دوست کے مکان پر ٹھہرے ہوئے ہیں اور مجھے تمام واقعات سنانے کے بعد انہوں نے حکم دیا تھا کہ وہ آپ کو کوئی ضروری پیغام دینا چاہتے ہیں اس لیے میں کچھ دیر غرناطہ رُک جاؤں۔ پھر

انہوں نے ایک خط دے کر یہ کہا کہ تم عبد المنان کے ساتھ میرے والد کے پاس جاؤ اور سعید کے لیے دوا لے کر سرائے واپس چلے جاؤ اور وہاں میرا انتظار کرو۔

میں ابو نصر کے پاس پہنچا۔ انہوں نے خط پڑھ کر چند ادویات میرے حوالے کر دیں اور یہ تاکید کی کہ اگر کل تک سعید کی حالت بہتر نہ ہو تو مجھے اطلاع دیں۔ اگر حالات نے اجازت دی تو میں بذاتِ خود جاؤں گا یا اپنے شاگردوں میں سے کسی کو بھیج دوں گا۔ یہ لیجیے اس تھیلی میں ادویات کے ساتھ انہوں نے ایک خط بھی رکھ دیا ہے۔"

سلمان نے تھیلی پکڑ کر بدریہ کو پیش کر دی اور وہ جلدی سے خط نکال کر پڑھنے میں مصروف ہو گئی۔

جعفر نے جیب سے دوسرا خط نکال کر سلمان کو پیش کرتے ہوئے کہا۔ "لیجیے! یہ وہ خط ہے جس کے لیے مجھے سارا دن انتظار کرنا پڑا۔" سلمان نے جلدی سے خط کھولا اور پڑھنے میں مصروف ہو گیا۔ خط کا مضمون تھا۔

”عزیز بھائی! میں وہ تیسرا آدمی ہوں جو اندھیری رات میں اپنے ساتھیوں سے جدا ہو گیا تھا۔ آپ سے ملاقات اشد ضروری ہے۔ اس لیے آپ میرا انتظار کریں۔ میں ایک اہم کام سے فارغ ہوتے ہی آپ سے ملنے کی کوشش کروں گا۔ ممکن ہے کہ آپ کو غرناطہ آنا پڑے۔ جس نوجوان کی وساطت سے ہمارا غائبانہ تعارف ہوا ہے وہ کسی مہم پر روانہ ہو چکا ہے اور پندرہ دن تک آپ کے پاس نہیں آسکے گا۔ لیکن آپ کو پریشان نہیں ہونا چاہیے۔ میں یہاں آپ کے ایک اور دوست کو جانتا ہوں اور اس کے ذریعے آپ سے رابطہ رکھنے کی کوشش کروں گا۔ فی الحال آپ اپنی قیام گاہ سے باہر نہ نکلیں۔ اگر آپ کو غرناطہ میں اپنے دوستوں کو کوئی بھی ضروری پیغام بھیجنا ہو تو انشاء اللہ بہت جلد آپ کے پاس انتہائی قابلِ اعتماد قاصد پہنچ جائیں گے۔

تیسرا آدمی“

سلمان نے جعفر کی طرف دیکھتے ہوئے پوچھا۔ ”تم جانتے ہو یہ قاصد کون ہیں؟“

”نہیں۔“

”تم جانتے ہو یہ خط لکھنے والا کون ہے؟“

”نہیں۔“ میں نے اسے نہیں دیکھا اور ولید سے بھی دوبارہ میری ملاقات نہیں ہوئی۔ سرائے میں واپس آکر مجھے شام تک انتظار کرنا پڑا۔ اس عرصہ میں عبدالمنان دو مرتبہ ولید کی تلاش میں گیا۔ اور اس نے واپس آکر اطلاع دی کہ مجھے جس شخص کا خط لے جانے کے لیے روکا گیا ہے وہ کہیں گیا ہوا ہے اور ولید اس کا انتظار کر رہا ہے اور مجھے ہر حالت میں اس کا انتظار کرنا چاہیے۔ پھر مغرب کی نماز کے بعد ایک نوکر یہ خط لے کر آیا اور کسی نے یہ بتایا کہ ولید کی ضروری کام سے باہر جا رہا ہے اس لیے یہاں نہیں آسکتا۔ عبدالمنان کہتا تھا کہ شہر کے کئی نوجوان کی طرح شاید ولید کو بھی پہاڑی قبائل کے اکابر کے پاس بھیجا گیا ہو۔“

سلمان نے کہا۔ ”ولید نے تمہیں حامد کی شہادت کے واقعات بتا دیے ہوں گے؟“

”ہاں!“جعفر نے آنکھوں میں آنسو بھرتے ہوئے جواب دیا۔

”اور اس نے تمہیں یہ بھی بتا دیا ہو گا کہ ابھی عام لوگوں کو ان واقعات کا علم نہیں ہونا چاہیے۔“

”ہاں! اگر وہ مجھے خاموش رہنے کا حکم نہ دیتے تو میں غرناطہ کی گلیوں میں دہائی دیتا پھرتا۔“

سلمان نے کہا۔ ”تمہیں ولید کی ہدایات پر عمل کرنا چاہیے۔ اب تم بلا تاخیر اپنے گھر پہنچنے کی کوشش کرو اور منصور کا خیال رکھو۔ اسے کسی صورت میں گھر سے باہر نہیں نکلنا چاہیے۔“

جعفر نے مُضطرب ہو کر پوچھا۔ ”اسے کوئی خطرہ ہے؟“

”ہاں عمیر اور اس کے ساتھی گاؤں پہنچ چکے ہیں۔ مجھے ڈر ہے کہ وہ سعید کا پتا لگانے کے لیے اس پر کوئی سختی نہ کریں۔ تمہیں گھر میں داخل ہونے سے پہلے کسی کو بھیج کر یہ اطمینان کر لینا چاہیے کہ وہ کہیں اندر چھپ کر تمہارا انتظار نہیں کر رہے؟“

جعفر نے تلملا کر کہا۔ ”ہاشم کا بیٹا ہمارے گھر میں قدم نہیں رکھ سکتا۔ میں اس کی بوٹیاں نوچ لوں گا۔ لیکن آپ کو کیسے معلوم ہوا کہ عمیر گاؤں پہنچ چکا ہے؟“

سلمان نے مختصراً واقعات بیان کر دیے۔

جعفر کچھ دیر خاموشی سے اس کی طرف دیکھتا رہا۔ پھر اس نے کہا۔ ”ان حالات میں مجھے بلا تاخیر گھر پہنچنا چاہیے۔“ بدریہ نے کہا۔ ”اگر تم گاؤں میں کوئی خطرہ محسوس کرو تو منصور کو یہاں پہنچا دو۔“

جعفر نے جواب دیا۔ ”مجھے یقین ہے کہ اگر عمیر نے کوئی زیادتی کی تو گاؤں کے لوگ اپنی جانوں پر کھیل جائیں گے۔“

عاتکہ نے کہا۔ ”پھر بھی تمہیں سخت احتیاط سے کام لینا چاہیے۔“

”آپ فکر نہ کریں۔ میں گاؤں پہنچتے ہی ایسے حالات پیدا کر دوں گا کہ عمیر کے لیے وہاں ٹھہرنا ناممکن ہو جائے۔“

سلمان نے کہا۔ ”جب اسے معلوم ہو گا کہ عاتکہ گھر سے کہیں جا چکی ہیں تو یہ ہو سکتا ہے کہ وہ اوچھے ہتھیاروں پر اتر آئیں۔ لیکن تمہیں کسی حالت میں بھی مشتعل نہیں ہونا چاہیے۔ اور اس پر یہ ظاہر نہیں کرنا چاہیے کہ تم حامد بن زہرہ کی شہادت کے واقعات سن چکے ہو اور اس پر کوئی شک کرتے ہو۔ اب جاؤ اگر میرا سعید کے پاس رہنا ضروری نہ ہوتا تو میں تمہارے ساتھ چلتا۔“

جعفر نے کہا۔ ”نہیں! ولید مجھے بار بار تاکید کرتا تھا کہ آپ کو یہیں رہنا چاہیے۔ اگر خدانخواستہ کسی وقت آپ کی مدد کی ضرورت پڑی تو میں آپ کو پیغام بھیج دوں گا۔“

سلمان نے کہا۔ ”چلو میں تمہیں باہر چھوڑ آتا ہوں۔“

جعفر چند ثانیے بے بسی کی حالت میں سعید کی طرف دیکھتا رہا اور پھر اپنے آنسو پونچھتا ہوا کمرے سے نکل گیا۔

تھوڑی دیر بعد وہ مکان سے باہر اپنے گھوڑے پر سوار ہو کر سلمان سے

کہہ رہا تھا۔ ”اگر مجھے منصور کی فکر نہ ہوتی تو میں ایک لمحہ کے لیے بھی سعید سے دور رہنا پسند نہ کرتا۔ میں آپ سے یہ وعدہ لینا چاہتا ہوں کہ جب تک سعید کے متعلق اطمینان نہ ہو جائے آپ اس کا ساتھ نہیں چھوڑیں گے۔ اور اگر آپ نے محسوس کیا کہ اس کی حالت تشویشناک ہے تو مجھے پیغام بھیج دیں گے۔“

سلمان نے اسے تسلّی دیتے ہوئے کہا۔ ”میں وعدہ کرتا ہوں۔ لیکن تمہیں اس قدر پریشان نہیں ہونا چاہیے۔ انشاءاللہ سعید بہت جلد ٹھیک ہو جائے گا۔“

”لیکن وہ بے ہوش ہے۔“

”یہ دوا کا اثر ہے۔ موجودہ حالات میں اس کے لیے نیند بہت ضروری ہے۔“

”پھر بھی میرا خیال ہے آپ کو ابونصر کی ہدایات پر عمل کرنا چاہیے۔ مجھے یقین ہے جو ادویات انہوں نے بھیجی ہیں وہ زیادہ سود مند ثابت ہوں

گی۔"

"تم فکر نہ کرو۔" سلمان نے اسے تسلّی دیتے ہوئے کہا۔ جعفر نے اس پر ایک نظر ڈالی اور پھر گھوڑے کو ایڑ لگا دی۔

"اگلی صبح عاتکہ سعید کے بستر کے قریب کرسی پر بیٹھی اونگھ رہی تھی۔ بدریہ کمرے میں داخل ہوئی اور وہ چونک کر اس کی طرف دیکھنے لگی۔ بدریہ نے آگے بڑھ کر سعید کی نبض دیکھنے کے بعد کہا۔ "میں نے کہا تھا کہ آپ کو آرام کی ضرورت ہے۔ اب آپ اٹھیں اور ساتھ والے کمرے میں جا کر لیٹ جائیں۔ آپ انہیں دوا پلاتی رہی ہیں؟"

"ہاں۔"

"لیکن میں حیران ہوں کہ انہیں اتنی دیر تک ہوش کیوں نہیں آیا؟"

عاتکہ نے جواب دیا۔ "انہیں دوسری بار دوا پیتے ہی ہوش آ گیا تھا اور اس کے بعد یہ کافی دیر تک مجھ سے باتیں کرتے رہے۔ پھر رات کے تیسرے پہر انہوں نے کانپنا شروع کر دیا۔ میں آپ کو جگانا چاہتی تھی لیکن انہوں

نے مجھے منع کر دیا۔"

بدریہ نے فکر مند ہو کر کہا۔ "آپ کو مجھے جگا لینا چاہیے تھا۔ ابھی تک بخار کم نہیں ہوا۔ اب آپ اٹھیں اور دوسرے کمرے میں جا کر سو جائیں۔"

عاتکہ نے جواب دیا۔ "اب مجھے نیند نہیں آئے گی۔"

"میری بہن! آپ کو آرام کی ضرورت ہے۔ جائیں!" بدریہ نے بڑی محبّت سے کہا۔ عاتکہ اُٹھ کر برابر کے کمرے میں چلی گئی اور بدریہ دوبارہ سعید کی نبض دیکھنے کے بعد کرسی پر بیٹھ گئی۔ چند منٹ بعد بوڑھا نوکر آہستہ سے دروازہ کھٹکھٹانے کے بعد اندر داخل ہوا اور اس نے کہا۔ "مہمان کہتا ہے کہ اگر اجازت ہو تو میں سعید کو دیکھنا چاہتا ہوں۔"

"انہیں لے آؤ۔" بدریہ نے جلدی سے اپنا دوپٹہ درست کرتے ہوئے کہا۔ نوکر چلا گیا اور تھوڑی دیر بعد سلمان کمرے میں داخل ہوا۔

"تشریف رکھیے!" بدریہ نے کہا۔ "سعید کو رات کے وقت پھر ہوش آ گیا تھا۔ اور بظاہر ان کی حالت بہتر معلوم ہوتی ہے لیکن میں ان کے بخار کی

وجہ سے بہت ہی پریشان ہوں۔"

سلمان نے سعید کی نبض دیکھنے کے بعد کرسی پر بیٹھتے ہوئے کہا۔ "اگر آپ مناسب سمجھیں تو میں غرناطہ جا کر طبیب کو لے آؤں؟"

"نہیں! اگر اس کی ضرورت پڑی تو میں آپ کی بجائے کسی اور کو بھیج دوں گی۔ وہ بات کر ہی رہے تھے کہ مسعود بھاگتا ہوا کمرے میں داخل ہوا۔

"جناب! جعفر واپس آ گیا ہے۔" اس نے گھبرائے ہوئے لہجے میں کہا۔

سلمان نے مُضطرب ہو کر بدریہ کی طرف دیکھا اور اس نے مسعود سے مخاطب ہو کر کہا۔ "وہ کہاں ہے؟ اسے یہاں لے کر آؤ۔"

مسعود باہر نکل گیا اور عاتکہ نے برابر کے کمرے سے نکل کر پوچھا۔ "جعفر آ گیا؟"

"ہاں!" بدریہ نے جواب دیا۔ "لیکن تمہیں آرام کرنا چاہیے۔"

"میں منصور کے متعلق پوچھنا چاہتی ہوں۔ خدا کرے جعفر کوئی اچھی خبر

لایا ہو۔" عاتکہ نڈھال ہو کر بدر یہ کے قریب بیٹھ گئی۔

☆☆☆

تھوڑی دیر بعد جعفر مسعود کے ساتھ کمرے میں داخل ہوا اور اس کی صورت یہ بتارہی تھی کہ وہ کوئی اچھی خبر نہیں لایا۔ اس نے بڑی مشکل سے اپنی سسکیاں ضبط کرتے ہوئے کہا۔ "جناب! وہ میرے گھر آنے سے پہلے منصور کو پکڑ کر کہیں لے جا چکے تھے۔"

"کون؟" سلمان اٹھ کر کھڑا ہو گیا۔

"عمیر اور اس کے ساتھی۔" وہ میری بیوی کو یہ دھمکیاں بھی دے گئے ہیں کہ اگر عاتکہ فوراً اپنے گھر نہیں پہنچی تو اس کا انتقام منصور سے لیا جائے گا۔"

سلمان کے استفسار پر جعفر نے جلدی جلدی تمام واقعات سنا دیے۔

سلمان نے پوچھا۔ "وہ کس طرف گئے ہیں؟"

"مجھے معلوم نہیں۔ میں نے انہیں سڑک پر نہیں دیکھا۔"

"تم عمیر کے گھر سے معلوم کیا تھا؟"

"نہیں۔ ممکن ہے کہ وہ وہاں سے چلے گئے ہوں۔ میں ان کا پیچھا کرنے کی بجائے آپ کو اطلاع دینا ضروری سمجھتا تھا۔"

عاتکہ یہ سن کر سر پکڑ کر بیٹھ گئی، پھر وہ کہنے لگی۔ "اس ساری مصیبت کا باعث میں ہی ہوں۔ لیکن میں یہ گوارا نہیں کروں گی کہ میری وجہ سے سعید کے بھانجے کو کوئی تکلیف پہنچے۔ میں ابھی واپس جانے کے لیے تیار ہوں۔"

اور اس کے ساتھ ہی اس کی آنکھوں میں آنسو اُمڈ آئے۔ سلمان نے کہا۔

"۔۔۔۔۔ یہ باتیں ہم بعد میں سوچیں گے۔ پہلے مجھے جعفر سے باقی معلومات حاصل کر لینے دیجیے۔ مسعود! تم فوراً میرا گھوڑا تیار کرو۔"

مسعود کمرے سے نکل گیا اور سلمان نے جعفر سے پوچھا۔ "تم سیدھے

یہاں آئے ہو؟"

"ہاں!""راستے میں تم نے کسی کو پیچھا کرتے نہیں دیکھا۔"

جعفر نے جواب دیا۔ "جب میں گھر سے نکلا تھا تو ایک سوار کھڈ کے دوسرے کنارے سے میرے پیچھے ہولیا تھا۔

سلمان نے تلملا کر کہا۔ "تمہیں منصور کے متعلق سن کر بھی یہ خیال نہ آیا کہ اب وہ تمہاری نقل و حرکت پر نگاہ رہیں گے۔ اگر ان کا کوئی جاسوس تمہارے پیچھے آرہا ہے تو تم اس گاؤں اور اس گھر تک اس کی رہنمائی کر رہے ہو۔"

جعفر نے کہا۔ "رات کے پچھلے پہر میں نہیں دیکھ سکا کہ وہ کون ہے۔ ہمارے درمیان کافی فاصلہ تھا۔ پھر میں اس بستی کے قریب پہنچا تو مجھے شک ہوا اور میں گھوڑا روک کر سوچ میں پڑ گیا۔"

سلمان نے کہا۔ "وہ اس بستی تک تمہارے ساتھ آیا ہے اور تم اتنے بے وقوف ہو کہ سیدھے یہاں آ گئے ہو۔"

جعفر نے جواب دیا۔ ”جناب! مجھ سے غلطی ضرور ہوئی ہے۔ لیکن آپ ذرا اطمینان سے میری بات سن تو لیجیے! ہو سکتا ہے کہ آپ مجھے اتنا بے وقوف خیال نہ کریں۔“

بستی کے قریب پہنچ کر مجھے یقین ہو چکا تھا کہ یہ میرا پیچھا کر رہا ہے۔ اس لیے میں مسجد کے قریب پہنچ کر گھوڑے سے اُتر پڑا اور اسے درخت سے باندھ کر سیدھا مسجد کے اندر چلا گیا۔ خوش قسمتی سے صبح کی اذان ہو چکی تھی اور چند نمازی جمع ہو چکے تھے۔ میں نے صحن کی دیوار کے ساتھ لگ کر سڑک کی طرف دیکھا تو میرا پیچھا کرنے والا آدمی چند قدم دور کھڑا تھا۔ مجھے یقین تھا کہ اس نے مسجد میں داخل ہوتے وقت دیکھ لیا تھا اور جب تک میرا گھوڑا سڑک پر موجود ہے اسے یہ اطمینان رہے گا کہ میں مسجد کے اندر موجود ہوں۔ اس لیے میں پچھلی طرف سے صحن کی دیوار پھاند کر مسجد سے باہر نکلا اور ایک طویل چکر کاٹنے کے بعد یہاں پہنچا ہوں۔ مجھے یقین ہے کہ جب تک لوگ نماز سے فارغ ہو کر باہر نہیں نکل جاتے اسے یہ شک نہیں ہو گا کہ میں وہاں سے نکل کر کسی اور جگہ چلا گیا

ہوں۔"

سلمان نے قدرے مطمئن ہو کر کہا۔ "اب تم اسی طرح سے مسجد میں داخل ہونے کے بعد دروازے سے باہر نکل کر اپنے گھوڑے پر سوار ہو جاؤ اور سیدھے غرناطہ کا رُخ کرو۔ میں تم سے راستے میں ملوں گا۔ تمہاری کسی حرکت سے یہ ظاہر نہ ہونے پائے کہ تمہیں اس پر شک ہو گیا ہے۔"

جعفر نے کہا۔ "اگر آپ کو دیر ہو جائے تو میں غرناطہ پہنچ کر اسی سرائے میں آپ کا انتظار کروں گا۔"

"تم معمول کی رفتار سے چلتے رہو۔ مجھے دیر نہیں ہو گی۔ جاؤ اب جلدی کرو۔"

جعفر بھاگتا ہوا کمرے سے نکل گیا۔

بدریہ نے پوچھا۔ "آپ کیا کرنا چاہتے ہیں؟"

سلمان نے جواب دیا۔ "میں آپ کو اس بات کا موقع دینا چاہتا ہوں کہ

آپ سعید کو یہاں سے نکال کر کسی اور جگہ پہنچا دیں۔ اس گاؤں کے قریب کوئی اور جگہ ہے جو اس کے لیے زیادہ محفوظ ہو؟"

بدریہ نے جواب دیا۔ "شیخ ابویعقوب کی بستی یہاں سے صرف ڈیڑھ کوس دور ہے۔ وہ ہم سے چار دن پہلے اپنے گھر واپس آئے تھے۔ اگر میں انہیں اطلاع دوں تو وہ خوشی سے سعید کو پناہ دینے پر آمادہ ہو جائیں گے۔ لیکن سعید کو اس حالت میں لے جانا خطرناک ہو گا۔"

"اگر وہ جاسوس تنہا ہے تو سعید کے لیے فوری کوئی خطرہ نہیں۔ میں راستے میں اس سے نپٹ لوں گا۔ تاہم سعید اور عاتکہ کو ہر وقت یہاں سے نکلنے کے لیے تیار رہنا چاہیے۔ وہ بستی کس طرف ہے؟"

بدریہ نے جواب دیا۔ "مشرق کی طرف۔ ہمارے مکان کے قریب سے ایک راستہ جاتا ہے۔ لیکن یہ راستہ کافی دشوار گزار ہے۔ ایک لمبا آسان راستہ ہماری بستی سے دو میل آگے سڑک سے نکلتا ہے اور تنگ وادی میں سے ابویعقوب کے گاؤں تک چلا جاتا ہے۔ لیکن اس راستے پر لوگوں کی

آمد و رفت جاری رہتی ہے۔ اس لیے اگر ضرورت پیش آئی تو سعید کو سیدھا پہاڑی راستے سے وہاں لے جانا پڑے گا۔"

سلمان نے کہا۔ "اگر آپ شیخ ابو یعقوب پر اعتماد کر سکتی ہیں تو انہیں یہاں بلا لیں۔"

بدریہ نے جواب دیا۔ "وہ میرے شوہر کے بہترین دوست ہیں اور ہر دوسرے تیسرے دن ہمارا حال پوچھنے آتے ہیں۔"

عاتکہ نے کہا۔ "اگر میرے گھر واپس جانے سے سعید اور منصور کی جان بچ سکتی ہے تو میں تیار ہوں۔ سعید بھی اس بات سے بہت بے چین تھا کہ میں یہاں کیوں آگئی ہوں۔"

سلمان نے جواب دیا۔ "سعید آپ کو ان بھیڑیوں کے حوالے کرنا پسند نہیں کرے گا۔ ان کے ہاتھ حامد بن زہرہ کے خون سے رنگے ہوئے ہیں۔ آپ اپنی قربانی دے کر بھی منصور کو نہیں چھڑا سکتیں۔ اب باتوں کا وقت نہیں۔ ورنہ میرے لیے آپ کو یہ سمجھانا مشکل نہیں کہ آپ ان

کے قابو میں آجائیں گی تو ان کے ہاتھ سعید کی شہ رگ پر ہوں گے۔"

سلمان دروازے کی طرف بڑھا اور مڑ کر بدریہ کی طرف دیکھتے ہوئے بولا۔ "آپ ان کا خیال رکھیں۔"

"آپ ان کی فکر نہ کریں لیکن۔۔۔۔"

سلمان جلدی سے باہر نکل گیا اور بدریہ اپنا فقرہ پورا نہ کر سکی۔

☆☆☆

گاؤں سے کوئی دو میل کے فاصلے پر جعفر کے ساتھ دوسرا سوار دکھائی دیا۔ وہ معمولی رفتار سے ایک ساتھ سفر کر رہے تھے۔ تھوڑی دیر بعد سلمان نے ان کے قریب پہنچ کر اپنے گھوڑے کی باگ کھینچ لی اور وہ مُڑ کر اس کی طرف دیکھنے لگا۔ اجنبی نوجوان تھا اور ابلق گھوڑے پر سوار تھا۔ سلمان نے اس کے ساتھ اپنا گھوڑا ملاتے ہوئے پوچھا۔ "یہ سڑک غرناطہ کی طرف جاتی ہے؟"

”ہاں!“ اس نے بے پروائی سے جواب دیا اور گھوڑے کی رفتار ذرا تیز کر دی۔ سلمان نے دوبارہ سوال کیا۔ ”غرناطہ یہاں سے کتنی دور ہے؟“

اجنبی نے جواب دیا۔ ”غرناطہ وہ سامنے نظر آ رہا ہے۔ آپ کہاں سے آئے ہیں؟“

سلمان نے جواب دیا۔ ”میں بہت دور سے آیا ہوں۔ آپ بھی غرناطہ جا رہے ہیں؟“

نوجوان نے جواب دینے کی بجائے اپنے گھوڑے کو ایڑ لگائی اور چند قدم آگے نکل گیا۔

جعفر نے دبی آواز میں کہا۔ ”یہ وہی ہے“

”مجھے معلوم ہے۔ لیکن یہ جگہ اس پر حملہ کرنے کے لیے موزوں نہیں۔ چند آدمی اس طرف آ رہے ہیں اور شاید ان کے پیچھے ایک گاڑی بھی ہے۔ جب تک وہ آگے نہیں نکل جاتے تم اطمینان سے میرے ساتھ چلتے رہو۔ ہماری گفتگو سے یہ ظاہر نہیں ہونا چاہیے کہ ہم ایک دوسرے کو

جانتے ہیں۔"

وہ آگے چل دیے۔ ابلق گھوڑے کا سوار پریشانی کی حالت میں بار بار مُڑ کر ان کی طرف دیکھ رہا تھا۔ کچھ دیر ان کے درمیان کوئی تیس چالیس قدم کا فاصلہ قائم رہا۔ پھر اجنبی نے اپنی رفتار کم کر دی اور سلمان نے اس کے قریب پہنچ کر اچانک بلند آواز میں جعفر سے کہا۔ "میں بہت دور سے آیا ہوں۔ اس سے پہلے جب میں نے غرناطہ دیکھا تھا۔ اس وقت میں بہت چھوٹا تھا۔ دوسری بار مجھے چند گھنٹوں سے زیادہ وہاں ٹھہرنے کا موقع نہیں ملا۔ غرناطہ کے حالات اتنے مخدوش تھے کہ میرے چچا نے مجھے فوراً واپس جانے کا حکم دیا۔ اب مجھے معلوم نہیں کہ وہ کس حال میں ہیں؟

جنگ کے بعد انہوں نے کوئی اطلاع نہیں بھیجی۔"

اگلا سوار ان کی طرف دیکھے بغیر یہ گفتگو سن رہا تھا۔ تھوڑی دیر بعد سامنے سے آنے والے تین مسافر جن میں سے ایک خچر پر سوار تھا، آگے نکل گئے۔ اس کے بعد سلمان کو چند منٹ ان کے پیچھے آنے والی گاڑی کا انتظار

کرنا پڑا۔ گاڑی بان نے پندرہ بیس قدم کے فاصلے پر اچانک گاڑی روک کر اپنے دونوں ہاتھ بلند کر دیے۔ یہ عثمان تھا لیکن سلمان نے اس کی طرف توجہ دینے کی بجائے اپنے گھوڑے کو ایڑ لگا دی۔ ابلق گھوڑے کے سوار نے جلدی سے ایک طرف ہونے کی کوشش کی لیکن سلمان نے اچانک جھک کر ایک ہاتھ اس کی کمر میں ڈالا اور اسے زین سے گھسیٹ کر نیچے پھینک دیا۔ اس کے ساتھ ہی سلمان نے دوسرے ہاتھ سے اپنے گھوڑے کی باگ کھینچنے کی کوشش کی لیکن تیز رفتار گھوڑا چند قدم آگے نکل گیا۔ گرنے والا نوجوان چند ثانیے بے حس و حرکت پڑا رہا۔ پھر اس نے تیزی سے اٹھ کر اپنی تلوار سونت لی۔ سلمان واپس مڑا اور گھوڑے سے کود کر اس کے سامنے آ گیا۔ اتنی دیر میں جعفر بھی اپنے گھوڑے سے اتر کر تلوار نکال چکا تھا لیکن سلمان نے کہا۔ ”جعفر! تم پیچھے ہٹ جاؤ اور ہمارے گھوڑے پکڑ لو۔“

اجنبی نے نہایت پھرتی سے حملہ کر دیا۔ ”لیکن سلمان نے اپنی تلوار پر اس کا وار روک لیا۔ اس کے بعد ان کی تلواریں آپس میں ٹکرا گئیں۔

سلمان نے چند ثانیے اپنی مدافعت پر اکتفا کیا۔ پھر اس نے یکے بعد دیگرے چند وار کیے اور اس کا مدِ مقابل الٹے پاؤں پیچھے ہٹنے لگا۔ تھوڑی دیر میں وہ سڑک سے نیچے اتر چکے تھے۔ اجنبی نے اچانک پینترا بدل کر جوابی حملہ کرنے کی کوشش کی لیکن سلمان کے سامنے اس کی پیش نہ گئی اور پھر ایک بار مغلوب ہو کر پوچھے ہٹا اور پانی کے ایک چھوٹے سے گڑھے میں جا گرا۔ اس کے ساتھ ہی سلمان کی تلوار کی نوک اس کے پیٹ کو چھو رہی تھی۔ اس نے کہا۔ ”اٹھو! میں تمہیں ایک اور موقع دینا چاہتا ہوں۔“

”تم کون ہو؟“ اجنبی نے سوال کیا۔

”تمہیں ابھی معلوم ہو جائے گا۔ اٹھو!“

اجنبی نوجوان نے اپنی تلوار ایک طرف پھینک دی اور گڑھے سے باہر نکل کر دونوں ہاتھ بلند کرتے ہوئے کہا۔ ”میں ہار مانتا ہوں۔“

”تمہارے ساتھی کہاں ہیں؟“

”میرے ساتھی؟“

”ہاں! تمہارے ساتھی؟“ سلمان نے گرج کر کہا اور اس کے ساتھ ہی آگے بڑھ کر اپنی تلوار کی نوک اس کی گردن پر رکھ دی۔

اس نے سہمی ہوئی آواز میں جواب دیا۔ ”جناب میرے ساتھ کوئی نہیں تھا۔ میں تنہا غرناطہ جارہا تھا اور یہ آدمی مجھے راستے میں ملا تھا۔“

سلمان نے کہا۔ ”تم یہ پسند کروگے کہ اس چھوٹے سے گڑھے کو تمہاری قبر بنایا جائے۔“

”لیکن میرا جرم کیا ہے؟“

”تمہارا جرم یہ ہے کہ تم حامد بن زہرہ کے قاتلوں میں سے ہو۔ تم نے ایک معصوم لڑکے کو اغوا کیا ہے۔ اور اب تم عتبہ اور عمیر کے حکم پر ان کے نوکر کا پیچھا کر رہے ہو۔ تمہاری کوئی بات مجھ سے پوشیدہ نہیں ہے۔ تمہارے ساتھیوں نے منصور کو اغواء کرنے کے بعد تمہیں یہ حکم دیا تھا کہ گھر کے پاس چھپ کر اس کے گھر کی نگرانی کرو اور اگر رات کے وقت

کوئی باہر نکلے تو اس کا پیچھا کرو۔ اور یہ معلوم کرو کہ وہ کہاں جاتا ہے۔ کیوں کہ ایک شریف زادی کہیں چھپی ہوئی ہے اور دشمن کے جاسوس اسے گرفتار کرنا چاہتے ہیں۔"

اجنبی جواب دینے کی بجائے سکتے کے عالم میں سلمان کی طرف دیکھ رہا تھا۔ سلمان نے مڑ کر جعفر اور عثمان کی طرف دیکھا جو اس عرصہ میں گھوڑے پکڑ کر ان کے قریب آ چکے تھے۔ اس نے کہا۔ "جعفر! مجھے اس آدمی کی زبان کھلوانے کے لیے تنہائی کی ضرورت ہے۔ تم جلدی سے اس کے ہاتھ پاؤں باندھ لو۔ پھر اس نے قیدی کو گاڑی پر سوار ہونے کا حکم دیا اور اس نے کسی مزاحمت کے بغیر حکم کی تعمیل کی۔ جعفر نے گاڑی سے ایک رسا کھول کر اس کے ہاتھ پاؤں جکڑ دیے اور اس کے منہ میں ایک کپڑا اٹھونس دیا۔

سلمان اپنے گھوڑے پر سوار ہو گیا اور عثمان نے باقی دو گھوڑے گاڑی کے پیچھے باندھ دیے اور پھر سلمان سے مخاطب ہو کر کہا۔

”جناب! میں آپ سے کچھ کہنا چاہتا ہوں۔“

”کہو!“

عثمان نے اس کے گھوڑے کی باگ پکڑی اور گاڑی سے چند قدم دور لے جا کر کہا۔ ”مجھے عبد المنان نے تاکید کی تھی کہ میں آپ سے زخمی کا حال پوچھتے ہی واپس آ جاؤں۔ انہوں نے یہ بھی کہا تھا کہ ولید ایک مہم پر روانہ ہو چکا ہے لیکن وہ آدمی جس نے آپ کو خط بھیجا تھا، بہت جلد آپ سے ملاقات کی کوشش کرے گا۔ طبیب کے متعلق وہ یہ کہتے تھے کہ فی الحال غرناطہ سے باہر جانا خطرناک ہے۔ حکومت کے جاسوس بہت چوکس ہیں لیکن اگر آپ اسے بلانا ضروری سمجھیں تو ہم آج یا کل رات اسے پہنچا دیں گے۔“

سلمان نے کہا۔ ”بہت اچھا۔ اب تم جلدی گاؤں پہنچنے کی کوشش کرو۔ ہم گاڑی پر گھاس لادتے ہی تمہیں واپس روانہ کر دیں گے۔ اور ممکن ہے کہ گھاس کے علاوہ ایک یا دو آدمی بھی لادنے پڑیں۔“

”تمہیں یہ اطمینان ہے کہ دروازے پر تمہاری تلاش نہیں لی جائے گی؟“

”اگر کوئی گھاس کے اندر چھپا ہوا ہو تو پہریدار تلاشی نہیں لیں گے۔ لیکن اگر آپ کوئی خطرہ محسوس کرتے ہیں تو اس بات کا انتظام ہو سکتا ہے کہ دروازہ پر انتہائی قابلِ اعتماد آدمی ہمارا استقبال کرنے کے لیے موجود ہوں اور کوئی پہریدار گاڑی کی طرف دیکھنے کی جرأت نہ کرے۔

”تمہارا مطلب ہے کہ تم روانہ ہونے سے پہلے عبدالمنان کو یہ پیغام بھیج سکتے ہو کہ دروازے پر پہریداروں سے بچنے کے لیے ہمیں اس کی اعانت کی ضرورت ہے؟“

عثمان مسکرایا۔ ”ہم ایک ایسے آدمی کو پیغام بھیج سکتے ہیں جو ضرورت کے وقت غرناطہ کے ہر دروازے پر آپ کے استقبال کے لیے سینکڑوں آدمی بھیج سکتا ہے۔“

”وہ کون ہے؟“

آقا کہتے تھے کہ یہ تیسرا آدمی ہے جس کے قاصد ہر وقت اسے آپ کا

پیغام پہنچا سکتے ہیں۔“

”لیکن وہ قاصد کون ہیں؟“

”جناب! وہ قاصد ہوا میں اڑ کر جاتے ہیں۔ آپ نے میری گاڑی پر قاصد کبوتروں کا ایک پنجرہ نہیں دیکھا۔ میں آپ کے لیے چار پرندے لایا ہوں اور آقا نے یہ پنجرہ میرے حوالے کرتے ہوئے یہ کہا تھا۔ یہ تیسرے آدمی کا تحفہ ہے اور آپ انتہائی ضرورت کے وقت ان سے کام لے سکتے ہیں۔ اگر سعید کو کوئی خطرہ ہو تو آپ صرف ایک کبوتر اڑا دیجئے۔ وہ پیغام کے بغیر بھی یہ سمجھ جائیں گے کہ سعید کو مدد کی ضرورت ہے۔ باقی تین کبوتر بعد میں کام آسکتے ہیں۔ آپ کو آدمی بھیجنے کی ضرورت پیش ہی نہیں آئے گی۔“

”اچھا اب جلدی گاؤں پہنچنے کی کوشش کرو اور وہاں سے اپنی گاڑی پر گھاس لادتے ہی میں واپس آنا پڑے گا۔ راستے میں جعفر کوئی موزوں جگہ دیکھ کر اس آدمی کو گاڑی سے اتارے گا اور ہمارا انتظار کرے گا۔“

عثمان بولا۔ ”میں بھی سوچ رہا تھا کہ اسے گاؤں میں لے جانا خطرناک ہے۔“ گاؤں کے لوگ اسے دیکھتے ہی ہمارے گرد جمع ہو جائیں گے۔ یہاں سے تھوڑی دور ایک جگہ کسانوں کے چند جھونپڑے ابھی تک غیر آباد ہیں۔ آپ اسے وہاں چھپا سکتے ہیں۔ اس طرف لوگوں کی آمد و رفت بھی زیادہ نہیں۔“

عثمان یہ کہہ کر گاڑی پر بیٹھ گیا۔

قریباً نصف میل طے کرنے کے بعد عثمان نے گاڑی بائیں طرف موڑ لی اور پھر کوئی نصف میل ایک ناہموار راستے پر چلنے کے بعد وہ پندرہ بیس کچے مکانوں کی ایک بستی میں داخل ہوئے۔

عثمان نے راستے سے کوئی پچاس قدم دور بستی کے آخری مکان پر گاڑی روک لی۔

جعفر جلدی سے نیچے اُترا اور قیدی کو کندھے پر ڈال کر اندر لے گیا۔ عثمان نے دونوں گھوڑے بگھی سے کھول کر صحن کے اندر باندھ دیے۔

تھوڑی دیر بعد عثمان اور سلمان واپس جا چکے تھے اور جعفر ایک کمرے میں قیدی کے پاس کھڑا پہرا دے رہا تھا۔

عاتکہ کا فیصلہ

مسعود نے سلمان کو حویلی کے اندر داخل ہوتے دیکھا تو بھاگ کر گھوڑے کی لگام پکڑ لی۔ وہ کچھ کہنا چاہتا تھا لیکن سلمان نے اسے گفتگو کا موقع نہ دیا اور گھوڑے سے اترتے ہی کہا۔

”مجھے فوراً واپس جانا ہے اس لیے گھوڑے کی زین اتارنے کی ضرورت نہیں۔ تم گھوڑے کو باندھ کر باہر سڑک پر کھڑے رہو۔ تھوڑی دیر تک وہ لڑکا جو گاؤں میں گھاس لیے آیا کرتا ہے یہاں پہنچ جائے گا۔ تم اس کی گاڑی اندر لے آؤ اور اس کے لئے فوراً گھاس کا انتظام کرو۔ میں ایک ضروری کام سے اس کے ساتھ واپس جا رہا ہوں۔“

مسعود نے سوال کیا۔ ”آپ جس آدمی کے پیچھے گئے تھے اس کا کیا بنا؟“

”تمہیں اس کے متعلق فکر نہیں کرنا چاہیے۔ وہ ہمارے قبضے میں ہے۔ اب زخمی کی حالت کیسی ہے؟“

مسعود نے جواب دیا۔ ”کچھ دیر پہلے تو وہ بہت بے چین تھے لیکن اب وہ سو رہے ہیں۔“

سلمان تیزی سے چلتا ہو سکونتی مکان کے اندر داخل ہوا۔ اسماء صحن میں بیٹھی ہوئی تھی۔ وہ جلدی سے اٹھ کر آوازیں دینے لگی۔ ”امّی جان! امّی جان! چچا جان آ گئے ہیں۔“

بدریہ درمیانی کمرے سے باہر نکلی اور سلمان کو اپنے ساتھ اندر لے گئی۔ کشادہ کمرے میں ایک معمّر آدمی کرسی پر بیٹھا ہوا تھا جو سفید ریش ہونے کے باوجود انتہائی تندرست اور توانا معلوم ہوتا تھا۔

بدریہ نے کہا ”یہ شیخ ابو یعقوب ہیں۔“

ابو یعقوب اٹھ کر کھڑا ہو گیا اور سلمان نے آگے بڑھ کر اس سے مصافحہ کیا۔ بدریہ نے کہا۔ ”میں آپ کے روانہ ہوتے ہی انہیں یہاں بلانے کا ارادہ کر رہی تھی لیکن یہ اچانک تشریف لے آئے۔ آپ بہت جلد آ گئے ہیں۔ اس آدمی کے متعلق کچھ معلوم ہوا؟“

سلمان نے جواب دیا۔ ”وہ واقعی قاتلوں کا جاسوس تھا۔ لیکن اب وہ ہمارے لئے کسی خطرے کا باعث نہیں رہا۔ وہ زخمی ہے اور میں اسے یہاں سے تھوڑی دور باندھ کر جعفر کی حفاظت میں چھوڑ آیا ہوں۔“

بدریہ اور ابو یعقوب کے سوال کے جواب میں سلمان نے تفصیلات سنا دیں۔

بدری نے کہا۔ ”چچا ابو یعقوب کی رائے یہی ہے کہ موجودہ حالات میں سعید کے لئے ان کا گاؤں زیادہ محفوظ رہے گا۔ انہوں نے اپنے گاؤں پیغام بھیج دیا ہے۔ وہاں سے چند آدمی آ جائیں گے اور انشاء اللہ شام ہوتے ہی پہاڑی راستے سے انہیں وہاں پہنچا دیں گے۔ لیکن میں اس وقت ایک

اور پریشانی کا سامنا کر رہی ہوں۔ عاتکہ اپنے گھر جا چکی ہے۔"

"کب؟" سلمان حیرت زدہ ہو کر اس کی طرف دیکھنے لگا۔

"ابھی تھوڑی دیر ہوئی ہے! آپ کے جانے سے کوئی نصف گھنٹہ بعد سعید کو اچانک ہوش آیا تھا۔ آنکھیں کھولتے ہی اس کا پہلا سوال تھا کہ ابھی تک جعفر نے منصور کے متعلق کوئی پیغام نہیں بھیجا؟ ہم نے اسے ٹالنے کی کوشش کی تھی لیکن عاتکہ کے لئے آنسو روکنا ممکن نہ تھا۔ وہ چند ثانیے بے قراری کی حالت میں ہماری طرف دیکھتا رہا۔ پھر اس نے چلّانا شروع کر دیا تم مجھ سے کوئی بات چھپا رہی ہو۔ میں نے پہلے اسے تسلّی دینے کی کوشش کی کہ آپ بھی منصور کا پتا لگانے کے لئے جا چکے ہیں اور ہمیں بہت جلد کوئی تسلّی بخش اطلاع مل جائے گی۔ اور پھر جب ہمارے لئے کوئی بات چھپانا ممکن نہ رہا تو میں نے ڈرتے ڈرتے ان کے گھر پر حملے اور منصور کے اغواء کا واقعہ بیان کر دیا۔ وہ کچھ دیر بے بسی کی حالت میں ہماری طرف دیکھتا رہا۔ پھر اس نے اچانک اُٹھ کر کمرے سے نکلنے کی کوشش کی لیکن دروازے کے قریب پہنچ کر وہ گر پڑا۔ مسعود نے اسے

اٹھا کر بستر پر ڈال دیا۔ ہم نے بڑی مشکل سے اسے خواب آور دوا پلائی اور کچھ دیر ہاتھ پاؤں مارنے اور بڑبڑانے کے بعد اسے نیند آ گئی۔"

"پھر کیا ہوا؟" سلمان سوالیہ نظروں سے بدریہ کی طرف دیکھ رہا تھا۔

"عاتکہ نے اس کی یہ حالت دیکھ کر اچانک واپس جانے کا فیصلہ کیا۔ وہ پہلے بھی مجھے کئی بار یہ کہہ چکی تھی کہ ان ظالموں نے منصور کو کوئی تکلیف دی تو سعید مجھے معاف نہیں کرے گا اور میں اسے قید سے چھڑانے کے لئے اپنی جان تک قربان کر دوں گی۔ میں نے اسے روکنے کے لئے ہزار جتن کئے لیکن اس کا ارادہ اٹل تھا۔ وہ کہتی تھی کہ اگر میں گھر واپس نہ گئی تو منصور اور سعید دونوں خطرے میں ہیں۔ مجھے عمیر سے کسی بھلائی کی توقع نہیں لیکن اپنے چچا سے اب بھی مجھے یہ امید ہے کہ وہ حامد بن زہرہ کے بیٹے اور نواسے کی جان بچانے کے لئے میری درخواست رد نہیں کریں گے۔ بصورتِ دیگر میں گاؤں میں ایک طوفان کھڑا کر دوں گی۔"

سلمان نے کہا۔ "وہ ایک بہادر لڑکی ہے اور میں یہ بھی سمجھتا ہوں کہ

منصور کے اغواء کے باعث اس کے ضمیر پر جو بوجھ تھا اس سے نجات حاصل کرنے کے لئے اس نے اپنی قربانی پیش کر دی ہے لیکن اسے یہ خیال کیوں نہ آیا کہ گھر پہنچتے ہی اس سے یہ پوچھا جائے گا کہ تم گئی کہاں تھیں؟ اور پھر وہ سیدھے یہاں آئیں گے۔"

بدریہ نے جواب دیا۔ "اس کو اس خطرے کا احساس تھا لیکن وہ یہ کہتی تھی کہ میں آگ میں کود جاؤں گی لیکن سعید کا پتا نہیں دوں گی۔ انہیں غلط راستے پر ڈالنے کے لئے اس کے ذہن میں کئی تدبیریں تھیں۔ اس نے مجھ سے یہ کہا تھا کہ میں فوراً گھر جانے کی بجائے شام کے قریب جنوب کی سمت سے گاؤں میں داخل ہوں گی۔ اور جب وہ پوچھیں گے تو میں انہیں بتاؤں گی کہ مجھے سعید کے کسی ساتھی کے ذریعے یہ پیغام ملا تھا کہ اس کے باپ کو قتل کر دیا گیا ہے اور وہ اپنی جان بچانے کے لئے کہیں دور جا رہا ہے۔ اپنے ایک ساتھی کے زخمی ہونے کے باعث پہاڑ کے کسی غار میں رک گیا ہے۔ اسے چچا ہاشم اور عمیر پر شبہ تھا۔ اس لئے وہ اپنے گھر نہیں آیا۔ میں اس کا پتا لگانے گئی تھی۔ وہاں علاقے کے چند اور مجاہد اس کی مدد

کے لئے پہنچ گئے تھے۔ اب میں اس اطمینان کے بعد واپس آئی ہوں کہ وہ چند کوس آگے جا چکا ہے اور خطرے سے محفوظ ہے۔"

سلمان نے کہا۔ "خدا کرے کہ اس کی یہ تجویز کامیاب ہو لیکن مجھے اندیشہ ہے کہ اس نے وہاں جا کر غلطی کی ہے۔ وہ عمیر کو بے وقوف بنا سکتی ہے اور شاید اپنے چچا کو بھی دھوکہ دینے میں کامیاب ہو جائے لیکن عتبہ مجھے خطرناک آدمی معلوم ہوتا ہے۔ اگر اسے ذرا سا بھی شک ہو گیا تو وہ منصور پر سختی کرنے کی دھمکی دے کر اسے سچ کہنے پر مجبور کر سکتا ہے۔" ابو یعقوب جو اب تک خاموشی سے یہ گفتگو سن رہا تھا بولا۔ "آپ اطمینان رکھیں میں ہاشم کو اچھی طرح جانتا ہوں اور قبائل کے سرداروں کی طرف سے اسے یہ پیغام پہنچانے کی ذمہ داری لیتا ہوں کہ انہیں اس سازش کا علم ہو چکا ہے اور وہ حامد کے نواسے پر کوئی سختی برداشت نہیں کریں گے۔ لیکن آپ فوری مسئلہ یہ ہے کہ سعید کو جلد سے جلد یہاں سے نکالا جائے۔"

سلمان نے کہا۔ "پہلے میرا بھی یہی خیال تھا کہ اسے فوراً آپ کے پاس پہنچا

دیا جائے لیکن اب قدرت نے ایک اور سبب پیدا کر دیا ہے۔ تھوڑی دیر تک یہاں سے ایک گھاس لے جانے والی گاڑی روانہ ہو گی۔ ہم سعید کو اس پر ڈال کر غرناطہ پہنچا سکتے ہیں۔ اسے تکلیف تو ضرور ہو گی لیکن یہ سفر آپ کے گاؤں کے پہاڑی راستوں کی نسبت زیادہ آسان ہو گا۔ ہمارا اصل مقصد اس کے لئے علاج کا بندوبست کرنا ہے اور یہ غرناطہ میں زیادہ آسان ہو گا۔ میں سعید کے نوکر کا پیچھا کرنے والے جاسوس کو بھی اس گاڑی میں چھپا کر غرناطہ لے جانا چاہتا تھا لیکن اب وہ آپ کی قید میں ہو گا۔ اور اس کا گھوڑا بھی آپ کو کہیں چھپا کر رکھنا پڑے گا۔“

بدریہ نے کہا۔ ”اگر سعید ایک بار غرناطہ پہنچ جائے تو وہاں اسے کوئی خطرہ نہیں ہو گا۔ وہاں ہزاروں حریت پسند اس پر جان دینے کے لئے تیار ہوں گے لیکن اگر دروازے پر گاڑی کی تلاشی لی گئی تو کیا ہو گا؟“

سلمان نے جواب دیا۔ ”اس بات کا انتظام ہو چکا ہے۔ حریت پسندوں کو تھوڑی دیر تک ان کی روانگی کی اطلاع مل جائے گی اور وہ لوگ دروازے پر ہمارے استقبال کے لئے موجود ہوں گے۔ جن کے سامنے کوئی پہرے

دار گاڑی کے قریب آنے کی جرأت نہیں کرے گا۔“

بدریہ نے پوچھا۔ ”لیکن یہ کیسے ممکن ہے؟“

سلمان نے جواب دیا۔ ”تیسرے آدمی نے گاڑی والے کے ہاتھ پر چار قاصد کبوتر بھیج دیے ہیں۔ مجھے صرف ایک رقعہ لکھنے کی ضرورت ہے لیکن عاتکہ کے متعلق میں اب بھی بہت پریشان ہوں۔ اگر مجھے یہ معلوم ہوتا کہ شام تک وہ کہاں رہے گی تو میں اب بھی جعفر کو بھیج کر یہ پیغام دینے کی کوشش کرتا کہ اس کا گھر جانا خطرناک ہے۔“

بدریہ نے کہا۔ ”ہمیں اس نے بڑی سختی سے اس بات کی تاکید کی تھی کہ جب تک اس کی طرف سے کوئی پیغام نہ ملے یہاں سے کوئی اس کا پیچھا کرنے کی کوشش نہ کرے اور آپ کے متعلق وہ یہ کہتی تھی کہ میں سعید اور منصور کے علاوہ آپ کی اعانت بھی اپنا فرض سمجھتی ہوں۔ میں غدّاروں کو یہ تاثر دینے کی کوشش کروں گی کہ ایک مجاہد جو کہیں باہر سے حامد بن زہرہ کے ساتھ آیا تھا وہ بھی سعید کے ساتھ جنوب کا رُخ کر رہا

ہے تا کہ غدّاروں کی توجہ اس طرف مبذول نہ ہو۔"

ابو یعقوب نے کہا۔ "ابھی بدریہ مجھے آپ کے متعلق بتا رہی تھی اور موجودہ حالات کے پیشِ نظر میں محسوس کرتا ہوں کہ عاتکہ کے گھر پہنچ جانے کے بعد ان لوگوں کو سعید سے زیادہ آپ کی فکر ہو گی۔ اس لئے آپ کو بہت محتاط رہنا چاہیے۔ میرے چند آدمی شہر کے دروازے تک آپ کے آگے پیچھے رہیں گے اور خطرے کے وقت آپ کی حفاظت کریں گے۔ انشاء اللہ غرناطہ میں بہت جلد ہماری ملاقات ہو گی۔"

بدریہ نے کہا۔ "میں کسی ذریعے سے عاتکہ کے حالات معلوم کروں گی اور اگر کوئی ضروری بات ہوئی تو ابو نصر کی وساطت سے آپ کو میرا پیغام مل جائے گا۔ ممکن ہے کہ مجھے بذاتِ خود غرناطہ جانا پڑے۔ میں سعید کو جو دوا دے چکی ہوں اس سے سعید کو کافی دیر ہوش نہیں آئے گا تاہم آپ احتیاطاً کچھ اور دوائیں ساتھ لیتے جائیں۔"

بوڑھا نوکر کمرے میں داخل ہوا اور اس نے کبوتروں کا پنجرہ سلمان کے

سامنے رکھتے ہوئے کہا۔ گاڑی بان آ گیا ہے اور مسعود اس کے لئے گھاس جمع کر رہا ہے۔"

سلمان نے اس کو قلم اور کاغذ لانے کے لئے کہا۔ پھر کرسی پر بیٹھ کر جلدی جلدی چند سطور لکھیں۔ اس کے بعد پنجرے سے ایک کبوتر نکالا اور ایک باریک دھاگے سے کاغذ کا پرزہ اس کی ٹانگ سے باندھتے ہوئے بدریہ سے مخاطب ہوا۔

"باقی کبوتر آپ کے پاس رہیں گے۔ میں جعفر کو واپس بھیج دوں گا لیکن اسے فوراً اپنے گھر جانے کی بجائے ایک دن بعد جانا چاہیے۔ بظاہر اس بات کا کوئی امکان نہیں کہ منصور کو اغوا کرنے کے بعد عمیر اپنے گھر ٹھہرانے کی جرأت کرے گا۔ تاہم کچھ دیر جعفر کا یہاں رکنا ضروری ہے۔ پھر اگر ان میں سے کوئی وہاں موجود بھی ہوا تو وہ اسے یہ بتا سکتا ہے کہ میں غرناطہ سے آیا ہوں۔ وہاں سعید کے جن دوستوں کو میں جانتا تھا ان میں سے کسی کو یہ اطلاع نہیں کہ وہ کہاں ہے۔ آپ ان کبوتروں میں سے ایک اسے دے دیں اور میری طرف سے یہ ہدایت کر دیں کہ وہ عاتکہ کے حالات

معلوم کرتے ہی ہمیں پیغام بھیج دے۔ میں تیسرے آدمی سے معلوم کرتا رہوں گا۔"

سلمان نے باہر صحن میں جا کر نامہ بر کبوتر اڑا دیا۔ کبوتر نے فضا سے مکان کے گرد ایک چکر لگایا اور پھر غرناطہ کی طرف پرواز کرنے لگا۔

سلمان نے واپس آ کر یعقوب کے سامنے بیٹھتے ہوئے کہا۔ "جعفر یہاں واپس آنے سے پہلے آپ کے ایک آدمی کے ساتھ قیدی کو آپ کے گاؤں پہنچائے گا۔ میں اس سے کئی باتیں معلوم کرنا چاہتا تھا لیکن وہ آسانی سے زبان کھولنے پر آمادہ نہیں ہو گا۔ اس لئے میں اسے جعفر کے سپرد کر آیا ہوں۔ وہ کہتا تھا میں ایسے آدمیوں کا علاج کرنا جانتا ہوں۔ مجھے راستے میں اس کی کارگزاری کے نتائج معلوم ہو جائیں گے۔ ورنہ اس کے بعد وہ آپ کے رحم و کرم پر ہو گا۔"

بوڑھا نوکر دوبارہ کمرے میں داخل ہوا اور اس نے ابو یعقوب کو اطلاع دی کہ آپ کے گاؤں سے چھ سوار پہنچ گئے اور دس ان کے پیچھے پیدل آ رہے

ہیں۔“

ابو یعقوب اپنے آدمیوں کو ہدایات دینے کے لئے باہر نکل گیا اور سلمان نے چند منٹ بدریہ سے باتیں کرنے کے بعد اُٹھ کر کہا۔ ”میں بھی ذرا گاڑی بان کو دیکھ آؤں۔“

ایک گھنٹہ بعد گھاس سے لدی ہوئی گاڑی سکونتی مکان کے دروازے پر کھڑی تھی۔ اور سعید کو گہری نیند کی حالت میں اس پر لٹا کر ڈھانپا جا چکا تھا۔

بدریہ اور اسماء دروازے میں کھڑی تھیں۔ جب گاڑی روانہ ہوئی تو سلمان نے ان کے قریب آ کر دونوں ہاتھ اسماء کے سر پر رکھ دیے اور وہ سر جھکا کر سسکیاں لینے لگی۔ پھر اس نے قدرے سنبھل کر کہا ”آپ واپس آئیں گے نا؟ اب ہمارے کتے رات کے وقت بھی آپ نہیں بھونکیں گے۔“

بدریہ نے کہا۔ ”بیٹی! تمہیں رونے کی بجائے ان کے لئے دُعا کرنی چاہیے۔“ سلمان نے بدریہ کی طرف دیکھا تو اس کی آنکھوں میں بھی

آنسو مچل رہے تھے۔ اس نے اپنے دل پر ایک ناقابلِ برداشت بوجھ محسوس کرتے ہوئے جلدی سے اسماء کی طرف متوجہ ہو کر کہا۔

"اسماء! اس ملک کے ہر آدمی کو سلامتی کے راستے پر چلنے کے لئے اپنی معصوم بہنوں اور بیٹیوں کی دُعاؤں کی ضرورت ہے۔ تمہارے گھر کے کتے ایک اجنبی مہمان سے مانوس ہو سکتے ہیں لیکن کاش ان بد بخت انسانوں کا علاج میرے بس میں ہوتا جو پوری قوم کو باہر کے بھیڑیوں کے آگے ڈال رہے ہیں۔"

پھر وہ بڑی مشکل سے اپنے آنسو ضبط کرتے ہوئے دوبارہ بدریہ کی طرف متوجہ ہوا۔ "مجھے معلوم نہیں کہ میں کب اور کن حالات میں دوبارہ آپ کو دیکھوں گا لیکن اگر اللہ نے مجھے اپنے حصّے کا ادھورا کام پورا کرنے کے لئے زندہ رکھا تو میں ہمیشہ اس بات پر فخر کیا کروں گا کہ مجھے کبھی آپ کو دیکھنے اور جاننے کی سعادت نصیب ہوئی تھی۔ مجھے الحمرا دیکھنے کا بہت شوق تھا لیکن اب یہ گھر مجھے اس سے زیادہ پُر شکوہ معلوم ہوتا ہے۔ میں ہر وقت یہ دُعا کیا کروں گا کہ اندلس کے آسمان سے موت کے اندھیرے

چھوٹ جائیں لیکن اگر خدانخواستہ غلامی ہماری مقدر بن چکی ہے تو پھر یہ تصور میرے لئے بہت تکلیف دہ ہو گا کہ وہ خاتون جس کے چہرے پر قوم کے ماضی کی عظمتوں کی داستانیں لکھی ہوئی ہیں موت کے اندھیروں میں بھٹک رہی ہے۔"

بدریہ نے مغموم لہجے میں جواب دیا۔ "قوم کی بیٹیوں کی عزّت اور ذلّت کا انحصار ہمیشہ فرزندانِ قوم کی غیرت اور حمیت پر ہوتا ہے۔ تاہم اگر آپ ہلاکت اور تباہی کا راستہ اختیار کرنے والی قوم کی ایک بے بس عورت کو بھی کسی عزّت کا مستحق سمجھتے ہیں تو میں آپ کی شکر گزار ہوں اور مجھے ایسا محسوس ہوتا ہے کہ یہ ہماری آخری ملاقات نہیں ہے۔"

سلمان نے نوکر کے ہاتھ سے گھوڑے کی باگ پکڑ لی اور خدا حافظ کہہ کر اس پر سوار ہو گیا۔ مکان سے نکلنے کے بعد اس سادہ، خوبصورت اور باوقار خاتون کی کئی تصویریں اس کی نگاہوں کے سامنے گھوم رہی تھیں۔ اور اسے ہر تصویر دوسری تصویر سے زیادہ دلکش محسوس ہوتی تھی۔

اس سے سلمان کی پہلی ملاقات جن حالات میں ہوئی تھی وہ ایسے تھے کہ اگر وہ کسی غیر معمولی شخصیت کی مالکہ نہ ہوتی تو بھی ایک عورت کا ایثار و خلوص، ایک نوجوان بیوہ کا صبر و حوصلہ، ایک زخمی کی تیمارداری، ہمدردی اور سب سے زیادہ ایک اجنبی کے سامنے اس کی خود اعتمادی اسے متاثر کرنے کے لئے کافی تھی۔

پھر اس کے ساتھ پہلی بار اس نے جس اطمینان سے گفتگو کی تھی اس سے صرف وہ متاثر ہی نہیں ہوا تھا بلکہ بہت حد تک مرعوب بھی ہوا تھا۔ تاہم بدریہ نے اپنے نسوانی حسن و جمال اور اپنی بے نیازی کے باعث اس کی روح کی گہرائیوں میں بتدریج زندگی کی ایک کھلتی ہوئی کتاب کی حیثیت سے جو اثرات چھوڑے تھے، ان کا صحیح احساس اسے اس وقت ہوا جب وہ اس سے رخصت ہو رہا تھا۔

جب وہ اپنے حزن و ملال کے باوجود نسوانی حسن و وقار کا ایک پیکر مجسم معلوم ہوتی تھی اور سلمان کو یہ معلوم نہ تھا کہ وہ اسے کیا کہنا چاہتا تھا اور کیا کہہ رہا ہے۔

☆☆☆

گاؤں سے تھوڑی دور جا کر وہ عثمان سے جا ملا۔ پھر اچانک اسے ایسا محسوس ہونے لگا کہ وہ بدریہ سے منزلوں دور آ چکا ہے اور آگے ہر قدم پر حامد بن زہرہ کی روح اسے نئی منزل کی طرف آوازیں دیتی رہے گی۔ اسے مرتے دم تک عاتکہ جیسی ہزاروں لڑکیوں اور منصور جیسے ہزاروں بچوں کی چیخیں سنائی دیتی رہیں گی۔ وہ ایک دلکش خواب سے بیدار ہو کر زندگی کے بھیانک حقائق کا سامنا کر رہا تھا۔

شیخ ابو یعقوب کے آدمی تھوڑے فاصلہ پر گاڑی کے آگے اور پیچھے جا رہے تھے۔ وہ کبھی کبھی گاڑی بان سے بگھی روکنے کے لئے کہتے اور کان لگا کر گھاس میں چھپے ہوئے زخمی کے متعلق اطمینان کر لیتے۔

سڑک کے جس دوراہے سے کچھ فاصلے پر جعفر اور قیدی کو چھوڑ آیا تھا، وہاں شیخ ابو یعقوب اس کا انتظار کر رہا تھا۔ اس نے کہا۔ ”میں نے قیدی کو آپ کے نوکر کے ساتھ روانہ کر دیا تھا اور خود بھی بہت جلد ان سے جا

ملوں گا۔ یہ راستہ ہمارے گاؤں کی طرف جاتا ہے۔ اس لئے آپ اچھی طرح دیکھ لیں۔ میں آپ کو یہ بتانا بھی ضروری سمجھتا تھا کہ اس اجنبی نوجوان کا نام ضحاک ہے اور اس کے بھائی کا نام یونس ہے۔ جعفر کہتا تھا کہ اسے یہ معلوم کرنے کے لئے کافی محنت کرنی پڑی تھی اور اس کے بعد وہ بے ہوش ہو گیا تھا۔ لیکن میں بہتر طریقے جانتا ہوں۔ انشاء اللہ کل تک غرناطہ میں ساری معلومات پہنچ جائیں گی۔"

ابو نصر سے ملاقات

باقی راستہ انہیں کوئی حادثہ پیش نہ آیا۔

دروازے سے ایک میل ادھر انہیں عبد المنان کا ایک اور ملازم ملا۔۔۔ وہ گدھے پر سوار تھا۔ اس نے قریب پہنچ کر بگھی رکوالی۔ عثمان اس سے چند باتیں کرنے کے بعد مڑا اور سلمان کو جو تھوڑی دور پیچھے آرہا تھا، آواز دی۔ وہ گھوڑے کو ایڑ لگا کر آن کی آن میں ان کے قریب پہنچ گیا۔ ملازم نے ادب سے سلام کرتے ہوئے کہا:

"جناب! مجھے آقا نے آپ کے پاس اس لیے بھیجا ہے کہ تیسرے آدمی کو آپ کا پیغام مل گیا ہے لیکن بعض اہم کاموں کی وجہ سے ابھی آپ سے

ان کی ملاقات نہیں ہو سکے گی۔ غرناطہ کے دروازے پر آپ کو پہرے دار روکنے کی کوشش نہیں کریں گے اور آپ اطمینان سے شہر میں داخل ہو سکیں گے۔ آپ ڈیوڑھی سے آگے بائیں ہاتھ دوسری گلی میں مُڑ جائیں۔ وہاں جمیل بذاتِ خود آپ کی رہنمائی کے لیے موجود ہو گا۔ آقا کہتے تھے کہ آپ اسے بخوبی جانتے ہیں۔ گاڑی آپ کے پیچھے پیچھے آئے گی اور میں بھی اس کے ساتھ رہوں گا۔"

سلمان نے کہا۔ "تمہیں یہ اطمینان ہے کہ پہرے دار گاڑی کی تلاشی لینے کی کوشش نہیں کریں گے؟"

"آپ مطمئن رہیں، پہرے داروں کی اکثریت ہمارے ساتھ ہے۔ جن آدمیوں کو ان کا افسر ناقابلِ اعتماد سمجھتا ہے، انہیں گاڑی کے قریب پھٹکنے کا موقع بھی نہیں دیا جائے گا اور بوقتِ ضرورت وہ آپس میں الجھ پڑیں گے۔ آس پاس ہمارے رضا کار بھی موجود ہوں گے لیکن یہ محض احتیاط ہے ورنہ وہاں فی الحال کوئی خطرہ نہیں۔ میں نے عثمان کو بتا دیا ہے کہ اس کو گاڑی کہاں لے جانا ہے۔ آقا کو یہ معلوم نہیں تھا کہ بعض اور آدمی بھی

آپ کے ساتھ آ رہے ہیں لیکن اب آپ کو انہیں آگے لے جانے کی ضرورت نہیں۔" سلمان نے جواب دیا۔ "وہ تھوڑی دور آگے جا کر واپس ہو جائیں گے۔ میں فی الحال تمہارے پیچھے رہوں گا اور دروازے کے قریب پہنچ کر آگے نکل جاؤں گا۔"

ملازم نے کہا۔ "آقا نے یہ بھی کہا تھا کہ آپ گلی کے سامنے جمیل کو دیکھ کر یہ ظاہر نہ کریں کہ آپ اسے جانتے ہیں۔ وہ خاموشی سے آپ کے آگے آگے چلتا رہے گا۔"

☆☆☆

تھوڑی دیر بعد شہر میں داخل ہوتے وقت سلمان کو محسوس ہوا کہ اس کے ساتھیوں کی بیشتر تدبیریں غیر ضروری تھیں۔ ڈیوڑھی سے آگے سڑک کے آس پاس کئی آدمی مکانوں سے باہر کھڑے حکومت کے خلاف نعرے لگا رہے تھے۔ گلی کے سامنے جمیل اسے دیکھتے ہی آگے چل پڑا۔ تاہم گاڑی کے متعلق اسے سخت تشویش تھی اور وہ مُڑ مُڑ کر پیچھے دیکھ رہا

تھا۔ کوئی دو سو گز چلنے کے بعد اس نے جمیل کے قریب گھوڑا روکتے ہوئے آہستہ سے پوچھا۔ ”بھائی! وہ گاڑی کہاں غائب ہو گئی؟“

اس نے اطمینان سے جواب دیا ”جناب! آپ فکر نہ کریں۔ ہمارا ایک راستے سے سفر کرنا مناسب نہ تھا۔ گاڑی بان کو یہ ہدایت کی گئی تھی کہ وہ گاڑی کو پہلی گلی سے موڑے۔ وہ ابھی ہمارے سامنے آجائے گی۔ زخمی کی حالت کیسی ہے؟“

”اسے بے ہوشی کی حالت میں لایا گیا ہے۔“ سلمان نے جواب دیا۔

تھوڑی دور آگے دو نوجوان اور ایک نو عمر لڑکا کھڑے تھے۔ جمیل نے چلتے چلتے ہاتھ سے اشارہ کیا اور وہ ان کے ساتھ ہو لیا۔ چند منٹ بعد سلمان نے مُڑ کر دیکھا تو آٹھ دس اور آدمی آس پاس کے مکانوں سے نکل کر ان کے پیچھے آرہے تھے۔ آگے ایک چوک سے جمیل نے دائیں گلی کی طرف توجہ دلاتے ہوئے کہا۔ ”اب آپ گاڑی دیکھ سکتے ہیں۔ لیکن ہم اس کے ساتھ نہیں جائیں گے۔ میں صرف آپ کی تسلّی کرانا چاہتا تھا۔ اب آپ

گھوڑے سے اُتر جائیں۔"

سلمان گھوڑے سے کود پڑا۔ جمیل نے کمسن لڑکے سے مخاطب ہو کر کہا۔ "تم ان کا گھوڑا لے جاؤ۔ مہمان میرے ساتھ پیدل آئے گا۔"

لڑکے نے گھوڑے پر سوار ہو کر اُسے ایڑ لگا دی۔ اتنی دیر میں گھاس کی گاڑی چوک میں پہنچ چکی تھی۔ سرائے کا دوسرا ملازم جو عثمان کے ساتھ آ رہا تھا، سلمان کو دیکھ کر رُک گیا۔ جمیل نے جلدی سے کہا۔ "اب تمہیں عثمان کے ساتھ جانے کی ضرورت نہیں۔ تم واپس اپنی سرائے میں پہنچ جاؤ اور اگر کوئی باہر کا آدمی عثمان کے متعلق پوچھے تو اسے یہ کہہ دو کہ گھاس کی پوری گاڑی کی قیمت ایک سوار نے دروازے سے باہر ہی ادا کر دی تھی اور عثمان اس کے گھر پہنچانے چلا گیا ہے۔ پہرے داروں میں سے کسی کو تم پر شک تو نہیں ہوا؟"

ملازم نے اِدھر اُدھر دیکھنے کے بعد کہا "ہمارے ساتھ ایک عجیب واقعہ پیش آ چکا ہے۔ اگر میرے آقا عثمان کو پہلے ہی یہ ہدایت نہ دے چکے

ہوتے تو سارا معاملہ خراب ہو چکا ہوتا۔ ایک پہرے دار عثمان سے مفت میں گھاس لینے کا عادی تھا۔ ڈیوڑھی میں اس نے گھاس کا گٹھا اتارنے کی کوشش کی اور عثمان اتنے زور سے چلّایا کہ وہ بدحواس ہو کر پیچھے ہٹ گیا۔ افسر نے آگے بڑھ کر عثمان کی چیخ وپکار کی وجہ پوچھی تو مجھے یہ خطرہ پیدا ہوا کہ وہاں غدّاروں کے کسی جاسوس کو گاڑی کی تلاشی لینے کا بہانہ مل جائے لیکن عثمان نے ایک ہوشیاری کی، اس نے فوراً اپنا لہجہ بدلتے ہوئے کہا کہ کچھ نہیں جناب۔ یہ ہمارا پرانا مہربان ہے۔ میں نے گھاس کا ایک گٹھا اس کے لیے بھی لانے کا وعدہ کیا تھا۔ لیکن جو سوار ابھی آگے گیا ہے، اس نے راستے میں ہی مجھے پوری گاڑی کی قیمت ادا کر دی تھی اور مجھ سے یہ کہا تھا کہ اگر تم نے کسی کو ایک تنکا بھی دیا تو میں تمہارا گلا گھونٹ دوں گا۔ اس پر افسر نے پہرے دار کو بہت ڈانٹا۔ خدا کا شکر ہے کہ ہم بچ کر نکل آئے ورنہ میری حالت تھی کہ میں گلی عبور کرنے کے بعد بھی اس خوف سے کانپ رہا تھا کہ اگر وہ گھاس کا گٹھا اتار کر پھینک دیتا تو وہ سب کچھ دیکھ لیتے۔ خدا کی قسم وہ لڑکا بہت ہوشیار ہے اور سارا راستہ قہقہے لگاتا آیا ہے۔" "اچھا تم جا!"

اتنی دیر میں گاڑی آگے جا چکی تھی۔ جمیل تھوڑی دور اس کے پیچھے چلنے کے بعد دائیں ہاتھ ایک گلی میں داخل ہوا۔ سلمان خاموشی سے اس کے پیچھے پیچھے چلتا رہا۔ چند اور گلیاں عبور کرنے کے بعد وہ ایک کشادہ گلی میں ایک مکان کے قریب پہنچے تو انہیں عثمان خالی گاڑی پر باہر آتا دکھائی دیا۔ وہ کوئی بات کرنے کی بجائے ہاتھ سے اشارہ کر کے آگے نکل گیا اور سلمان اپنے رہنما کے ساتھ اندر داخل ہوا۔

وسیع صحن میں عبد المنان کے علاوہ ایک عمر رسیدہ آدمی اور وہ لڑکا جو سلمان کا گھوڑا لے کر آرہا تھا کھڑے تھے۔ ایک کونے میں گھاس کا ڈھیر لگا ہوا تھا اور چار نوکر گھاس اُٹھا اُٹھا کر اصطبل کے قریب ایک گودام کے اندر رکھ رہے تھے۔ سامنے ایک دو منزلہ پرانی عمارت تھی اور بائیں ہاتھ ایک اونچے اور کشادہ چبوترے سے آگے چند علیحدہ کمرے تھے۔ عمر رسیدہ آدمی نے آگے بڑھ کر سلمان سے مصافحہ کیا اور عبد المنان نے اس کا تعارف کراتے ہوئے کہا۔ ”یہ قاضی عبید اللہ ہیں اور یہ ان کا بیٹا ابو الحسن ہے۔ آپ کے ساتھیوں نے فی الحال آپ کی میزبانی کے فرائض

انہیں سونپ دیے ہیں اور سعید بھی ان ہی کے پاس رہے گا۔ ان کے متعلق صرف یہ کہہ دینا کافی ہے کہ ان کا دوسرا بیٹا جو ابوالحسن سے دس سال بڑا تھا، حامد بن زہرہ کے آخری سفر میں ان کے ساتھ تھا۔ حملے سے اگلے روز ہم دریا کے قریب صرف تین لاشیں تلاش کرنے میں کامیاب ہوئے تھے، ان میں سے ایک لاش ان کے بیٹے اور دوسری اویس کی تھی۔ تیسری لاش اجنبی کی تھی، وہ غالباً قاتلوں کا ساتھی تھا۔ چونکہ فی الحال اس واقعے کو عام لوگوں سے پوشیدہ رکھنے کا فیصلہ ہو چکا تھا، اس لیے رضاکاروں نے انہیں غرناطہ لانے کی بجائے نالے کے پاس ہی کسی جگہ چھپا دیا تھا اور اپنے رہنماؤں سے مشورہ کرنے کے بعد اگلی رات ایک اُجڑی ہوئی بستی کے قبرستان میں دفن کر دیا تھا۔ انہوں نے اپنے بیٹے کو اپنے ہاتھوں سے لحد میں اتارا تھا اور واپس آ کر اپنے چند عزیزوں اور دوستوں کے سوا محلے کے کسی آدمی سے اس بات کا ذکر تک نہیں کیا کہ ان پر کتنا بڑا حادثہ گزر چکا ہے۔ رضاکار باقی لاشیں تلاش نہیں کر سکتے۔ ان کے متعلق یہی خیال ہے کہ وہ بہہ کر دریا میں پہنچ گئی ہوں گی اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ غدّاروں کی اطلاع پر نصرانیوں نے انہیں دریا سے نکال

لیا ہو۔"

سلمان سر جھکائے خاموش کھڑا رہا۔ بالآخر اس نے بوڑھے آدمی کو گلے لگاتے ہوئے کہا۔ "اللہ آپ کو ہمّت دے۔" اور اس کے ساتھ ہی اس کی آنکھیں آنسوؤں سے لبریز ہو گئیں۔ پھر چند ثانیے اس نے جمیل کی طرف متوجہ ہو کر بھرّائی ہوئی آواز میں کہا۔ "ولید نے مجھے یہ نہیں بتایا تھا کہ اویس ان کے ساتھ تھا۔"

جمیل نے کہا۔ "یہ سعادت میرے حصّے میں آنی چاہیے تھی لیکن وہ مجھ سے زیادہ خوش نصیب نکلا۔ مجھے آخری وقت حکم دیا گیا کہ ولید کی غیر حاضری میں مجھے یہاں رہنا چاہیے۔ حامد بن زہرہ کا خیال تھا کہ انہیں قبائل میں کام کرنے کے لیے ایک اچھے خطیب کی ضرورت ہے اور اویس نوجوانوں میں سب سے بہترین خطیب تھا، اس لیے مجھے حکماً روک دیا گیا تھا۔"

سلمان نے عبد المنان سے پوچھا۔ "طبیب کا انتظام ہو چکا ہے؟"

”ہاں! ابو نصر اندر اسے دیکھ رہے ہیں۔“

”ولید کی وجہ سے آپ کو یہ خطرہ تو نہیں کہ جاسوس ان کا پیچھا کریں گے؟“

عبد المنان نے جواب دیا۔ ”صرف یہ گھر ایسا ہے جہاں ابو نصر بے دھڑک آسکتے ہیں اور کسی کو معلوم نہیں ہو سکتا کہ وہ اپنے گھر میں ہیں یا اس گھر میں۔ ان کے مکان کی چھت اس مکان کی چھت سے ملتی ہے۔“

عبید اللہ نے کہا۔ ”اب آپ اندر تشریف لے چلیں۔ ابو نصر کہتے تھے کہ وہ کافی دیر مصروف رہیں گے۔“ تھوڑی دیر بعد وہ سکونتی مکان کے کونے میں ایک کمرے کے اندر بیٹھے ہوئے تھے اور عبید اللہ سلمان سے کہہ رہا تھا۔ ”یہ میری خوش قسمتی ہے کہ آپ یہاں تشریف لائے ہیں۔ میرے گھر میں کسی کو یہ معلوم نہیں کہ آپ کون ہیں۔ نوکریوں کو یہ بتا دیا جائے گا کہ آپ الفجارہ سے آئے ہیں اور مجھے اس زمانے سے جانتے ہیں جب میں گھوڑوں کی تجارت کے سلسلے میں وہاں جایا کرتا تھا اور کبھی کبھی آپ

کے ہاں ٹھہرا کرتا تھا۔ کل آپ میرے حالات معلوم کرنے کے لیے غرناطہ آئے تھے اور میں نے آپ کو چند دن کے لیے یہاں ٹھہرایا ہے۔ موجودہ حالات میں حکومت کا کوئی جاسوس الفجارہ جا کر آپ کے متعلق تحقیقات نہیں کرے گا۔ آپ کے جاننے والوں نے مجھے سخت تاکید کی ہے کہ آپ فی الحال کسی اجنبی سے بات نہ کریں۔ یہاں جو لوگ آتے ہیں، ان میں سے کوئی حکومت کا جاسوس بھی ہو سکتا ہے، اس لیے میں نے آپ کے قیام کا انتظام مہمان خانے کی بجائے اپنے رہائشی مکان میں کر دیا ہے۔"

سلمان کچھ دیر پریشانی کی حالت میں جمیل اور عبد المنان کی طرف دیکھتا رہا۔ پھر اس نے کہا۔ "ولید ابھی تک نہیں آیا؟"

عثمان نے جواب دیا۔ "نہیں! اسے شاید ابھی دو دن اور باہر رہنا پڑے۔"

سلمان نے پوچھا۔ "آپ کے جس ساتھی نے عثمان کو خط دے کر بھیجا تھا، اس سے میری ملاقات کب ہو گی؟"

عبد المنان نے جواب دیا۔ ”آپ کو وقتاً فوقتاً ان کے پیغامات کسی نہ کسی ذریعے سے ملتے رہیں گے۔ جوں ہی حالات اجازت دیں گے، ملاقات بھی ہو جائے گی۔“

”لیکن حالات ایسے ہیں کہ میں فوراً ان سے ملنا چاہتا ہوں!“

عبد المنان نے جمیل کی طرف دیکھا اور اس نے کہا۔ ”انہیں اور ان کے کئی اور ساتھیوں کو آپ کی پریشانی کا پورا پورا علم ہے۔ عام حالات میں مجھے بھی اس وقت یہاں نہیں ہونا چاہیے تھا اور عبد المنان کو بھی کئی اور کام ہے لیکن انہوں نے مجھے یہ پیغام دیا تھا کہ ہمارے سوا شاید کوئی اور آپ کو تسلّی نہ دے سکے۔ وہ حامد بن زہرہ کے نواسے کے متعلق کم پریشان نہیں ہیں۔ عمیر اور اس کے ساتھیوں کی تلاش ہو رہی ہے۔ اگر وہ غرناطہ پہنچ گئے ہیں تو ہمیں اسی وقت معلوم ہو جائے گا تاہم وہ کوئی ایسا اقدام نہیں اٹھائیں گے جس سے ایک بچے کی زندگی خطرے میں پڑ جائے۔ آپ کا پیغام ملنے پر وہ اس لڑکی کے متعلق بھی بہت پریشان ہوئے تھے۔ اس لیے یہ اور بھی ضروری ہو گیا ہے کہ آئندہ ہر قدم بہت سوچ سمجھ کر اٹھایا

جائے۔ ہماری کامیابی کا سارا انحصار اس بات پر ہے کہ ان قبائل کے سرداروں کو ہم نے یہاں آنے کی دعوت بھیجی ہے وہ کس حد تک ہمارا ساتھ دیتے ہیں۔ اہلِ غرناطہ اپنے انفرادی اور اجتماعی خطرات کا سامنا کرنے کے لیے کتنی جلدی بیدار ہوتے ہیں اور پھر حکومت کس حد تک عوام کی قوّتِ احتساب سے خوفزدہ ہوتی ہے۔"

"اگر ہم اس بات کا عملی ثبوت پیش کر سکے کہ قوم اپنے بیرونی دشمنوں کے خلاف جان کی بازی لگانے کے لیے تیار ہے تو اندرونی غدّاروں کو یہ سمجھنے میں دیر نہیں لگے گی کہ ان کا آخری وقت آ چکا ہے اور وہ فرڈنینڈ سے اپنی غدّاری کا صلہ وصول کرنے کی بجائے غرناطہ کے ہر چوراہے میں پھانسیوں پر لٹک رہے ہوں گے۔ انہیں قوم کے کسی ادنیٰ فرد کی طرف بھی آنکھ اٹھانے کی جرأت نہیں ہو گی۔ اپنی آزادی اور بقا کے لیے ایک فیصلہ کن جنگ میں کودنے سے پہلے ہمارا سب سے بڑا اور سب سے اہم مسئلہ یہ ہو گا کہ ہمارے ترک بھائی کتنی دیر میں ہماری مدد کے لیے پہنچ جائیں گے اور آپ کو چند دن اس لیے رکنا پڑے گا کہ شاید ہم اپنے

رہنماؤں کا ایک وفد آپ کے ساتھ بھیجنے کی ضرورت محسوس کریں۔“

کچھ دیر اور باتیں کرنے کے بعد وہ مغرب کی نماز کے لیے اٹھے تو طبیب کمرے میں داخل ہوا اور ان کے ساتھ نماز میں شریک ہو گیا۔ نماز سے فارغ ہونے کے بعد اس نے سلمان سے مصافحہ کرتے ہوئے کہا۔ ”میرا نام ابو نصر ہے۔ انشاء اللہ آپ کے دوست کی جان بچ جائے گی۔ میں آپ سے بہت کچھ پوچھنا چاہتا ہوں۔ لیکن آج رات شاید ہمیں باتیں کرنے کا موقع نہ ملے۔ جب تک مریض کو ہوش نہیں آتا، مجھے اس کے پاس رہنا پڑے گا۔ انشاء اللہ صبح ہماری ملاقات ہو گی۔“ پھر اس نے عبید اللہ سے کہا ”آپ کھانے کے لیے میرا انتظار نہ کریں۔ میں نے دن کے وقت دیر سے کھایا تھا اور اب مجھے بھوک نہیں۔“

☆☆☆

ابو نصر دوسرے کمرے میں چلا گیا۔ سلمان نے قدرے توقّف کے بعد عبد المنان سے سوال کیا۔ ”آپ کو ہاشم کے متعلق کچھ پتا چلا؟“

”نہیں! ہمیں اس کے متعلق پوری چھان بین کرنے کا موقع نہیں ملا۔ آج بعض ذرائع سے صرف اتنا معلوم ہوا ہے کہ اسے حامد بن زہرہ کی آمد سے قبل ابو القاسم کے محل میں داخل ہوتے دیکھا گیا تھا۔ حکومت کا ایک کارندہ اس کو دروازے تک پہنچا کر چلا گیا تھا۔ اس کے بعد اسے کسی نے نہیں دیکھا۔ اس دن اور اگلی رات ابو القاسم کے محل میں چند غدّاروں نے اس سے ملاقات کی تھی۔ یہ ہو سکتا ہے کہ ہاشم کسی گروہ کے ساتھ باہر نکل گیا ہو۔ اس روز کوتوال بھی بہت مصروف تھا اور اس نے رات کے وقت بھی وزیر اعظم کے محل میں حاضری دی تھی۔“

سلمان نے کچھ سوچ کر کہا۔ ”مجھے یقین ہے کہ اگر میں ایک منٹ کے لیے بھی وزیر اعظم سے بات کر سکوں تو معلوم ہو سکتا ہے کہ ہاشم کہاں ہے؟“

جمیل نے کہا۔ ”وزیر اعظم سے بات کرنے کے لیے اور لوگ موجود ہیں۔ آپ کے ساتھی آپ کو کوئی خطرہ مول لینے کی اجازت نہیں دیں گے۔“

سلمان نے کہا۔ ”دوسرا آدمی کوتوال ہے جس کے متعلق میرے پاس اس بات کا پورا پورا ثبوت ہے کہ وہ ابو القاسم کی ہر سازش میں شریک ہے۔“

جمیل نے کہا۔ ”یہ سب کو معلوم ہے کہ ابو القاسم ہر ذلیل کام اسی سے لیتا ہے لیکن ابھی اس کے سامنے بھی کسی جرم کے ثبوت پیش کرنے کا وقت نہیں آیا۔“

سلمان نے کہا۔ ”میں آپ سے دو کام لینا چاہتا ہوں۔ پہلا تو یہ ہے کہ آپ پولیس کے ایک آدمی کے گھر کا پتا معلوم کریں جس کا نام یحییٰ تھا۔ اس کے بعد آپ کے لیے حامد بن زہرہ کے قاتلوں پر ہاتھ ڈالنا زیادہ آسان ہو جائے گا۔ میں غرناطہ چھوڑنے سے پہلے اپنے حصّے کی ایک اہم ذمہ داری پوری کرنا چاہتا ہوں۔“

جمیل نے کہا۔ ”ہمارے لیے اس کا پتا لگانا مشکل نہیں ہو گا۔ پولیس میں ہمارے کئی ساتھ موجود ہیں اور ان میں سے کسی کو یہ کام سونپا جا سکتا ہے۔“

سلمان نے کہا۔ ”منصور کو تلاش کرنے کے لیے ہمارے لیے عمیر اور عتبہ کی نقل و حرکت سے باخبر رہنا ضروری ہے۔ انشاء اللہ میں آپ کو بہت جلد یہ بتا سکوں گا کہ وہ کہاں ہے۔ صرف اس بات کی ضرورت ہے کہ میرے لیے جو پیغام آئے وہ مجھے فوراً مل جائے۔ اگر ابو یعقوب گرفتار ہونے والے آدمی سے ضروری باتیں اُگلوانے میں کامیاب ہو گیا تو ممکن ہے کہ وہ بذاتِ خود یہاں آئے۔ وہ سرائے سے میرا اپتا معلوم کرے گا اور آپ اسے بلا تاخیر میرے پاس لے آئیں یا مجھے وہاں بلا لیں۔“

عبد المنان نے کہا۔ ”میں ان سب باتوں کی ذمہ داری لیتا ہوں۔ اگر کسی وجہ سے میں خود نہ آسکا تو عثمان آپ کے پاس جائے گا۔ اب مجھے اجازت دیجیے۔“

جمیل نے کہا۔ ”میں بھی واپس جانا چاہتا ہوں۔ ہمارے ساتھی یہ سننے کے لیے بے قرار ہوں گے کہ آپ غرناطہ پہنچ گئے ہیں۔“

عبید اللہ نے انہیں کھانے کے لیے روکنے کی کوشش کی لیکن عبد المنان

نے اٹھتے ہوئے کہا۔ ”نہیں! آپ ہمیں اجازت دیں۔ اب تک سرائے میں میرے لیے کئی پیغامات آچکے ہوں گے اور جمیل بہت مصروف ہے۔ مجھے امّید ہے کہ ہمارے معزّز مہمان دستر خوان پر ہماری غیر حاضری محسوس نہیں کریں گے۔“ عبید اللہ نے انہیں رخصت کرنے کے لیے باہر نکلنے کی کوشش کی لیکن عبد المنان کے اصرار پر اسے رکنا پڑا۔

تھوڑی دیر بعد سلمان اپنے میزبان اور اس کے بیٹے سے ساتھ دستر خوان پر بیٹھا کھانا کھاتے ہوئے غرناطہ کے تازہ حالات سن رہا تھا اور اس کے اضطراب میں ہر آن اضافہ ہو رہا تھا۔

☆☆☆

آدھی رات سے ایک ساعت قبل سلمان بستر کر لیٹا ہے چینی کی حالت میں کروٹیں بدل رہا تھا۔ طبیب دبے پاؤں کمرے میں داخل ہوا اور وہ جلدی سے اُٹھ کر بیٹھ گیا۔ ابو نصر نے کہا۔ ”آپ لیٹے رہیں۔ میں صرف اس خیال سے آیا تھا کہ اگر آپ جاگ رہے ہوں تو آپ کو یہ بتا دوں کہ

اب میں زخمی کے متعلق آپ کو پورا پورا اطمینان دلاتا ہوں۔ انشاء اللہ آپ صبح ہوتے ہی مجھ کو یہاں موجود نہ پائیں گے۔ میرا ایک آدمی زخمی کی دیکھ بھال کے لیے یہاں موجود رہے گا اور ضرورت پڑی تو مجھے بھی بر وقت یہاں بلایا جاسکتا ہے۔"

سلمان نے کہا۔ "آپ بہت زیادہ تھک نہ گئے ہوں تو تھوڑی دیر تشریف رکھیں ابھی میں نے غرناطہ کے متعلق جو باتیں سنی ہیں وہ انتہائی پریشان کن ہیں۔ جو آدمی مجھے تسلّی دے سکتا تھا، اس سے مجھے فوری ملاقات کی توقع نہیں۔ اگر مجھے یہ اطمینان ہوتا کہ اہلِ غرناطہ آنے والے مصائب کو کچھ عرصہ کے لیے ٹال سکتے ہیں تو مجھے اس قدر پریشانی نہ ہوتی۔"

ابو نصر نے بستر کے قریب صندلی پر بیٹھتے ہوئے کہا۔ "آپ کی دلجوئی کے لیے میں ساری رات آپ سے باتیں کر سکتا ہوں۔ ولید آپ کے متعلق بہت کچھ بتا چکا ہے لیکن مجھے ڈر ہے کہ میری باتوں سے آپ کی پریشانی کم نہیں ہو گی۔ غرناطہ کے حالات بڑی تیزی سے بگڑ رہے ہیں۔ حامد بن زہرہ کی آمد پر جو اجتماعی ولولہ بیدار ہوا تھا وہ اب سرد پڑ چکا ہے۔ حریت

پسندوں نے جس قدر ان کے قتل کو دبانے کی کوشش کی اسی قدر حکومت عوام کے دلوں میں شکوک پیدا کرنے کے لیے کوشاں ہے کہ وہ موجودہ حالات سے بددل ہو کر روپوش ہو گئے ہیں۔ وہ غرناطہ کے جن با اثر لوگوں سے تائید و حمایت کی امید لے کر واپس آئے تھے ان میں سے اکثر قوم کی مزید تباہی کے لیے ان کا ساتھ دینے پر آمادہ نہیں ہوئے۔“

سلمان نے کہا۔ ”میں یہ باتیں سن چکا ہوں اور یہ بھی سمجھ سکتا ہوں کہ جو غدّار فرڈنینڈ کے ساتھ اپنا مستقبل وابستہ کر چکے ہیں وہ قوم میں مایوسی اور بددلی پیدا کرنے کے لیے ہر حربہ استعمال کریں گے۔ لیکن میں سمجھنے سے قاصر ہوں کہ غرناطہ کے عوام حامد بن زہرہ کے متعلق ایسی باتیں کیسے بن سکتے ہیں۔“

ابو نصر نے کہا۔ ”جن لوگوں نے حامد بن زہرہ کی تقریر پر عوام کا جوش و خروش دیکھا تھا، وہ دو دن قبل یہ سوچ بھی نہیں سکتے تھے کہ اب کوئی غدّار اپنے گھر سے باہر نکلنے کی جرأت کرے گا لیکن غرناطہ کے تازہ ترین حالات کے پیشِ نظر ہمیں اس تلخ حقیقت کا اعتراف کرنا پڑ رہا ہے کہ

دشمن ہماری نسبت کہیں زیادہ مستعد تھے۔ انہیں اپنے راستے کی تمام مشکلات کا احساس تھا اور وہ کئی دنوں سے ان مشکلات کا مقابلہ کرنے کی تیاریاں کر رہے تھے۔ غرناطہ اور سینٹا فے کے درمیان آمد و رفت اور تجارت کا راستہ کھول دینا ہمارے لیے فرڈنینڈ کی تمام جنگی تدابیر سے زیادہ خطرناک ثابت ہوا ہے۔ میں اس اجتماع میں موجود تھا جس کے سامنے ابو القاسم نے یہ اعلان کیا تھا کہ یہ دن غرناطہ کے لیے قحط کا آخری دن ہے۔ آئندہ غرناطہ سے قحط کا نام و نشان تک مٹ جائے گا۔ فرڈنینڈ نے میری یہ درخواست مان لی ہے کہ اہلِ غرناطہ کی مشکلات آسان کرنے کے لیے سینٹا فے کے ساتھ تجارت کا راستہ کھول دیا جائے۔ چنانچہ کل سے طلوعِ آفتاب سے لے کر غروبِ آفتاب تک تمہارے تاجر فرڈنینڈ کے پڑاؤ سے سامانِ رسد خرید کر لائیں گے۔

چند ثانیے یہ غیر متوقع اعلان سننے والوں کو اپنے کانوں پر یقین نہیں آرہا تھا اور مجھے ایسا محسوس ہوتا تھا کہ میں خواب کی حالت میں یہ اعلان سن رہا ہوں۔ پھر جب ابو القاسم نے یہ مژدہ سنایا کہ کل سے تم سینٹا فے کو ایک

دشمن کے مستقر کی حیثیت سے نہیں بلکہ ایک فیاض ہمسایہ کی تجارتی منڈی کی حیثیت سے دیکھو گے اور غرناطہ میں جن لوگوں نے کئی مہینوں سے پیٹ بھر کر کھانا نہیں کھایا، وہ انتہائی سستے داموں یہ ضروریاتِ زندگی حاصل کر سکیں گے تو لوگ مسرت کے نعرے بلند کر رہے تھے۔

پھر اس سلسلے میں اس نے اپنی کارگزاری کا ذکر کرتے ہوئے کہا۔ میں فرڈنینڈ سے یہ مطالبہ منوانے کے لیے تین بار ملاقات کر چکا ہوں اور اسے رضامند کرنا معمولی بات نہ تھی۔

ان باتوں کا یہ اثر ہوا کہ اس کے بدترین دشمن بھی اس کی حکمتِ عملی اور ہوشیاری کی تعریف کر رہے تھے۔ میں بذاتِ خود ان لوگوں میں سے ایک تھا۔ جنہوں نے اگلے روز اس کے گھر جا کر اسے مبارک باد دی تھی اور مجھے ہمیشہ اس بات کی ندامت رہے گی لیکن اس وقت یہ کون کہہ سکتا تھا کہ ابو القاسم اہلِ غرناطہ کو اناج کی جس منڈی کا راستہ دکھا رہا ہے وہ چند دن بعد ہمارے لیے فرڈنینڈ کے اسلحہ خانوں سے زیادہ خطرناک ثابت ہو گی۔ غرناطہ کے جو خریدار وہاں سے غلّے کی گاڑیاں بھر کر لائیں گے ان

میں سے کئی ایسے ہوں گے جو ضمیر کا سودا چکا کر واپس آئیں گے اور ان کے ساتھ دشمن کے جاسوسوں کو بھی غرناطہ میں داخل ہونے کا موقع مل جائے گا۔ ہمارا اندازہ ہے کہ حامد بن زہرہ کی آمد سے قبل ان کے سینکڑوں جاسوس یہاں پہنچ چکے تھے۔ ان میں سے اکثر یہودی جنہیں مسلمانوں کے بھیس میں کام کرنے کی تربیت دی گئی تھی۔ وہ اپنے ساتھ بے پناہ دولت لائے تھے اور بے ضمیر لوگوں نے ان کے لیے اپنے گھروں کے دروازے کھول دیے تھے۔ حامد بن زہرہ کی آمد تک ان کی سرگرمیاں خفیہ تھیں لیکن اب وہ اچانک اپنی پناہ گاہوں سے باہر نکل آئے ہیں۔

غرناطہ سے حامد بن زہرہ کی روانگی کے اگلے روز حکومت چند گھنٹوں کے لیے سینٹافے کا راستہ بند کرنے پر مجبور ہوگئی تھی۔ صرف وہ لوگ وہاں جا سکتے تھے جو پولیس کی مدد حاصل کر سکتے تھے لیکن دوپہر کے وقت دروازہ کھول دیا گیا تھا اور جگہ جگہ پولیس کی اعانت کے لیے ان کے دستے متعین کر دیے گئے تھے۔ اب یہ حالت ہے کہ عوام کا اتحاد تیزی سے ٹوٹ رہا

ہے۔ حکومت اس بات کی پوری پوری کوشش کر رہی ہے کہ انہیں متحارب گروہوں میں تقسیم کر دیا جائے۔

دشمن کے جاسوس اور ہمارے نام نہاد علما جو ان اشاروں پر چلتے ہیں، پولیس کے پہرے میں جگہ جگہ تقریریں کر رہے ہیں، امن پسندوں نے عوام کو مرغوب کرنے کے لیے سینکڑوں مجرموں اور پیشہ ور قاتلوں کی خدمات حاصل کر لی ہیں۔ حکومت نے فوج کی تعداد متارکہ جنگ کا معاہدہ کرتے ہی کم کرنی شروع کر دی تھی لیکن پولیس کی تعداد میں آئے دن اضافہ ہو رہا ہے۔ ابو القاسم کو فوج کی طرح پولیس کے جن افسروں سے خطرہ تھا، ان میں سے بعض یرغمال میں جا چکے ہیں اور باقی بتدریج سبکدوش کیے جا رہے ہیں۔

سابق کوتوال نے سینٹا فے کا راستہ کھولنے کی مخالفت کی تھی، اس لیے اب اس کی جگہ ایک ایسے آدمی کو کوتوال بنا دیا گیا ہے جو انتہائی بے ضمیر اور بد دل ہے اور وزیر اعظم کی خوشنودی کے لیے ہر جرم کر سکتا ہے۔ حکومت کی کوششوں سے اہلِ غرناطہ تین متحارب گروہوں میں تقسیم ہو رہے ہیں

اور دشمن کے جاسوس عرب، بربر اور اسپینی مسلمانوں کی پرانی عداوتیں زندہ کرنے کے لیے سرگرم عمل ہیں۔ خطیبوں کا ایک گروہ عربوں کی رہنمائی کر رہا ہے اور اہلِ بربر اور اسپینی مسلمانوں کے خلاف زہر اگل رہا ہے۔ دوسرا گروہ اہل بربر کی بالا دستی کے حق میں تقریریں کرتا ہے اور دوسروں کو گالیاں دیتا ہے۔

تیسرے گروہ نے اسپینی مسلمانوں کی قیادت سنبھال لی ہے اور یہودی اور مقامی عیسائی اس کی حمایت کر رہے ہیں۔ یہ لوگ ابھی تک عوام کے خوف سے رہائشی علاقوں میں نہیں جاتے۔ صرف ان چوراہوں اور بازاروں میں جلسے کرتے ہیں جہاں پولیس ان کی حفاظت کرتی ہے۔ ان کی جرأت کا اندازہ آپ اس بات سے لگا سکتے ہیں کہ دو دن قبل حکومت نے ایک ایسے علاقے کی مسجد کے پرانے خطیب کو قتل کروا دیا تھا جس کی بیشتر آبادی اسپینی مسلمانوں پر مشتمل تھی۔ یہ خطیب بھی ان میں سے ایک تھا۔ عرب اور بربر بھی اس کی یکساں عزّت کرتے تھے لیکن حکومت اس سے اس بات ناراض تھی کہ وہ متارکہ جنگ کے خلاف

تقریریں کیا کرتا تھا اور عارضی صلح کے معاہدے کو دائمی غلامی کا پیش خیمہ سمجھتا تھا۔ ایک رات وہ عشاء کی نماز کے بعد اپنے گھر واپس جا رہا تھا کہ راستے میں کسی نامعلوم آدمی نے اسے قتل کر دیا۔

اگلے روز چند با اثر آدمیوں نے امامت کے فرائض ایک ایسے آدمی کو سونپ دیے جو اس منصب کے لیے بالکل نیا تھا۔ ہمارے آدمی ایسے لوگوں پر کڑی نظر رکھتے تھے لیکن ایک چھوٹی سی مسجد کے نئے امام پر کسی نے توجہ نہ دی اور ہمیں مسجد سے باہر اس کی سرگرمیوں کا کوئی علم نہ تھا لیکن گزشتہ رات وہ ایک کھلے میدان میں اس علاقے کے ایک بہت بڑے اجتماع میں اپنی اصلی صورت میں نمودار ہوا۔ بظاہر یہ مقامی مسلمانوں کا اجتماع تھا لیکن وہاں یہودی اور نصرانی بھی کافی تعداد میں موجود تھے۔ آدھی رات کے قریب اس علاقے کا ایک طبیب جو میرا شاگرد رہ چکا تھا، اس خطیب کی تقریر سننے کے بعد سیدھا میرے پاس آیا اور اس نے کہا۔ خدا کے لیے حامد بن زہرہ کے ساتھیوں کو خبردار کیجیے کہ ہم پر خدا کا عذاب نازل ہونے والا ہے۔ پھر اس جلسے کی کاروائی سننے کے

بعد میری اپنی یہ حالت تھی کہ میں نے باقی رات بستر پر کروٹیں بدلتے گزار دی۔ اگر کوئی اور آدمی میرے سامنے اس غدّار کی تقریر کا ذکر کرتا تو مجھے کبھی یقین نہ آتا کہ اہلِ غرناطہ اس گئی گزری حالت میں بھی ایسی باتیں سن سکتے ہیں۔ خصوصاً ایسی صورت میں جب کہ حامد بن زہرہ کی آواز ابھی تک ان کے کانوں میں گونج رہی ہے۔

اس غدّار خطیب نے اسپینی مسلمانوں سے مخاطب ہو کر کہا تھا عرب اور بربر غیر ملکی ہیں۔ انہیں صرف حکمرانی کا شوق یہاں لے آیا تھا۔ اب آٹھ سو سال اس زمین پر حکومت کرنے کے بعد انہیں یہ خطرہ ہے کہ جب ان کی بالا دستی ختم ہو جائے گی تو ان کا یہاں رہنا مشکل ہو جائے گا۔ ان کی آخری امید یہ ہے کہ اگر وہ دوبارہ جنگ شروع کر دیں اور افریقی ممالک کے مسلمان اور ترک ان کی مدد کے لیے پہنچ جائیں۔ پھر اگر وہ چاروں اطراف سے مایوس ہو جائیں تو انہیں یہ امید ہو سکتی ہے کہ وہ جن راستوں سے یہاں پہنچے تھے، انہی راستوں سے واپس جا سکتے ہیں لیکن ہم یہیں پیدا ہوئے تھے اور یہیں مریں گے۔ ہم اس زمین کے فرزند ہیں جس کی

حفاظت کے لیے راڈرک نے تلوار اٹھائی تھی اور جسے آٹھ سو سال کی غلامی کے بعد فرڈنینڈ نے آزاد کیا ہے۔ مسلمان ہونے کے باوجود اس ملک کی اکثریت کے ساتھ ہمارا نسلی رشتہ ختم نہیں ہوا۔ طارق بن زیاد اور موسیٰ بن نصیر غاصب تھے۔ ان کی فتح عربوں اور بربروں کی فتح تھی۔ راڈرک کی شکست ہماری شکست تھی۔ میں عربوں اور بربروں کو یہ مشورہ دیتا ہوں کہ اگر وہ یہاں رہنا چاہتے ہیں تو انہیں اس ملک کی اکثریت کے ساتھ پر امن ہمسائیگی کے آداب سیکھنے پڑیں گے ورنہ ان کے لئے مراکش، مصر اور شام کے راستے کھلے ہیں۔ ہم ابو عبد اللہ اور ابو القاسم کے شکر گزار ہیں کہ انہوں نے امن پسندی کا ثبوت دے کر اندلس کے مسلمانوں کو مزید تباہی سے بچا لیا ہے۔ ہم فرڈنینڈ اور ملکہ ازابیلا کے بھی شکر گزار ہیں کہ انہوں نے عیسائیوں اور مسلمانوں کے درمیان قدیم منافرتوں کی دیواریں توڑ دی ہیں اور ہم پر مکمل فتح حاصل کرنے کے باوجود ہمیں اپنی عیسائی رعایا سے زیادہ حقوق اور مراعات دینے کا اعلان کیا ہے۔“

سلمان نے کہا۔ ”میں یہ سوچ بھی نہیں سکتا کہ غرناطہ کے عوام ایسی تقریر سن سکتے ہیں۔“

”اہل غرناطہ کی بھاری اکثریت ابھی تک اس بات پر متفق ہے کہ ہم جتنی جلدی اپنے بقا کی جنگ کے لیے میدان میں نکل آئیں، اسی قدر ہمارے لیے بہتر ہو گا۔ اہلِ غرناطہ کی جرأت قبائل کے حوصلے بلند کر سکتی ہے لیکن ہم میں ایک گروہ ایسا بھی ہے جو محسوس کرتا ہے کہ وہ افسر جنہیں ہماری فوج کا جوہر سمجھا جاتا ہے، دشمن کی قید میں ہیں۔ اس لیے ہمیں جنگ شروع کرنے سے پہلے انہیں آزاد کرنے کی کوئی تدبیر نکالنی چاہیے۔ کم از کم متارکہ جنگ کی مدت کے دوران کوئی ایسا اقدام نہیں کرنا چاہیے کہ فرڈنینڈ کو انہیں روکنے کے لیے بہانہ مل جائے۔“

سلمان نے کہا۔ ”فرڈنینڈ کو انہیں روکنے کے لیے کسی بہانے کی ضرورت نہیں۔ وہ غرناطہ پر قبضہ کرنے سے پہلے انہیں کسی صورت میں بھی واپس نہیں کرے گا اور اس کے بعد بھی مجھے اندیشہ ہے کہ جن افسروں سے ابو القاسم جیسے لوگوں کو بازپرس کا خطرہ ہے، انہیں کسی حالت میں بھی واپس

نہیں آنے دیا جائے گا۔ میں حیران ہوں کہ جن مجاہدوں کی تربیت موسیٰ بن ابی غسان جیسے حقیقت پسند سپاہیوں نے کی تھی، وہ اس فریب میں کیسے آ گئے؟ نہیں اس بات کا کیسے یقین آ گیا کہ جب اہلِ غرناطہ رسد جمع کر لیں گے تو فرڈنینڈ انہیں اپنی افواج کا مقابلہ کرنے کے لیے واپس بھیج دے گا۔"

ابو نصر نے جواب دیا۔ "فوج کے اندر جو بڑے بڑے افسر ابو القاسم کی چالوں کو سمجھ سکتے تھے وہ جنگ بندی کے معاہدے کے ساتھ ہی سبکدوش کر دیے گئے تھے اور اس جیسے عیار آدمی کے لیے نوجوانوں کو یہ فریب دینا مشکل نہ تھا کہ اگر تم متارکہ جنگ کی مدّت ختم ہونے کے بعد ایک بار پھر قسمت آزمائی کرنا چاہتے ہو تو اس کی واحد صورت میں ہے کہ غرناطہ میں آئندہ چند مہینوں کی رسد جمع کر لی جائے اور یہ اسی صورت میں ممکن ہے کہ یر غمال کے بارے میں فرڈنینڈ کی شرائط قبول کر لی جائیں۔ اور یہ ہماری اتنی بڑی بد قسمتی تھی کہ اس وقت حامد بن زہرہ جیسی بااثر شخصیت غرناطہ میں موجود نہ تھی اور ابو القاسم نے صلح کے حامیوں کے ساتھ ساز

باز کر کے صرف غرناطہ کے چند انتہائی با اثر خاندانوں کو اپنا ہمنوا بنایا تھا۔ بلکہ فوج کے کئی نوجوان افسروں کو بھی ساتھ ملا لیا تھا۔

عوام سے اسے مخالفت کا اندیشہ نہیں تھا۔ سینٹا فے کا راستہ کھلوا کر اس نے انتہائی دور اندیش لوگوں کو بھی یہ سوچنے پر مجبور کر دیا تھا کہ فرڈنینڈ اس کی مٹھی میں ہے اور جس آسانی سے اس نے اہلِ غرناطہ اور کو بھوکوں مرنے سے بچا لیا ہے اسی آسانی سے وہ بوقتِ ضرورت انہیں دشمن کی قید سے نکال سکے گا۔

اس سازش کے پیچھے ان یہودیوں کا دماغ بھی کام کر رہا تھا جو غرناطہ کے اندر دشمن کا ہراول دستہ بن چکے تھے۔ میں آپ کی اس بات سے متفق ہوں کہ فرڈنینڈ کسی حالت میں بھی اپنے مقاصد حاصل کیے بغیر جنگی قیدیوں کو آزاد نہیں کرے گا۔ ابو القاسم ہر دوسرے تیسرے دن جنگی قیدیوں کو دیکھنے کے بہانے سینٹا فے جاتا ہے اور شہر میں یہ منادی کی جاتی ہے کہ وہاں انہیں زندگی کا ہر آرام میسّر ہے لیکن ہمارے رہنماؤں کا خیال ہے کہ ابھی تک قیدیوں سے اس کی ملاقات نہیں ہوئی۔ اب فوج

کے افسروں کی خوش فہمیاں دور ہو چکی ہیں اور اسے اس بات کا خطرہ ہے کہ وہ اسے دیکھتے ہی اس کی بوٹیاں نوچنے کے لیے تیار ہو جائیں گے۔“

ابو نصر کچھ دیر اور باتیں کرنے کے بعد چلا گیا اور سلمان کی یہ حالت تھی کہ اسے باقی رات نیند نہ آ سکی۔ ”میرے اللہ! میں کیا کر سکتا ہوں۔“ وہ بار بار اپنے دل میں کہہ رہا تھا۔ ”ایک قوم کے گناہوں کا بوجھ قوم ہی اُٹھا سکتی ہے۔ میں ایک فرد ہوں۔ مجھے صرف اتنی توفیق دے کہ میں اپنی محدود عقل اور ہمّت کے مطابق اپنے حصّے کی ذمہ داریاں پوری کر سکوں۔“

عمیر کی کارگزاری

منصور کو اغوا کرنے کے بعد عمیر کے لیے یہ اطلاع بہت اہم تھی کہ جعفر گھر آتے ہی دوبارہ غرناطہ کی طرف روانہ ہو چکا ہے اور ضحاک اس کا پیچھا کر رہا ہے۔ تاہم اگلی صبح وہ اس بات سے سخت مُضطرب تھا کہ اگر عاتکہ نے اچانک گھر پہنچ کر شور مچا دیا تو وہ اس کا سامنا کیسے کر سکے گا۔ چنانچہ اس نے سب سے پہلے ان نوکریوں سے نجات حاصل کرنے کی ضرورت محسوس کی جو اس کی سوتیلی ماں کی طرح ہر معاملے میں عاتکہ کی طرف داری کیا کرتے تھے اور صبح ہوتے ہی ان میں سے دو کو حکم دیا کہ وہ فوراً نجران کی طرف روانہ ہو جائیں اور عاتکہ کے ماموں کے پاس جا کر اس کا پتا لگائیں۔ تیسرے نوکر کو اس نے پڑوس کے آٹھ آدمیوں کے ساتھ

جنوب مشرق کی ان دور افتادہ بستیوں کی طرف روانہ کر دیا جہاں اس کے دوسرے رشتے دار رہتے تھے۔ اب گھر میں صرف ایک ایسا ملازم رہ گیا تھا جس پر اسے پورا اعتماد تھا۔

اپنی سوتیلی ماں کو خوف زدہ کرنے کے لیے اس کا اتنا کہہ دینا کافی تھا کہ ابّا جان بہت جلد غرناطہ سے واپس آ جائیں گے۔ اگر انہیں یہ شبہ ہو گیا کہ عاتکہ آپ کے مشورے سے کہیں گئی ہے تو آپ کو معاف نہیں کریں گے۔

اس کے بعد اس کی یہ حالت تھی کہ وہ اپنی صفائی پیش کرنے کے لیے کئی بار آنسو بہا چکی تھی۔ دوپہر تک گاؤں کے کئی آدمی غرناطہ کے حالات معلومات کرنے کے اس کے پاس آئے تھے لیکن عمیر کی ہدایت کے مطابق نوکر نے انہیں باہر سے ہی یہ کہہ کر رخصت کر دیا تھا کہ وہ بیمار ہیں اور انہیں مکمل آرام کی ضرورت ہے۔

سہ پہر تک عاتکہ کا انتظار کرنے کے بعد عمیر کی یہ حالت تھی کہ وہ

اضطراب کے عالم میں کبھی مہمان خانے میں اپنے ساتھیوں کے پاس چلا جاتا اور کبھی سکونتی مکان کے برآمدے یا کمروں کے اندر ٹہلنا شروع کر دیتا۔

شام کے وقت اس نے اپنے ساتھیوں کو گھوڑے تیار رکھنے کی ہدایت کی اور خود مکان کی چھت پر چڑھ کر اِدھر اُدھر دیکھنے لگا۔ اچانک اسے جنوب مشرق کی پہاڑی پر ایک سوار کی جھلک دکھائی دی۔ کچھ دیر وہ ٹکٹکی باندھ کر دیکھتا رہا۔ پھر اچانک اس کی رگوں میں خون کی گردش تیز ہونے لگی۔ سوار ابھی کوئی نصف میل دور تھا تاہم اس کا دل گواہی دے رہا تھا کہ وہ عاتکہ ہے۔ چند منٹ پورے انہماک سے اس کی طرف دیکھنے کے بعد وہ جلدی سے سلمیٰ کے کمرے میں پہنچا اور بولا۔ ”امّی مبارک ہو۔ عاتکہ واپس آرہی ہے۔ لیکن جب تک اس دماغ درست نہیں کرلیتا، آپ اسے منہ لگانے کی کوشش نہ کریں۔ اس لیے آپ اوپر کے کمرے میں تشریف لے جائیں اور وہاں خاموشی سے بیٹھی رہیں۔ اس لڑکی اور خادمہ کو بھی وہیں لے جائیں۔ اگر آپ کی طرف سے اسے ذرا سی بھی شہ ملی تو

معاملہ خراب ہو جائے گا۔ آیئے! جلدی کیجئے!"

سلمیٰ اپنی خادمہ اور خالدہ کے ساتھ زینے کی طرف بڑھی۔ عمیر ان کے پیچھے پیچھے باہر کی منزل کے دروازے تک آیا۔ سلمیٰ نے کمرے کے اندر داخل ہوتے ہی اچانک مڑ کر اس کی طرف دیکھا اور کہا۔ "عمیر، مجھے ڈر ہے کہ اگر تم نے اس کے ساتھ کوئی سخت کلامی کی تو بات بہت بڑھ جائے گی۔"

"امّی آپ فکر نہ کریں۔ یہ اس کی پہلی حماقت ہے اور میں صرف یہ تسلّی کرنا چاہتا ہوں کہ وہ دوبارہ گھر سے باہر قدم نکالنے کی جرأت نہیں کرے گی۔" عمیر نے یہ کہہ کر دروازہ بند کر دیا اور باہر سے کنڈی لگا دی۔

سلمیٰ چلائی۔ "عمیر! عمیر!! ٹھہرو میری بات سنو!"

اس نے جواب دیا۔ "اگر آپ نہیں چاہتیں کہ سارا گاؤں یہاں جمع ہو جائے تو آپ کو شور مچانے کی کوشش نہیں کرنی چاہیے۔"

سلمیٰ نے نرم ہو کر کہا۔ "بیٹا! مجھے صرف یہ خطرہ ہے کہ وہ تمہاری کسی

بات پر مشتعل نہ ہو جائے۔" "آپ فکر نہ کریں۔ اگر آپ کی طرف سے اس کی حوصلہ افزائی نہ ہوئی تو میں سے مشتعل کرنے کی کوشش نہیں کروں گا۔"

عمیر یہ کہ کر تیزی سے نیچے اترا اور بھاگتا ہوا ڈیوڑھی کی طرف بڑھا۔ "عاتکہ آرہی ہے۔" اس نے گھر کے نوکر سے مخاطب ہو کر کہا۔ "لیکن اندر آنے سے پہلے اسے معلوم نہیں ہونا چاہیے کہ ہم یہاں اس کا انتظار کر رہے ہیں۔ اگر وہ پوچھنے کی کوشش کرے تو اسے یہ کہ کر ٹال دیا جائے کہ میں باقی نوکروں کے ساتھ اسے تلاش کر رہا ہوں۔ یہ بہت ضروری ہے کہ اس کے پیچھے کوئی اور ڈیوڑھی کے اندر داخل نہ ہو۔ اس لیے اس کی آمد کے بعد دروازہ بند کر دینا چاہیے۔ میرا ایک ساتھی تمہاری اعانت اور رہنمائی کے لیے مہمان خانے کے اندر موجود ہو گا۔"

پھر وہ بھاگتا ہوا مہمان خانے میں داخل ہوا اور ایک منٹ بعد وہ دو آدمیوں کے ساتھ سکونتی مکان کا رُخ کر رہا تھا۔

☆☆☆

تھوڑی دیر بعد عمیر انتہائی پریشانی کی حالت میں عاتکہ کا انتظار کر رہا تھا۔ عام حالات میں سے اب تک گھر پہنچ جانا چاہیے تھا لیکن اب شام ہو چکی تھی اور اس کی آمد کے کوئی آثار نہ تھے۔ مکان کے درمیانی کمرے میں چراغ جلانے کے بعد وہ کبھی باہر نکل کر برآمدے یا صحن میں ٹہلنا شروع کر دیتا اور کبھی کمرے کے اندر کرسی پر بیٹھ جاتا۔ بالآخر اسے مکان سے باہر گھوڑے کی ٹاپ سنائی دی۔ وہ جلدی سے باہر نکلا۔ عاتکہ ڈیوڑھی سے نمودار ہوتے ہی گھوڑے سے کود پڑی۔ اور وہ بھاگ کر واپس کمرے میں آگیا۔

عاتکہ برآمدے کے سامنے ایک ثانیے کے لیے رکی، پھر جھجکتی ہوئی کمرے کے اندر داخل ہوئی اور اس نے عمیر کو دیکھتے ہی سوال کیا۔ ”چچی جان کہاں ہیں؟“

عمیر کو اس کا چہرہ دیکھ کر پہلی بار گھر کے اندر اپنی برتری کا احساس ہو رہا

تھا۔ اس نے بے پروائی سے جواب دیا۔ ”خالدہ نے کسی سوار کو گاؤں کی طرف آتے دیکھا تھا اور وہ دونوں تمہارا پتا لگانے گئی تھیں۔ اگر تم سیدھی گھر آتیں تو وہ کہیں راستے میں مل جاتیں۔ میرا خیال ہے تم منصور کے گھر رک گئی تھیں۔“

عاتکہ کا چہرہ اچانک غصّے سے تمتما اٹھا اور اس نے کہا۔ ”میں اس امید پر وہاں کی تھی کہ شاید حامد بن زہرہ کے قاتلوں کو اس کے نواسے پر رحم آ گیا ہو۔“

”تم کیا کہہ رہی ہو؟“ عمیر نے سراسیمگی کی حالت میں کرسی سے اٹھتے ہوئے کہا۔ ”کیا حامد بن زہرہ کو کسی نے قتل کر دیا ہے؟“

عاتکہ نے کہا۔ ”اگر تم اس وقت آئینے میں اپنا چہرہ دیکھ سکو تو اس سوال کا جواب مل جائے گا۔ میں تم سے صرف یہ پوچھنا چاہتی ہوں کہ منصور کہاں ہے؟ اور یاد رکھو تمہیں غلط بیانی سے کوئی فائدہ نہیں ہو گا۔ اگر تم مجھے مطمئن نہ کر سکے تو کل تک یہ سوال گاؤں کے ہر بچے اور بوڑھے کی

زبان پر ہو گا۔"

عمیر نے کہا۔ "تمہیں یہ سعید نے بتایا ہے کہ اس کے والد قتل ہو چکے ہیں؟"

"ہاں! تم اپنے ساتھیوں کو یہ اطلاع دے سکتے ہو کہ وہ اپنے گناہوں پر پردہ ڈالنے میں کامیاب نہیں ہو سکتے۔ سعید زندہ ہے اور تمہاری دسترس سے بہت دور جا چکا ہے۔ سر دست اسے یہ معلوم ہیں کہ اس کے باپ کے قاتل کون ہیں۔ انہوں نے رات کے وقت اپنے چہروں پر نقاب ڈال رکھے تھے۔ لیکن غرناطہ کے اندر اور باہر ایسے لوگ موجود ہیں جن سے تمہاری اور تمہارے ساتھیوں کی کوئی بات پوشیدہ نہیں۔ اگر وہ سعید کو قاتلوں کے متعلق بتا دیتے تو وہ زخمی ہونے کے باوجود ان سے انتقام لینے میں ایک لمحہ کی تاخیر برداشت نہ کرتا۔ لیکن اس کے ساتھی یہ سمجھتے ہیں کہ حامد بن زہرہ کے بعد قوم کو اس کے بیٹے کی ضرورت ہے۔ وہ اسے غرناطہ واپس لانے کے لیے مناسب حالات کا انتظار کریں گے اور پھر یہ سوچنا تمہارا کام ہو گا کہ قوم کے غدّاروں کی گردنوں اور محبانِ وطن کی

تلواروں کے درمیان کتنا فاصلہ ہے؟“

عمیر کا چہرہ زرد ہو چکا تھا۔ وہ کچھ دیر پتھرائی ہوئی نگاہوں سے عاتکہ کی طرف دیکھتا رہا۔ پھر اس نے سنبھلنے کی کوشش کرتے ہوئے کہا۔ ”عاتکہ! مجھے معلوم نہیں کہ حامد بن زہرہ کب اور کہاں قتل ہوئے ہیں اور میں تمہیں یقین دلاتا ہوں کہ منصور کو کوئی خطرہ نہیں۔ میں نے جعفر کی بیوی سے وعدہ کیا تھا کہ جب تم واپس آ جاؤ گی تو اسے بحفاظت گھر پہنچا دیا جائے گا اور میں اس وعدے پر قائم ہوں۔“

”تمہیں بہت سی باتوں کا علم نہیں لیکن میں بہت کچھ جانتی ہوں۔ اس لیے اگر تم یہ نہیں چاہتے کہ کل تک یہ گھر راکھ کا انبار بن جائے تو تم منصور کو واپس لانے میں ایک لمحہ کی تاخیر نہ کرو۔“

”میں منصور کا دشمن نہیں ہوں۔ یہ سب کچھ تمہاری وجہ سے ہوا ہے۔ تمہیں تلاش کرنا خاندان کی عزّت کا مسئلہ تھا۔ خدا کے لیے اب بیٹھ جاؤ اور اطمینان سے میرے سوال کا جواب دو۔ تم نے حامد بن زہرہ کے قتل

کی افواہ اڑانے اور مجھ پر بلا وجہ الزام تراشی کی ضرورت محسوس کیوں کی؟"

عاتکہ کی قوّتِ برداشت جواب دے چکی تھی۔ اس نے تلملا کر کہا۔ "عمیر! مجھے اس بات سے شرم محسوس ہوتی ہے کہ تم میرے چچا کے بیٹے ہو۔ تم بھیڑیوں کی جس ٹولی میں شامل ہو چکے ہو ان کا رہنما میرے والدین کا قاتل ہے۔ اس کا اصلی نام طلحہ نہیں بلکہ عتبہ ہے۔ میں جس قدر اپنے والدین کے قاتل کو جانتی ہوں اسی قدر حامد بن زہرہ کے قاتلوں کے متعلق بھی جانتی ہوں۔ اس لیے تمہیں سعید کو تلاش کرنے یا منصور کو اذیت دینے کی بجائے اب اپنے متعلق سوچنا چاہیے۔"

عمیر کی حالت اسی زخم خوردہ درندے کی سی تھی جو اپنے شکاری پر آخری حملہ کرنے کی تیاری کر رہا ہو۔ اس نے کہا۔ "عاتکہ! کئی باتیں ایسی ہوتی ہیں جنہیں زبان پر لانا خطرناک ہوتا ہے۔ جہاں تک میرا تعلق ہے، میں تمہاری ہر بات برداشت کر سکتا ہوں۔ لیکن اگر تم گاؤں کے دوسرے لوگوں کے سامنے بھی اسی قسم کی بے احتیاطی کا مظاہرہ کر چکی ہو تو تم

صرف میرے لیے ہی نہیں بلکہ اپنے لیے بھی بہت بڑا خطرہ مول لے چکی ہو۔"

عاتکہ نے کہا۔ "میں اس امید پر گھر آئی ہوں کہ تم منصور کو اس کے گھر پہنچا دینے کا وعدہ پورا کرو گے اور مجھے گاؤں کے لوگوں کو کچھ کہنے کی ضرورت پیش نہیں آئے گی۔"

"تم یہ وعدہ کرتی ہو کہ اس کے بعد تم مجھے ایک دشمن کی حیثیت سے نہیں دیکھو گی۔"

"میں صرف یہ وعدہ کر سکتی ہوں کہ کسی سے تمہارا ذکر نہیں کروں گی۔ لیکن میری ایک شرط ہے۔"

"وہ کیا؟"

"تمہیں یہ بتانا پڑے گا کہ میرے والدین کا قاتل کہاں ہے؟"

"خدا کی قسم مجھے معلوم نہیں کہ تمہارے والدین کا قاتل کون تھا۔"

”ہو سکتا ہے کہ اس سے پہلے تمہیں معلوم نہ ہو لیکن اب میں بتا چکی ہوں۔“

”وہ یہاں نہیں ہے۔“

”اگر میرے خاندان کی غیرت مر چکی ہے تو میں زمین کے آخری کونے تک اسے تلاش کروں گی۔“

”تمہیں معلوم ہے کہ انسان اپنا ایک جرم چھپانے کے لیے کئی اور جرم کرنے پر مجبور ہو جاتا ہے۔“

”مجھے معلوم ہے کہ تم حامد بن زہرہ کا قتل چھپانے کے لئے سعید کو بھی قتل کرنا چاہتے تھے لیکن اب تم اس کا بال بھی بیکا نہیں کر سکتے۔“

عمیر نے کہا۔ ”فرض کرو کہ جن لوگوں پر تم نے حامد بن زہرہ کے قاتل ہونے کا الزام لگایا ہے، ان میں سے بعض یہاں موجود ہیں اور تمہاری باتیں سن چکے ہیں اور وہ یہ فیصلہ کر چکے ہیں کہ تمہارا یہاں رہنا ٹھیک نہیں۔“

عاتکہ پریشان ہو کر اِدھر اُدھر دیکھنے لگی۔ پھر وہ جلدی سے باہر کے دروازے کی طرف بڑھی لیکن عمیر نے جلدی سے اس کا بازو پکڑ لیا۔ اس کے ساتھ ہی دائیں بائیں دونوں کمروں کے دروازے کھلے اور دو آدمی بھاگتے ہوئے آگے بڑھے۔

"غدّار! کمینے! عاتکہ دوسرے ہاتھ سے اپنا خنجر نکالتے ہوئے چِلاّئی لیکن ایک آدمی نے جھپٹ کر اس کی کلائی پکڑ لی اور دوسرے نے ایک بھاری چادر اس کے اوپر ڈال دی۔ عاتکہ تڑپی، چیخی اور چلائی لیکن جلد ہی ان کی گرفت میں بے بس ہو کر رہ گئی۔ عمیر نے اس کو فرش پر گرا کر اس کے منہ میں رومال ٹھونس دیا اور کپڑے کا ایک ٹکڑا اپھاڑ کر اوپر باندھ دیا۔ پھر اس کے ساتھیوں نے جلدی سے اس کے ساتھ پاؤں رسیوں سے جکڑ دیے۔

پانچ منٹ بعد عمیر عاتکہ کو اٹھا کر کمرے سے نکلا تو اس کے ساتھی گھوڑے لیے برآمدے کے سامنے کھڑے تھے۔ وہ ایک گھوڑے پر عاتکہ کو ڈال کر اس کے پیچھے سوار ہو گیا اور پھر اپنے ساتھیوں سے

مخاطب ہوا۔ ”اب ہمیں یہاں سے جلدی نکلنا چاہیے۔ فی الحال ہم اس لڑکی کو علیحدہ گھوڑے پر سوار نہیں کر سکتے لیکن کچھ دور آگے جا کر ہمیں کوئی خطرہ نہیں ہو گا۔ اس لیے اس کا گھوڑا بھی ساتھ لے چلو۔“

”عمیر! عمیر! سلمیٰ نے بالائی منزل کے دریچے سے آواز دی۔ ”یہ کیا ہو رہا ہے؟ تم کہاں جا رہے ہو؟“

”میں عاتکہ کا پتا لگانے جا رہا ہوں۔“

”لیکن میں نے ابھی اس کی آواز سنی تھی۔“

”آپ کو وہم ہوا ہے۔ میں اوپر کا دروازہ کھولنے کے لیے نوکر بھیج دوں گا۔“ یہ کہہ کر عمیر نے گھوڑے کو ایڑ لگا دی۔ تھوڑی دیر بعد وہ گاؤں سے باہر نکل چکے تھے اور لوگ رات کی تاریکی میں آس پاس کے گھروں سے نکل نکل کر ایک دوسرے سے پوچھ رہے تھے۔ یہ کون تھے؟ اور اس وقت کہاں جا رہے ہیں۔ لیکن ان کی رفتار اتنی تیز تھی کہ کسی کو ان کا راستہ روکنے یا کچھ کہنے کا موقع نہ ملا۔ گاؤں سے ایک کوس دور جا کر وہ

ایک تنگ پہاڑی راستے پر سفر کر رہے تھے۔ عاتکہ پر غصّے کی بجائے بے بسی کا احساس غالب آ رہا تھا اور وہ عمیر سے نجات حاصل کرنے کی تدبیریں سوچ رہی تھی۔

اچانک عمیر نے گھوڑا روکا اور اتر کر کہا۔ ”مجھے تمہاری تکلیف کا احساس ہے لیکن یہ ایک مجبوری تھی۔ اب اگر تم عقل سے کام لیا تو باقی راستہ آرام سے سفر کر سکو گی۔ اس وقت تمہیں میری ہر بات بری لگے گی لیکن کل شاید تم یہ محسوس کرو کہ میں تمہارا دشمن نہیں ہوں۔“

پھر اس نے عاتکہ کے پاؤں کی رسی کاٹ دی اور ایک سوار کے ہاتھ سے اپنے گھوڑے کی لگام دیتے ہوئے اس کے ساتھ رہنے کا حکم دیا اور خود خالی گھوڑے پر سوار ہو گیا۔

عاتکہ کو علیحدہ گھوڑے پر سفر کرتے ہوئے جسمانی تکلیف کے علاوہ ذہنی اور روحانی کوفت سے بھی کسی حد تک نجات مل چکی تھی۔ تاہم اس کے ہاتھ ابھی تک جکڑے ہوئے تھے اور منہ پر بھی کپڑا بندھا ہوا تھا۔

☆☆☆

عبید اللہ کے گھر میں دو دن تک سلمان کو منصور کے متعلق کوئی اطلاع نہ ملی اور بدریہ کی طرف سے بھی کوئی پیغام نہ آیا۔ اس نے دو مرتبہ ابو الحسن کو عبد المنان کا پتا لگانے کے لیے بھیجا لیکن وہ بھی اپنی سرائے میں نہیں تھا۔ اسے صرف یہ اطمینان تھا کہ سعید کا بخار ٹوٹ چکا ہے اور اس کی حالت بتدریج بہتر ہو رہی ہے۔

سلمان کا بیشتر وقت اس کی تیمارداری میں صرف ہوتا لیکن جس قدر وہ اسے تسلّی دینے کی کوشش کرتا، اسی قدر اس کا ضمیر ٹھوکے کھاتا کہ کھوکھلے الفاظ اس کے دل کا بوجھ کم نہیں کر سکتے۔ منصور کے متعلق وہ بار بار یہی کہا کرتا تھا کہ اس کی تلاش جاری ہے۔ ممکن ہے کہ وہ اب تک گھر پہنچ چکا ہو اور ہمیں آج یا کل گاؤں سے اطلاع مل جائے لیکن وہ عاتکہ کے غیر متوقع فیصلے کے بارے میں کچھ کہنے کا حوصلہ نہ کر سکا اور گفتگو کے دوران سعید کو یہ تاثر دینے کی کوشش کرتا رہا کہ وہ بدریہ کے گھر میں ہر طرح محفوظ ہے۔

سعید، منصور اور عاتکہ کے متعلق کوئی بے چینی ظاہر کرنے کی بجائے خاموشی سے سلمان کی باتیں سنتا اور گہری سوچ میں کھو جاتا۔ وہ بے حد نحیف ولاغر ہو چکا تھا اور طبیب جو صبح شام اسے دیکھنے آتا تھا، اس کے تیمار داروں کو سختی کے ساتھ اس بات کی تاکید کر چکا تھا کہ اسے غرناطہ سے متعلق کوئی تشویشناک خبر نہ سنائی جائے۔ چنانچہ جب وہ عبید اللہ، اس کے بیٹے یا کسی نوکر سے کوئی سوال پوچھتا تو وہ اس کی تسلّی کے لیے اہلِ غرناطہ کے جوش و خروش اور قبائل کی طرف سے حوصلہ افزا پیغامات کی خبریں سنایا کرتے تھے۔

تیسری رات سلمان سعید کے پاس بیٹھا ہوا تھا۔ ابو الحسن طبیب کے ساتھ کمرے میں داخل ہوا اور اس نے کہا۔ "ابّا جان آپ کو بلاتے ہیں۔"

سلمان اٹھ کر اس کے پیچھے ہو لیا۔ جب وہ کمرے سے باہر کا تو ابو الحسن نے دبی زبان سے کہا۔ "آپ اپنے کمرے میں تشریف لے جائیں۔"

سلمان جلدی سے اپنے کمرے میں داخل ہوا تو وہاں عبید اللہ کے بجائے

ولید اس کا انتظار کر رہا تھا۔

سلمان نے اس سے مصافحہ کرتے ہوئے کہا۔ ”خدا کا شکر ہے کہ تم آگئے، میں تو سخت پریشان تھا۔ مجھے عبد المنان اور جمیل سے یہ توقع نہ تھی کہ وہ اس قدر غفلت کا ثبوت دیں گے۔“

ولید نے جواب دیا۔ ”آپ کے ساتھی آپ کے احساسات سے غافل نہیں۔ انہیں معلوم ہے کہ آپ کے دل پر کیا گزر رہی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ مجھے غرناطہ پہنچتے ہی انہوں نے آپ کی خدمت میں حاضر ہونے کا حکم دیا ہے۔“ ”تمہیں یہاں آنے میں کوئی خطرہ تو نہیں تھا؟“

”نہیں! غدّاروں کو معلوم ہے کہ میں تنہا نہیں ہوں۔“

”تمہیں معلوم ہے کہ سعید کے بھانجے کو اغوا کر لیا گیا ہے۔“

”ہاں مجھے سب باتیں معلوم ہیں۔ میں عاتکہ کے متعلق آپ سے گفتگو کرنے سے پہلے سعید کو تسلّی دینا چاہتا تھا لیکن ابّا جان نے فی الحال مجھے اس کے پاس جانے سے روک دیا ہے۔ وہ کہتے ہیں کہ مجھے دیکھ کر وہ کئی

سوالات کرے گا۔ لیکن سر دست اس کی حالت ایسی نہیں کہ اسے باہر کے حالات بنائے جائیں۔"

سلمان نے کہا۔ "آپ کو معلوم ہے کہ میں اسے بارہا جھوٹی تسلّیاں دے چکا ہوں اور اب یہ حالت ہے کہ مجھے اس کے سامنے جاتے ہوئے بھی ندامت محسوس ہوتی ہے۔ یہاں میں نے تین دن ضائع کر دیے ہیں اور مجھے اتنا بھی معلوم نہ ہو سکا کہ قاتل منصور کو کہاں لے گئے ہیں۔ میں ایک ایسے آدمی کو پیچھے چھوڑ آیا ہوں جس سے بہت کچھ معلوم ہو سکتا تھا اور مجھے یقین تھا کہ کوئی نہ کوئی پیغام ضرور آئے گا اور غرناطہ میں آپ کے ساتھی مجھے ضرور اطلاع دیں گے۔ لیکن مایوس ہو کر میں نے اپنے میزبان کے بیٹے کو عبدالمنان کی تلاش میں بھیجا تھا مگر وہ بھی سرائے میں نہیں تھا۔ اب میں علی الصبح بذاتِ خود منصور کی تلاش شروع کرنے کا ارادہ کر چکا ہوں اور مجھے اس مہم میں صرف ایک ساتھی کی ضرورت ہو گی۔"

"ہم آپ کو ہزار آدمی دے سکتے ہیں لیکن ان کی اوّلین ذمہ داری آپ کی

حفاظت ہو گی۔ آپ میری بات پر برہم نہ ہوں۔ میں آپ کو یہ بتانے آیا ہوں کہ آپ کے ساتھی منصور کے متعلق کم فکر مند نہیں ہیں۔ اگر آپ کو فوراً کوئی اطلاع نہیں دی گئی تو اس کی وجہ صرف یہ تھی کہ غرناطہ میں آپ کے دوست آپ کو خطرے میں ڈالنا پسند نہیں کرتے۔" "کون سی اطلاع؟"

ولید نے جیب سے کاغذ کے دو پرزے نکال کر سلمان کو پیش کرتے ہوئے کہا۔ یہ دونوں پیغام تھوڑے تھوڑے وقفے کے بعد ملے تھے۔ میں بدریہ کا خط پہچانتا ہوں۔ آپ بھی پڑھ لیجیے۔

سلمان نے یکے بعد دیگرے دونوں رقعے پڑھے۔

"ضحاک کی زبان کھلی ہے۔ اس کا بھائی یونس بھی عتبہ کا ملازم ہے۔ ویگا میں رندہ کی طرف جانے والی سڑک پر وسیع باغ کے اندر ایک مکان ہے جو جنگ کے آخری ایام میں میرے والد کا قاتل قابض ہو گیا تھا۔ آس پاس کسی اور باغ کی چار دیواری اتنی اونچی نہیں۔ وہ منصور کو وہاں لے گئے

ہیں۔ آپ غرناطہ میں اپنے ساتھیوں سے کہیں کہ وہ سب سے پہلے یونس کو تلاش کریں۔ ضحاک کو یقین ہے کہ وہ اس کا پتا لگانے کے لیے ویگا ضرور آئے گا اور آپ کے ساتھی اس سے بہت کچھ معلوم کر سکیں گے۔"

سلمان نے جلدی سے دوسرا رقعہ کھولا۔ اس کا مضمون یہ تھا۔

"میں کبوتر اڑا چکی تھی کہ جعفر واپس آ گیا اور اس نے یہ اطلاع دی کہ عمیر گزشتہ رات عاتکہ کو بھی پکڑ کر لے جا چکا ہے۔ موجودہ حالات میں وہ غرناطہ نہیں جا سکتا۔ قیاس یہی ہے کہ عاتکہ بھی منصور کے پاس پہنچ چکی ہو گی۔ لیکن میں التجا کرتی ہوں کہ آپ یہ معاملہ ان لوگوں پر چھوڑ دیں جو ویگا کے حالات سے واقف ہیں۔"

سلمان نے انتہائی اضطراب کی حالت میں ولید کی طرف دیکھا تو اس نے کہا۔ "اب آپ سمجھ سکتے ہیں کہ آپ کو فوراً اطلاع کیوں نہیں دی گئی۔ انہیں تلاش کرنا اہلِ غرناطہ کی ذمہ داری ہے۔ آپ کو کوئی خطرہ مول لینے کی اجازت نہیں دی جا سکتی۔"

سلمان نے پوچھا۔ ”یہ خط کس آدمی کو ملے تھے؟“

”تیسرے آدمی کو۔“ ولید نے جواب دیا۔ ”میں آج ہی قبائل کے تیس سرکردہ آدمیوں کو لے کر آیا ہوں اور کئی سرداروں سے ملنے کے لیے اکابر کے ایک وفد کے ساتھ واپس جانا چاہتا تھا لیکن تیسرے آدمی کا حکم ہے کہ میں آپ سے مل کر جاؤں۔ وہ آپ کو تسلّی دینا چاہتے تھے کہ ہم منصور اور عاتکہ کے حال سے غافل نہیں ہیں۔“

سلمان نے کچھ سوچ کر کہا۔ ”انہوں نے عتبہ کی قیام گاہ سے ضحاک کے بھائی کا پتہ لگایا ہے؟“

”ہاں! لیکن وہاں صرف ایک دو نوکر تھے اور انہوں نے یہ بتایا تھا کہ یونس وہاں نہیں آیا۔“

”تم مجھے عتبہ کا مکان دکھا سکتے ہو؟“

”نہیں! آپ کا وہاں جانا ٹھیک نہیں۔ میں اس بات کی ذمہ داری لیتا ہوں کہ اگر ضحاک کا بھائی یہاں آیا تو اسے واپس نہیں جانے دیا جائے گا۔“

سلمان نے کہا۔ ”ولید! یہ حالات میرے لیے ناقابلِ برداشت ہو چکے ہیں۔ جب میں سعید کو دیکھ کر اسے اِدھر اُدھر کی باتوں سے تسلّی دینے کی کوشش کرتا ہوں تو میرا ضمیر مجھے ملامت کرتا ہے۔ میں آپ سے نہیں کہہ سکتا کہ آپ عاتکہ اور منصور کی خاطر ایک اجتماعی ذمہ داری سے منہ پھیر لیں لیکن ان کی طرح میں بھی ایک فرد ہوں۔ اگر میں اپنی جان کی قربانی دے کر حامد بن زہرہ کے نواسے کی جان اور ایک مجاہد کی بیٹی کی عزّت بچاسکوں تو میرے لیے یہ سودا مہنگا نہیں ہو گا۔ اگر آپ ترکوں کے امیر البحر کے پاس کوئی وفد بھیجنا چاہتے ہیں تو وہ میرے بغیر بھی جا سکتا ہے۔ میں ان کے وفد کے رہنما کو تعارفی خط دے سکتا ہوں اور اسے یہ بھی بتا سکتا ہوں کہ انہیں کون سی تاریخ کو کس جگہ ہمارے جہاز کا انتظار کرنا چاہیے۔“

ولید نے کہا۔ ”قید خانے کی تبدیلی سے قیدیوں کے آلام و مصائب میں کوئی فرق نہیں آتا۔ آج عاتکہ اور منصور غدّاروں کی قید میں ہیں۔ اگر کل آپ انہیں ویگا سے نکال کر غرناطہ لے آئیں اور چند دن یا چند ہفتے بعد

غرناطہ پر دشمن کا قبضہ ہو جائے تو اس سے آپ کو کیا اطمینان حاصل ہو گا۔ منصور جیسے لاکھوں بچے اور عاتکہ جیسی لاکھوں بیٹیاں مقبوضہ علاقوں میں دشمن کے وحشیانہ مظالم کا سامنا کر رہی ہیں۔“

سلمان نے کہا۔ ”کاش میری لاکھوں جانیں ہوتیں اور میں ہر منصور اور ہر عاتکہ کے لیے ایک ایک جان دے سکتا۔“

ولید کچھ دیر آبدیدہ ہو کر اس کی طرف دیکھتا رہا۔ پھر اس نے کہا۔ ”دیکھیے! ہماری خواہش یہ ہے کہ آپ جلد از جلد یہاں سے روانہ ہو جائیں لیکن آپ کو دو دن اور انتظار کرنا پڑے گا۔ جو آدمی آپ کو یہاں روکنے پر مصر ہے وہ اس وقت غرناطہ میں کسی جگہ قبائل کے اکابر سے مشورے کر رہا ہے۔ ہو سکتا ہے کہ آج کل میں کوئی فیصلہ ہو جائے اور کل تک وہ آپ کو یہ بتا سکے کہ آپ کب جا سکتے ہیں۔“

”آپ کو یقین ہے کہ جو سردار آپ کے ساتھ آئے ہیں انہیں غدّاروں کی طرف سے کوئی خطرہ نہیں۔“

”نہیں! جب تک حکومت کو معلوم نہیں ہو جاتا کہ ہم کیا کرنا چاہتے ہیں وہ کوئی چھیڑ چھاڑ پسند نہیں کرے گی اور ہماری کوشش یہ ہے کہ اسے آخری وقت تک ہمارے عزائم کا علم نہ ہو۔ قبائلی سرداروں کو ورغلانے کے لیے حکومت کے جاسوس بھی سرگرمِ عمل ہیں اس لیے صرف انتہائی قابل اعتماد آدمیوں کو بتایا جاتا ہے کہ ہم کس وقت کوئی کارروائی شروع کریں گے۔“

”آپ کو بھی علم ہے؟“

”ہاں! ہم تیاری کے لیے زیادہ سے زیادہ وقت حاصل کرنا چاہتے ہیں اسی لیے ہمارے رہنماؤں کا یہ فیصلہ ہے کہ متارکہ جنگ کی مدّت کے اختتام تک انتہائی احتیاط سے کام لیا جائے اور صرف ایک یا دو دن پہلے پورے اندلس میں جنگ شروع کر دی جائے۔“

”آپ کو یہ اطمینان ہے کہ غرناطہ کے اندر آپ کے اندرونی دشمن آپ اور کو کسی تیاری کا موقع دیں گے اور حکومت کی کوششوں سے شہر کے

اندر جن فسادات کی ابتدا ہو چکی ہے وہ جنگی کی صورت نہیں اختیار کریں گے؟"

ولید نے کچھ سوچ کر کہا۔ "ہمیں سب سے بڑا خطرہ یہی ہے اور ہم عوام کو اس خطرے سے خبر دار کرنے کی پوری کوشش کر رہے ہیں۔ تاہم میں آپ کو اس سوال کا تسلّی بخش جواب نہیں دے سکتا کہ ہماری کوششیں کس حد تک کامیاب ہوں گی۔ اگر ہم نے اچانک غرناطہ میں خانہ جنگی کا خطرہ محسوس کیا تو عوام کی توجہ اصل محاذ پر مبذول کرنے کے لئے ہمیں فوراً میدان میں آنا پڑے گا۔ لیکن ہماری کوشش بھی اسی صورت میں نتیجہ خیز ثابت ہو سکتی ہے کہ پہل قبائل کی طرف سے ہو اور اس کے ساتھ ہی ہمارے بیرونی مدد گار اگر فی الحال کسی بڑے پیمانے پر ساحلی علاقوں پر حملہ نہ کر سکیں تو کم از کم وہ ہمیں اتنی مدد دیتے رہیں کہ ہم لوگوں کے حوصلے بلند رکھیں اور یہی وہ مسئلہ ہے جو آپ کی اعانت کا طلب گار ہے۔"

سلمان نے کہا۔ "لیکن آپ کو معلوم ہے کہ میں امیر البحر کی طرف سے

کوئی اختیار لے کر یہاں نہیں آیا۔ میرا مقصد حامد بن زہرہ کو یہاں پہنچانا تھا۔ اب میں انہیں آپ کے حالات سے آگاہ کر سکتا ہوں۔ ہو سکتا ہے کہ میری التجائیں انہیں کسی اقدام پر آمادہ کر سکیں لیکن میں آپ سے کوئی وعدہ نہیں کر سکتا۔"

"اگر آپ کے جہاز ساحل کے کسی علاقے پر گولہ باری کر دیں تو بھی اس کے اثرات بہت دور رس ہوں گے۔ ہمارے رہنماؤں کا خیال ہے کہ قدرت نے آپ کو بلاوجہ یہاں نہیں بھیجا اور آپ کو معلوم ہے کہ سیلاب میں بہتے ہوئے انسان کے لیے تنکوں کا سہارا بھی غنیمت ہوتا ہے۔ ہمارے ساتھیوں کا خیال ہے کہ جب قبائل کے سر کردہ رہنما یہاں جمع ہو جائیں گے تو آپ کو ان کے سامنے تقریر کرنے کے لیے کہا جائے گا اور اس کے بعد آپ ہمارے ایک وفد کے ساتھ روانہ ہو جائیں گے۔ چند آدمی جن سے ہم آپ کی ملاقات ضروری سمجھتے ہیں، ابھی تک یہاں نہیں پہنچے۔ لیکن ہمیں امید ہے کہ آپ کو دو دن سے زیادہ یہاں روکنے کی ضرورت پیش نہیں آئے گی۔ سعید کے متعلق ابّا جان کو اطمینان ہے کہ وہ

چند دن تک چلنے پھرنے کے قابل ہو جائے گا۔ اس کے بعد ہم کوئی موزوں وقت دیکھ کر اسے البسین کی جامع مسجد کے منبر پر کھڑا کر سکیں گے جہاں اس کے والد نے آخری تقریر کی تھی۔ مجھے یقین ہے کہ جب اہلِ غرناطہ باپ کی شہادت کے واقعات اس کے بیٹے کی زبان سے سنیں گے تو غدّار یہ محسوس کریں گے کہ ان کا یومِ حساب شروع ہو چکا ہے۔"

سلمان نے کہا۔ "ولید! میں تم سے ایک بات کہنا چاہتا ہوں۔"

"کہیے!"

"میں تم سے نہیں پوچھوں گا کہ تیسرا آدمی کون ہے؟ لیکن میں اسے دیکھنا چاہتا ہوں۔ اس سے چند باتیں کرنا بہت ضروری ہیں۔"

"آپ کی یہ خواہش بہت جلد پوری ہو جائے گی اور میں آپ کو یہ بھی بتاتا چلوں کہ وہ خاندان بنو سراج سے تعلق رکھتا ہے۔ اس کی والدہ سلطان کی والدہ کی خالہ زاد بہن اور الحمرا کے ناظم کی بیٹی ہے۔ جنگ کے آخری ایام میں اسے پانچ ہزار سواروں کی کمان مل چکی تھی لیکن موسیٰ بن ابی غسان

کی شہادت کے بعد چند دیگر سر کردہ افسروں کی طرح وہ بھی فوج سے علیحدہ ہو گیا تھا۔ بظاہر اس کا اب فوجی اور سیاسی معاملات سے کوئی تعلق نہیں لیکن اس کی اہمیت کم نہیں ہوئی۔ غرناطہ میں بہت کم آدمی ایسے ہیں جنہیں اس کی خفیہ سرگرمیوں کا علم ہے۔ میں بھی صرف اتنا جانتا تھا کہ ایک با اثر آدمی کی بدولت فوج کے ساتھ ہمارے رہنماؤں کا رابطہ قائم رہے۔ لیکن غرناطہ سے حامد بن زہرہ کی روانگی سے کچھ دیر پہلے مجھے یہ معلوم نہ تھا کہ یہ با اثر آدمی ہمارے ساتھ جا رہا اور اس کا نام یوسف ہے۔"

طبیب ابو نصر، ابوالحسن کے ساتھ کمرے میں داخل ہوا۔ وہ دونوں تعظیم کے لیے کھڑے ہو گئے۔ اس نے ولید سے مخاطب ہو کر کہا۔ "بیٹا! آج سعید کی حالت بہت بہتر ہے اور امید ہے کہ انشاء اللہ یہاں بار بار آنے کی ضرورت پیش نہیں آئے گی۔"

ولید نے کہا۔ "ابا جان! اگر آپ اجازت دیں تو میں گھر جانے کی بجائے یہیں سے باہر نکل جاؤں۔ مجھے بہت دیر ہو گئی ہے اور میرے ساتھی

انتظار کر رہے ہیں۔"

ابوالحسن نے کہا۔"میں آپ کے لئے بگھی تیار کروادیتاہوں۔"

"نہیں! نہیں! میں یہاں سے پیدل جاؤں گا۔"

انہوں نے باہر نکل کر مکان کے دروازے سے ولید کو خدا حافظ کہا اور تھوڑی دیر بعد سلمان، عبید اللہ اور اس کا بیٹا مکان کی چھت پر جا کر طبیب کو رخصت کر رہے تھے۔ ابو نصر اور اس کے پڑوسی کے مکانات کی کشادہ چھتوں کے درمیان کوئی ڈیڑھ گز اونچی دیوار تھی جسے ایک جگہ سے توڑ کر آمد و رفت کا راستہ بنایا گیا تھا۔ سلمان پہلی دفعہ اسے رخصت کرنے کے لیے اوپر آیا تھا اور ابو نصر اس سے کہہ رہا تھا۔ "اگر کبھی آپ کو ضرورت پیش آئے تو آپ بلا جھجک اس راستے سے میرے گھر پہنچ سکتے ہیں۔"

انکشاف

اگلی صبح سلمان سعید کی مزاج پرسی کے لیے اس کے کمرے میں داخل ہوا تو وہ اپنے بستر پر لیٹنے کی بجائے کرسی پر بیٹھا ابو الحسن سے باتیں کر رہا تھا۔ سلمان کو دیکھ کر اس نے اٹھنے کی کوشش کی لیکن وہ جلدی سے آگے بڑھا اور اس کو سہارا دے کر بستر پر لٹاتے ہوئے بولا۔ ”ابھی آپ کو آرام کی ضرورت ہے۔“

سعید نے مسکرانے کی کوشش کرتے ہوئے کہا۔ ”رات کو ابو نصر یہ کہہ گئے تھے کہ تم بہت جلد چلنے پھرنے کے قابل ہو جاؤ گے اور آج میں نے پہلی بار کسی سہارے کے بغیر کمرے کے اندر ٹہلنے کی کوشش کی ہے۔ ابو الحسن نے مجھے زبردستی پکڑ کر کرسی پر بٹھا دیا تھا ورنہ میں شاید تمہارے

کمرے میں بھی پہنچ جاتا۔"

"انشاء اللہ تم بہت جلد ٹھیک ہو جاؤ گے۔ لیکن ابھی چلنے پھرنے کے معاملے میں تمہیں طبیب کی ہدایات پر عمل کرنا پڑے گا۔"

اچانک عبد المنان ایک نوکر کے ساتھ دروازے پر نمودار ہوا اور پھر جلدی سے ایک طرف ہٹ گیا۔

سلمان نے اٹھ کر باہر نکلتے ہوئے کہا۔ "میں ابھی آتا ہوں اور پھر وہ عبد المنان کا ہاتھ پکڑ کر اسے اپنے کمرے میں لے گیا اور ایک ہی سانس میں کئی سوالات کر ڈالے۔ "میں نے ولید کو تاکید کی تھی کہ وہ صبح ہوتے ہی تمہیں یا عثمان کو میرے پاس بھیج دے۔ تم نے اتنی دیر کیوں لگائی؟ وہ مکان کتنی دور ہے؟ ابھی تک ضحاک کی تلاش میں کوئی آیا ہے یا نہیں؟"

عبد المنان نے کہا۔ "آپ اطمینان سے بیٹھ جائیں۔ میں آپ کے لیے بہت اہم خبر لایا ہوں۔ ایک سوار علی الصبح عتبہ کے مکان پر پہنچا تھا اور اس وقت سے وہ ہماری حراست میں ہے۔"

”تمہیں معلوم ہے وہ کون ہے؟“”وہ ضحاک کا بھائی ہے۔“

”تم نے عتبہ کے دوسرے نوکروں کو بھی گرفتار کر لیا ہے؟“

”نہیں! انہیں گرفتار کرنے کی ضرورت نہ تھی۔“

”اگر وہ زندہ ہیں اور تم عتبہ کے گھر سے ایک آدمی کو پکڑ لائے ہو تو تمہیں معلوم ہونا چاہئے کہ یہ بات عتبہ سے پوشیدہ نہیں رہے گی اور تمہاری کارگزاری کا نتیجہ اس کے سوا کچھ نہیں ہو گا کہ وہ اور زیادہ محتاط ہو جائے گا اور ہمارے لیے منصور کو اس کی قید سے نکالنا یا عاتکہ کا سراغ لگانا ناممکن ہو جائے گا۔ یہی وجہ تھی کہ میں بذاتِ خود وہاں جانا چاہتا تھا۔“

عبد المنان نے اطمینان سے جواب دیا۔ ”عتبہ کے مکان پر صرف دو نوکر تھے اور انہیں ضحاک کے بھائی کی گرفتاری کا کوئی علم نہیں۔ جب آپ تمام واقعات سنیں گے تو آپ کی تسلّی ہو جائے گی۔ ضحاک کا بھائی جس کا نام اویس ہے پچھلے پہر وہاں پہنچا تھا۔ عتبہ کے نوکر اندر سو رہے تھے اور بیرونی دروازہ بند تھا۔ اس نے گھوڑے سے اتر کر پہلے دروازہ کھٹکھٹایا۔ پھر

پوری قوّت سے ہاتھ مارنے اور دھکے دینے کے بعد آوازیں دینے لگا، لیکن اندر سے کوئی جواب نہ آیا۔ میں نے اپنے ایک اور ساتھی کو ہدایت کی کہ فوراً آس پاس رہنے والے رضا کاروں کو خبر کر دے اور خود عثمان کے ساتھ گلی میں پہنچ گیا اور اس کو اپنی طرف متوجہ کرتے ہوئے بولا۔ "دیکھو بھائی! شور مچانے سے کوئی فائدہ نہیں۔ تمہارے ساتھی طلوع آفتاب سے پہلے نہیں اٹھیں گے۔ اگر دروازہ کھلوانا ضروری ہے تو یہ لڑکا دیوار پھاند کر اندر جا سکتا ہے۔" اس نے میرا شکریہ ادا کیا۔ عثمان اس کے کندھوں پر کھڑا ہو کر دیوار پر چڑھ گیا اور اندر کود کر دروازے کی کنڈی کھول دی۔ اس نے جلدی سے اندر جا کر اتنے زور سے نوکروں کی کوٹھری کے دروازے کو دھکے دیے کہ وہ چیختے چِلّاتے باہر نکل آئے۔ انہیں ڈانٹ ڈپٹ کرنے کے بعد نووارد کا پہلا سوال ضحاک کے متعلق تھا۔ انہوں نے جواب دیا کہ تمہارا بھائی آقا کے ساتھ گیا تھا۔ اس کے بعد ہم نے نہیں دیکھا۔

تھوڑی دیر اور ان کی گفتگو سننے کے بعد ہمیں معلوم ہوا کہ وہ کوتوال کو

کوئی پیغام دیتے ہی واپس چلا آئے گا۔ اس کے بعد ہم وہاں سے کھسک آئے اور چند منٹ بعد جب وہ گلی کے ایک موڑ کے قریب پہنچا تو اسے اس وقت کسی خطرے کا احساس ہوا جب چار رضاکاروں کے نیزے بیک وقت اس کے سینے، پیٹھ اور پسلیوں کو چھو رہے تھے۔ ایک نوجوان اس کی گردن میں کمند ڈال چکا تھا اور عثمان نے اس کے گھوڑے کی باگ پکڑ رکھی تھی اور اب وہ ہماری قید میں ہے۔“

سلمان نے جلدی سے اٹھ کر کہا۔ ”چلیے!“

”کہاں؟“

”میں اس آدمی کو دیکھنا چاہتا ہوں۔“

”نہیں! آپ فی الحال وہاں نہیں جاسکتے۔ میرا مقصد آپ کو یہ اطمینان دلانا تھا کہ ہم اپنے فرائض سے غافل نہیں ہیں۔ مجھے ولید نے یہ بتایا تھا کہ آپ بہت مُضطرب ہیں۔ اس لیے مجھے صبح ہوتے ہی آپ کی خدمت میں حاضر ہونا چاہیے۔ لیکن اس نے یہ تاکید بھی کی تھی کہ آپ کو کم از کم دو دن اور

انتظار کرنا پڑے گا۔ وہ آپ کو یوسف کے متعلق بتا چکا ہے کہ آپ کو اس کی ذہانت اور فرض شناسی پر بھروسہ کرنا چاہیے۔ میں نے انہیں تمام واقعات لکھ کر بھیج دیے ہیں اور مجھے یقین ہے کہ وہ فارغ ہوتے ہی اس مسئلے پر توجہ دیں گے۔ فی الحال وہ مصروف ہیں۔ اگر آپ اس مسئلہ کے بارے میں کوئی ہدایت دینا چاہیں تو میں پوری تندہی سے اس پر عمل کروں گا۔ آپ کا مقصد اس کے سوا اور کیا ہو سکتا ہے کہ ہم ضحاک کے بھائی کو تعاون پر آمادہ کریں اور مجھے یہ بات مشکل معلوم نہیں ہوتی کہ اپنے بھائی کی جان بچانے کے لیے وہ عتبہ اور عمیر جیسے آدمیوں کو قتل کرنے پر بھی آمادہ ہو جائے۔"

سلمان نے پوچھا۔ "آپ اسے بتا چکے ہیں کہ ضحاک ہماری قید میں ہے؟"

"ہاں! اور میں نے اسے یہ بھی بتا دیا تھا کہ اگر تم ہمارے ساتھ تعاون کرو تو تمہارے بھائی کی جان بچ سکتی ہے۔ عام حالات میں شاید اسے فوراً میری بات پر یقین نہ آتا لیکن جب عثمان نے ضحاک کے قد و قامت، خدوخال اور لباس کی تفصیلات سنانے کے بعد اس کے گھوڑے تک کا حالیہ بیان کر

دیا تو اس کے چہرے کا رنگ اُڑ گیا اور وہ چلّا اٹھا۔ خدا کے لیے مجھے ضحاک کے پاس لے چلو! میں صرف یہ دیکھنا چاہتا ہوں کہ وہ زندہ ہے۔ اس کے بعد ہمیں ہر بات میں آپ کا ساتھ دوں گا۔ میں نے جواب دیا ضحاک یہاں نہیں ہے۔ ہمیں اندیش تھا کہ عتبہ اور اس کے ساتھی اپنے جرائم کو چھپانے کے لیے اس کو قتل کر دیں گے۔ اس لیے ہم نے اسے کسی ایسی جگہ پہنچا دیا ہے جہاں ان جرائم پیشہ لوگوں کی رسائی نہ ہو سکے۔ اگر تم ہمارے ساتھ تعاون کرو تو ہم تمہیں اور تمہارے بوڑھے باپ کو بھی ان کے انتقام سے بچانے کی ذمہ داری لیتے ہیں۔ ورنہ ممکن نہیں کہ تم اسے دوبارہ دیکھ سکو۔

وہ کچھ دیر سوچتا رہا۔ پھر اس نے سوال کیا آپ کس بات میں میرا تعاون چاہتے ہیں؟

میں نے ذرا سخت لہجے میں کہا۔ بے وقوف! تم سب کچھ جانتے ہو۔ تم فرڈنینڈ کے اس جاسوس کے ملازم ہو جس نے ویگا میں ایک کمسن لڑکے اور ایک معزز خاتون کو قید کر رکھا ہے۔ تمہارے بھائی نے ہمیں سب کچھ

بتادیاہے اور اس کی سمجھ میں یہ بات آچکی ہے کہ ان دو قیدیوں کے ایک ایک بال کے عوض سینکڑوں آدمی موت کے گھاٹ اتار دیے جائیں گے۔ فرڈنینڈ کے جاسوس کو قسطلہ یا ارغون میں پناہ مل سکتی ہے لیکن تم جیسے لوگوں کے لیے اندلس کا کوئی گوشہ محفوظ نہیں ہو گا۔ اس نے کہا۔

خدا کی قسم جب وہ اس لڑکے کو پکڑ کر لائے تھے، اس وقت میرا بھائی ان کے ساتھ نہیں تھا اور ایک جوان لڑکی کو بھی وہاں لانے میں اس کا ہاتھ نہیں تھا۔ اسے ایک اجنبی اور عتبہ کے تین نوکر پکڑ کر لائے تھے۔ لڑکے اور لڑکی کو بالائی منزل کے علیحدہ علیحدہ کمروں میں رکھا گیا تھا اور وہ اجنبی جسے ہم عتبہ کا دوست سمجھتے تھے، اسے ایک دن مہمان خانے کے ایک کمرے میں ٹھہرایا گیا تھا اور اگلے روز بیڑیاں ڈال کر ایک تہ خانے میں بند کر دیا گیا تھا۔ میری بہن نے جو ان کے گھر میں کام کرتی ہے، اس کی وجہ یہ بتائی تھی کہ عتبہ صبح ہوتے ہی سینٹافے چلا گیا تھا اور گھر کی عورتوں اور نوکروں کو حکم دے گیا تھا کہ قیدیوں کی سختی سے نگرانی کی جائے اور کسی کو ان کے ساتھ بات کرنے کی اجازت نہ دی جائے۔ مہمان نے دو تین بار قیدیوں کے پاس جانے کی کوشش کی لیکن نوکروں نے اسے روک دیا۔

سہ پہر کے وقت اس نے پھر ایک بار کوشش کی اور نوکروں کو یہ دھمکی دی کہ جب تمہارے آقا واپس آئیں گے تو وہ تمہاری کھال اتروا دیں گے۔ ہم اس گھر میں قیدی نہیں، مہمان ہیں اور وہ لڑکی میرے چچا کی بیٹی ہے۔ میں صرف اس کا حال پوچھنا چاہتا ہوں۔

عتبہ کی والدہ اور بہن نے یہ باتیں سن کر اسے اوپر جانے کی اجازت دے دی۔ پھر جب وہ کمرے میں داخل ہوا تو لڑکی نے اسے پہلے دھکے دے کر باہر نکالنے اور پھر کرسی اٹھا کر اس کے سر پر مارنے کی کوشش کی۔ اس کے چچازاد نے کرسی چھین لی اور اس کے دونوں ہاتھ پکڑ لیے۔ میری بہن اور گھر کی عورتیں دروازے سے باہر کھڑی یہ تماشا دیکھ رہی تھیں۔ وہ کہہ رہا تھا عاتکہ خدا کے لیے میری بات سنو اور وہ پوری قوّت سے چلّا رہی تھی۔ بے غیرت میرے ماں باپ کے قاتل کا گھر ہے۔ میری آنکھوں سے دور ہو جاؤ۔ میں تم سے بات کرنے کی بجائے مر جانا بہتر سمجھتی ہوں۔

جب وہ جھگڑ رہے تھے تو پاس ہی دوسرے کمرے میں لڑکا دروازہ توڑنے کی کوشش کر رہا تھا۔ پھر اچانک عتبہ پہنچ گیا اور چند منٹ بعد اس کے نوکر

مہمان کو تہہ خانے کی طرف گھسیٹ رہے تھے۔“ سلمان نے پوچھا۔
”آپ نے اس سے پوچھا تھا کہ کوتوال کے لیے وہ کیا پیغام لایا ہے؟“

عبد المنان نے اپنی جیب سے دو کاغذ نکال کر اسے پیش کرتے ہوئے کہا۔
”ہم نے سب سے پہلے اس کی تلاشی لی تھی اور اس کے پاس سے یہ کاغذ برآمد ہوئے تھے۔ ایک حکومت کا خاص اجازت نامہ ہے جسے حاصل کرنے والے کسی وقت بھی شہر کا دروازہ کھلوا سکتے ہیں اور یہ اس خط کی نقل ہے جو قیدی کے بیان کے مطابق عتبہ نے کوتوال کو بھیجا ہے۔ آپ پڑھ لیجئے۔“

سلمان نے جلدی سے خط پڑھا۔ تحریر کا مفہوم یہ تھا۔

”آپ فوراً وزیر اعظم کے پاس جائیں اور ان سے کہیں کہ فرڈنینڈ کو کل سے اپنے پیغام کے جواب کا انتظار ہے۔ آپ کو بلا تاخیر سینٹا فے پہنچنا چاہیے۔ اب باغیوں سے ہماری کوئی بات پوشیدہ نہیں رہی اور وہ کسی زبردست انتقامی کارروائی کے لیے مناسب وقت کا انتظار کر رہے ہیں۔ فی

الحال غرناطہ کے مستقبل کا فیصلہ ہمارے ہاتھ میں ہے لیکن باغیوں کو مزید مہلت دینا انتہائی خطرناک ہو گا۔ ہم سعید کو تلاش نہیں کر سکے۔ وہ غالباً پہاڑوں میں پناہ لے چکا ہے۔ اور شاید اس کے ساتھی بھی وہاں پہنچ گئے ہیں۔ لیکن اگر وزیر اعظم بروقت کوئی قدم اٹھا سکیں تو باغی ہمارے لیے کسی پریشانی کا باعث نہیں ہوں گے۔"

سلمان نے مُضطرب ہو کر کہا۔ "آپ اپنے رہنماؤں کو اس خط کی اطلاع دے چکے ہیں؟"

"ہاں! اب تک اس خط کی اطلاع یوسف کو بھی مل چکی ہو گی۔ لیکن ہم ان کی معلومات میں کوئی اضافہ نہیں کر سکیں گے کیونکہ ابو القاسم سینٹا فے روانہ ہو چکا ہے۔"

"کب؟"

"کوئی ایک ساعت قبل۔ مجھے آپ کے پاس آتے ہوئے راستے میں یہ اطلاع ملی تھی کہ غدّاروں کے کئی رہنما شہر کے دروازے پر اسے الوداع

کہنے کے لیے جمع تھے اور ان کے ڈھنڈورچی جگہ جگہ یہ اعلان کر رہے تھے کہ وزیر اعظم غرناطہ کے لیے کئی اور مراعات حاصل کرنے گئے ہیں، اس لیے ان کی کامیابی کے لیے دعا کی جائے۔ آپ کو پریشان نہیں ہونا چاہیے۔ وہ کئی بار سینٹا فے جا چکا ہے۔ ہمیں اس کے متعلق کوئی خوش فہمی نہیں۔ تاہم یہ امید ضرور ہے کہ جب تک عوام کے متعلق اسے پورا اطمینان نہیں ہو جاتا وہ کوئی خطرناک قدم اُٹھانے کی جرأت نہیں کرے گا۔ اب مجھے اجازت دیجئے۔"

سلمان نے فیصلہ کن انداز میں کہا۔ "میں تمہارے ساتھ چل رہا ہوں۔"

"کہاں؟"

"یونس کے پاس!"

عبد المنان نے پریشان ہو کر کہا۔ "لیکن میں سمجھتا تھا کہ اب آپ کو اطمینان ہو گیا ہو گا۔"

سلمان نے کہا۔ "اگر عاتکہ کا مسئلہ صرف میری ذات تک محدود ہوتا تو

میں اپنے دل کو تسلّی دے سکتا تھا کہ وہ شاید اس کے چچا کا بیٹا ہونے کی وجہ سے بے حیائی اور بے غیرتی کے معاملے میں ایک حد سے آگے نہ جا سکے۔ لیکن اب وہ اپنے گھر کے ایک کتّے سے بچنے کے لیے جنگل کے ایک خونخوار بھیڑیے کے نرغے میں آچکی ہے۔ عتبہ صرف قسطلہ کا جاسوس ہی نہیں بلکہ عاتکہ کے باپ کا قاتل بھی ہے۔ اس وقت وہ جلتی چِتا میں کھڑی اپنے بھائیوں کی غیرت کو آواز دے رہی ہو گی اور میں اپنے کان بند نہیں کر سکتا۔ اس نے مجھے حامد بن زہرہ کی جان بچانے کے لیے غرناطہ بھیجا تھا۔ اس نے ان کے زخمی بیٹے کی تیمارداری کے لیے گھر سے نکلنے کا خطرہ قبول کیا تھا اور اب وہ حامد بن زہرہ کے نواسے کی جان بچانے کے لیے اپنے باپ کے قاتل کی قید میں جا چکی ہے۔ خدا کی قسم میں اسے اس کے حال پر نہیں چھوڑ سکتا۔ آج شاید میں اس کی مدد کر سکوں لیکن کل اگر عتبہ نے انہیں سینٹا فے یا کسی اور جگہ بھیج دیا تو ممکن ہے کہ کئی مہینے خاک چھاننے کے بعد بھی انہیں تلاش نہ کر سکوں۔ آپ یوسف کو یہ پیغام دے سکتے ہیں کہ میں امیر البحر کے پاس بھیجے جانے والے وفد کی روانگی سے بہت پہلے یہاں پہنچ جاؤں گا۔ ورنہ یہ لوگ میرے بغیر ہی جا سکتے ہیں۔

اگر میں واپس نہ آسکوں تو وہ امیر البحر کو یہ اطلاع دے سکتے ہیں کہ آپ کا ایک ساتھی ایک ایسی لڑکی کی عزّت پر قربان ہو چکا ہے جسے اپنی بیٹی یا بہن کہتے ہوئے ہر ترک فخر محسوس کرے گا۔"

عبد المنان خاموشی سے سلمان کی طرف دیکھ رہا تھا اور اس کی نگاہوں کے سامنے آنسوؤں کے پردے حائل ہو رہے تھے۔ اس نے کہا۔ "میں آپ کے ساتھ بحث نہیں کروں گا اور مجھے یقین ہے کہ اگر اس وقت یوسف بھی یہاں موجود ہوتا تو وہ بھی آپ کو روکنے کی کوشش نہ کرتا۔ چلیے! میں آپ کی کامیابی کے لیے دُعا کرتا ہوں۔ لیکن آپ کو یکایک عتبہ کے نوکر پر اعتماد نہیں کرنا چاہیے۔ ممکن ہے ویگا پہنچ کر اس کی نیت بدل جائے"۔

"یہ فیصلہ میں اسے دیکھ کر ہی کر سکتا ہوں اور مجھے یقین ہے کہ وہ مجھے دھوکا نہیں دے سکے گا۔"

"بہت اچھا چلیے۔"

سلمان نے اٹھتے ہوئے کہا۔ 'ٹھہریے میں اپنا گھوڑا تیار کروالوں۔"

”نہیں ابھی گھوڑا لے جانے کی ضرورت نہیں۔ میں جس بگھی پر آیا ہوں، وہ باہر دروازے سے کچھ دور کھڑی ہے۔ پہلے آپ یونس سے ملاقات کر لیجیے۔ اس کے بعد اگر ضرورت پڑی تو میں آپ کا گھوڑا وہاں منگوالوں گا۔“

وہ مکان سے باہر نکلے اور دروازے سے کوئی دوسو قدم دور ایک بگھی پر سوار ہو☆☆☆

بگھی ایک تنگ گلی کے سامنے رُکی اور وہ نیچے اتر کر گلی میں داخل ہوئے۔ تھوڑی دور جا کر عبد المنان نے ایک مکان کے دروازے پر تھوڑے تھوڑے وقفے کے بعد تین بار دستک دی اور ایک مسلح نوجوان نے دروازہ کھول دیا۔ پھر سلمان عبدالمنان کے پیچھے اندر داخل ہوا۔

ایک منٹ بعد وہ مکان کے پچھلی طرف ایک کونے میں یونس کے سامنے کھڑے۔ وہ چٹائی پر پڑا ہوا تھا اور اس کے ہاتھ پاؤں رسیوں سے جکڑے ہوئے تھے۔ عثمان کے علاوہ دو رضاکار اس کے قریب بیٹھے ہوئے تھے، وہ

اٹھ کر کھڑے ہو گئے۔ سلمان چند ثانیے یونس کی طرف دیکھتا رہا پھر اس نے کہا۔ ”اگر تم ضحاک کے بھائی ہو تو تمہیں معلوم ہونا چاہیے کہ ہم صرف آٹھ پہر اور قیدیوں کی واپسی کا انتظار کریں گے۔ اگر وہ واپس نہ آئے تو کل اس وقت تمہارے بھائی کو پھانسی پر لٹکا دیا جائے گا۔“

یونس گڑگڑا کر بولا۔ ”خدا کے لیے مجھ پر رحم کیجیے! میں اپنے بھائی کے لیے جان دے سکتا ہوں لیکن قیدیوں کو وہاں سے نکالنا میرے بس کی بات نہیں۔ وہاں چھ مسلح سپاہی دن رات پہرا دیتے ہیں اور پاس ہی ویگا کی چوکی میں ڈیڑھ سو سپاہی موجود ہیں۔ میں تنہا کچھ نہیں کر سکتا۔ اگر آپ میرے ساتھ چند آدمی بھی بھیج دیں تو بھی اس گھر پر حملہ کرنا ناممکن ہے۔“

”یہ سوچنا ہمارا کام ہے۔ ہم صرف یہ معلوم کرنا چاہتے ہیں کہ تم پر کس حد تک اعتماد کیا جا سکتا ہے۔“

”میں اپنے بھائی کی جان بچانے کے لیے اپنی جان کا سودا کرنے کے لیے

تیار ہوں۔ لیکن وہاں میرا بوڑھا باپ اور ضحاک کی بیوی بھی ہے اور وہ عتبہ کے انتقام سے نہیں بچ سکیں گے۔""میں انہیں بچانے کی ذمہ داری لیتا ہوں۔ ہم انہیں بھی وہاں سے نکال کر کسی ایسی جگہ پہنچا دیں گے جہاں انہیں کوئی خطرہ نہ ہو گا۔"

"لیکن غرناطہ میں ہمارے لیے کوئی جگہ محفوظ نہیں ہو گی۔"

"مجھے معلوم ہے اور میں اس بات کی ذمہ داری بھی لیتا ہوں کہ خطرے کے وقت تمہیں پہاڑوں میں پہنچا دیا جائے گا۔ وہاں ایسے لوگ موجود ہیں جو تمہیں پناہ دے سکیں گے اور مجھے اس بات کا بھی احساس ہے کہ تمہیں اپنا تمام اثاثہ چھوڑ کر جانا پڑے گا۔ اسی لیے میں تمہیں اپنی طرف سے پچاس سُرخ دینار دینے کا وعدہ کرتا ہوں۔"

یونس نے کہا۔ "اگر ہمارے پاس اتنی رقم ہوتی تو ہم عتبہ کی نوکری نہ کرتے۔ باغ کے ساتھ ہم جس مکان میں رہتے ہیں وہ عتبہ کی ملکیت ہے۔ ہمارے اصلی مالک ویگا کے چند روسا میں سے ایک تھے۔ حملے سے دو مہینے

قبل وہ اپنی جائیداد کا انتظام ہمیں سونپ کر ہجرت کر گئے تھے۔ پھر جب عتبہ نے ہمارے آقا کے گھر پر قبضہ کر لیا تو اسے چند نوکروں کی اور ہمیں سر چھپانے کے لیے کسی جگہ کی ضرورت تھی۔"

سلمان نے کہا۔ "میں تمہاری مجبوریاں سمجھ سکتا ہوں۔ اب اگر تم خلوصِ نیت سے ہمارا ساتھ دینے کے لیے تیار ہو تو اطمینان سے میرے سوالات کا جواب دیتے رہو۔" پھر اس نے قیدی کے پاس بیٹھتے ہوئے دوسرے آدمیوں سے مخاطب ہو کر کہا۔ "اس کے ہاتھ پاؤں کھول دو۔ مجھے ایک کاغذ اور قلم لا دو۔"

یونس سے کوئی ایک گھنٹہ گفتگو کرنے کے بعد سلمان ویگا کے مکان اور آمد و رفت کے اندرونی اور بیرونی راستوں کا مکمل نقشہ تیار کر چکا تھا۔ اس کے بعد وہ عبدالمنان کی طرف متوجہ ہوا۔ "اب مجھے پانچ اچھے جوانوں کی ضرورت ہے۔ میں واپس جانے کی بجائے یہیں رہوں گا۔ آپ عثمان کو میرا گھوڑا لانے کے لیے بھیج دیں۔"

عبد المنان نے جواب دیا۔ ”جناب! میں آپ کے لیے بیس جانباز جمع کر سکتا ہوں لیکن اس وقت آپ ویگا نہیں جاسکتے۔“

سلمان نے جواب دیا۔ ”اس مہم کے لیے صرف پانچ آدمی ہی کافی ہوں گے اور میں نے یہ نہیں کہا کہ میں اسی وقت ویگا روانہ ہو جاؤں گا۔ اگر سینٹافے کا راستہ غروب آفتاب تک کھلا رہتا ہے تو ہم عصر کی نماز کے بعد مغربی دروازے سے نکل جائیں گے۔ لیکن یہ ضروری ہے کہ اس وقت تک میرے ساتھیوں کو یہ نقشہ اور میری ہدایات اچھی طرح یاد ہو جائیں۔ آپ کو ان کے لیے تیز رفتار گھوڑوں کا انتظام بھی کرنا پڑے گا۔“

ایک نوجوان نے کہا۔ ”جناب! میں آپ کے سامنے ایک اچھا سپاہی ہونے کا دعویٰ نہیں کر سکتا لیکن یہ نقشہ مجھے حفظ ہو چکا ہے۔ میں آپ کے ساتھیوں کے متعلق یہ کہہ سکتا ہوں کہ وہ آپ کو مایوس نہیں کریں گے۔ اگر آپ اجازت دیں تو میں دو مجاہد اور بلا لاتا ہوں اور اس بات کی ذمہ داری لیتا ہوں کہ وہ ہر امتحان میں پورے اتریں گے۔ ان کے پاس اپنے گھوڑے بھی ہیں۔“

سلمان نے عبدالمنان کی طرف دیکھا اور اس نے کہا۔ ”آپ اس نوجوان پر اعتماد کر سکتے ہیں۔“

سلمان نے رضاکار سے مخاطب ہو کر کہا۔ ”بہت اچھا تم جاؤ اور جلدی سے واپس آنے کی کوشش کرو۔“

نوجوان اٹھ کر باہر نکل گیا۔

☆☆☆

سلمان کچھ دیر نقشہ دیکھنے اور اس پر قلم سے مزید لکیریں کھینچنے اور نشان لگانے میں مصروف رہا۔ بالآخر وہ عبدالمنان کی طرف متوجہ ہوا۔

”آپ کو یہ اطمینان ہے کہ ہم غروب آفتاب تک کسی روک ٹوک کے بغیر مغربی دروازے سے باہر نکل سکتے ہیں؟“ ”ہاں! سینٹا فے کا راستہ شام تک کھلا رہتا ہے اور اگر آمد و رفت جاری ہو تو پہرے دار کچھ دیر بعد بھی دروازہ کھلا رکھتے ہیں۔ لیکن جو لوگ گاڑیوں پر سامان لاتے ہیں وہ عام طور پر شام سے پہلے ہی واپس آ جاتے ہیں۔ علی الصبح دروازے پر کافی بھیڑ

ہوتی ہے۔ اس لیے بعض تاجر وقت بچانے کے لیے شام سے پہلے پہلے اپنا سامان اتروا کر اپنی گاڑیاں شہر سے باہر بھیج دیتے ہیں اور گاڑی بانوں کو رات بھر دروازے سے باہر رہنا پڑتا ہے۔ جہاں رقص و موسیقی کی محفلیں بھی گرم ہوتی ہیں۔"

سلمان نے کہا۔ "یہ سب باتیں میں سن چکا ہوں۔ آپ صرف میری بات کا جواب دیں۔"

"آپ کو باہر نکلنے کے لیے کوئی دقت پیش نہیں آئے گی۔ ہمارے ساتھی وہاں موجود ہوں گے۔ صرف اس بات کا خطرہ ہے کہ جب چند مسلح آدمی گھوڑوں پر سوار ہو کر وہاں سے نکلیں گے تو وہ دشمنوں اور ہماری اپنی حکومت کے جاسوسوں کی نگاہوں سے نہیں بچ سکیں گے۔ پھر آپ کے لیے ایک اور مشکل ہو گی کہ ویگا کا جو راستہ سینٹا فے کی سڑک سے نکلتا ہے، وہ دو میل دور ہے۔ وہاں تک پہنچنے کے لیے دشمن کی پہلی چوکی سے گزرنا پڑتا ہے۔"

”آپ کو یہ کیسے خیال آیا کہ ہم رات کے وقت سڑک کے سوا سفر نہیں کر سکتے؟ ہم شام سے کچھ دیر پہلے ایک ایک کر کے دروازے سے نکلیں گے اور دروازے کے قریب ہی کسی جگہ سڑک سے اتر کر کھیتوں کی طرف نکل جائیں گے۔ اس کے بعد ہمارا رہنما یونس ہو گا۔ کیوں یونس یہ ٹھیک ہے؟“

”بالکل ٹھیک ہے جناب!“ اس نے جواب دیا۔

سلمان عبد المنان سے مخاطب ہوا۔ ”اب میں آپ کو یہ بتانا چاہتا ہوں کہ ہم مسلح ہو کر نہیں جائیں گے۔ خنجر ہم اپنے پاس رکھ سکتے ہیں لیکن دوسرے ہتھیار دروازے سے باہر نکالنے کی ذمہ داری اس ہوشیار کوچوان کو سونپی جائے گی جو گھاس کی گاڑی سے کئی اور کام لینا جانتا ہے۔“

عثمان دروازے کے قریب بیٹھا ہوا تھا۔ گاڑی کا ذکر سن کر اس کی آنکھیں چمک اٹھیں۔

سلمان نے مسکراتے ہیں کہا۔ ”عثمان! سمجھ گئے ہو؟“

"جی ہاں!" اس نے جواب دیا۔ "لیکن گھاس باہر سے غرناطہ آتی ہے۔ یہاں سے باہر نہیں جاتی۔"

سلمان نے کہا۔ "تم اناج لانے کے بہانے باہر جاؤ گے اور ہمارے ہتھیار خالی بوریوں کے نیچے چھپے ہوں گے اور ہاں! مجھے کوئی دس بارہ گز لمبے رسّے کی بھی ضرورت ہو گی۔ تمہارے آقا گاڑی پر تجارت کا کچھ سامان بھی لاد دیں گے۔ تم ہمارے پیچھے آؤ گے اور اپنی گاڑی دوسری گاڑیوں سے ذرا دور کھڑی کرو گے۔ ہم تماشائیوں کی حیثیت سے اِدھر اُدھر گھومنے کے بعد مناسب وقت پر اپنے ہتھیار لے کر روانہ ہو جائیں گے۔"

عبد المنان نے کہا۔ "میں عثمان کے ساتھ ایک اور آدمی بھیج دوں گا۔ وہ ہتھیاروں کی گٹھڑی اٹھا کر کسی موزوں جگہ پہنچائے گا۔"

سلمان نے کہا۔ "رات کے وقت اس مہم سے واپسی پر دروازہ کھلوانے کے لیے ہمیں آپ کی ضرورت ہو گی۔"

"آپ مجھے اپنے استقبال کے لیے موجود پائیں گے اور میرے علاوہ آپ

کے لیے اور مدد گار موجود ہوں گے۔ دروازے سے باہر بھی چند رضا کار آپ کا انتظار کریں گے۔"

سلمان نے کہا۔ "اگر ویگا سے کسی نے ہمارا تعاقب کیا تو ممکن ہے کہ ہمیں جنوبی دروازے کا رُخ کرنا پڑے۔"

"ہمارے ساتھی وہاں بھی آپ کے استقبال کے لیے موجود ہوں گے۔ آپ پہرے داروں سے صرف اتنا کہہ دیں کہ آپ ہشام کے بھائی ہیں۔ وہ فوراً دروازہ کھول دیں گے"۔

"ہشام کون ہے؟"

"یہ ایک فرضی نام ہے۔ پہرے داروں کو فوج کے کسی افسر کی طرف سے یہ حکم بجھوا دیا جائے گا کہ ہشام کے بھائی اور اس کے ساتھیوں کے لیے دروازہ کھول دیا جائے۔ چلو عثمان! ابھی تمہیں بہت سا کام کرنا ہے۔"

عثمان نے پوچھا۔ "جناب! آپ کا گھوڑا بھی لے آؤں؟"

”نہیں! اسے سہ پہر تک وہیں رہنے دو۔ لیکن اس سے پہلے میرے میزبان اور ان کے پڑوسی کو یہ بتا دینا ضروری ہے کہ میں ایک اہم کام میں مصروف ہوں۔ لیکن فی الحال انہیں یہ بتانے کی ضرورت نہیں کہ میں کہاں ہوں۔“

عبد المنان اور عثمان اٹھ کر کمرے سے نکل گئے اور قریباً ایک گھنٹے بعد سلمان ویگا کی مہم میں اپنے ساتھ دینے والوں کو ہدایات دے رہا تھا۔

شام کے وقت وہ ایک ایک کر کے شہر سے نکل رہے تھے۔ سلمان سب سے آگے تھا، اس کے پیچھے یونس اور پھر دوسرے دروازے پر لوگوں کی آمد و رفت ابھی تک جاری تھی۔ عبد المنان فوج کے ایک نوجوان افسر سے باتیں کر رہا تھا۔ سلمان اسے دیکھ کر بے پروائی سے آگے نکل گیا اور دروازے سے کچھ دور گھوڑے سے اتر کر اپنے باقی ساتھیوں کا انتظار کرنے لگا۔ چند منٹ بعد وہ سب وہاں پہنچ گئے۔

عثمان کی گاڑی باقی گاڑیوں سے کچھ فاصلے پر تھی۔ سڑک پار ایک جگہ چند

آدمی نماز کے لیے کھڑے تھے۔ انہوں نے آس پاس درختوں کے ساتھ گھوڑے باندھ دیے اور نماز میں شامل ہو گئے۔

نماز سے فارغ ہو کر ایک رضا کار عثمان اور سرائے کے دوسرے نوکر کے پیچھے گاڑی کی طرف چل دیا اور باقی سب اِدھر اُدھر ہو گئے۔ سلمان نے یونس کو احتیاطاً اپنے ساتھ رکھا تھا اور ایک رضا کار ان کے پیچھے آ رہا تھا۔

دروازے کے آس پاس لوگوں کا اجتماع اس کی توقع سے کہیں زیادہ تھا۔ دکانداروں کے خیموں اور عمارتی چھپروں کے درمیان بے فکر گھوم رہے تھے۔ اعلیٰ حیثیت کے لوگ صاف سُتھرے سائبانوں کے اندر چٹائیوں پر بیٹھے کھانا کھا رہے تھے اور کہیں کہیں سازندے، گویے اور رقاصائیں ان کی تفریح کے لیے رقص و نشاط کی محفلیں گرم کر رہی تھیں۔

اچانک کسی نے سلمان کے کندھے پر ہاتھ رکھتے ہوئے کہا۔ ”اگر آپ ہماری بے حسی اور بے غیرتی کا صحیح اندازہ کرنا چاہتے ہیں تو میرے ساتھ آیئے!“ یہ عبد المنان تھا۔ سلمان خاموشی سے اس کے ساتھ چل پڑا۔

تھوڑی دور آگے خانہ بدوشوں کا ڈیرہ تھا اور وہاں آگ کے الاؤ کے سامنے چند مرد اور عورتیں ناچ رہے تھے اور ان کے گرد غریب لوگوں کا گروہ کھڑا تھا۔

عبد المنان نے کہا "ان خانہ بدوشوں کے رقص ہمارے لیے نہیں لیکن آپ کو کچھ اور دکھانا چاہتا ہوں۔"

تھوڑی دور آگے لوگ ایک کشادہ سائبان کے اندر جمع ہو رہے تھے جس کی پچھلی طرف کوئی تین فٹ اونچے سٹیج پر ایک حسین لڑکی قسطلہ کی زبان میں کوئی گیت گا رہی تھی اور بیشتر تماشائی اس کی زبان سمجھے بغیر ہی اسے داد دے رہے تھے۔

مغنیہ اپنا نغمہ ختم کرنے کے بعد پردے کے پیچھے غائب ہو گئی۔ چند ثانیے بعد پانچ لڑکیاں جن میں سے تین اپنے لباس سے مسلمان اور باقی دو قسطلائی معلوم ہوتی تھیں، نمودار ہوئیں اور انہوں نے رقص شروع کر دیا۔

سلمان نے کہا۔ ”خدا کے لیے یہاں سے چلیے! میں اس سے زیادہ نہیں دیکھ سکتا۔“ وہ سائبان سے نکل کر دوبارہ سڑک کی طرف آ گئے۔ عبدالمنان نے ایک درخت کے قریب رُک کر اِدھر اُدھر دیکھا اور پھر سلمان سے مخاطب ہو کر کہا۔ ”آپ نے ابھی کچھ نہیں دیکھا۔ اصل تماشا دو چار دن بعد شروع ہو گا۔ مغنّیوں اور رقاصاؤں کا یہ طائفہ اپنے ساز و سامان کے ساتھ کل ہی یہاں پہنچا ہے اور غرناطہ میں ایسے لوگوں کی کمی نہیں جو شہر کے چوراہوں پر ان کے کمالات دیکھنے کے منتظر ہیں۔ ابھی ایک ڈھنڈورچی یہ اعلان کر رہا تھا کہ طلیطلہ کی شہزادی بھی یہاں آ رہی ہے۔“

”طلیطلہ کی شہزادی، وہ کون ہے؟“

”وہ ایک مغنیہ ہے اور اس کے متعلق مشہور ہے کہ وہ طلیطلہ کے قدیم حکمران خاندان سے تعلق رکھتی ہے۔ اس کا نام لیلیٰ ہے اور بعض لوگ صرف اس کا راگ سننے کے لیے سینٹا فے جایا کرتے تھے۔ وہ یہ کہتے ہیں کہ اس کی آواز میں جادو ہے۔ میں متارکہ جنگ کے بعد پہلی بار یہاں آیا

ہوں اور میں یہ سوچ بھی نہیں سکتا کہ دشمن نے ہمارا اخلاقی حصار مُنہدم کرنے کے لیے جو سرنگ لگائی ہے وہ کتنی خطرناک ہے۔ وہ رقاصائیں نصرانی یا یہودی تھیں لیکن یہ بدبخت انہیں مسلمانوں کے لباس میں دیکھ کر خوش ہو رہے تھے۔ اب آپ مجھ سکتے ہیں کہ آپ کو کتنے محاذوں لڑنا پڑے گا۔"

سلمان کچھ دیر کرب کی حالت میں اس کی طرف دیکھتا رہا۔ پھر اس نے کہا۔ "میرا خیال ہے کہ اب ہمیں زیادہ دیر یہاں رکنے کی ضرورت نہیں۔"

عبد المنان نے کہا۔ "آپ کو کچھ اور انتظار کرنا پڑے گا۔ ابھی تک ابو القاسم سینٹا فے سے واپس نہیں آیا۔ اس کی آمد تک دروازے کے اندر اور باہر حکومت کے جاسوس کافی چوکس رہیں گے۔ ویسے بھی آپ کے لیے کچھ دیر بعد سفر کرنا زیادہ مناسب ہو گا۔"

یونس نے کہا۔ "جناب! میں بھی یہی گزارش کرنا چاہتا تھا کہ ہمیں کچھ دیر

اور یہاں رکنا چاہیے۔ خدا کے لیے مجھ پر اعتماد کیجئے۔ اب آپ کی کامیابی ہمارے لیے بھی زندگی اور موت کا مسئلہ بن چکی ہے۔ میں عرض کر چکا ہوں کہ مکان کے محافظ انتہائی سفاک ہیں اور اس بات پر فخر کرتے ہیں کہ وہ کئی بے گناہوں کو موت کے گھاٹ اتار چکے ہیں۔ اگر آپ نے انہیں بے خبری کی حالت میں دبوچ نہ لیا تو وہ بھوکے بھیڑیوں کی طرح مقابلہ کریں گے اور پھر یہ خطرہ بھی ہے کہ ان میں سے کوئی بھاگ کر فوج کی چوکی تک پہنچ جائے اور ہم میں سے کسی کو زندہ بچ کر آنے کا موقع نہ ملے۔ یہ بھی ضروری ہے کہ اصطبل کے سائیں اور دو نوکروں کو بھی بھاگنے کا موقع نہ دیا جائے۔"

سلمان نے کہا۔ "یونس! اگر مجھے تم پر اعتماد نہ ہوتا تو تمہیں اپنے ساتھ نہ لاتا۔ حامد بن زہرہ کے قاتلوں کا آخری وقت بہت قریب آ چکا ہے۔ لیکن میں اپنے ضمیر کے اطمینان کے لیے تم سے پوچھنا چاہتا ہوں کہ ان آٹھ پہرے داروں میں سے کتنے آدمیوں نے حامد بن زہرہ کے قتل میں حصہ لیا تھا؟"

اس نے مُضطرب ہو کر کہا۔ ”جناب میں قسم کھاتا ہوں کہ میں نے اپنے بھائی کے کسی جرم پر پردہ ڈالنے کی کوشش نہیں کی لیکن وہ ان قاتلوں کے ساتھ نہیں گیا تھا۔ میں کئی بار ان کی گفتگو سن چکا ہوں۔ وہ یہ کہتے ہیں کہ عتبہ صرف ہمیں ہی غرناطہ سے اپنے ساتھ لے گیا تھا اور ضحاک کو گھر میں دوسرے نوکروں کے ساتھ چھوڑ گیا تھا اور جب وہ ساری رات بارش میں بھیگ رہے تھے، ضحاک گھر میں آرام کر رہا تھا۔ اگلی صبح دوسری مہم پر اپنے سپاہیوں میں سے چھ آدمی اپنے ساتھ لے گیا تھا اور میں اس بات سے انکار نہیں کرتا کہ ضحاک بھی ان کے ساتھ تھا۔ باقی باتیں آپ کو معلوم ہیں لیکن اگر آپ کے ساتھی اسی رات غرناطہ سے باہر قتل ہوئے تھے تو ضحاک یقیناً ان میں نہیں تھا۔“

عبد المنان نے کہا۔ ”جناب! مجھے یقین ہے کہ یہ نوجوان غلط نہیں کہتا۔ اس بات کا مجھے بھی یقین تھا۔ میں تو یہ جاننا چاہتا ہوں کہ باقی آدمی کس حد تک ہمارے رحم و کرم کے مستحق ہیں۔ یونس تم اطمینان رکھو۔ تم اپنے بھائی کے گناہوں کا کفّارہ ادا کر چکے ہو۔“ وہ کچھ دیر اور آہستہ آہستہ باتیں

کرتے رہے۔ اسی دوران میں سلمان کے دوسرے ساتھی بھی قریب آ چکے تھے۔

پھر اچانک سینٹا فے کی طرف سے چار سرپٹ گھڑ سوار نمودار ہوئے۔ دروازے کے قریب پہنچ کر چلّانے لگے۔ "راستے سے ہٹ جاؤ وزیرِ اعظم تشریف لا رہے ہیں۔ اچانک دروازہ کھلا اور مسلح پیادہ اور سوار جن کے ہاتھوں میں مشعلیں تھیں، سڑک کے دائیں بائیں قطار باندھ کر کھڑے ہو گئے۔

چند منٹ بعد سینٹا فے کی طرف سے کئی اور گھوڑوں کی ٹاپ سنائی دی اور آن کی آن میں پندرہ بیس سوار تیزی سے آگے نکل گئے۔ ان کے پیچھے وزیر اعظم کی بگھی تھی۔ اور بگھی کے پیچھے مسلح سواروں کا ایک اور دستہ آ رہا تھا۔ تھوڑی دیر بعد وہ سب اندر جا چکے تھے اور عوام جنہیں سڑک سے دور رکھا گیا تھا، دروازے پر جمع ہو کر خوشی کے نعرے لگا رہے تھے۔ سلمان اور اس کے ساتھیوں نے اطمینان سے اپنے گھوڑے کھولے اور باری باری اس باغ کی طرف چل دیے جہاں عبد المنان کا نوکر اسلحہ جمع کر

کے ان کا انتظار کر رہا تھا۔

سلطان اور اس کا وزیر

شہر کے اندر داخل ہونے کے بعد ابو القاسم کی بگھی اس کی قیام گاہ کی بجائے سیدھی الحمرا کا رُخ کر رہی تھی اور نصف گھنٹے بعد وہ محل کے ایک کمرے میں سلطان کے سامنے کھڑا تھا۔

"ابو القاسم! تم نے بہت دیر لگائی۔" ابو عبداللہ نے شکایت بھرے لہجے میں کہا۔

"عالی جاہ!" اس نے جواب دیا۔ "اگر میں علی الصبح روانہ ہو جاتا تو شاید سہ پہر سے پہلے واپس پہنچ جاتا۔ لیکن رات کے وقت چند ایسی اطلاعات ملی تھیں کہ مجھے کافی دیر رکنا پڑا۔ پھر اس کے بعد سینٹا فے پہنچ کر فرڈیننڈ کو

مطمئن کرنا آسان بات نہ تھی۔"

"بیٹھ جاؤ" سلطان نے اپنے سامنے کرسی کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا۔

"کاش! میں اس کی بے اطمینانی کی وجہ سمجھ سکتا۔ پہلے تم یہ کہتے تھے کہ ہم نے شہر کے چار سو چُنے ہوئے افراد اور فوجی افسر بطور یرغمال بھیج کر اسے مطمئن کر دیا ہے۔ پھر تم یہ کہتے تھے کہ اگر ہم متارکہ جنگ سے پہلے شہر کے دروازے کھول دیں تو اس کی رہی سہی تشویش دور ہو جائے گی۔ خدا کے لیے بتاؤ! کہ اس کی بدگمانی دور کرنے کے لیے ہم اس سے زیادہ اور کیا کر سکتے ہیں؟ حامد بن زہرہ کے بعد غرناطہ کے ترکش میں وہ کون سا تیز باقی رہ گیا ہے جسے وہ اپنے لیے خطرناک سمجھتا ہے؟"

ابو القاسم نے کہا "عالی جاہ! اسے آپ کے متعلق کوئی بدگمانی نہیں۔ اگر ایسی بات ہوتی تو وہ حامد بن زہرہ کی آمد اور اہل شہر کے جوش و خروش کی اطلاع ملنے کے بعد ایک لمحے کے لیے بھی توقف نہ کرتا۔"

”پھر وہ کیا چاہتا ہے؟ تمہارا چہرہ بتا رہا ہے کہ تم کوئی اچھی خبر نہیں لائے۔“

”عالی جاہ! فرڈنینڈ کو یہ تشویش تھی کہ غرناطہ میں باغیوں کے رہنما ہمیں حامد بن زہرہ کے قتل کا ذمہ دار سمجھتے ہیں اور یہ لوگ کسی وقت بھی عوام کو بھڑکا سکتے ہیں اور پھر آپ کے لیے جنگ بندی کے معاہدے کی شرائط کا پورا کرنا ناممکن بنا دیا جائے گا۔“

”اس کا علاج اس کے سوا اور کیا ہو سکتا ہے کہ شرپسندوں کو پرامن رکھنے کے لیے فرڈنینڈ کی افواج بلاتاخیر غرناطہ میں داخل ہو جائیں۔“

”آپ درست فرماتے ہیں اور فرڈنینڈ بھی یہی چاہتا ہے کہ جنگ کے حامیوں کو سر اٹھانے کا موقع نہ دیا جائے لیکن۔۔“

”لیکن کیا؟“

”عالی جاہ! میں یہ کہنا چاہتا تھا کہ فرڈنینڈ آپ کو نظر انداز نہیں کر سکتا۔ وہ مجھ سے پوچھتا تھا کہ آپ نے اپنے مستقبل کے متعلق کیا فیصلہ کیا ہے؟“

ابو عبد اللہ خوف اور اضطراب کی حالت میں چلّایا۔ ”ابو القاسم! خدا کے لیے صاف صاف بات کرو۔“

”عالی جاہ! آپ اطمینان سے میری بات سنیں۔ فرڈ نینڈ کو آپ کی وفاداری پر کوئی شبہ نہیں لیکن وہ نہیں چاہتا کہ آپ کو کسی نئی آزمائش میں ڈالا جائے۔ اسے خدشہ ہے کہ کہیں حامد بن زہرہ کو اندلس پہنچانے والے جہازوں نے اس کی اعانت کے لیے کئی اور آدمیوں کو بھی ساحل پر اتار دیا ہو اور یہ ترک یا بربر کوہستانی قبائل کو بیرونی اعانت کی امید دلا کر جنگ کے لیے اکسا رہے ہوں۔ فرڈ نینڈ کہتا تھا کہ اگر ترکوں نے ساحل کے کسی مقام پر قبضہ کر لیا تو پورے کوہستان میں جنگل کی آگ کے شعلے بھڑک اٹھیں گے۔ ایسی صورت میں اہلِ غرناطہ کو پر امن رکھنا آپ کے بس کی بات نہیں ہو گی۔“

ابو عبد اللہ نے تلملا کر کہا۔ ”ابھی تک میں تمہارا مطلب نہیں سمجھ سکا۔ میں نے کب یہ دعویٰ کیا ہے کہ میں اہلِ غرناطہ کو پر امن رکھ سکتا ہوں۔ اگر فرڈ نینڈ کو ابھی تک میری نیت پر شبہ ہے اور وہ یہ سمجھتا ہے کہ اگر اہلِ

غرناطہ اٹھ کھڑے ہوئے تو میں ان کے ساتھ مل جاؤں گا تو خدا کے لیے! یہ بتاؤ کہ اس کے اطمینان کے لیے میں اور کیا کر سکتا ہوں؟"

ابوالقاسم نے اطمینان سے جواب دیا۔ "فرڈیننڈ آپ کے خلوص کا معترف ہے لیکن وہ یہ نہیں چاہتا کہ اگر غرناطہ پر قبضہ کرنے کی صورت میں اس کے اگر کسی مزاحمت کا سامنا کرنا پڑے تو اس کی ذمہ داری آپ پر ڈالی جائے۔ آپ یہ سمجھ سکتے ہیں کہ اگر اس کے دو چار سپاہی زخمی ہو جائیں یا مارے جائیں تو لشکر کا ردعمل کتنا شدید ہو گا۔ اس کی فوج میں ایسے لوگوں کی کثرت ہے جو اہل غرناطہ سے گزشتہ شکستوں کا انتقام لینا چاہتے ہیں اور آپ کے ساتھ بھی کوئی نرمی نہیں برتنا چاہتے۔ فرڈیننڈ یہ محسوس کرتا ہے کہ لڑائی کی صورت میں جس قدر آپ اپنی رعایا کے سامنے بے بس ہوں گے اسی قدر وہ اپنے لشکر کے سامنے بے بس ہو گا۔ اس لیے وہ یہ چاہتا ہے کہ آپ فی الحال غرناطہ میں نہ رہیں۔"

ابوعبداللہ پھٹی پھٹی نگاہوں سے اس کی طرف دیکھ رہا تھا۔ وہ پوری قوّت سے چیخنا چاہتا تھا لیکن اس کے حلق میں آواز نہ تھی۔

”عالی جاہ!“ ابو القاسم نے قدرے توقف کے بعد کہا۔ فرڈ نینڈ یہ چاہتا ہے کہ آپ فی الحال تحریری معاہدے کے مطابق اپنی جاگیر کا انتظام سنبھال لیں۔ اگر غرناطہ میں بغاوت کے متعلق اس کے خدشات غلط ثابت ہوئے تو آپ کو بلا تاخیر واپس بلا لیا جائے گا اور وہ کسی دقت کے بغیر آپ کو اپنے نائب کا عہد سونپ سکیں گے۔ یہ بھی ہو سکتا ہے کہ کسی دن پورے اندلس کی زمامِ کار آپ کے ہاتھ میں دے دی جائے۔ جنگ کی صورت میں شاید آپ کو چند دن یا چند ہفتے انتظار کرنا پڑے لیکن جب باغیوں کے کس بل نکال دیے جائیں گے اور فرڈ نینڈ کو یہ اطمینان ہو جائے گا کہ آپ کوئی بڑی ذمہ داری سنبھال سکتے ہیں تو آپ کا کم از کم صلہ اور انعام یہی ہو گا کہ غرناطہ کی حکومت آپ کو سونپ دی جائے۔ مجھے یقین ہے کہ جب آپ واپس آئیں گے تو آج آپ کو غدّاری کا طعنہ دینے والے آپ کی راہ میں آنکھیں بچھائیں گے۔ فرڈ نینڈ بہت دور اندیش ہے۔ وہ یہ جانتا ہے کہ مفتوحہ علاقوں میں مستقل طور پر ایک لا تعداد فوج رکھنے کی بجائے ایک مسلمان کی وساطت سے حکومت کرنا زیادہ آسان ہو گا۔“

ابو عبد اللہ کی حالت اس بکرے کی سی تھی جس کے حلق پر چھری رکھ دی گئی ہو۔ وہ پوری قوّت سے چلّایا ”تم غدار ہو! تم میرے دشمن کے جاسوس ہو! تم فرڈنینڈ کے جاسوس ہو!!! تمہیں معلوم تھا کہ فرڈنینڈ اپنا کوئی وعدہ پورا نہیں کرے گا۔ میں غرناطہ نہیں چھوڑوں گا۔ میں لڑوں گا۔ میں آخر دم تک لڑوں گا اور میں عوام کو یہ سمجھاؤں گا کہ تم نے صرف میرے ساتھ ہی نہیں پوری قوم کے ساتھ دھوکا کیا ہے۔ تم نے چار سو آدمیوں کو یرغمال بنا کر غرناطہ کی کنجیاں فرڈنینڈ کے سپرد کر دی تھیں۔ تم حامد بن زہرہ کے قاتل ہو۔“

ابو القاسم نے اطمینان سے جواب دیا۔ ”آپ کا خیال ہے کہ غرناطہ کے عوام آپ کو کندھوں پر اٹھالیں گے؟“

”میں تمہاری کھال اتروادوں گا۔ پہریدارو پہریدارو!!“

ابو القاسم نے کہا۔ ”آپ میرے خون سے اپنے گناہوں کا کفّارہ ادا نہیں کر سکیں گے۔“

چار مسلح آدمی کمرے میں داخل ہوئے اور تذبذب کی حالت میں ایک دوسرے کی طرف دیکھنے لگے۔ ابو عبداللہ غصّے سے کانپتے ہوئے چلایا۔

"اسے گرفتار کرلو۔"

سپاہی جھجکتے ہوئے آگے بڑھے لیکن اچانک محافظ دستے کا ایک سالار کمرے میں داخل ہوا اور بھاگ کر ابوالقاسم اور سپاہیوں کے درمیان کھڑا ہوگیا۔

ابوالقاسم نے کہا "سلطان معظم! میں ہر سزا بھگتنے کے لیے تیار ہوں لیکن خدا کے لیے میری بات سن لیجئے۔ میں نے آپ کو نہیں بتایا کہ اگر کل شام تک فرڈنینڈ کو میری طرف سے کوئی تسلّی بخش جواب نہ ملا تو اگلی صبح اس کی فوج غرناطہ پر یلغار کردیں گی۔ اور وہ بدنصیب جنہیں آپ فرڈنینڈ کے سپرد کرچکے ہیں، باندھ کر اس طرح لائے جائیں گے کہ دشمن کی اگلی صف کے لیے ڈھال کا کام دے سکیں۔ اس کے بعد آپ سوچ سکتے ہیں کہ اہلِ غرناطہ آپ سے کس طرح بے گناہوں کے خون کا حساب لیں گے اور اگر آپ ان کے انتقام سے بچ بھی گئے تو فرڈنینڈ آپ کے ساتھ کیا

سلوک کرے گا؟"

ابو عبد اللہ نے بے بسی کی حالت میں سر جھکا لیا اور چند ثانیے کمرے میں خاموشی طاری رہی۔ پھر اس نے ہاتھ سے اشارہ کیا اور سپاہی اور ان کا افسر کمرے سے باہر نکل گئے۔

ابو عبد اللہ نے کہا۔ "تمہیں سب کچھ معلوم تھا اور تم ابتدا سے ہی فرڈ نینڈ کے آلہ کار تھے۔"

"عالی جاہ! ہمیں یہ فیصلہ تاریخ پر چھوڑ دینا چاہیے کہ کون کس کا آلہ کار تھا۔"

"ابو القاسم!" ابو عبد اللہ نے عاجز ہو کر کہا۔ "میں تمہیں اپنا دوست سمجھتا تھا۔"

"میں اب بھی آپ کا دوست ہوں۔"

"میں نے ہمیشہ تمہارے مشوروں پر عمل کیا ہے لیکن تم نے مجھے صحیح

راستہ دکھانے کی بجائے میری تباہی کے سامان پیدا کیے ہیں۔“

”عالی جاہ! مجھے صحیح راستہ دکھانے والوں کا انجام معلوم تھا۔ آپ کو ایک ایسے وزیر کی ضرورت تھی جو آپ کے ضمیر کی تسکین کے سامان مہیا کر سکتا ہو۔“

”اس کا مطلب یہ ہے کہ تم مجھے جان بوجھ کر دھوکا دیتے رہے ہو۔“

”نہیں عالی جاہ! آپ صرف ان مشوروں پر عمل کرتے تھے جن سے آپ کی خواہشات کی تائید ہوتی تھی اور میں یہ تسلیم کرتا ہوں کہ میں نے اپنی ضمیر کی آواز بلند کرنے کی بجائے آپ کے ضمیر کی تسکین کے سامان مہیا کیے ہیں۔“

”اور اب تم مجھے یہ پیغام دینے آئے ہو کہ میں اپنے راستے کے آخری گڑھے کے کنارے پہنچ چکا ہوں۔“

”میں آپ کو یہ بتانے آیا ہوں کہ ہم دونوں ایک ہی کشتی پر سوار ہیں اور میری انتہائی کوشش یہ ہے کہ کشتی ڈوبنے سے بچ جائے۔“

”اور تمہارے خیال میں اب یہ کشتی اس صورت بچ سکتی ہے کہ میں غرناطہ سے جلاوطن ہونا قبول کرلوں۔“

”عالی جاہ! میں یہ سمجھ سکتا ہوں کہ یہ فیصلہ آپ کے لیے کتنا تکلیف دہ ہو گا لیکن یہ ایک مجبوری ہے۔“

”تم یہ فیصلہ کر چکے ہو کہ میں الفجارہ چلا جاؤں!“

”عالی جاہ! فیصلہ آپ کر سکتے ہیں۔“

”فرڈنینڈ نے تمھیں یہ بتا دیا ہے کہ اس نے وہاں میرے لیے کون سا قید خانہ یا قلعہ منتخب کیا ہے؟“

ابوالقاسم نے جواب دیا۔ ”عالی جاہ! میں فرڈنینڈ سے تحریر لے چکا ہوں کہ الفجارہ میں جو علاقہ آپ کو تفویض کیا جائے گا، وہاں آپ ایک حکمران کی حیثیت سے رہیں گئے اور اس کی آمدنی اتنی ضرور ہو گی کہ آپ کو تنگ دستی کا احساس نہ ہو۔“

”ابو القاسم! میں نے اپنے آپ کو بہت فریب دیے ہیں لیکن یہ فریب نہیں دے سکتا کہ الفجارہ میں کوئی خطہ زمین ایسا ہو سکتا ہے جہاں میں اطمینان کا سانس لے سکوں۔ الفجارہ کے سرکش لوگ میری میت کو بھی اپنے قبرستانوں میں جگہ دینا پسند نہیں کریں گے۔“

”جہاں پناہ! آپ یہ بات مجھ پر چھوڑ دیں کہ اس علاقے کے باشندے آپ کو سر آنکھوں پر بٹھائیں گے۔ انہیں یہ سمجھایا جا سکتا ہے کی فرڈنینڈ جس علاقے پر آپ کا حق تسلیم کر لے گا وہ نصرانیوں کی غلامی سے محفوظ ہو جائے گا۔ مجھے یقین ہے کہ الفجارہ کے باشندے عیسائیوں کے ہاتھوں تباہی کا سامنا کرنے کی بجائے آپ کی پر امن رعایا کی حیثیت سے زندہ رہنا بہتر خیال کریں گے۔“

”لیکن اس نے یہ وعدہ کیا تھا کہ ہمیں آزمائش کے طور پر ایک سال تک الحمرا سے نہیں نکالا جائے گا۔ اب تم یہ کیوں نہیں کہتے کہ وہ مجھے ایک اور فریب دینا چاہتا ہے۔“

”عالی جاہ! وہ آپ کو اس بات کا موقع دینا چاہتا ہے کہ آپ الفجارہ کے جنگجو قبائل کو پر امن رکھ کر اپنے آپ کو اس سے بڑی ذمہ داریوں کا اہل ثابت کریں۔ وہ جانتا ہے کہ پہاڑی قبائل آسانی سے اس کی بالا دستی تسلیم نہیں کریں گے اس لیے اگر آپ انہیں راہِ راست پر لے آئیں تو وہ اپنی متعصب ملکہ اور قسطلہ کے سرداروں کی مخالفت کے باوجود آپ کو اندلس میں اپنے نائب السطنت کا منصب دے گا۔“

”تم یہ بتا سکتے ہو کی فرڈنینڈ کتنے دن الفجارہ میں ٹھہرنے کی اجازت دے گا؟“

”عالی جاہ! آپ مطمئن رہیں۔ فرڈنینڈ حلفاً اس بات کا اقرار کرے گا کہ الفجارہ کا جو علاقہ آپ کو تفویض کیا جائے گا، اس پر آپ کے حقوق دائمی ہوں گے اور وہ کسی صورت میں بھی آپ سے واپس نہیں لیا جائے گا۔ اس کی تحریر پڑھ کر آپ کی تسلّی ہو جائے گی۔“

”کون سی تحریر؟“

ابو القاسم نے اپنی بھاری قبا کی جیب میں ہاتھ ڈال کر ایک مراسلہ نکالا اور دونوں ہاتھوں میں رکھ کر ابو عبد اللہ کو پیش کرتے ہوئے کہا۔ ”لیجیے! یہ معاہدہ میری فرض شناسی اور وفاداری کا آخری ثبوت ہے۔ اس کا مسودہ میں نے اپنے ہاتھ سے لکھا اور فرڈنینڈ نے میرا ایک لفظ بھی تبدیل کرنے کی کوشش نہیں کی۔ کلیسا کے اکابر، قسطلہ اور ارغون کے امراء نے بہت شور مچایا تھا۔ ملکہ ازابیلا بھی خوش نہیں تھی تاہم الفاظ کی جنگ میں وہ آپ کے خادم کو مات نہیں دے سکے۔ آپ اس تحریر پر ملکہ اور بادشاہ کی مہریں دیکھ سکتے ہیں۔“ ابو عبد اللہ نے لرزتے ہوئے ہاتھوں سے مراسلہ اٹھا لیا اور قدرے توقف کے بعد ابو القاسم کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔ اہل غرناطہ کی بد قسمتی یہ تھی کہ میرے تمام کام ادھورے تھے اور میری بد قسمتی یہ ہے کہ میرے وزیر کا کوئی کام ادھورا نہیں ہوتا۔ میں تمہارے چہرے سے اس تحریر کا مفہوم پڑھ سکتا ہوں۔ اب یہ بتاؤ! کہ جب میں غرناطہ سے نکل جاؤں گا تو تم الحمرا میں منتقل ہو جاؤ گے یا اپنے گھر رہنا پسند کرو گے؟“

ابو القاسم نے اپنی مسکراہٹ ضبط کرتے ہوئے جواب دیا۔ ”عالی جاہ! جو حالات آپ کے لیے ناساز گار ہیں، وہ آپ کے خادم کے لیے بھی ساز گار نہیں ہو سکتے۔ میں نے آخری دم تک آپ کے ساتھ رہنے کا فیصلہ کیا ہے۔ فرڈ نینڈ نے آپ کے پڑوس میں مجھے بھی ایک چھوٹی سی جاگیر عطا کر دی ہے۔“

”ایک آدمی دو آقاؤں کا غلام نہیں ہو سکتا۔“

”یہی وجہ ہے کہ میں نے غرناطہ چھوڑنے کا فیصلہ کیا ہے۔“

”تم واقعی میرے ساتھ رہو گے؟“

”ہاں! میں وعدہ کرتا ہوں کہ غرناطہ میں اپنے حصّے کے نہایت اہم کام کرنے کے بعد میں آپ کی خدمت میں حاضر ہو جاؤں گا۔“

ابو عبد اللہ نے حریر میں لپٹا ہوا مراسلہ کھولا اور پڑھنے میں مصروف ہو گیا۔ پھر اس نے کاغذ لپیٹ کر ایک طرف رکھ دیا اور کچھ دیر سر جھکا کر سوچتا رہا۔ بالآخر اس نے ابو القاسم سے مخاطب ہو کر کہا۔ ”فرڈ نینڈ یہ چاہتا

ہے کہ میں کسی تاخیر کے بغیر الحمرا خالی کر دوں۔ اور تم یہ کہتے ہو کہ اس تحریر کا مسودہ تم نے تیار کیا تھا۔“

میں نے فرڈنینڈ سے گفتگو کرنے کے بعد مسودہ تیار کیا تھا۔ مجھے معلوم تھا کہ آپ کو الحمرا بہت عزیز ہے لیکن میں نے محسوس کیا تھا کہ دربار میں ان لوگوں کا منہ بند کرنا ضروری تھا جو ابھی تک آپ کے خلوص پر شک کرتے تھے۔“ اور اب تم ان کا منہ بند کر چکے ہو۔“

”مجھے یقین ہے کہ جب آپ کے یہاں سے نکل جائیں گے تو فرڈنینڈ کے دربار کے منہ خود بخود بند ہو جائیں گے۔ پھر ہم اس دن کا انتظار کریں گے جب غرناطہ میں آپ کی ضروری محسوس کی جائے گی۔“

”تم اب بھی یہ سوچ سکتے ہو کہ غرناطہ میں ہماری ضرورت محسوس کی جائے گی؟“

”ہاں! مجھے یقین ہے کہ اگر ہم الفجارہ کے جنگجو قبائل کو تھوڑی سی مدّت کے لیے پُر امن رکھنے میں کامیاب ہو گئے تو فرڈنینڈ اور ملکہ ازابیلا ہماری

خدمات کو نظر انداز نہیں کریں گے اور اس صورت میں جب کہ غرناطہ میں ہر وقت بدامنی کا خطرہ ہے میں یہی مناسب سمجھتا ہوں کہ آپ انتہائی ناخوش گوار ذمہ داریوں سے بچنے کے لیے کسی تاخیر کے بغیر غرناطہ سے نکل جائیں۔"

"تم مجھے یہ اطمینان دلا سکتے ہو کہ فرڈنینڈ کی نیت دوبارہ خراب نہیں ہو گی اور تم کسی دن میرے پاس یہ پیغام لے کر نہیں آؤ گے کہ اب مزید خلوص کا ثبوت دینے کے لیے مجھے الفجارہ سے بھی نکل جانا چاہیے؟"

"عالی جاہ! یہ کیسے ہو سکتا ہے؟"

"اگر ہمیں غرناطہ چھوڑ ہی دینا ہے تو ہم متارکہ جنگ کی مدّت ختم ہو جانے کا انتظار کیوں نہ کریں۔ آخر فرڈنینڈ کو اتنی جلدی کیوں ہے؟"

"فرڈنینڈ کو کوئی جلدی نہیں لیکن آپ کی بھلائی اسی میں ہے کہ ہم بلا تاخیر یہاں سے نکل جائیں۔ آپ کو معلوم ہے کہ غرناطہ کے باغی جن قبائلی سرداروں سے ساز باز کر رہے تھے، ان میں سے چند یہاں پہنچ چکے

ہیں۔"

"تم نے انہیں گرفتار نہیں کیا؟"

"فی الحال انہیں گرفتار کرنا ممکن نہیں۔ غرناطہ کے عوام کا جوش و خروش ابھی ٹھنڈا نہیں ہوا اور میں نہیں چاہتا کہ آپ کی موجودگی میں غرناطہ کے حالات بگڑ جائیں۔" جب آپ الفجارہ پہنچ جائیں گے تو فرڈیننڈ ان سے خود ہی نپٹ لے گا۔ پھر آپ یہ بھی جانتے ہیں کہ عوام سے کہیں زیادہ ہمیں فوج سے خطرہ ہے۔ اب اجازت دیجیے! مجھے صبح تک کئی کام کرنے ہیں؟"

ابو القاسم اٹھ کر کھڑا ہو گیا۔ ابو عبد اللہ چند ثانیے اس کی طرف دیکھتا رہا۔ پھر اس نے ہاتھ سے اشارہ کیا اور ابو القاسم سر جھکا کر سلام کرنے کے بعد باہر نکل گیا۔ دروازے سے باہر محل کے برآمدے میں محل کا ناظم کھڑا تھا۔ ابو القاسم اسے دیکھ کر ٹھٹکا۔ "تم یہاں کھڑے تھے؟" اس نے پریشان سا ہو کر کہا۔

"میں آپ کا انتظار کر رہا تھا۔"

”تم سب کچھ سن چکے ہو؟“

”جناب! میرے کان اتنے تیز نہیں۔“ ناظم نے روکھے لہجے میں جواب دیا۔ ”لیکن تم دروازے کے ساتھ کھڑے تھے۔“

”جناب الحمرا کے اندر آپ کی حفاظت میری ذمہ داری تھی اور میں زیادہ دور اس لیے نہیں گیا تھا کہ شاید آپ کو میری ضرورت پڑ جائے۔ جب آپ الحمرا سے باہر نکل جائیں گے تو میری ذمہ داری ختم ہو جائے گی۔“

ابو القاسم نے کہا۔ ”میں تمہارا شکر گزار ہوں۔ میں صرف یہ کہنا چاہتا تھا کہ محل کے ناظم کو کوئی ایسی بات سننے کا خطرہ مول نہیں لینا چاہیے جسے وہ اپنے دل میں نہ رکھ سکے۔“

”آپ مطمئن رہیں۔ میں نے سلطان کی گالیوں کے سوا کوئی ایسی بات نہیں سنی جسے میں اپنے دل میں نہ رکھ سکوں۔ میں دروازے سے کافی دور کھڑا تھا۔“

ابو القاسم کچھ کہے بغیر آگے بڑھا اور ناظم کے ساتھ ہو لیا۔ برآمدے سے

نیچے سنگ مرمر کے راستے پر چند مسلح پہرے دار ان کے آگے چل دیے۔

☆☆☆

ابو عبداللہ کچھ دیر دیواروں کے نقش و نگار دیکھتا رہا پھر اس نے اپنا سر دونوں ہاتھوں سے پکڑ لیا۔ میرا غرناطہ! میرا الحمرا!" اس نے المناک لہجے میں کہا اور پھر وہ آنکھوں پر ہاتھ رکھ کر بے اختیار رو رہا تھا۔"

عقب کے کمرے کا دروازہ کھلا اور اس کی ماں ملکہ عائشہ دبے پاؤں کمرے میں داخل ہوئی اور اس نے دونوں ہاتھ اس کے سر پر رکھ دیے۔

اس نے چونک کر ماں کی طرف دیکھا اور حسرت آمیز لہجے میں بولا "ماں! میں نے اپنا سر ایک اژدھے کے منہ میں دے دیا ہے۔"

ماں نے جواب دیا۔ "بیٹا! یہ آج کی بات نہیں۔ تم نے اپنا سر اس دن اژدھے کے منہ میں دے دیا تھا جب تم نے اپنے باپ سے غدّاری کی تھی۔ اور صرف اپنا سر ہی نہیں، تم پوری قوم کو اژدھوں کے سامنے ڈال

چکے ہو۔"

"امّی! میں فرڈنینڈ کے متعلق نہیں، ابو القاسم کے متعلق کہہ رہا ہوں۔ اس نے مجھے دھوکا دیا ہے۔ اب ہم الحمرا میں نہیں رہیں گے۔ فرڈنینڈ کا وعدہ ایک فریب تھا۔"

"مجھے معلوم ہے۔ میں تمہاری باتیں سن چکی ہوں۔"

"آپ ساری باتیں سن چکی ہیں۔"

"ہاں! اور میرے لیے کوئی بات غیر متوقع نہ تھی۔"

"امّی! اب میں کیا کروں؟ میں کیا کر سکتا ہوں؟"

"تمہیں یہ اس وقت پوچھنا چاہیے تھا جب تم کچھ کر سکتے تھے۔ اب تم کچھ نہیں کر سکتے اور تمہاری ماں تمہیں کوئی مشورہ نہیں دے سکتی۔ اندلس کی تاریخ کا منحوس ترین دن وہ تھا جب تمہارے دل میں حکمران بننے کا خیال آیا تھا۔"

”نہیں ماں! اس سے زیادہ منحوس وہ دن تھا جب میں پیدا ہوا تھا۔ کاش! آپ اسی دن میرا گلا گھونٹ دیتیں۔“

”مجھے اعتراف ہے کہ میں نے اپنی قوم کے لیے ایک سانپ جنا تھا۔ تم یہ کہہ سکتے ہو کہ میں مجرم ہوں۔ لیکن قدرت نے ایک ماں کے ہاتھ اپنے بچے کا گلا گھونٹنے کے لیے نہیں، اسے لوریاں دینے کے لیے بنائے ہیں۔“

”امّی جان! خدا کے لیے دُعا کریں کہ الحمرا چھوڑنے سے پہلے مجھے موت آ جائے۔ میں الفجارہ میں فرڈنینڈ کا ایک ادنیٰ جاگیردار بن کر زندہ نہیں رہ سکوں گا۔ اس نے تمام وعدے فراموش کر دیے ہیں۔“

”اب موت کی تمنّا سے تمہارے ضمیر کا بوجھ ہلکا نہیں ہو سکتا۔ اب تمہارا آخری کارنامہ یہی ہو سکتا ہے کہ تم فوراً یہاں سے نکل جاؤ۔“

”امّی! آپ الفجارہ میں خوش رہ سکیں گی؟“

”مجھے معلوم ہے کہ ہم الفجارہ میں خوش نہیں رہیں گے۔ وہ مراکش کی طرف ہمارے راستے کی ایک منزل ہے۔ اب اس سرزمین میں ہمیں اپنی

قبروں کے لیے بھی جگہ نہیں ملے گی۔"

"لیکن میں نے الحمرا چھوڑنے کا فیصلہ نہیں کیا۔ اگر آپ مشورہ دیں تو میں عوام کے سامنے جانے کے لیے تیار ہوں۔ میں ان سے اپنے گناہوں کی معافی مانگ لوں گا۔ میں انہیں یہ سمجھا سکوں گا کہ ابو القاسم غدّار ہے۔ اس نے ہمارے ساتھ دھوکا کیا ہے۔"

"تم بار بار پوری قوم کو دھوکا نہیں دے سکتے۔ جب تم عوام کے سامنے جاؤ گے تو وہ تمہاری بوٹیاں نوچ ڈالیں گے۔ وہ تم سے ان بے گناہوں کے خون کا حساب مانگیں گئے جنہیں تم نے بھیڑ بکریاں سمجھ کر دشمن کے حوالے کر دیا تھا۔ تم مالقہ، الحمراء، المیریہ کی تباہی کے ذمہ دار ہو۔ تمہارے ہاتھ حامد بن زہرہ جیسے پاکباز انسانوں کے خون سے رنگے ہوئے ہیں۔ ابو عبد اللہ! تم اندلس کے لیے مر چکے ہو اور تمہاری ماں تمہیں زندہ نہیں کر سکتی۔"

"امّی! اگر آپ حکم دیں تو میں ابھی ابو القاسم کے گھر جا کر اسے قتل کرنے

کے لیے تیار ہوں۔"

ہائے بدنصیب! تم نے غرناطہ کو غدّاروں سے بھر دیا ہے۔ اب ایک غدّار کو قتل کر دینے سے کچھ حاصل نہیں ہو گا۔"

"امی! مجھے غرناطہ کا ہر غدّار دکھائی دیتا ہے۔"

"یہ تمہاری کھیتی کا پھل ہے۔ تم نے اندلس کی کھیتی میں غدّاری کا بیج بویا تھا اور اب فصل پک کر تیار ہو چکی ہے۔"

"ماں! خدا کے لیے مجھے طعنے نہ دو۔"

"میں زیادہ عرصہ تک تمہیں طعنے نہ دے سکوں گی لیکن اندلس کی مائیں قیامت تک مجھ پر لعنتیں بھیجتی رہیں گی۔"

ابو عبداللہ نے ندامت سے سر جھکا لیا اور کچھ دیر خاموش بیٹھا رہا۔ بالآخر اس نے مُضطرب سا ہو کر کہا۔ "امّی جان! مجھے اب بھی یقین نہیں آتا کہ میں الحمرا سے نکل جاؤں گا۔ مجھے ایسا محسوس ہوتا ہے کہ میں ایک خواب

دیکھ رہا ہوں۔“

ماں نے آنکھوں میں آنسو بھرتے ہوئے کہا۔ ”بیٹا! اب خوابوں کا زمانہ گزر چکا ہے۔ اب تم صرف اپنے ماضی کے سپنوں کی تعبیریں دیکھا کرو گے۔“

”امی! ہمارے بعد الحمرا میں کون رہے گا؟“

”تمہارے بعد الحمرا اس قوم کے بادشاہوں کا مسکن ہو گا جس سے تم نے اپنی قوم کی عزّت اور آزادی کا سودا چکایا تھا۔“

ویگا کی مہم

سلمان اور اس کے ساتھی اس کی رہنمائی میں سفر کر رہے تھے۔ آخر اس نے درختوں کے ایک جھنڈ کے قریب پہنچ کر گھوڑا روکا اور مُڑ کر سلمان کی طرف دیکھتے ہوئے دبی زبان میں بولا۔ ”اب ہم بہت قریب آ چکے ہیں اس لیے گھوڑوں کو آگے لے جانا ٹھیک نہیں ہو گا۔“

سلمان نے اشارہ کیا اور انہوں نے جلدی سے اُتر کر گھوڑوں کو درختوں سے باندھ دیا اور ان کے منہ پر توبڑے چڑھا دیے تاکہ وہ آواز نہ نکال سکیں۔ پھر وہ دبے پاؤں باغ کی طرف بڑھے۔

تھوڑی دور آگے جا کر انہیں دیوار کے پیچھے گشت کرنے والے

پہریداروں کی آوازیں سنائی دیں اور وہ رک گئے۔ جب پہرے دار آپس میں باتیں کرتے ہوئے باغ کے پچھلے کونے کی طرف نکل گئے تو سلمان دو آدمیوں کے ساتھ دیوار کے قریب پہنچ گیا اور دوسرے لوگ دیوار کے قریب آنے کی بجائے چند قدم دور کھڑے رہے۔ پھر ایک آدمی دیوار کے ساتھ لگ کر جھک گیا اور یونس اور سلمان باری باری اس کے کندھوں پر پاؤں رکھ کر اوپر چڑھ گئے۔

اب ان کے سامنے وہ چھوٹا سا مکان تھا جس کے صحن کی دیواریں باغ کی فصیل سے بالکل ملی ہوئی تھیں۔ صحن سے آگے ایک کمرے کے نیم وا دروازے سے چراغ کی دھندلی سی روشنی باہر آرہی تھی۔ بائیں طرف صحن کی دیوار کے درمیان ایک تنگ دروازہ تھا جس کے پاس ہی ایک چھپر دکھائی دیتا تھا۔ بائیں طرف کونے سے چند قدم دور ایک درخت تھا جس کے پتے جھڑ چکے تھے۔ تاریکی میں سلمان جس قدر دیکھ سکا وہ اس نقشے کے عین مطابق تھا جو اس وقت بھی اس کی جیب میں موجود تھا۔ چنانچہ وہ بلا تامل یونس کے ساتھ دیوار سے نکل کر صحن میں کود پڑا۔ ”کون ہے؟“

کمرے سے کسی کی گھبرائی ہوئی آواز آئی۔

"ابّا جان! میں ہوں۔" اس نے دبے پاوں آگے بڑھ کر کہا۔ "خاموش رہیں ورنہ ہم سب مارے جائیں گے۔"

سلمان نے جلدی سے رسّا کندھے سے اتار کر درخت کے قریب رکھ دیا اور اطمینان سے یونس کے پیچھے کمرے میں داخل ہوا۔ ایک بوڑھا آدمی جو پریشانی کی حالت میں بستر پر بیٹھا اپنے بیٹے کی طرف دیکھ رہا تھا اس کے ساتھ ایک اجنبی کو دیکھ کر اور زیادہ گھبرا اٹھا۔ "ضحاک نہیں آیا؟" اس نے سراسیمہ ہو کر پوچھا۔

یونس کی بجائے سلمان نے جواب دیا۔ "ضحاک کسی جگہ آپ کا انتظار کر رہا ہے۔ آپ کو بہت جلد اس کے پاس پہنچا دیا جائے گا لیکن شرط یہ ہے کہ آپ میرا کہا مانیں۔ یونس کو معلوم ہے کہ آپ کی معمولی سی غلطی سے اس کی جان پر بن سکتی ہے۔"

یونس نے کہا۔ "ابّا جان! یہ درست کہتے ہیں ضحاک کے علاوہ اپنی جانیں

بچانے کے لیے بھی ہمیں ان کا حکم ماننا پڑے گا۔"

بوڑھا کچھ کہنے کی بجائے سکتے کے عالم میں سلمان کی طرف دیکھ رہا تھا کہ ایک نوجوان عورت برابر کے کمرے سے نمودار ہوئی اور اس نے آگے بڑھ کر پوچھا۔ "یونس کیا بات ہے؟ ضحاک کہاں ہیں؟ تمہاری آواز سننے سے پہلے میں یہ خواب دیکھ رہی تھی کہ وہ گھوڑے سے گر کر زخمی ہو گئے ہیں۔"

سلمان نے اس سے مخاطب ہو کر کہا۔ "تمہارا شوہر بالکل ٹھیک ہے۔ لیکن اگر تمہارے آقا کو یہ معلوم ہو گیا کہ وہ کہاں ہے تو وہ اسے زندہ نہیں چھوڑے گا!"

"آقا آج بھی نہیں آئے۔ ان کی امّی کہتی تھیں کہ شاید کل بھی نہ آئے۔ خدا کے لیے مجھے بھی ضحاک کے پاس پہنچا دیجیے۔"

'تمہارے شوہر کو بچانے کی واحد صورت یہ ہے کہ ہم ایک معزز خاتون اور ایک معصوم لڑکے کو یہاں سے نکال کر اپنے ساتھ لے جائیں"۔

”یہ ناممکن ہے۔ آپ کو معلوم نہیں کہ وہاں کتنا سخت پہرا ہے۔“

”ہمیں سب کچھ معلوم ہے اور ہم ان کو چھڑانے کے لیے سارے انتظامات کر چکے ہیں۔“

یونس نے کہا۔ ”سمیعیہ! یہ باتوں کا وقت نہیں۔ ہم فوراً یہاں سے نکل جانا چاہتے ہیں اور چند منٹ میں ہمیں بہت کچھ کرنا ہے۔ اگر قیدی آج ہی واپس نہ پہنچے تو ہمارے لیے ضحاک کی جان بچانا بہت مشکل ہو جائے گا۔“

”کاش! ان قیدیوں کو آزاد کروانا میرے بس میں ہوتا۔“ سمیعیہ نے مُضطرب ہو کر کہا۔

یونس نے ہونٹوں پر انگلی رکھتے ہوئے کہا۔ ”سمیعیہ! آہستہ بات کرو۔ ورنہ ہم سب مارے جائیں گے۔ بالکل ٹھیک ہے اور انشا اللہ کل صبح تم اسے اپنی آنکھوں سے دیکھ سکو گی۔ لیکن میرا خیال تھا تم اس وقت قیدیوں کے پاس ہو گی۔“

”مجھے تمہارا انتظار تھا اور میں شام تک کئی بار باہر آ کر تمہارے متعلق پوچھ

چکی تھی۔ اس کے بعد میں درد سر کا بہانہ کر کے گھر آ گئی تھی۔ مالک گھر میں نہیں تھا ورنہ گھر والے مجھے کبھی اجازت نہ دیتے۔ خدا کے لیے مجھے بتاؤ کہ ضحاک نے ہمیں کوئی اطلاع کیوں نہ دی۔"

"وہ تمہیں پریشان نہیں کرنا چاہتے تھے!"

سلمان نے کہا۔ "یونس! تم انہیں تسلّی دو۔ میں ابھی آتا ہوں۔"

سمیعہ آبدیدہ ہو کر سلمان سے مخاطب ہوئی۔ "آپ ان کے ساتھ آئے ہیں؟" خدا کے لیے مجھے بتایئے کہ وہ کہاں ہیں اور آپ نے انہیں کب دیکھا تھا۔ انہیں کوئی خطرہ تو نہیں؟"

"اس وقت اس کے لیے سب سے بڑا خطرہ یہی ہے کہ تم شور مچا کر گھر کے نوکروں اور پہریداروں کو خبر کر دو۔ یونس! اگر یہ ہوش سے کام لیں تو ضحاک کی جان بچ سکتی ہے۔" سلمان یہ کہہ کر باہر نکل گیا۔ پھر اس نے صحن میں درخت کے قریب پڑا ہوا رسہ اٹھا کر اس کا ایک سرا درخت کے تنے سے باندھ دیا اور دوسرا دیوار کے دوسری طرف پھینک دیا۔ تھوڑی

دیر بعد اس کے ساتھی باری باری دیوار پر چڑھ کر صحن میں کود رہے تھے۔ جب آخری آدمی صحن میں پہنچ گیا تو سلمان انہیں چھپر کے نیچے انتظار کرنے کا حکم دے کر جلدی سے کمرے میں داخل ہوا۔

سمیعیہ سہمی ہوئی آواز میں کہہ رہی تھی۔ ”یونس وہ درندے ہیں۔ اگر تم باہر کے آدمیوں کو مغلوب کر بھی لو تو بھی مکان کے اندر قیدیوں تک رسائی حاصل کرنے کے لیے تمہیں پانچ اور بدترین قاتلوں کا سامنا کرنا پڑے گا۔“

سلمان نے کہا۔ ”ہمیں سب کچھ معلوم ہے اور ان درندوں سے نپٹنا اب ہماری ذمہ داری ہے۔ تم صرف میری باتوں کا جواب دو۔ اس وقت مکان کے باہر کتنے آدمی پہرا دے رہے ہیں؟“

”جناب! تین آدمی تو گشت کر رہے ہیں اور ایک باہر دروازے پر پہرا دے رہا ہے۔ لیکن ان پہریداروں کے علاوہ ایک سائیس اور دو نوکر بھی اصطبل کے پاس اپنی کوٹھڑیوں میں موجود ہیں۔ یہ میں اس لیے بتا رہی

ہوں کہ شاید اس وقت ان میں سے کوئی جاگ رہا ہو۔“

”اصطبل میں کتنے گھوڑے ہیں؟“

سمیعیہ نے بوڑھے کی طرف دیکھا اور وہ بولا ”جناب! اس وقت آٹھ گھوڑے موجود ہیں۔“

”تھوڑی دیر میں یہاں ہمارا کام ختم ہو جائے گا اور اس کے بعد ہمیں صرف پانچ گھوڑوں کی ضرورت ہو گی!“ پھر سلمان نے جلدی جلدی یونس اور دوسرے آدمیوں کو چند ہدایات دیں اور وہ باہر نکل گئے۔ یونس کا باپ اور سمیعیہ تقریباً نصف ساعت بے چینی کی حالت میں ان کا انتظار کر رہے۔ بالآخر وہ اصطبل کے سائیس اور دو نوکروں کو تلواروں سے ہانکتے ہوئے کمرے میں داخل ہوئے۔

سمیعیہ نے پوچھا”آپ نے بہت دیر لگائی۔ مجھے ڈر تھا کہ کہیں پہریداروں نے آپ کو دیکھ نہ لیا ہو۔“

یونس نے جواب دیا۔”پہریدار ہمیں دیکھنے سے پہلے ہی دوسری دنیا میں

پہنچ چکے تھے۔ کسی کے منہ سے چیخ بھی نہیں نکل سکی۔"

سلمان نے کہا۔ "اب تینوں کو اچھی طرح جکڑ دو اور جلدی کرو۔ اب باتوں کا وقت نہیں۔"

چند منٹ بعد وہ باہر نکلے تو انہیں دور سے گھوڑوں کی ٹاپ سنائی دی۔ یونس نے سلمان کے چہرے پر پریشانی کے آثار دیکھ کر کہا۔ "یہ ویگا کی فوج کا دستہ ہے جو رات کے پہلے دوسرے اور تیسرے پہر گشت کے لیے نکلتا ہے۔ آپ فکر نہ کریں۔ وہ یہاں سے تھوڑی دور جا کر لوٹ جائیں گے۔

☆☆☆

مکان کی اندرونی ڈیوڑھی کے اندر دو پہریدار مشعل کی روشنی میں شطرنج کھیل رہے تھے اور ایک آدمی دیوار کے ساتھ ٹھیک لگائے اونگھ رہا تھا۔ کسی نے باہر سے بھاری دروازے کو دھکا دیتے ہوئے کہا۔ "دروازہ کھولو۔ میں یونس ہوں۔" ایک پہرے دار نے چند ثانیے توقف کے بعد جواب دیا۔ "تمہیں معلوم ہے کہ ہمیں رات کے وقت دروازہ کھولنے کی اجازت

نہیں۔ تم کہاں سے آئے ہو؟"

"میں سینٹا فے سے آ رہا ہوں۔ آقا نے اپنے گھر میں ایک ضروری پیغام دے کر بھیجا ہے اور تمہیں اچھی طرح سوچ لینا چاہیے کہ اگر میں ان کی والدہ اور ہمشیرہ کو پیغام نہ دے سکا تو کل تمہارا حشر کیا ہو گا۔"

"تم اکیلے آئے ہو؟ ضحاک کہاں ہے؟" اسے باغیوں نے زخمی کر دیا تھا۔ وہ چند دن اور غرناطہ میں رہے گا۔ میں اسے دیکھنے کے بعد آقا کو اطلاع دینے سینٹا فے گیا تھا۔ اب دروازہ کھولتے ہو یا مجھے گھر کی خواتین کو آوازیں دینی پڑیں گی۔"

"اچھا ٹھہرو!"

چند ثانیے بعد زنجیر کی کھڑ کھڑاہٹ سنائی دی۔ اس کے ساتھ ہی سلمان کے آدمیوں نے پوری قوّت سے دونوں کواڑوں کو دھکا دیا اور کواڑ ایک دھماکے کے ساتھ کھل گئے۔ پہریدار جس نے اندر سے دروازہ کھولا تھا۔ چند قدم پیچھے جا گرا۔ سلمان نے دوسرے دو آدمیوں پر حملہ کر دیا اور

آن کی آن میں ان کی لاشیں تڑپ رہی تھیں۔ اتنے میں سلمان کے ساتھی ڈیوڑھی میں جمع رہ چکے تھے۔ تیسرا آدمی جو کواڑ کے ساتھ ٹکڑا کر گر پڑا تھا، اچانک چیخ مار کر اٹھا لیکن ایک رضاکار کی تلوار اس کے سر پر لگی اور وہ دوبارہ گر پڑا۔

سلمان نے ڈیوڑھی کا دوسرا دروازہ کھول کر عمارت کے اندرونی حصّے کا جائزہ لیا۔ پھر اپنے ساتھیوں کو اشارہ کرنے کے بعد صحن میں داخل ہوا۔ تھوڑی ہی دیر وہ عمارت کے ایک کونے سے چند قدم دور کھڑا بائیں ہاتھ ایک طویل اور کشادہ برآمدہ پار کر رہا تھا جس کے اندر جگہ جگہ مشعلیں جل رہی تھیں اور درمیان سے ایک کشادہ زینہ بالائی منزل کی طرف جاتا تھا۔ دو پہرے دار اپنے ساتھیوں کو آوازیں دیتے ہوئے نیچے اترے اور سلمان جلدی سے ایک قدم آگے بڑھ کر دائیں طرف دوسرے برآمدے کے ستون کی اوٹ میں کھڑا ہو گیا۔

پہرے داروں کی آوازیں سن کر زینے کے قریب ہی ایک کمرے سے دو عورتیں اچانک برآمدے میں آگئیں اور شور کی وجہ پوچھنے لگیں۔

ایک پہرے دار نے کہا۔ ”میں ڈیوڑھی سے پتا لگاتا ہوں۔ آپ اندر آرام کریں اور وہ کوئی تیس قدم ہی چلا ہو گا کہ اسے بیک وقت ایک تیر گا اور وہ زمین پر ڈھیر ہو گیا۔ اس کے ساتھ ہی سلمان پوری رفتار سے بھاگتا ہوا کشادہ بر آمدے کے درمیان پہنچ گیا۔ دوسرے پہرے دار نے آگے بڑھ کر حملہ کیا اور چند ثانیے تلواروں کی جھنکاروں کے ساتھ عورتوں کی چیخیں بھی سنائی دیتی رہیں۔ ایک اور عورت شور مچاتی ہوئی زینے سے اتری۔ پہرے دار پکارا۔ ”خدا کے لیے تم اندر چلی جاؤ!“ لیکن اتنی دیر میں سلمان کے دوسرے ساتھی وہاں پہنچ چکے تھے۔ ایک رضاکار چلّایا ”اب باہر تمہاری آواز سننے والا کوئی نہیں۔ اگر اپنی جان عزیز ہے تو خاموش رہو۔“ عورتیں ہم سہم کر خاموش ہو گئیں۔

سلمان کا مدِّ مقابل چند وار کرنے کے بعد الٹے پاؤں پیچھے ہٹا اور بھاگ کر زینے پر چڑھنے لگا۔

نصف زینہ طے کرنے کے بعد اس نے اچانک مڑ کر حملہ کیا۔ حملہ اتنا شدید تھا کہ سلمان کو تین چار قدم نیچے آنا پڑا لیکن چند وار کرنے کے بعد

پہرے دار دوبارہ بھاگ رہا تھا۔ سلمان نے بالائی منزل کے برآمدے پر اسے جالیا۔ پہرے دار نے پلٹ کو دوبارہ حملہ کیا لیکن سلمان کے سامنے اس کی پیش نہ گئی اور چند ثانیے بعد وہ پھر ایک بار الٹے پاؤں پیچھے ہٹ رہا تھا۔ برآمدے کے کونے میں سلمان نے آخری وار کیا اور اس کی تلوار دیو قامت پہرے دار کے سینے میں اتر گئی۔

پھر اس نے تیزی سے ایک دروازے کی زنجیر اتار کر دھکا دیا لیکن دروازہ اندر سے بند تھا۔ اس نے کہا "عاتکہ! جلدی کرو۔ میں سعید کا دوست ہوں۔"

عاتکہ دروازہ کھول کر باہر نکل آئی۔ اتنے میں یونس اوپر پہنچ کر منصور کو دوسرے کمرے سے نکال چکا تھا۔ وہ سسکیاں لیتا ہوں بھاگ کر سلمان کی ٹانگوں میں لپٹ گیا۔ سلمان نے پیار سے اس کے سر پر ہاتھ پھیرتے ہوئے کہا۔ "منصور! ہمّت سے کام لو۔ ہم تمہیں تمہارے ماموں کے پاس لے جا رہے ہیں۔"

پھر وہ یونس سے مخاطب ہوا۔ ”تم ان تین آدمیوں کو اپنے گھر کے تہہ خانے کی طرف لے آؤ اور اپنے باپ سے کہو کہ وہ گھوڑوں پر زینیں ڈال دے۔ لیکن سب سے پہلے تہہ خانے کے دروازے کی چابی حاصل کرنا ضروری ہے۔“

یونس نے گلے سے ایک زنجیر اتار کر سلمان کو پیش کرتے ہوئے کہا۔ ”جناب! لیجئے چابیوں کا یہ گچھا اس آدمی کے پاس تھا جس کی لاش صحن میں پڑی ہوئی ہے۔“

سلمان نے چابیوں کا گچھا لیتے ہوئے کہا۔ ”اب تم جلدی کرو اور اپنے ایک ساتھی سے کہو کہ ڈیوڑھی کے پاس کھڑا رہے۔“

یونس بھاگتا ہوا نیچے چلاّ گیا تو سلمان نے پہلی بار غور سے دیکھا۔ عاتکہ سر جھکائے کھڑی تھی۔ ”عاتکہ“ اس نے کہا۔ ”اب تمہیں کوئی خطرہ نہیں۔“

عاتکہ نے آہستہ سے گردن اٹھائی اور پھر وہ جذبات جو اس کی روح کی

گہرائیوں میں موجزن تھے، آنسو بن کر بہہ نکلے۔

"عاتکہ!" سلمان نے اس کے سر پر ہاتھ رکھتے ہوئے کہا۔ "سعید ٹھیک ہو رہا ہے۔ میں اسے غرناطہ لے آیا ہوں۔"

"سلمان! سلمان! میرے محسن!" عاتکہ نے لرزتی ہوئی آواز میں کہا اور پھر بے اختیار اس کا ہاتھ پکڑ کر ہونٹوں سے لگا لیا۔ "آپ مجھ سے بہت خفا ہوں گے۔"

"تم سے خفا؟ وہ کس بات پر؟"

"میں آپ کی اجازت کے بغیر گھر چلی گئی تھی؟"

"عاتکہ! میں تم سے خفا نہیں ہوں۔ مجھے ایک بہادر اور غیور لڑکی سے یہی توقع تھی۔ اب چلیں غرناطہ میں تمہارا انتظار ہو رہا ہے۔"

عاتکہ نے آگے بڑھ کر گرے ہوئے سپاہی کی تلوار اٹھا لی اور منصور نے اس کی کمر کے ساتھ لٹکا ہوا خنجر کھینچ لیا۔

سلمان نے کہا۔ ”عاتکہ! چلو تمہیں نیچے پہنچ کر ایک اچھی کمان اور تیروں سے بھرا ہوا ترکش مل جائے گا۔ اگر تم پسند کرو تو میں تمہیں طمنچہ بھی دے سکتا ہوں۔“ ”نہیں! طمنچہ آپ کے پاس رہنا چاہیے۔“

وہ نیچے اترے۔ سلمان کے دوسرے ساتھی تین عورتوں کے سامنے کی تلواریں لیے کھڑے تھے اور عتبہ کی ماں ان سے التجائیں کر رہی تھی۔ ”میں نے تمام صندوقوں کی چابیاں تمہارے حوالے کر دیں ہیں۔ تم سب کچھ لے جاؤ لیکن ہم پر رحم کرو۔“

سلمان نے کہا۔ ”ہم بیٹے کے جرائم کی سزا اس کی ماں اور بہن کو نہیں دے سکتے۔ لیکن یہ ایک مجبوری ہے کہ ہم تمہیں کھلا نہیں چھوڑ سکتے۔ اس لیے تمہیں کچھ دیر اپنے مہمان کے ساتھ رہنا پڑے گا۔“

عتبہ کی بہن چلاّئی۔ ”خدا کے لئے ہمیں قیدی کے پاس چھوڑنے کی بجائے کسی اور کمرے میں بند کر دیجیے۔ جو آدمی اپنے چچا کی بیٹی کے ساتھ یہ سلوک کر سکتا ہے، وہ ہمارا گلا گھونٹنے سے دریغ نہیں کرے گا۔“

سلمان نے کہا۔ ”اگر تم زندہ رہنا چاہتی ہو تو خاموش رہو۔ قیدی کو معلوم ہے کہ تمہارا گلا گھونٹنے کے بعد اسے تمہارے خونخوار بھائی سے واسطہ پڑے گا۔ اس کے علاوہ تمہارے تین نوکر تمہاری حفاظت کے لیے موجود ہوں گے۔“

☆☆☆

تھوڑی دیر بعد وہ مکان کے دوسرے کونے میں ایک دروازے کے سامنے کھڑے تھے۔

اچانک ڈیوٹی کی طرف قدموں کی چاپ سنائی دی اور سلمان نے اپنے ایک ساتھی کو چابیوں کا گچھا دیتے ہوئے کہا۔ ”وہ آرہے ہیں۔ تم جلدی دروازہ کھولو۔

اس نے یکے بعد دیگرے تالے کو تین چابیاں لگانے کی کوشش کی لیکن اسے کامیابی نہ ہوئی۔ آخر کار ایک چابی لگ گئی اور اس نے جلدی سے تالا اتار کر دروازہ کھول دیا۔ اتنی دیر میں یونس اور اس کے ساتھی رسّے سے

بندھے ہوئے تین آدمیوں کو ہانکتے ہوئے قریب آ چکے تھے۔ سمیعیہ اپنے بھائی کے ساتھ تھی۔ اس نے مشعل کی روشنی میں عاتکہ کی طرف دیکھا اور بھاگ کر اس کے قریب کھڑی ہو گئی۔

سلمان کے اشارے سے دو نوجوان جن میں سے ایک کے ہاتھ میں مشعل اور دوسرے ہاتھ میں چابیوں کا گچھا تھا، کمرے میں داخل ہوئے اور پھر اس کے ساتھیوں نے قیدیوں کو کمرے کے اندر دھکیل دیا۔ سلمان نے باقی ساتھیوں سے مخاطب ہو کر کہا۔ ”تم باہر کھڑے رہو۔ ہم ابھی آتے ہیں۔“ لیکن دہلیز پر پاؤں رکھتے ہی اس کے دل میں کوئی خیال آیا اور اس نے اچانک مڑ کر کہا۔ ”یونس! ضحاک کی بیوی کو عتبہ کے گھر سے خالی ہاتھ نہیں جانا چاہیے۔ اسے ساتھ لے جاؤ۔“

سلمان کمرے کے اندر چلا گیا اور سمیعیہ تذبذب کی حالت میں عاتکہ کی طرف دیکھنے لگی۔

عاتکہ نے کہا۔ ”جاؤ سمیعیہ، جلدی کرو۔ ہمارے پاس بہت تھوڑا وقت

ہے!" طویل کمرے کے آخری کونے میں ایک زینے سے کوئی پندرہ فٹ نیچے اتر کر وہ ایک تنگ کوٹھڑی میں داخل ہوئے۔ سامنے ایک اور دروازے پر قفل لگا ہوا تھا۔ جب سلمان کا ساتھی قفل کھول رہا تھا تو اندر سے قیدی کی چیخ و پکار سنائی دینے لگی۔

"عتبہ! مجھے معلوم ہے تم مجھے قتل کرنا چاہتے ہو لیکن میں تمہارا دوست ہوں۔ اگر مجھے معلوم ہوتا کہ تم اس قدر بگڑ جاؤ گے تو میں عاتکہ کے پاس جانے کی جرأت نہ کرتا۔ عتبہ! مجھے معاف کر دو!"

دروازہ کھلا اور سلمان نے اپنے ساتھی کے ہاتھ سے مشعل لے کر اندر جھانکتے ہوئے کہا۔ "عتبہ یہاں نہیں ہے اور وہ یہ بھی پسند نہیں کرے گا کہ آدھی رات کے وقت تمہاری چیخیں گھر کی عورتوں کو پریشان کریں۔"

"تم کون ہو؟"

سلمان نے جواب دینے کی بجائے ایک طرف ہٹ کر اپنے ساتھیوں کو اشارا کیا اور انہوں نے یکے بعد دیگرے قیدیوں کو اندر دھکیل دیا۔ پھر

اس نے مشعل آگے کرتے ہوئے کہا۔ ”عمیر! اپنے ساتھیوں کو اچھی طرح دیکھ لو۔ انہیں کچھ عرصہ تمہارے ساتھ رہنا پڑے گا۔“

عمیر چند ثانیے پھٹی پھٹی آنکھوں سے عتبہ کہ ماں اور بہن کی طرف دیکھتا رہا۔ پھر وہ چلایا۔ ”اگر تم مجھے قتل کرنے کے لیے نہیں آئے تو خدا کے لیے بتاؤ تم کون ہو؟“

”عمیر! تم مر چکے ہو اور میں ایک لاش پر وار نہیں کروں گا۔ لیکن عاتکہ باہر کھڑی ہے۔ اگر وہ تمہاری چیخیں سن کر یہاں آگئی تو ہو سکتا ہے کہ میں اپنی تلوار تمہارے ناپاک خون سے آلودہ کرنے پر مجبور ہو جاؤں۔“

”تم سعید کے ساتھ آئے ہو۔ خدا کے لیے اسے بلاؤ۔“ اگر عاتکہ بھی مجھ پر رحم نہیں کر سکتی تو اس سے کہو کہ مجھے عتبہ جیسے سفاک آدمی کے رحم و کرم پر چھوڑنے کی بجائے اپنے ہاتھ سے قتل کر دے۔ میں بیمار ہوں اور میرا باپ اگر مر نہیں گیا تو کسی قید خانے میں ضرور دم توڑ رہا ہو گا۔“

”غدّاروں کا انجام ہمیشہ یہی ہوتا ہے۔“

”میرے جرائم یقیناً ناقابلِ معافی ہیں لیکن میرا باپ غدّار نہیں تھا۔ اس کا قصور صرف یہ تھا کہ اس نے حامد بن زہرہ کی جان بچانے کی کوشش کی تھی۔ اس نے مجھے ان ظالموں کا ساتھ دینے سے منع کیا تھا لیکن افسوس کہ میرے لیے توبہ کے دروازے بند ہو چکے تھے۔“

”اگر تمہارا باپ غرناطہ کے قید خانے میں ہے تو ممکن ہے اسے چھڑا لیا جائے۔ لیکن ہمیں اس خوش فہمی میں ہرگز مبتلا نہیں ہونا چاہیے کہ حامد بن زہرہ کے قاتلوں کے حق میں اس کی فریاد سنی جائے گی۔“

”اس بات کا علم صرف وزیرِ اعظم، عتبہ اور کوتوال کو ہو سکتا ہے کہ انہیں کس جگہ بند کیا گیا ہے۔ مجھے معلوم ہے کہ وہ مجھے معاف نہیں کریں گے لیکن اگر مجھے یہ اطمینان ہو جائے کہ میرے ساتھ عتبہ اور اس کے تمام ساتھیوں کو ایک ہی جگہ پھانسی دی جائے گی تو مجھے مرنے کا کوئی ملال نہیں ہو گا۔“

سلمان نے پیچھے ہٹ کر اپنے ساتھیوں کو اشارہ کیا۔ ایک رضا کار نے

دروازہ بند کرنے کی کوشش کی، لیکن عمیر نے دونوں ہاتھوں سے ایک کواڑ پکڑ کر پوری قوّت کے ساتھ کھینچا اور جلدی سے باہر نکل آیا۔

"خدا کے لیے ٹھہرو!" اس نے سلمان کے سامنے دوزانو ہو کر اپنے ہاتھ بلند کرتے ہوئے کہا۔ "مجھے اپنے ساتھ لے چلو۔ میں غرناطہ کے سب سے بڑے چوراہے پر کھڑے ہو کر اپنے ناقابلِ معافی گناہوں کا اعتراف کروں گا۔ میں مرنے سے پہلے اہلِ غرناطہ پر راز فاش کرنا چاہتا ہوں کہ ابو القاسم انہیں سر چھپانے کا موقع دینے سے پہلے ہی غرناطہ کو دشمن کے قبضے میں دے دینے کا فیصلہ کر چکا ہے اور یہ کہ سینٹا فے سے سینکڑوں جاسوس شہر میں داخل ہو چکے ہیں۔"

زینے سے عاتکہ کی آواز سنائی دی۔ "تم کیا کر رہے ہو؟ ہم سعید کے باپ کے قاتل کو زندہ چھوڑ کر نہیں جاسکتے۔"

سلمان نے مڑ کر دیکھا۔ عاتکہ تیر و کمان اُٹھائے غصّے سے کانپ رہی تھی۔ منصور اس سے دو قدم آگے تھا۔ وہ جلدی سے آگے بڑھا اور

سلمان کا بازو پکڑ کر چلّایا۔ ”آپ ایک طرف ہٹ جائیں۔“

سلمان نے اپنے ساتھیوں کو اشارہ کیا تو وہ دائیں بائیں سمٹ گئے۔

عمیر نے اُٹھ کر حسرت ناک لہجے میں کہا۔ ”عاتکہ ٹھہرو! مجھے معلوم ہے کہ میں رحم کے قابل نہیں ہوں۔ میری زندگی کی کوئی قدر و قیمت بھی نہیں۔ لیکن میں اس کوٹھڑی میں کتّے کی موت مرنے کی بجائے تمہارے ہاتھوں مرنا بہتر سمجھتا ہوں۔ خدا کے لیے یہاں سے جلدی نکلنے کی کوشش کرو اور اگر سعید کے باپ کا کوئی ساتھی تمہاری مدد کر سکتا ہے تو اس سے کہو کہ وہ فوراً تمہیں سمندر کے پار پہنچا دے۔ ورنہ وہ دن دور نہیں جب دشمن کا غرناطہ پر قبضہ ہو گا اور تمہارے لیے اندلس سے نکلنے کے تمام راستے مسدود ہو جائیں گے۔ تمہیں معلوم نہیں کہ تمہارے متعلق عتبہ کے عزائم کتنے خوف ناک ہیں۔ وہ تمہیں تلاش کرنے کے لیے اندلس کا کونہ کونہ چھان مارے گا۔ عاتکہ! مجھ پر قدرت کا فوری احسان یہی ہو سکا ہے کہ تم مجھے اپنے ہاتھ سے قتل کر دو۔ لیکن خدا کے لیے یہاں سے نکل جاؤ!“

عاتکہ کچھ کہنے کی بجائے کمان سیدھی کر کے آہستہ آہستہ تیر کھینچنے لگی۔ اس کے ہاتھ کانپ رہے تھے۔ اچانک سلمان نے ان کے درمیان آکر کہا۔

"عاتکہ! جو شخص اپنے ہاتھوں سے اپنے گلے میں پھندا ڈال چکا ہو، تمہیں اس پر تیر ضائع کرنے کی ضرورت نہیں۔ اس کے لیے عتبہ کے ہاتھوں مرنا تمہارے تیر سے ہلاک ہونے کی نسبت زیادہ تکلیف دہ ہوگا۔"

عاتکہ نے سنبھل کر کہا۔ "خدا کے لیے آپ ایک طرف ہٹ جائیں۔ میرے تذبذب کی وجہ یہ تھی کہ مجھے اپنے چچا کے غدّار بیٹے پر رحم آ گیا تھا، حامد بن زہرہ کے قتل کے بعد ہمارے درمیان خون کے سارے رشتے ختم ہو گئے تھے، میں اس کو مرنے سے پہلے توبہ کے لیے چند لمحات دینا چاہتی تھی، لیکن یہ بدبخت قاتل اب بھی یہی سمجھتا ہے کہ میں اس کی باتوں میں آجاؤں گی۔"

سلمان دوبارہ ایک طرف ہٹ گیا لیکن اس سے پہلے کہ عاتکہ تیر چلاتی

اچانک منصور نے ایک جست لگائی اور آنکھ جھپکنے میں اس کا خنجر قبضے تک عمیر کے دل میں اتر چکا تھا۔ اس کے ساتھ ہی عاتکہ کی کمان سے تیر چلا اور اس کی شاہ رگ سے آر پار ہو گیا۔ عمیر لڑکھڑاتا ہوا پیچھے ہٹا۔ پھر اس کا پاؤں دہلیز سے ٹکرایا اور وہ پیٹ کے بل گر کر تڑپنے لگا۔

منصور سسکیاں لیتا ہوا سلمان کی طرف متوجہ ہوا۔ ”مجھے معاف کیجئے لیکن یہ میرا فرض تھا۔“

سلمان نے بڑے پیار سے اس کے کندھے پر ہاتھ رکھتے ہوئے اپنے ساتھیوں کو اشارہ کیا اور انہوں نے دروازہ بند کر کے تالا لگا دیا۔“

کمرے سے باہر نکلتے ہی سلمان جلدی سے ڈیوڑھی کی طرف بڑھا۔ سمیعہ ایک گٹھڑی بغل میں دبائے باہر کھڑی تھی اور اس کا بھائی اور ایک اور ساتھی اپنے کندھوں پر گٹھڑیاں اٹھائے چند قدم پیچھے آ رہے تھے۔ گٹھڑیاں زیادہ بڑی نہ تھیں لیکن ان کی چال سے معلوم ہوتا تھا کہ ان کا بوجھ ان کی طاقت سے زیادہ ہے۔ سمیعہ بھی ایک طرف جھکی جا رہی تھی

اور وہ اپنے پرانے کپڑوں کی بجائے نیا لباس پہنے ہوئے تھی۔

عاتکہ نے مشعل کی روشنی میں اسے قریب سے دیکھتے ہوئے کہا۔ "میں تو سمجھی تھی کہ گھر سے کوئی اور عورت نکل آتی ہے۔"

اس نے جواب دیا۔ "میں نے سوچا کہ اگر میں ایک بھکارن کے لباس میں آپ کے ساتھ سفر کروں تو یہ عجیب سا معلوم ہو گا۔ پھر بھی میں نے ان کپڑوں کے سوا گھر کی عورتوں کی کسی چیز کو ہاتھ نہیں لگایا اور ان کے زیور بھی چھوڑ دیے۔ میں تو عتبہ کے صندوق سے صرف دو تھیلیاں باندھ کر اٹھالائی ہوں۔"

تھوڑی دیر بعد یہ لوگ اصطبل کے قریب پہنچے تو یونس کا باپ گھوڑوں پر زین ڈالے ان کا انتظار کر رہا تھا۔

سلمان نے جلدی سے اپنے ساتھی کے ہاتھ سے مشعل لے کر ایک طرف پھینک دی اور ان کے آگے آگے ہو لیا۔ ڈیوڑھی سے نکل کر انہوں نے دروازہ بند کر دیا، اور باغ سے اصطبل کی طرف چل دیے۔

تھوڑی دیر بعد وہ گھوڑے لے کر بیرونی پھاٹک کے قریب رک گئے۔

سلمان پھاٹک کھلوا کر باہر نکلا اور اِدھر اُدھر دیکھنے کے بعد مڑ کر اپنے ساتھیوں کو اشارہ کیا۔ پانچوں ساتھی یکے بعد دیگرے گھوڑوں کی باگیں پکڑ کر باہر نکل آئے اور باقی ان کے پیچھے چل پڑے۔ کچھ دیر بعد وہ ان درختوں کے قریب پہنچ چکے تھے جہاں ایک رضاکار دوسرے گھوڑوں کے ساتھ ان کا انتظار کر رہا تھا۔ وہ اطمینان سے گھوڑوں پر سوار ہو گئے۔

☆☆☆

ویگا سے واپسی پر یونس کی بجائے سلمان بذاتِ خود اپنے ساتھیوں کی رہنمائی کر رہا تھا۔

سینٹافے کی سڑک سے تھوڑی دور اجڑے باغ کے قریب پہنچ کر سلمان نے اپنا گھوڑا روک لیا اور مڑ کر دبی زبان میں کہا۔ ”تم لوگ تھوڑی دیر یہیں ٹھہرو میں بھی ان کا پتا لگا کر آتا ہوں۔“

ایک آدمی اچانک باغ کے کنارے ایک درخت کی اوٹ سے نمودار ہوا

اور اس نے کہا۔ ”جناب! ہم یہاں ہیں لیکن آپ کے ساتھیوں کی تعداد سے ہمیں یہ شبہ ہوا تھا کہ شاید کوئی لشکر آرہا ہے۔

عثمان دوسرے درخت کی اوٹ سے نمودار ہوا اور آگے بڑھ کر سلمان کے گھوڑے کی لگام پکڑتے ہوئے بولا۔ ”جناب! آگے کوئی خطرہ نہیں۔ لیکن آقا کہتے تھے کہ اگر کوئی آپ کا پیچھا نہیں کر رہا تو دروازہ کھلنے تک آپ کو یہیں انتظار کرنا چاہیے۔“

”وہ ابھی تک یہیں ہیں؟“

”جناب وہ آپ کو رخصت کرتے ہی چلے گئے تھے اور آدھی رات کے قریب پھر واپس آ گئے تھے۔ آپ باغ میں تشریف لے جائیں۔ میں انہیں اطلاع دیتا ہوں۔ اگر ضرورت پڑی تو ہم وقت سے پہلے بھی دروازہ کھلوا سکتے ہیں لیکن بہتر یہی معلوم ہوتا ہے کہ ہماری طرف سے کوئی بے چینی ظاہر نہ ہو۔ آپ بخیریت ہیں؟“

”ہاں! تم جاؤ!“ عثمان سڑک کی طرف لپکا اور وہ لوگ گھوڑوں سے اتر کر

باغ کے اندر داخل ہوئے۔ پھر سلمان نے یونس کی طرف متوجہ ہو کر کہا۔

"یونس! اب تمہیں ہمارے ساتھ غرناطہ جانے کی ضرورت نہیں۔ تمہارا باپ اپنے بیٹے کو دیکھنے کے لیے بے چین ہو گا۔ عثمان کو غرناطہ سے باہر اس بستی کا علم ہے جہاں ہم نے تمہارے بھائی کو پہنچا دیا تھا، اگر تم فوراً وہاں جانا چاہتے ہو تو عثمان کے علاوہ اپنے ایک اور ساتھی کو بھی تمہارے ساتھ بھیج سکتا ہوں۔ ہم جو گھوڑے عتبہ کے اصطبل سے لائے ہیں انہیں شہر کے اندر لے جانا خطرناک ہے۔ اگر عتبہ کو یہ اطلاع مل گئی تو وہ تمہاری تلاش میں غرناطہ کا کونہ کونہ چھان مارے گا۔"

یونس کی بجائے اس کے باپ نے جواب دیا۔

"جناب! اگر آپ اجازت دیں تو ہم یہاں ایک لمحے کے لیے بھی رکنا پسند نہیں کریں گے۔ اگر ضحاک سفر کے قابل ہوا تو ہم اس بستی میں بھی نہیں ٹھہریں گے۔"

سلمان نے کہا۔ ”کہیں تم یہ نہ سمجھ لینا کہ میں تمہیں کسی اور جگہ پہنچانے کے وعدے سے منحرف ہو گیا ہوں۔ میں غرناطہ میں زیادہ دیر نہیں ٹھہروں گا۔ اگر تم میرا انتظار کر سکو تو ممکن ہے کہ میں تمہیں افریقہ کے ساحل تک پہنچا دوں۔ ورنہ پہاڑوں میں ایسے لوگ موجود ہیں جو تمہیں پناہ دے سکیں گے اور ہمارے ساتھی ان میں سے کسی کے پاس پہنچا دیں گے۔“

بوڑھے آدمی نے کہا۔ ”الفجارہ میں ہمارے اصلی آقا کے قبیلے کے کئی لوگ موجود ہیں اور المریہ کے راستے میں بھی ان کی چند بستیاں ہیں، وہاں پہنچنے کے لیے ہمیں آپ کو تکلیف دینے کی ضرورت پیش نہیں آئے گی۔ ہم پر اس سے بڑا احسان کیا ہو سکتا ہے کہ آپ ہمیں دوزخ کی آگ سے بچا لائے ہیں۔“

تھوڑی دیر میں عثمان اپنے آقا کے علاوہ تین اور آدمیوں کے ساتھ وہاں پہنچ گیا اور پھر جب مشرق کے افق سے صبح کا ستارہ نمودار ہو رہا تھا تو وہ باغ سے باہر نکل کر عتبہ کے نوکروں کو عثمان اور ایک رضا کار کے ساتھ

رخصت کر رہے تھے۔

سلمان نے عثمان سے کہا۔ ”تمہیں یہ دونوں گھوڑے ابو یعقوب کے پاس چھوڑ کر پیدل واپس آنا پڑے گا۔

”جناب! مجھے معلوم ہے کہ ہم ان کے گھوڑوں پر سوار ہو کر واپس نہیں آ سکیں گے لیکن ہمیں پیدل آنے کی ضرورت نہیں۔ ان کے بدلے ہم دو اور گھوڑے حاصل کر سکیں گے۔ اگر آپ کی اجازت ہو تو میں دوسری بستی میں آپ کے میزبانوں کا حال بھی پوچھ آؤں۔“

یہ سلمان کے دل کی آواز تھی۔ اس نے کہا۔ ”ہاں! بدر یہ عاتکہ اور منصور کے متعلق بہت پریشان ہوں گی۔ لیکن تمہارا پہلا کام ان لوگوں کو ابو یعقوب کے پاس پہنچانا ہے۔ انہیں میری طرف سے یہ پیغام دینا کہ ہم نے ضحاک کو آزاد کر دیا ہے۔ ہمارے لیے ان لوگوں کے تعاون کے بغیر عاتکہ اور منصور کو عتبہ کی قید سے نکالنا ممکن نہ تھا۔ یہ بھی ہو سکتا ہے کہ عاتکہ اور منصور کسی دن اچانک ان کے گھر پہنچ جائیں اور شاید مجھے بھی

واپسی پر ان کی بستی سے گزرنا پڑے۔"

جب یونس اور اس کے ساتھی گھوڑوں پر سوار ہو رہے تھے تو سمیعیہ نے عاتکہ کا ہاتھ چومتے ہوئے کہا۔ "میری بہن! شاید میں دوبارہ آپ کو نہ دیکھ سکوں لیکن میری زندگی کا ہر سانس آپ کے لیے دعاؤں کی خوشبو میں بسا ہوا ہو گا اور میں یہ وعدہ کرتی ہوں کہ ضحاک بھی مرتے دم تک آپ کا احسان نہیں بھولے گا۔"

پھر وہ گھوڑے پر سوار ہو کر اپنے ساتھیوں کے پیچھے چل پڑہ۔

☆☆☆

سلمان کچھ دیر ان کی طرف دیکھتا رہا۔ پھر وہ عبد المنان کی طرف متوجہ ہوا "اب میں آپ سے شہر کے حالات پوچھنا چاہتا ہوں۔ ابو القاسم کی آمد پر شہر میں کوئی نیا ہنگامہ تو نہیں ہوا؟"

"نہیں! شہر میں اس کے سوا اور کوئی قابلِ ذکر بات نہیں ہوئی کہ ابو القاسم نے اپنی قیام گاہ کی بجائے سیدھا الحمرا کا رخ کیا تھا۔ پھر تھوڑی دیر

بعد جب وہ اپنے گھر واپس پہنچا تو وہاں شہر کے سرکردہ غدّار اس کے استقبال کے لیے موجود تھے۔ یہ لوگ شام سے اس وقت کا انتظار کر رہے تھے۔ پھر آدھی رات کے قریب جب میں اپنے ساتھیوں کی ایک خفیہ مجلس سے اٹھ کر واپس آرہا تھا تو آخری اطلاع کے مطابق ابو القاسم کے ہاں اس کے حامیوں کا اجلاس جاری تھا۔ وزیر اعظم کے محافظ دستوں کا ایک افسر ہمارا ساتھی ہے۔ اس کی بدولت ہم وہاں جمع ہونے والے ملّت فروشوں کی فہرست حاصل کر چکے ہیں۔ کوتوال اور حکومت کے چند اور اہل کار بھی اس اجلاس میں شریک تھے لیکن محل پر سخت پہرا تھا۔ اس لیے ابھی تک ہمیں یہ معلوم نہیں ہو سکا کہ اندر کیا مشورے ہو رہے ہیں۔ تاہم مجھے یقین ہے کہ کل تک ہم سے کوئی بات پوشیدہ نہیں رہے گی۔ غدّاروں میں بعض ایسے بھی ہیں جن سے ہمیں بہت کچھ معلوم ہو سکے گا۔"

"اگر کوتوال وہاں موجود تھا تو آپ کو چھوٹے غدّاروں کے پیچھے بھاگنے کی ضرورت نہیں۔"

”آپ اطمینان رکھیں۔ اگر اس کی ضرورت پیش آئی تو ہم اس کا گلا دبوچنے سے بھی دریغ نہیں کریں گے۔ اب آپ گھوڑوں پر سوار ہو جائیں۔ ہمارے کئی اور ساتھی اور فوج کے دو افسر بھی آپ کا انتظار کر رہے ہیں، لیکن اب دروازہ کھلنے والا ہے اور ہمیں ان سے مدد لینے کی ضرورت پیش نہیں آئے گی۔“

پھر وہ رضاکاروں سے مخاطب ہوا۔ ”تم پہلے جا کر گاڑی میں اپنا سامان رکھوادو۔“

رضاکار ایک ایک کر چلے گئے چند منٹ بعد سلمان، منصور اور عاتکہ عبد المنان کے پیچھے پیچھے ہو لیے۔ وہ دروازے سے کوئی پچاس قدم کے فاصلے پر تھے کہ فوجی لباس میں ایک نوجوان بھاگتا ہوا ان کے قریب پہنچا اور اس نے ہاتھ بلند کرتے ہوئے کہا۔

”آپ تھوڑی دور کے لیے سڑک سے ایک طرف ہٹ جائیں!“

”کیوں کیا بات ہے؟“ عبد المنان نے سوال کیا۔

”پریشانی کی کوئی بات نہیں۔ پہرے داروں کو حکم ملا ہے کہ حکومت کے چند اہل کار سینٹا فے جارہے ہے، اس لیے عام لوگوں کو تھوڑی دیر کے لیے روک لیا جائے۔“

سلمان نے دروازے کی طرف دیکھا۔ مسلح آدمی سڑک پر جمع ہونے والے لوگوں کو دائیں بائیں ہٹا رہے تھے۔ پانچ منٹ بعد سرپٹ دوڑنے والے گھوڑوں کی ٹاپ سنائی دی اور آن کی آن میں دس مسلح سوار آگے نکل گئے۔

فوجی افسر نے کہا۔ ”اب آپ اطمینان سے جاسکتے ہیں۔“

عبد المنان نے آگے بڑھتے ہوئے کہا۔ ”میرے خیال میں یہ وہی لوگ ہیں جو رات وزیر اعظم کے محافظ دستے کے ساتھ آئے تھے۔“

چند نوجوان ان کے ساتھ ہو لیے۔ دروازے سے تھوڑی دور آگے دو سوار کھڑے تھے۔ ایک سوار نے اُتر کر عبد المنان کو اپنا گھوڑا پیش کر دیا اور وہ اس پر سوار ہو گیا۔

بدریہ سے ایک اور ملاقات

سعید کو نیم خوابی کی حالت میں کمرے کے اندر کسی کی موجودگی کا احساس ہوا۔

اس نے کروٹ بدل کر آنکھیں کھولیں اور پھر چند ثانیے وہ خواب اور حقیقت کے درمیان امتیاز نہ کر سکا۔ دروازہ کھلا تھا، عاتکہ اور منصور اس کے قریب کھڑے تھے اور ان کی آنکھیں آنسوؤں سے لبریز تھیں۔

"عاتکہ! عاتکہ!!" اس نے لرزتی ہوئی آواز میں کہا اور جلدی سے اٹھ کر دونوں ہاتھ منصور کی طرف پھیلا دیے۔

منصور سسکیاں لیتا ہوا اس سے لپٹ گیا۔ "ماموں جان! ماموں جان!! اب

ہمیں کوئی خطرہ نہیں۔ ہم عمیر سے انتقام لے چکے ہیں۔ وہ قتل ہو چکا ہے۔"

سعید کی نگاہیں عاتکہ کے چہرے پر جمی ہوئی تھیں۔ اس نے منصور کے سر پر ہاتھ پھیرتے ہوئے کہا: "عاتکہ! بیٹھ جاؤ!" وہ اس کے قریب کرسی پر بیٹھ گئی اور اپنا لرزتا ہوا ہاتھ اس کی پیشانی پر رکھ دیا۔

"مجھے بخار نہیں عاتکہ! میں بہت سخت جان ہوں اور اب تو مجھے یہ بھی یقین ہو گیا ہے کہ اپنی عاتکہ کی زندگی میں موت میری طرف دیکھنے کی جرأت نہیں کر سکتی۔"

سعید کے لبوں پر تبسّم تھا لیکن اس کی آنکھیں آنسوؤں سے نم ناک تھیں۔ عاتکہ نے اپنے دوپٹے کے آنچل سے اس کے آنسو پونچھ دیے۔

پھر اچانک سعید نے اس کا خوب صورت ہاتھ پکڑا اور اپنے ہونٹوں سے لگا لیا۔ عاتکہ! میں تمہیں کئی بار خواب میں دیکھ چکا ہوں، اور اب بھی آنکھیں کھولنے سے پہلے میں تمہاری رفاقت میں کہیں جا رہا تھا۔ تم یہاں

کیسے پہنچ گئیں؟ منصور تمہیں کہاں ملا تھا اور عمیر کیسے قتل ہوا؟"

عاتکہ نے جواب دیا۔ "سعید! یہ قدرت کا ایک معجزہ ہے کہ تم اس وقت ہمیں یہاں دیکھ رہے ہو۔ ہم عتبہ کی قید میں تھے۔" منصور نے کہا۔ "ماموں جان! ہمیں چچا سلمان نے اس کی قید سے نکالا ہے۔ عتبہ اپنے گھر میں نہیں تھا، ورنہ وہ اسے بھی زندہ نہ چھوڑتے۔"

"سلمان کہاں ہے؟" سعید نے مُضطرب ہو کر سوال کیا۔

عاتکہ نے جواب دیا۔ "وہ ہمارے ساتھ آئے تھے اور آپ کو دروازے سے ایک نظر دیکھنے کے بعد دوسرے کمرے میں چلے گئے تھے۔"

"مجھے ڈر ہے کہ وہ مجھ سے ملے بغیر نہ چلے جائیں، مجھے ان سے بہت کچھ کہنا ہے۔"

عاتکہ نے کہا۔ "سعید! یہ کیسے ہو سکتا کہ وہ تمہارے متعلق پورا اطمینان حاصل کے بغیر واپس چلے جائیں۔ وہ کہتے تھے کہ میں فرصت کے وقت اطمینان سے باتیں کروں گا۔ اب آپ لیٹ جائیں۔"

منصور ایک طرف ہٹ گیا اور سعید نے عاتکہ کے اصرار پر تکیے پر سر رکھتے ہوئے کہا۔

”عاتکہ !“تمہیں یقین نہیں آئے گا، لیکن گزشتہ شام میں نے صحن کے اندر تین چکر لگائے تھے اور اس وقت تو میں یہ محسوس کرتا ہوں کہ میں مولائے حسن (کوہ سیرانوادا کی بلند ترین چوٹی) کی چوٹی تک بھاگ سکتا ہوں۔“

سعید مسکرا رہا تھا لیکن اچانک اس کے چہرے پر اداسی چھا گئی۔

”عاتکہ !“ اس نے کہا۔ ”مجھے تمام واقعات سناؤ۔ سلمان عجیب آدمی ہے۔ اس نے مجھے یہ بھی نہیں بتایا تھا کہ وہ تمہاری تلاش میں جا رہا ہے۔ بلکہ مجھے ہمیشہ تسلّی دیا کرتا تھا کہ تم بخیریت ہو اور منصور بھی بہت جلد گھر پہنچ جائے گا۔“

عاتکہ نے اپنی قید اور رہائی کے واقعات بیان کر دیے۔ سعید نے منصور سے چند سوال کیے اور کچھ دیر گہری سوچ میں ڈوبا رہا۔ پھر اس نے کہا۔

”عاتکہ ! آج میں تم سے وہ باتیں کرنا چاہتا ہوں جو تمام حالات میں بھی میری زبان پر نہ آتیں۔ مجھے ایسا محسوس ہوتا ہے کہ سعید دو تھے۔ ایک وہ جسے اس ملک اور قوم کی محبت اپنے آپ سے ورثے میں ملی تھی اور اسے اندلس کی آزادی کے لیے جینا اور مرنا سکھایا گیا تھا۔ جسے بچپن سے اندلس کی ایک بہادر اور غیور بیٹی کی نگاہوں کی ہر جنبش یہ پیغام دیا کرتی تھی کہ ہم اس ملک کی آزاد فضاؤں میں سانس لینے کے لیے پیدا ہوئے ہیں۔ یہ میرا وطن ہے اور تم اس کے نگہبان ہو۔ جس سرزمین پر میرے والدین کا خون گرا تھا، اسی سے ہم زندگی کی ہر راحت اور مسرّت چھیننے کا حق رکھتے ہیں۔ لیکن آج میں یہ سمجھتا ہوں کہ سعید مر چکا ہے بلکہ وہ اسی وقت مر گیا تھا، جب اس کے باپ کی لاش ایک ویرانے میں پڑی ہوئی تھی۔“

عاتکہ نے کرب انگیز لہجے میں کہا۔ ”نہیں! نہیں!! سعید ایسی باتیں نہ کرو۔“

”عاتکہ !“ اس نے کہا۔ ”میں نے اپنی بات ختم نہیں کی۔ دوسرا سعید وہ

ہے جو موت کے دروازے پر دستک دینے کے بعد لوٹ آیا ہے اور اب وہ زندہ رہنا چاہتا ہے، عاتکہ جب میں زخموں سے چور تھا اور میری نگاہوں کے سامنے موت کے اندھیروں کے سوا کچھ بھی نہ تھا، میرے دل میں مایوسی، بے چارگی اور ذلّت کے اس مسکن میں چند سانس لینے کی خواہش بھی ختم ہو چکی تھی تو مجھے اچانک ایسا محسوس ہوا کہ تم مجھے آوازیں دے رہی ہو۔ تم یہ کہہ رہی ہو سعید! تم مجھے درندوں کی اس بستی میں چھوڑ کر کہاں جا رہے ہو؟ اور پھر میں نے بے ہوشی کی حالت میں بھی زندگی کا دامن پکڑ رکھا تھا اور جب مجھ کو ہوش آتا تھا تو میں بار بار یہ دعا کیا کرتا کہ کاش! سلمان اندلس چھوڑنے سے پہلے مجھے مل جائے اور موت سے پہلے میں اس سے یہ درخواست کر سکوں کہ تم عاتکہ کو اپنے ساتھ لے جاؤ اندلس کی اس بیٹی کو اپنی قوم کے گناہوں کی سزا میں حصّہ دار نہیں بننا چاہیے۔"

عاتکہ نے رندھی ہوئی آواز میں کہا۔ "سعید! تم کیا کہہ رہے ہو؟ تم یہ کیسے سوچ سکتے تھے کہ میں تمہیں چھوڑ کر چلی جاؤں گی؟"

”مجھے معلوم تھا کہ تم میرا کہا نہیں مانو گی لیکن سلمان کی آمد پر میرے دل میں یہ امید پیدا ہوگئی تھی کہ قدرت نے ہمارے لیے مددگار بھیج دیا ہے اور میں روبہ صحت ہوتے ہی تمہیں قائل کر سکوں گا کہ موجودہ حالات میں تم یہاں نہیں رہ سکتیں۔ جب اندلس کے اندھیرے چھٹ جائیں گے تو تمہیں واپس بلا لیا جائے گا۔ عاتکہ! میں اس بات کا اعتراف کرتا ہوں کہ آج میں اندلس سے زیادہ تمہارے متعلق سوچنے لگا ہوں۔ اس لیے نہیں کہ میرے دل میں اندلس کی محبت ختم ہو چکی ہے بلکہ اگر تم چاہتی ہو کہ تمہارا وہ سعید جسے مسکراتے ہوئے جان دینا سکھایا گیا تھا، اپنا فرض پورا کر سکے۔ تو خدا کے لیے میرا کہا مانو۔ سلمان کا کام غرناطہ میں ختم ہو چکا ہے، اب اگر میرا بس چلا تو میں ایک دن بھی اس کا یہاں ٹھہرنا پسند نہیں کروں گا۔ گزشتہ رات میرے میزبان اور طبیب نے پہلی بار دل کھول کر مجھ سے جو باتیں کی ہیں، وہ سن کر میرا دل گواہی دیتا ہے کہ وہ طوفان جسے ابّا جان روکنا چاہتے تھے، بڑی تیزی سے ہمارے سروں پر آ پہنچا ہے۔ آج اہلِ غرناطہ ایک قوم نہیں بلکہ بھیڑوں کا وہ گلہ ہیں جو بھیڑیوں کو اپنے چرواہے سمجھتا ہے۔ ہمارا عذاب شروع ہو چکا ہے۔ اس

کی آخری حجت اسی دن پوری ہوئی تھی جب ابّا جان شہید کر دیے گئے تھے۔ عاتکہ! کیا تم جانتی ہو کہ یہ عتبہ کون ہے۔ اور اگر خدانخواستہ دشمن نے غرناطہ پر قبضہ کر لیا تو کتنے عتبہ اور پیدا ہو جائیں گے۔ ذرا سوچو! اس وقت تمہیں کن حالات کا سامنا کرنا پڑے گا۔ میں منصور کو بھی تمہارے ساتھ ہی بھیجنا چاہتا ہوں۔ آج سلمان سے میری گفتگو اسی مسئلے پر ہو گی اور مجھے یقین ہے کہ وہ میری درخواست رد نہیں کرے گا۔" عاتکہ نے اچانک نرم ہو کر کہا۔ "اگر تم حکم دو گے تو میں سمندر میں کودنے کے لیے بھی تیار ہو جاؤں گی لیکن ہم دونوں کے خطرات ایک جیسے ہیں اور جس قدر تم میرے بارے میں پریشان ہو اتنا ہی سلمان ہمارے متعلق فکر مند ہے۔ ہم کسی صورت میں بھی تمہیں پیچھے چھوڑ کر نہیں جا سکتے۔ سلمان کہتا تھا کہ تم بہت جلد سفر کے قابل ہو جاؤ گے۔ اگر تم غرناطہ میں فوری خطرہ محسوس کرتے ہو تو ہم دو چار دن کے لیے باہر کوئی جائے پناہ تلاش کر سکتے ہیں۔ جب تم سفر کے قابل ہو جاؤ گے تو ہم پہاڑوں کی طرف نکل جائیں گے پھر جب کسی جگہ پہنچ کر مجھے یہ اطمینان ہو جائے گا کہ اب تمہیں دشمن سے کوئی خطرہ نہیں رہا اور تمہارا اندلس میں رہنا ضروری ہے

تو میں اور منصور افریقہ کے ساحل پر بحیرۂ روم میں کسی جزیرے پر تمہارا انتظار کریں گے۔"

"عاتکہ! خدا سے دعا کرو کہ میں کل ہی روزانہ ہو جاؤں۔ مجھے معلوم ہے کہ غرناطہ میں میرا ٹھہرنا صرف اپنے لیے ہی نہیں بلکہ اپنے ساتھیوں کے لیے بھی خطرناک ہے۔" سعید اٹھ کر دروازے کی طرف بڑھا۔

"آپ کہاں جا رہے ہیں؟" عاتکہ نے پوچھا۔

"میں سلمان سے بات کرنا چاہتا ہوں۔"

"آپ کچھ دیر آرام کر لیں۔"

"منصور تم اندر جا کر خادمہ کو بلا لاؤ۔ وہ انہیں دوسرے کمرے میں لے جائے گی۔"

تھوڑی دیر بعد سعید سلمان کے کمرے میں داخل ہوا۔ اس کے پاس اس

وقت جمیل کے علاوہ ایک اجنبی بیٹھا ہوا تھا۔ وہ اٹھ کر باری باری سعید سے بغل گیر ہوئے۔ جمیل نے اجنبی کا تعارف کراتے ہوئے کہا۔ یہ عبد المالک ہیں۔ ان کا گھر المیریہ کے قریب ہے۔ وہاں سے یہ غرناطہ کے حالات معلوم کرنے اور اپنے والد کے دوستوں سے ملنے آئے تھے۔ المیریہ کی جنگ کے آخری ایام میں ان کے والد المیریہ کے نائب سپہ سالار تھے۔ غرناطہ میں یوسف اور فوج کے کئی افراد انہیں جانتے ہیں۔"

سلمان نے کہا۔ "ابھی آپ کو چلنے سے پرہیز کرنا چاہیے۔"

"بھائی جان! میں بالکل ٹھیک ہوں اور اب طبیب نے مجھے اس پابندی سے آزاد کر دیا ہے۔"

سلمان نے کہا۔ "اچھا آپ تشریف رکھیں۔ میں ابھی فارغ ہو جاتا ہوں۔"

پھر وہ عبد المالک کی طرف متوجہ ہوا۔ اگر آپ کے گاؤں کے شمال میں چند غار بھی ہیں جہاں کبھی خانہ بدوش رہا کرتے تھے اور مغرب کی طرف

ایک چھوٹا سا آبشار ایک گہرے کھڈ میں گرتا ہے جو چند میل نیچے سمندر میں جاملتا ہے تو آپ کو کچھ اور بتانے کی ضرورت نہیں۔ میں آپ کا گاؤں دیکھ چکا ہوں اور وہ پورا علاقہ جہاں میں بچپن میں گھوما کرتا تھا میری نگاہوں کے سامنے ہے۔ اگر ضرورت پڑی تو آپ کا گھر تلاش کرنے میں مجھے کوئی دقّت پیش نہیں آئے گی ورنہ آپ کو یہ اطلاع ضرور مل جائے گی کہ آپ کے ساتھی مجھے کس جگہ مل سکتے ہیں۔ میری طرف سے جو آدمی آپ کے پاس آئے گا وہ آپ کے گاؤں میں اجنبی نہیں ہو گا۔“

”آپ اس کا نام نہیں بتاسکتے؟“

”آپ یوسف سے میری ملاقات کا انتظار کریں۔ پھر کوئی بات آپ سے پوشیدہ نہیں رہے گی!“

سلمان یہ کہہ کر جمیل سے مخاطب ہوا۔ ”تم انہیں بتاؤ میں جتنی جلدی غرناطہ سے روانہ ہو جاؤں اسی قدر بہتر ہے اور سعید کو بھی یہاں سے فوراً نکالنا ضروری ہے۔ اگر وفد کے ساتھ اس کا بھیجا جانا ضروری ہے۔ تو جب

تک وہ لمبے سفر کے قابل نہیں ہوتا، ہم راستے میں کسی جگہ ٹھہر جائیں گے۔"

سعید نے کہا۔ "میں اسی مسئلہ پر آپ سے گفتگو کرنے آیا تھا۔ عاتکہ اور منصور کا معاملہ مجھ سے کہیں زیادہ اہم ہے۔ عتبہ اور اس کے ساتھی ان کی تلاش میں زمین و آسمان ایک کر دیں گے۔ اور اگر غدّاروں نے اچانک دشمن کے لیے غرناطہ کے دروازے کھول دیے تو ان کے لیے فرار کے راستے بند ہو جائیں گے۔ ان حالات میں وہ غرناطہ کی نسبت پہاڑوں کی بستی میں زیادہ محفوظ ہوں گے۔"

سلمان نے کہا۔ "سعید! تم مطمئن رہو۔ میں جہاز پر اس وقت قدم رکھوں گا، جب مجھے عاتکہ اور منصور کے متعلق پورا اطمینان ہو جائے گا اور یہ ہو سکتا ہے کہ آئندہ چند دنوں یا چند گھنٹوں کے حالات ہمیں ایک ساتھ سفر کرنے کی اجازت ہی نہ دیں اور عاتکہ کو تم سے پہلے یا بعد یہاں سے روانہ ہونا پڑے گا۔ پھر یہ بھی ممکن ہے کہ منصور اور عاتکہ کو بھی علیحدہ علیحدہ راستے اختیار کرنے پڑیں۔ آج سہ پہر تک یوسف کے ساتھ میری

ملاقات ہو جائے گی۔ ولید بھی ان کے پاس ہو گا۔ اگر ہم نے اچانک کوئی فیصلہ کیا تو آپ کو اطلاع مل جائے گی۔ میں صرف یہ چاہتا ہوں کہ اگر منصور کو علیحدہ سفر کرنا پڑا یا اسے چند دن کے لیے آپ سے جدا رکھنے کی ضرورت پیش آئی تو آپ پریشان نہیں ہوں گے۔"

سعید مسکرایا۔ "میرا بھانجا ایک آزمائش سے گزر چکا ہے اور اب میری یہ خواہش ہے کہ آپ اسے اپنے ساتھ لے جائیں۔ اسے ایک جہاز ران بننے کا شوق ہے اور میں محسوس کرتا ہوں کہ آنے والے دور میں ترکوں کو ہماری اعانت کے لیے اچھے جہاز رانوں کی ضرورت ہو گی۔"

جمیل نے کہا۔ "جناب! اب ہمیں اجازت دیجیے ابو الحسن یا اس کا نوکر آپ کو ظہر کے وقت مسجد کے دروازے تک پہنچا دے گا اور وہاں آپ کے لیے بگھی کھڑی ہو گی۔ اگر میں خود نہ آیا تو عبدالمنان یا ان رضا کاروں میں سے کسی کو بھیج دیا جائے گا جو ویگا کی مہم میں آپ کے ساتھ گئے تھے۔"

عبد الملک اور جمیل کے بعد سعید بھی کمرے سے نکل آیا اور سلمان اپنے بستر پر لیٹ گیا۔

تھوڑی دیر بعد وہ گہری نیند سو رہا تھا،

☆☆☆

جب سلمان کی آنکھ کھلی تو منصور اس کے بستر کے قریب کھڑا تھا اور اس کے پیچھے ایک لڑکی دبے پاؤں دروازے سے باہر نکل رہی تھی۔ سلمان اس کے لباس کی ہلکی سی ایک جھلک سے زیادہ نہ دیکھ سکا۔

”آؤ منصور!“ اس نے اٹھ کر بیٹھتے ہوئے کہا۔ ”میرا خیال ہے کہ میں بہت سویا ہوں۔“

”اب دوپہر ہونے والی ہے۔ آپّا جان اور ماموں جان دو بار آپ کو دیکھنے آئے تھے۔ آپا عاتکہ کہتی تھیں خدا کرے آپ کی طبیعت ٹھیک ہو۔ ابھی طبیب بھی آئے تھے۔ ان کے ساتھ مہمان بھی تھے۔“

”میں نے نوکریوں کو تاکید کی تھی کہ اگر کوئی شخص میرے بارے میں پوچھتا ہوا آئے تو مجھے فوراً جگادیا جائے۔“

”آپا عاتکہ آپ کو جگانا چاہتی تھیں لیکن طبیب نے منع کر دیا تھا اور مہمان بھی یہ کہتے تھے کہ آپ کو آرام کی ضرورت ہے۔“

”مہمان کہاں ہیں؟“

”وہ یہیں ہیں۔ میں انہیں اطلاع دیتا ہوں۔“ منصور بھاگ کر باہر نکل گیا۔

ایک نوکر نے دروازے سے جھانکتے ہوئے کہا۔ ”جناب کھانا لے آؤں؟“

”لے آؤ!“ نوکر واپس چلا گیا۔

سلمان کو غرناطہ آنے کے بعد پہلی بار بھوک محسوس ہو رہی تھی۔ وہ ہاتھ منہ دھونے اور لباس تبدیل کرنے کے بعد کرسی پر بیٹھ گیا اور تھوڑی دیر

بعد نوکر نے کھانے کا طشت لا کر اس کے سامنے تپائی پر رکھتے ہوئے کہا۔

”جناب! اب بہت دیر ہو گئی، میں صبح ناشتے کے لیے بلانے آیا تھا لیکن آپ سو رہے تھے۔“

سلمان نے کہا۔ ”شاید کوئی مہمان مجھ سے ملنا چاہتے تھے۔ وہ چل تو نہیں گئے؟“

”نہیں جناب! مہمان یہیں ہیں۔ وہ یہ کہتے ہیں کہ آپ ملاقات سے پہلے اطمینان سے کھانا کھالیں۔“

سلمان کو عبد المنان یا اس کی طرف سے کسی ایلچی کے علاوہ عثمان کا انتظار تھا۔ اس نے جلدی جلدی کھانا ختم کر کے نوکر کو آواز دی۔ پھر اچانک اسے ایسا محسوس ہوا کہ وہ ایک خواب دیکھ رہا ہے۔ بدریہ اپنی بیٹی کے ہاتھ میں ہاتھ دیے کمرے کے اندر داخل ہوئی۔ سلمان چند ثانیے پھٹی پھٹی آنکھوں سے ان کی طرف دیکھتا رہا اور پھر اچانک اس کی آنکھیں جھک گئیں۔

اسماء جھجکتی ہوئی آگے بڑھی۔

"امّی جان کہتی ہیں کہ ہم نے آپ کو بہت تکلیف دی ہے۔"

سلمان پیار سے اس کے سر پر ہاتھ پھیرتے ہوئے بدریہ سے مخاطب ہوا۔ "تشریف رکھیے! مجھے ابھی تک یقین نہیں آیا کہ آپ یہاں پہنچ گئی ہیں۔ عثمان آپ سے ملا تھا؟"

"ہاں! لیکن اگر وہ میرے پاس نہ بھی آتا تو بھی میں یہاں آنے کا پکا ارادہ کر چکی تھی۔ مجھے بار بار یہ خیال آ رہا تھا کہ اگر آپ کو اچانک واپس جانا پڑا تو شاید ہم آپ کو دوبارہ نہ دیکھ سکیں۔" "یہ تو ہو سکتا تھا کہ حالات مجھے اچانک واپسی پر مجبور کر دیتے لیکن آپ کو خدا حافظ کہے بغیر اندلس سے رخصت ہونا میرے لیے ایک بہت بڑی آزمائش ہوتی۔ اور پھر مجھے آخری دم تک یہ امید رہتی کہ کسی دن واپس ضرور آؤں گا۔"

وہ کچھ دیر خاموش بیٹھے رہے۔ پھر بدریہ نے گفتگو کا موضوع بدلتے ہوئے کہا۔ "میں عاتکہ اور منصور کے متعلق بہت مُضطرب تھی۔ جعفر ہر روز

میرے پاس آتا تھا۔ اگر میں اسے منع نہ کرتی تو وہ شاید ویگا پر حملہ کرنے سے بھی دریغ نہ کرتا۔ آج گھر سے روانہ ہوتے وقت میں نے اسے تسلّی دینے کے لیے گاؤں کے ایک آدمی کو بھیج دیا تھا اور ہاں!" بدریہ نے جلدی سے جیب میں ہاتھ ڈال کر ایک کاغذ اور ایک انگوٹھی جو ریشم کے باریک رومال میں بندھی ہوئی تھی، نکال کر سلمان کو پیش کرتے ہوئے کہا۔ "عثمان یہ خط اور انگوٹھی بذاتِ خود آپ کو پیش کرنا چاہتا تھا لیکن تھوڑی دیر انتظار کرنے کے بعد اس نے یہ امانت مجھے سونپ دی تھی۔"

سلمان نے جلدی سے کاغذ پر مختصر سی تحریر پڑھتے ہوئے کہا۔ "آپ نے یہ خط پڑھا ہے؟"

"ہاں! میرا خیال تھا کہ اگر کوئی اہم بات ہو تو آپ کو فوراً جگا دیا جائے۔ معلوم ہوتا ہے کہ ضحاک کے ذہن میں کافی انقلاب آ چکا ہے۔ میں انگوٹھی پر عتبہ کا نام بھی پڑھ چکی ہوں۔"

سلمان نے رومال سے انگوٹھی کھول کر دیکھتے ہوئے کہا۔ "میرا خیال ہے

کہ اس رضاکارانہ پیش کش کی بڑی وجہ اس کی بیوی ہے۔“

”ہاں! عثمان کہتا تھا کہ وہ اسے دیکھ کر رو پڑا تھا اور ابو یعقوب سے کہتا تھا کہ ایسے آدمی کے لیے میں اپنی جان دینے کے لیے تیار ہوں۔“

”اس انگوٹھی کی بدولت ہم کوتوال کے گلے میں پھندا ڈال سکتے ہیں۔“

بدریہ نے مُضطرب ہو کر کہا۔ ”خدا کے لیے! کوتوال کا مسئلہ ان لوگوں پر چھوڑ دیجیے جو اس کے ساتھ زیادہ آسانی سے نبٹ سکتے ہیں۔ مجھ سے وعدہ کیجیے کہ آپ آئندہ ان ساتھیوں کے مشورے کے بغیر کوئی قدم نہیں اٹھائیں گے جن کے لیے آپ ایک بہت بڑا سہارا بن چکے ہیں۔“

سلمان نے کہا۔ ”آپ فکر نہ کریں! آج تیسرے آدمی سے میری ملاقات ہو رہی ہے اور میں وعدہ کرتا ہوں کہ اس کی ہدایات کے خلاف کوئی قدم نہیں اٹھاؤں گا۔“

”تیسرا آدمی! مجھے یقین ہے کہ وہ آپ کو غلط مشورہ نہیں دے سکتا۔ آپ کو معلوم ہے کہ وہ کون ہے؟“

”ابھی تک ہماری ملاقات نہیں ہوئی، لیکن اب میں اس سے متعلق بہت کچھ جانتا ہوں۔ اس کا نام یوسف ہے اور وہ موسیٰ بن ابی غسان کے نامور سالاروں میں سے ایک تھا۔“

بدریہ مُسکرائی۔ ”مجھے یقین تھا کہ وہ یوسف کے سوا اور کوئی نہیں ہو سکتا۔ وہ ماموں جان کا دوست ہے اور بچپن میں مَیں اور ولید ان کے گھر میں کھیلا کرتے تھے۔ ان کی بیوی مجھ سے بہت پیار کرتی تھی۔ جنگ کے دوران ان کا اکلوتا لڑکا شہید ہو گیا تھا۔“

وہ چند ثانیے خاموش رہے۔ پھر سلمان نے مغموم لہجے میں کہا۔ ”بدریہ مجھے ایسا محسوس ہوتا ہے کہ میری روانگی کا وقت قریب آ چکا ہے۔ ممکن ہے کہ میں کسی وجہ سے یہاں واپس نہ آ سکوں۔ میں آپ سے بہت کچھ کہنا چاہتا تھا لیکن اس وقت اپنے جذبات کی ترجمانی کے لیے میں جو الفاظ سوچ سکتا ہوں وہ ایک مختصر سی دعا پر ختم ہو جاتے ہیں۔“

”بدریہ!“ وہ پہلی بار اسے اس کے نام سے پکار رہا تھا۔ ”میں اللہ سے دعا

کرتا ہوں کہ وہ تمہارا حامی و ناصر ہو! اور کسی دن میں تمہارے پاس یہ پیغام لے کر آؤں کہ اندلس کی کشتی گرداب سے نکل چکی ہے۔ ماضی کے اندھیرے چھٹ چکے ہیں اور صبح کا سورج نمودار ہو رہا ہے۔" اسماء نے کہا۔ "چچا جان! اگر آپ اچانک واپس چلے گئے تو میں ہر روز آپ کا انتظار کیا کروں گی اور دوبارہ آنے پر آپ کو کبھی واپس نہیں جانے دوں گی۔"

بدریہ نے سلمان طرف دیکھا اور آنکھوں میں آنسو لاتے ہوئے کہا۔

"کبھی کبھی میں یہ محسوس کرتی ہوں کہ شاید ہمارے لیے دعاؤں کا وقت گزر چکا ہے۔ میں نے سنا ہے کہ قیامت کے دن کوئی کسی کا پرسانِ حال نہیں ہو گا۔ بہنیں اپنے بھائیوں کو بھی نہیں پہچان سکیں گی اور مائیں اپنے بچوں کی چیخوں سے کان بند کر لیں گی۔ خدا کرے کہ یہ عذاب ٹل جائے ورنہ ہم پر جو دور آنے والا ہے وہ قیامت سے کم نہیں ہو گا۔ لیکن اس کے باوجود میں محسوس کرتی ہوں کہ جب ہمارے سامنے مایوسی کے اندھیروں کے سوا کچھ نہیں ہو گا تو بھی نگاہیں آپ کو تلاش کیا کریں گی۔ اور جب موت کے خوف سے ہمارے ذہن ماؤف ہو جائیں گے اور ماضی

ایک خواب بن کے رہ جائے گا تو شاید اس وقت بھی میں اس کو تسلیاں دیا کروں گی کہ کسی دن ایک بہادر اور شریف انسان ہمارا حال پوچھنے آئے گا۔"

ابو نصر کمرے میں داخل ہوا۔ وہ سب تعظیم کے لیے کھڑے ہو گئے۔ اس نے آگے بڑھ کر سلمان سے مصافحہ کرتے ہوئے کہا۔ "آپ تشریف رکھیں۔ صبح میں آپ کو دیکھنے آیا تھا تو آپ سو رہے تھے۔ میں آپ کو مبارکباد پیش کرتا ہوں۔ مجھے معلوم ہوا ہے کہ آپ کو یوسف نے بلایا ہے۔"

"جی ہاں! میں تھوڑی دیر تک ان کے پاس جا رہا ہوں۔۔۔۔۔۔۔۔۔ اور آپ سے یہ پوچھنا چاہتا ہوں کہ سعید کب تک سفر کے قابل ہو جائے گا۔"

ابو نصر نے جواب دیا۔ "اگر کوئی معمولی سفر ہو تو وہ تین چار دن تک گھوڑے پر سواری کے قابل ہو جائے گا لیکن لمبے سفر کے لیے اس چند

دن اور آرام کرنے کی ضرورت ہے۔ اس کا ایک زخم ابھی تک اچھی طرح مندمل نہیں ہوا۔“

سلمان نے کہا۔ ”میرا مطلب ہے کہ اگر مجبوری کی حالت میں اسے اچانک سفر کی ضرورت پیش آجائے تو گھوڑے پر چند میل سفر کرنے میں اسے زیادہ خطرہ تو نہیں؟“

”مجبوری کی حالت میں ہمیں ہر خطرہ مول لینا پڑتا ہے لیکن اگر سفر ایسا ہو کہ اسے گھوڑا دوڑانے کی ضرورت پیش نہ آئے تو اس میں پریشانی کی کوئی بات نہیں۔ صرف احتیاط کی ضرورت ہے۔ آج اس کی حالت بہتر ہے۔ تاہم ابھی وہ بہت کمزور ہے۔“

”ہماری کوشش یہی ہو گی کہ اسے زیادہ سے زیادہ آرام کا موقع دیا جائے لیکن ناگزیر حالات میں یہ ایک مجبوری ہو گی۔ اس لیے میں یہ چاہتا ہوں کہ جو ادویات اس کے لیے ضروری ہیں وہ سفر کے دوران ہمارے پاس موجود ہوں۔“

ابو نصر نے کہا۔ ”اس کے لیے یہ ادویات اور مرہم پٹّی کے سامان کی تھیلی ہر وقت تیار ہو گی اور اسے ضروری ہدایات بھی مل جائیں گی۔“

سلمان نے کہا۔ ”میں آپ کا شکر گزار ہوں۔ آپ نے میرے دل کا بوجھ کچھ ہلکا کر دیا ہے۔“

ابو نصر نے کہا۔ ”اگر ولید سے آپ کی ملاقات ہو تو اسے تاکید کر دیجیے کہ فی الحال اس کے لیے اب کسی اور دوست کی بجائے یوسف کا گھر ہی زیادہ محفوظ ہو جائے گا۔“

ابو الحسن دروازے پر دستک دینے کے بعد کمرے میں داخل ہوا اور اس نے سلمان سے کہا۔ ”جناب! عصر کا وقت ہونے والا ہے۔ اس لیے آپ تیار ہو جائیں۔“

ابو نصر نے کہا۔ ”بیٹا! تمہیں ان کے ساتھ جاتے ہوئے بہت احتیاط سے کام لیا چاہیے۔“

”ابّا جان! آپ فکر نہ کریں۔“

نصف ساعت کے بعد سلمان ایک رضاکار کے ساتھ بگھی پر سوار ہو چکا تھا۔

تیسرا آدمی

بگھی ایک مکان کی ڈیوڑھی کے سامنے رُکی اور سلمان کے ساتھی نے کہا۔

”اب آپ اتر کر سیدھے اندر چلے جائیں۔ڈیوڑھی پر آپ کو کسی تعارف کی ضرورت پیش نہیں آئے گی۔“ سلمان بگھی سے اتر کر ڈیوڑھی کی طرف بڑھا۔

اچانک ولید نمودار ہوا اور اس نے آگے بڑھ کر گرم جوشی سے مصافحہ کرتے ہوئے کہا۔

”آیئے! وہ اندر آپ کا انتظار کر رہے ہیں۔پہلے آپ ان سے ملاقات کر لیں پھر ہم باتیں کریں گے!“

وہ ایک وسیع صحن، جس کے ایک طرف دیوان خانہ تھا اور دوسری طرف اصطبل، عبور کر کے مکان کے اندرونی حصے میں داخل ہوئے۔"

تھوڑی دیر بعد سلمان نچلی منزل کے ایک کمرے میں یوسف کے سامنے کھڑا تھا۔ "میں تیسرا آدمی ہوں۔" اس نے اٹھ کر ہاتھ ملاتے ہوئے کہا۔ "کاش ہماری ملاقات چند ماہ پہلے ہو جاتی! اور پھر وہ ایک دوسرے سے بغل گیر ہو گئے۔"

یوسف کا قد سلمان سے قدرے نکلتا ہوا تھا۔ کشادہ سینے اور مضبوط اعضاء کا یہ آدمی جس کی داڑھی کے نصف بال سفید ہو چکے تھے، اب بھی کشیدہ قامت جوان معلوم ہوتا تھا۔ اس کا چہرہ قدرے لمبوترا اور پتلا تھا۔ گہری چمک دار آنکھیں ذہانت اور جرات کی آئینہ دار تھیں۔

سلمان کو میز کے قریب ایک کرسی پر بٹھانے کے بعد اس نے ولید کی طرف دیکھا اور کہا۔ "اب تم دیوان خانے میں مہمانوں کا خیال رکھو۔ وہ تھوڑی دیر تک پہنچ جائیں گے اور عبد الملک سے یہ کہتے جاؤ کہ وہ جلدی

سے اپنا کام ختم کر کے یہاں آجائے۔"

ولید باہر نکل گیا اور یوسف میز کے پیچھے اپنی کرسی پر بیٹھتے ہوئے سلمان سے مخاطب ہوا۔ "مجھے افسوس ہے کہ میری وجہ سے آپ کا بہت سا قیمتی وقت ضائع ہو چکا ہے۔"

سلمان نے جواب دیا۔ "میرے لیے یہ سمجھنا مشکل نہیں تھا کہ آپ کس قدر مصروف ہیں مگر مجھے اس بات پر حیرت ہو رہی ہے کہ آپ نے مجھے گھر بلایا ہے اور وہ بھی ایسے وقت میں جب کہ حکومت کے جاسوس یہاں آنے والے ہر آدمی کو اچھی طرح دیکھ سکتے ہیں۔ میرا خیال تھا کہ ہر لمحے بدلتے ہوئے حالات نے آپ کو اور زیادہ محتاط کر دیا ہو گا۔"

یوسف نے کہا۔ "تازہ حالات بتا رہے ہیں کہ اب ہم احتیاط کی ہر منزل سے آگے جا چکے ہیں۔ آپ کو میرے متعلق کوئی خوش فہمی نہیں ہونی چاہیے۔ میں ان بدنصیب لوگوں میں سے ہوں جو صحیح وقت پر غلط اور غلط وقت پر صحیح فیصلے کرتے ہیں۔ جب الحمرا میں متارکہ جنگ کا فیصلہ ہو رہا تھا

تو مجھے آخری وقت تک اس بات کا یقین تھا کہ موسیٰ بن ابی غسان کی
تقریر بے اثر ثابت نہیں ہو گی۔ پھر جب انہوں نے غرناطہ کے اکابر سے
مایوس ہو کر شہادت کا راستہ اختیار کیا تو میں نے فوج سے علیحدگی اختیار کر
لی۔ مجھے مرتے دم تک اس بات کا ملال رہے گا کہ میں آخری وقت تک
ان کے ساتھ کیوں نہیں تھا۔ اور پھر جب حامد بن زہرہ نے اچانک غرناطہ
سے نکل جانے کا فیصلہ کیا تو میری ذاتی کارگزاری کا نتیجہ اس کے سوا کچھ نہ
تھا کہ وہ غرناطہ سے چند میل دور شہید کر دیے گئے تھے۔ سعید کو بچانے
کے لیے حملہ آوروں کو اپنے پیچھے لگا لینا کوئی ایسا کارنامہ نہیں تھا، جس پر
میں فخر کر سکوں۔ اگر میں ہوش سے کام لیتا تو جب اس کے والد البسین
کے چوراہے میں تقریر کر رہے تھے۔ اس وقت فوج کو یہ سمجھانے کی
ضرورت تھی کہ موسیٰ کے بعد حامد تمہاری آخری امید ہے اور اس کی
حفاظت تمہاری اوّلین ذمہ داری ہے۔۔۔ ان کی حفاظت کے لیے
سینکڑوں رضاکار بھی بھیجے جاسکتے تھے لیکن ہم اس خوش فہمی میں مبتلا تھے
کہ اگر وہ خاموشی سے نکل جائیں تو کوہستان میں چند دن ان کی سرگرمیاں
خفیہ رہ سکیں گی اہلِ غرناطہ کو تیاری کا موقع مل جائے گا۔ کاش! اس وقت

ہم میں سے کوئی یہ سوچ سکتا کہ ہمارے دشمن ہم سے کہیں زیادہ بیدار ہیں۔"

"اور جب ولید نے مجھے آپ کے متعلق بتایا تھا تو میں نے بہت سی امیدیں آپ سے وابستہ کر لی تھیں۔ یہی وجہ تھی کہ میں آپ کو ہر خطرے سے دور رکھنا چاہتا تھا۔ گزشتہ رات اگر مجھے بر وقت یہ معلوم ہو جاتا کہ آپ ایک خطرناک مہم پر جا رہے ہیں تو میں یقیناً آپ کو روکنے کی کوشش کرتا لیکن یہ میری ایک اور غلطی ہوتی۔"

سلمان نے کہا۔ "آپ ٹھیک کہتے ہیں! اس مہم کا نتیجہ میری توقع کے خلاف بھی ہو سکتا تھا لیکن یہ باتیں ماضی سے تعلق رکھتی ہیں۔۔۔ میں پوچھنا چاہتا ہوں کہ مستقبل کے بارے آپ نے کیا سوچا ہے؟"

یوسف نے مغموم لہجے میں جواب دیا "کاش ہمیں سوچنے اور فیصلہ کرنے کا اختیار ہوتا لیکن آپ کو میں زیادہ دیر پریشان نہیں کروں گا۔۔۔ اب ہمارا اوّلین مسئلہ یہ ہے کہ آپ جلد از جلد یہاں سے روانہ ہو جائیں۔"

”جن قبائلی رہنماؤں کو آپ غرناطہ میں جمع کر رہے تھے، انہوں نے کیا فیصلہ کیا ہے؟“

”وہ صرف اسی صورت میں کوئی فیصلہ کر سکتے ہیں، جب انہیں فوج کی طرف سے کوئی یقین دہانی ہو اور فوج کی یہ حالت ہے کہ وہ کبھی غرناطہ کے عوام کی طرف دیکھتی ہے اور کبھی ابو القاسم کو ہی اپنا آخری سہارا سمجھ لیتی ہے۔“

”ابو القاسم کو؟“

”ہاں! جب کسی قوم کے ذہنی اور جسمانی قویٰ مفلوج ہو جاتے ہیں تو وہ اپنی اجتماعی قوّت کو از سرِ نو بروئے کار لانے کی بجائے کسی ہوشیار آدمی کا سہارا لیتی ہے۔ ابو القاسم نے اپنے سابقہ کردار کے باوجود دِلوں میں یہ تاثر پیدا کر دیا ہے کہ وہ اندلس کا ہوشیار ترین آدمی ہے اور یہ ایک عام آدمی کے ہی تاثرات نہیں بلکہ سنجیدہ لوگ بھی یہ سوچتے ہیں کہ وہی ایک آخری دیوار ہے جو ہمارے اور ہلاکت خیز طوفان کے درمیان حائل ہے۔ اس

کے بغیر ہمارے قیدی واپس نہیں آسکتے اور اس نے سینٹافے کا راستہ کھلوا کر ہمیں بھوکوں مرنے سے بچالیا ہے۔“

حامد بن زہرہ کی آمد پر اس کے خلاف اضطراب کی ایک لہر اٹھی تھی۔ لیکن اب یہ حالت ہے کہ جو لوگ اسے جانتے اور سمجھتے ہیں، ان میں سے بھی کئی ایسے ہیں جنہیں آپ یہ کہتے ہوئے سنیں گے کہ ہمارے پاس دشمن کی فوجی طاقت کا جواب اور کون ہے؟ یہ لوگ ابو عبداللہ کو تو کھلے بندوں گالیاں دیتے ہیں لیکن ابو القاسم پر نکتہ چینی کی جرأت نہیں کرتے۔“

”لیکن میرا خیال ہے کہ قبائل کے مجاہد ابو القاسم کے متعلق خوش فہمی میں مبتلا نہیں ہوسکتے!“

یوسف نے جواب دیا۔ ”قبائل کے تیس سردار غرناطہ پہنچ چکے ہیں اور ان کی اکثریت ہمارے ساتھ متفق ہے لیکن ابو القاسم بھی ان سے غافل نہیں تھا۔۔۔ اس نے بھی چند سر کردہ لوگوں کو یہاں بلا کر حریت

پسندوں کا اثر زائل کرنے کی مہم شروع کر دی ہے۔ یہ ہماری ایک اور غلطی تھی کہ ہم نے قبائلی نمائندوں کے اجتماع کے لیے غرناطہ کی بجائے پہاڑوں میں کوئی جگہ منتخب نہیں کی اور یہاں بلا کر غدّاروں کو ان کے دلوں میں شکوک و شبہات پیدا کرنے کا موقع مہیا کر دیا۔"

"پرسوں رات حکومت کے جاسوس الفجارہ کے چار سادہ دل سرداروں کو ورغلا کر ابو القاسم کے پاس لے گئے تھے۔ ان کی نیت بری نہ تھی۔ وہ اپنے ساتھیوں کو یہ بتا کر گئے تھے کہ ہم ابو القاسم کو راہِ راست پر لانے کی کوشش کریں گے لیکن اس ملاقات کا نتیجہ یہ ہوا کہ انہوں نے واپس آکر کئی اور ساتھیوں کو تذبذب میں ڈال دیا ہے۔"

"اس کی منطق ہمیشہ یہ ہوتی ہے کہ میں اپنی قوم کا دشمن کیونکر ہو سکتا ہوں۔ آپ نے یہ کیسے سمجھ لیا ہے کہ جب آپ جنگ کے لیے تیار ہو جائیں گے تو میں آپ کو روکنے کی کوشش کروں گا۔ لیکن کوئی قدم اٹھانے سے پہلے آپ کو پوری حقیقت پسندی کے ساتھ اپنی کامیابی کے امکانات کا جائزہ لینا ہو گا۔"

”میرے دوست!“ یوسف نے چند ثانیے سوچنے کے بعد کہا۔ ”آج میں آندھی کے ابتدائی جھونکے محسوس کر رہا ہوں۔ اس لیے میں نے غرناطہ کے اکابر اور چند قبائلی سرداروں سے براہِ راست اپیل کی ضرورت محسوس کی ہے۔ میرا دل گواہی دیتا ہے غدّار ہماری توقع سے پہلے غرناطہ کی قسمت کا فیصلہ کر دیں گے۔ ان میں سے چند آدمی یہاں آ چکے ہیں اور باقی تھوڑی دیر تک پہنچ جائیں گے۔“

”ان لوگوں سے میری گفتگو بہت مختصر ہو گی۔۔۔۔ پہلے میری خواہش تھی کہ وہ غرناطہ میں جمع ہو جائیں لیکن اب میری کوشش یہ ہے کہ اور وہ فوراً اپنے اپنے علاقے میں پہنچ جائیں۔“

”میں نے اسی امید پر آپ کو یہاں روکنے کی کوشش کی تھی کہ آپ ترکوں کی طرف سے انہیں کوئی امید افزا پیغام دے سکیں گے۔ لیکن حکومت اس قدر چوکس ہے کہ اب میں کسی اجتماع میں بھی آپ کی شرکت مناسب نہیں سمجھتا۔۔۔۔۔ میں جو باتیں آپ سے کہلوانا چاہتا تھا، اب وہ مجھے اپنی طرف سے کہنی پڑیں گی۔“

”خوش قسمتی سے المریہ کا ایک ذہین اور بہادر سپاہی یہاں پہنچ گیا ہے اور میں نے اسے آپ کے پاس اس لیے بھیجا تھا کہ آپ ایک دوسرے سے اچھی طرح متعارف ہو جائیں۔ اب نے ہماری بحری فوج کے تجربہ کار افسروں کا ایک گروہ اپنے علاقے سے جمع کر کے آپ کے ساتھ روانہ کرنے کی ذمہ داری قبول کی ہے۔ یہاں سے جو چند آدمی روانہ ہوں گے وہ مختلف راستوں سے جائیں گے۔ عبد الملک دوسرے کمرے میں بیٹھا ان کے لیے ضروری ہدایات لکھ رہا ہے۔ اس کے بعد آپ کے ساتھ اس کی تفصیلی گفتگو ہو گی۔“

”لیکن!“ سلمان نے قدرے مُضطرب ہو کر کہا۔ ”آپ نے سعید کے متعلق کیا سوچا ہے؟“

یوسف نے اطمینان سے جواب دیا۔ ”میرے بھائی! آپ اس وقت جن اُلجھنوں کا سامنا کر رہے ہیں، میں ان سے غافل نہیں ہوں۔۔۔۔۔۔ مجھے معلوم ہے کہ آپ سعید، عاتکہ اور خالد بن زہرہ کے نواسے کو چھوڑ کر یہاں سے نہیں جا سکتے۔ انہیں واقعی یہاں بہت خطرہ ہے۔ لیکن سعید

ابھی سفر کے قابل نہیں ہوا۔“

سلمان نے کہا۔ ”لیکن میرا خیال ہے کہ وہ غرناطہ کے سوا ہر جگہ زیادہ محفوظ ہو گا۔ اگر اسے جلد ہی بھیج دیا جائے تو راستے میں اس کے لیے کوئی موزوں جائے پناہ تلاش کی جاسکتی ہے۔“

یوسف نے کہا۔ ”مسئلہ اس کے لیے جائے پناہ تلاش کرنا نہیں، بلکہ وفد کے ساتھ باہر بھیجنا ہے۔ اب ہم غرناطہ میں اس سے کوئی کام لینے کا موقع کھو چکے ہیں۔ لیکن وفد میں اہلِ غرناطہ کے ترجمان کی حیثیت سے اس کی شرکت بہت مؤثر ثابت ہو سکتی ہے۔ میں عبد الملک اور ولید سے اس موضوع پر گفتگو کر چکا ہوں۔ میری رائے بھی یہی ہے کہ آپ کو ان کے ساتھ یہاں سے روانہ ہونے کی بجائے ساحل کے قریب کسی محفوظ جگہ پہنچ کر ان کا انتظار کرنا چاہیے۔ ہم کوشش کریں گے کہ وہ جلد از جلد آپ سے جاملیں۔“

سلمان نے کہا۔ ”اگر آپ ان کی حفاظت کی ذمہ داری لیتے ہیں تو پھر مجھے

یہاں سے روانہ ہونے میں دیر نہیں لگنی چاہیے۔"

یوسف نے کہا۔ "میں وفد کے ارکان کو آپ سے متعارف کرانے کے بعد کوئی فیصلہ کروں گا!" اور پھر اس نے ایک گہری سانس لیتے ہوئے کہا۔ "میرے بھائی! میرا دل گواہی دیتا ہے کہ میں عنقریب کوئی بری خبر سننے والا ہوں۔ گزشتہ دو دن سے مجھے اپنے گھر میں قدم رکھنے کا موقع نہیں ملا۔ میں اپنے فوجی دوستوں اور بعض سرداروں کے ساتھ خفیہ ملاقاتوں میں مصروف رہا ہوں۔"

"مجھے ایک دوست کے ہاں اطلاع ملی تھی کہ آپ ایک خطرناک مہم پر جا چکے ہیں۔ اس لیے مجھے ساری رات آنکھوں میں کاٹنی پڑی۔ اگر صبح چند اہم شخصیتوں سے ملاقات کرنا ضروری نہ ہوتا تو جمیل کو عبدالملک کے گھر بھیجنے کی بجائے میں بذاتِ خود وہاں پہنچ جاتا۔ اب گھر پہنچتے ہی مجھے یہ معلوم ہوا ہے کہ میری غیر حاضرہ میں الحمرا سے دو پیغامات آ چکے ہیں۔ صبح شاہی محل کے ناظم کا پیغام آیا تھا اور بیگم صاحبہ وہاں چلی گئی تھیں۔ انہوں نے یہ پیغام بھیجا تھا کہ میں گھر آتے ہی الحمرا پہنچ جاؤں۔ سلطان کی

والدہ مجھ سے ملنا چاہتی ہیں۔ زندگی میں یہ پہلا موقع ہے کہ مجھے ان کے پاس جانے سے گھبراہٹ محسوس ہو رہی ہے۔ اگر وہ میری بیوی کو ان کی والدہ کی معرفت الحمرا بلوا کر خط لکھوانے کی بجائے مجھے براہِ راست حکم دیتیں تو میں اس قدر پریشان نہ ہوتا۔۔۔۔ اب وہاں جانے سے پہلے میں یہ اطمینان چاہتا ہوں کہ اگر مجھے دیر ہو جائے یا کسی وجہ سے مجھے وہاں روک لیا جائے تو ہمارے ساتھی اپنے حصے کی ذمہ داریاں پوری کریں گے۔ اس لیے میں نے اپنی بیوی کو یہ جواب لکھ دیا ہے کہ میں شام تک حاضر ہو جاؤں گا۔"

☆☆☆

عبد الملک کمرے میں داخل ہوا اور اس نے یوسف کے سامنے میز پر چند کاغذات رکھتے ہوئے کہا۔

"جناب! میں نے غرناطہ سے المریہ تک تمام راستوں کے تین نقشے بنا دیے ہیں۔ جہاں تک مجھ سے ممکن ہو سکا میں نے اپنی یادداشت کے مطابق ان

سب مقامات پر نشانات لگا دیے ہیں جہاں کوئی خطرہ پیش آ سکتا ہے یا آس پاس کی بستیوں سے کوئی اعانت مل سکتی ہے۔ چوتھا نقشہ جو میں نے آپ کے حکم کے مطابق سلمان کے لیے تیار کیا ہے، زیادہ مفصل ہے اور اس کے ساتھ میں نے راستے کے تمام مراحل کی تفصیلات کے علاوہ ان با اثر لوگوں کے نام بھی لکھ دیے ہیں جنہیں ان کی روانگی سے پہلے آگاہ کرنے کی ضرورت ہے۔"

یوسف نے تین نقشے اور ان کے ساتھ منسلک کاغذات دیکھ کر ایک طرف رکھ دیے۔ پھر چوتھا نقشہ سامنے رکھ کر قلم اٹھایا اور اس میں کچھ ردّوبدل کرنے کے بعد سلمان کو پیش کرتے ہوئے کہا۔

"یہ نقشہ آپ اچھی طرح دیکھ لیں! ہو سکتا ہے کہ آپ کو اس نقشے کی ضرورت پیش نہ آئے اور غرناطہ سے آگے دوسری یا تیسری منزل پر آپ سب ایک ہی راستے پر جمع ہو جائیں۔ لیکن خطرے کی صورت میں آپ کو اس نقشے سے مدد لینے کی ضرورت پیش آئے گی۔ یہ راستہ طویل بھی ہے اور دشوار گزار بھی۔ لیکن ہم یہ چاہتے ہیں کہ دشمن کے جاسوس

آپ پر شک بھی نہ کریں اور کسی غیر متوقع خطرے کی صورت میں آپ کو مدد بھی مل سکے۔ آپ کے ساتھ جانے والے تھوڑی دیر تک یہاں پہنچ جائیں گے۔ اگر میں ان کی موجودگی میں الحمرا سے واپس آ گیا تو انہیں مزید ہدایات دے سکوں گا۔ بصورتِ دیگر کسی اور تجربہ کار افسر کو بھیج دیا جائے گا۔"

عبدالملک نے سلمان سے مخاطب ہو کر کہا۔ "اس نقشے میں صرف المریہ کا راستہ دکھایا گیا ہے لیکن اگر آپ مجھے یہ بتائیں کہ آپ ساحل کے کس مقام سے جہاز پر سوار ہوں گے تو میں آپ کے لیے آس پاس کے علاقے کا نشیب و فراز اور دُشمن کی ساحلی چوکیوں کا نقشہ بھی تیار کرا سکتا ہوں۔"

سلمان مسکرایا۔ "المیریہ سے لے کر مالقہ تک کے تمام ساحلی علاقے کو میں اپنے ہاتھ کی لکیروں کی طرح جانتا ہوں۔ لیکن اگر آپ ساحل پر دُشمن کی نئی چوکیوں اور اڈوں کی نشاندہی کر دیں تو ہم ان سے بہت فائدہ اٹھا سکیں گے۔" عبید کمرے میں داخل ہوا اور اس نے کہا۔ "جناب وہ سب آ گئے ہیں اور قلعے سے ایک افسر بھی آپ سے فوری ملنا چاہتا ہے۔ وہ

کہتا ہے کہ میں کمان دار کی طرف سے ایک ضروری پیغام لایا ہوں۔"

"اسے لے آؤ۔"

"تشریف رکھیے۔" ولید نے کمرے سے باہر نکل کر آواز دی۔

☆☆☆

چند ثانیے بعد ایک فوجی افسر کمرے میں داخل ہوا اور اس نے سلام کرنے کے بعد کہا۔ "جناب! کمان دار کی یہ خواہش ہے کہ آپ تھوڑی دیر کے لیے قلعے میں تشریف لے آئیں۔ انہیں یہ اطلاع مل چکی ہے کہ معززّینِ شہر اور قبائلی شیوخ آپ کے ہاں جمع ہو رہے ہیں لیکن وہ یہ معلوم کرنا چاہتے ہیں کہ آپ کتنی دیر تک فارغ ہو جائیں گے تاکہ آپ کے لیے سرکاری بگھی بھیج دی جائے۔"

یوسف چند ثانیے اضطراب کی حالت میں نووارد کی طرف دیکھتا رہا۔ پھر اس نے بڑی مشکل سے سنبھل کر کہا۔ "میں جلد فارغ ہونے کی کوشش کروں گا لیکن اگر کوئی خاص بات ہے تو تم بلا جھجک مجھے بتا سکتے ہو۔ یہ

ہمارے ساتھی ہیں۔"

"جناب! میں یہ نہیں کہہ سکتا کہ انہوں نے آپ کو کیوں بلایا ہے لیکن جو نئی بات ہم نے سنی ہے وہ یہ ہے کہ وزیرِ اعظم عنقریب اپنے گھر سے قلعے میں منتقل ہو جائیں گے۔ سلطان نے ان کی عارضی رہائش کے لیے ایک مکان خالی کرنے کا حکم دیا ہے۔ اس کے علاوہ قلعے سے فوج کا ایک اور دستہ ان کے گھر کی حفاظت کے لیے بھیج دیا ہے۔ معلوم ہوتا ہے کہ آج انہوں نے اچانک کوئی خطرہ محسوس کیا ہے اور وہ دو مرتبہ سلطان سے ملاقات کر چکے ہیں۔ پہلی ملاقات کے دوران غرناطہ کے ان علما اور با اثر لوگوں کا ایک گروہ بھی الحمرا میں موجود تھا، جو ابو القاسم کے اشاروں پر چلتے ہیں لیکن دوسری ملاقات میں صرف سلطان کی والدہ نے حصّہ لیا تھا۔" یوسف نے کہا۔ "مجھے ان باتوں کا علم ہے۔ میرے لیے صرف یہ بات نئی ہے کہ وزیرِ اعظم قلعے میں منتقل ہونا چاہتے ہیں۔"

"تھوڑی دیر قبل شہر کے کوتوال کے علاوہ چند اہلکار ان کی نئی قیام گاہ دیکھنے آئے تھے اور ہمارے کمان دار نے ان سے اس اچانک فیصلے کی وجہ

پوچھی تو کوتوال نے جواب دیا۔ ”اب ہر لمحہ سلطان کو وزیر اعظم کے مشوروں کی اور فوج کو ان کی ہدایات کی ضرورت پیش آئے گی“۔

یوسف نے سلمان کی طرف دیکھ کر مغموم لہجے میں کہا۔ ”میرے خدشات صحیح ثابت ہوئے ہیں۔ ابو القاسم یقیناً کوئی خطرناک قدم اٹھا چکا ہے۔“

پھر وہ کمان دار کے ایلچی سے مخاطب ہوا۔ ”تم فوراً واپس جاؤ اور انہیں کہو کہ میں بہت جلد قلعے میں پہنچ جاؤں گا۔ لیکن ٹھہرو! میں انہیں ایک رقعہ لکھ دیتا ہوں۔“

یوسف نے جلدی سے قلم اٹھا کر چند سطور لکھیں اور کاغذ لپیٹ کر افسر کو دیتے ہوئے کہا۔ ”یہ انہیں دینا۔“

ولید نے کہا۔ ”جناب! مجھے ایسا معلوم ہوتا ہے کہ ہم وقت سے پہلے کوئی قدم اٹھانے پر مجبور ہو جائیں گے۔ مکان سے باہر ہمارے ساتھی بہت پریشان ہیں۔ ابھی مجھے ایک رضا کار نے اطلاع دی تھی کہ آس پاس

سڑکوں پر پولیس گشت کر رہی ہے۔"

کمان دار کے ایلچی نے کہا۔ "جناب پولیس خاصی پریشان معلوم ہوتی ہے۔ مجھے ڈیوڑھی سے تھوڑی دور چند افسروں کے علاوہ نائب کوتوال بھی ملا تھا اور بگھی روک کر مجھے اچھی طرح دیکھ لینے کے بعد یہ پوچھنے پر مصر تھا کہ میں کہاں جا رہا ہوں اور جب میں نے اسے جواب دیا کہ میں اپنے سابق سالار کو سلام کرنے جا رہا ہوں تو اس نے ایک طنزیہ مسکراہٹ کے ساتھ یہ کہا تھا کہ آپ بے وقت آئے ہیں۔ اندر اتنے لوگ جمع ہو گئے ہیں کہ آپ کو آسانی سے سلام کرنے کا موقع نہیں ملے گا۔" "وہ مسکرا رہا تھا؟ اور تم نے اس کے دانت توڑنے کی کوشش نہ کی؟ غرناطہ کے سپاہیوں کو کیا ہو گیا ہے۔ اب جاؤ اور بگھی کے پردے گرا کر یہاں سے روانہ ہو جاؤ! کے اگر کوتوال کا نائب کہیں چلا نہیں گیا تو ممکن ہے کہ دوبارہ تمہاری ملاقات ہو جائے۔"

افسر نے کہا۔ "جناب! اگر آپ مجھے کمان دار کے عتاب سے بچانے کی ذمہ داری لے سکیں تو کوتوال کو میری دوسری ملاقات دیر تک یاد رہے گی۔"

فوجی افسر کو رخصت کرنے کے بعد یوسف نے اٹھتے ہوئے سلمان سے کہا۔ "آپ میرے ساتھ آئیں!"

وہ اس کے پیچھے دوسرے کمرے میں داخل ہوا۔ یہ کمرہ ایک چھوٹا سا اسلحہ خانہ معلوم ہوتا تھا۔ دیواروں کے ساتھ تلواریں، ڈھالیں، خنجر، نیزے، طمنچے اور دوسرے ہتھیار سجے ہوئے تھے۔ یوسف نے ایک صندوق کا ڈھکنا اُٹھاتے ہوئے کہا۔

"ہو سکتا ہے کہ ہنگامی حالات میں یہاں سے نکلنے کے لیے آپ کو فوجی لباس کی ضرورت پیش آئے۔ فوری ضرورت کے لیے یہاں سے آپ موزوں ہتھیار بھی اٹھا سکتے ہیں۔ اب آپ یہیں بیٹھ کر میرا انتظار کریں۔ میں دیوان خانے میں مہمانوں سے گفتگو کرتے ہی الحمرا چلا جاؤں گا اور انشاء اللہ جلد ہی واپس آ جاؤں گا۔ اور ہاں! شام تک وفد کے ارکان جو بیشتر فوج کے سابق عہدیدار ہیں، یہاں پہنچ جائیں گے۔

تھوڑی دیر بعد یوسف دیوان خانے کے ایک وسیع کمرے میں سردارانِ قبائل اور معززّینِ غرناطہ سے گفتگو کر رہا تھا۔ حاضرین کی اکثریت پہلی بار اسے ایک مجلس میں دیکھ رہی تھی اور کئی ایسے بھی تھے جنہیں اس کی خاموش سرگرمیوں کا کوئی صحیح علم نہ تھا۔ اہلِ غرناطہ اس گئی گزری حالت میں بھی فصاحت و بلاغت کے دلدادہ تھے۔ بالخصوص ایسے موقع پر جب کہ ان کی قسمت کا فیصلہ ہو رہا تھا انہیں موسیٰ بن ابی غسّان کے ایک نامور ساتھی سے انتہائی پرجوش اور ولولہ انگیز تقریر کی توقع تھی لیکن یوسف کی حالت اس آدمی کی سی تھی جو جو ہر ثانیے کسی نئے حادثے کا منتظر ہو۔

"بھائیو!" اس نے کسی تمہید کے بغیر اداس لہجے میں کہا۔ "احتیاط کا تقاضا یہی تھا کہ میں کچھ عرصہ اور قوم کے ایک گمنام رضاکار کی حیثیت سے اپنے حصّے کا کام کرتا رہوں اور جب مجھے یہ اطمینان ہو جائے کہ میری کوششوں سے کچھ مفید نتائج پیدا ہو سکتے ہیں اور مجھے عوام کی نگاہوں سے پوشیدہ رہنے کی ضرورت باقی نہیں رہی، تو البسین کے چوراہے میں کھڑا ہو کر یہ اعلان کروں کہ اگر فرزندانِ قوم آزادی کی زندگی اور شہادت کی

موت کے علاوہ کوئی تیسر اراستہ منتخب نہیں کر چکے تو موسیٰ بن ابی غسان کے ساتھی انہیں مایوس نہیں کریں گے۔ میں آپ سے بعض حضرات کے ساتھ ملاقاتیں کر چکا ہوں اور کل تک میری انتہائی کوشش یہی تھی کہ سردارانِ قبائل کو آئندہ جنگ سے متعلق کوئی متفقہ فیصلہ کرنے سے پہلے واپس نہیں جانا چاہیے۔ لیکن آج حالات ایسے ہیں کہ میں انہیں ایک دن کے لیے بھی یہاں ٹھہرنے کا مشورہ نہیں دے سکتا۔ اس لیے نہیں کہ میں نے یا میرے ساتھیوں نے ذہنی طور پر شکست قبول کر لی ہے۔ غلامی کی ذلّت اور رسوائی ان لوگوں کا مقدر نہیں ہو سکتی جنہیں حق کے لیے جینا اور مرنا سکھایا گیا ہے۔ ہم لڑیں گے اور اس وقت تک لڑیں گے، جب تک ہماری رگوں سے خون کا آخری قطرہ بہ نہیں جاتا۔ لیکن اب شاید غرناطہ ہمارا مستقر نہیں ہو گا۔۔۔۔۔ ہمیں پہاڑوں میں نئے مستقر تلاش کرنا پڑیں گے۔"

کمرے میں تھوڑی دیر کے لیے سنّاٹا چھا گیا۔ پھر فوج کے ایک سابق عہدیدار نے کہا۔ "جناب! اگر آپ کو کوئی ایسی بات معلوم ہوئی ہے جس

کا ہمیں علم نہیں تو ہمارے صبر کا امتحان لینے کی کوشش نہ کیجئے۔ ہم ہر آن بری خبریں سننے کے عادی ہو چکے ہیں۔ ابھی قلعے سے فوج کا ایک افسر آپ کے پاس آیا تھا اور میں نے اسے بگھی سے اتر کر ولید کے ساتھ اندر جاتے ہوئے دیکھ کر ہی یہ سمجھ لیا تھا کہ ہم کسی نئی پریشانی کا سامنا کرنے والے ہیں۔"

یوسف نے جواب دیا۔ "میرا مقصد آپ کو پریشان کرنا نہیں۔ اس وقت قصر الحمرا اور غرناطہ کے قلعے میں میرا انتظار ہو رہا ہے اور وہاں میرے وہ ساتھی بھی کسی بات سے پریشان ہیں جو رات کی تنہائیوں میں غدّارانِ وطن کی نگاہوں سے چھپ کر آئندہ جنگ کے نقشے تیار کیا کرتے ہیں۔ ہو سکتا ہے کہ میں نے تازہ اطلاع سے غلط نتائج اخذ کیے ہوں اور میرے خدشات بے بنیاد ہوں۔ اس لیے آپ کے کسی سوال کا تسلّی بخش جواب دینے کے لیے میرا وہاں جانا ضروری ہے اور میں اس بات کی ذمہ داری لیتا ہوں کہ اگر مجھے کوئی نئی بات معلوم ہوئی یا میں نے کوئی فوری خطرہ محسوس کیا تو آپ کو کسی تاخیر کے بغیر اطلاع مل جائے گی۔ ہمارے رضا

کار ایک ایک گھر کا دروازہ کھٹکھٹائیں گے۔ لیکن سردارانِ قبائل کے متعلق میری رائے یہی ہے کہ وہ فوراً یہاں سے نکل جائیں اور اپنے مجاہدوں کو تیار کریں۔ وقت کی رفتار بہت تیز ہے۔ غرناطہ کے اندرونی دشمن کسی وقت بھی ایسے حالات پیدا کر سکتے ہیں کہ غرناطہ کے مجاہدوں کو اپنے گھر بار چھوڑ کر پہاڑوں میں پناہ لینی پڑے۔ اس وقت ہمارے معزّز مہمان کسی روک ٹوک کے بغیر جا سکتے ہیں۔ رضا کاروں کے علاوہ فوج کو بھی ان کی حفاظت کی ذمہ داری سونپی جا سکتی ہے۔ غدّاروں کو ان کی طرف آنکھ اٹھا کر دیکھنے کی جرأت نہیں ہو سکتی۔ لیکن ایک دو دن بعد کیا ہونے والا ہے، اس کے متعلق کچھ نہیں کہا جا سکتا۔ اگر ہمارے معزّز مہمان میری تجویز سے متفق ہیں تو میں ان سے درخواست کرتا ہوں کہ وہ صبح ہوتے ہیں یہاں سے روانہ ہو جائیں۔“

اندراش کے ایک بربر سردار نے کہا۔ ”جناب! ہم سب آپ کی تجویز سے متفق ہیں۔ اس وقت اہلِ غرناطہ جن خطرات کا سامنا کر رہے ہیں، وہ ہمارے لیے نئے نہیں۔ ہمارے غدّار حکمرانوں کا انتہائی خطرناک فیصلہ

یہی ہو سکتا ہے کہ وہ اچانک دشمن کے لیے شہر کے دروازے کھول دیں۔ لیکن ہم یہ جاننا چاہتے ہیں کہ اگر خدانخواستہ ہمارے خدشات درست ثابت ہوئے تو فوج کا ردِّ عمل کیا ہو گا؟"

یوسف نے جواب دیا۔ "اگر غرناطہ کے عوام نے یہ فیصلہ کیا کہ غلامی اور ذلّت کی زندگی سے شہادت کی موت بہتر ہے تو فوج کی بھاری اکثریت ہر حالت میں ان کا ساتھ دے گی۔ اور غرناطہ کے عوام کے حوصلے اس صورت میں قائم رہ سکیں گے جب کہ قبائل میدان میں آجائیں گے۔"

غرناطہ کے ایک بوڑھے عالم نے کہا۔ "موجودہ حالات میں پہاڑی قبائل اس صورت میں سر اٹھا سکتے ہیں جب کہ انہیں بیرونی اعانت کی امید ہو۔ ان کے نمائندے جانے سے پہلے یہ جاننا چاہتے ہیں کہ جنگ شروع کرنے کی صورت میں انہیں کتنی دیر ترکوں کے جنگی بیڑے کا انتظار کرنا پڑے گا؟"

یوسف نے کچھ سوچ کر جواب دیا۔ "میں اپنی ذاتی معلومات کی بنا پر

پورے وثوق کے ساتھ یہ کہہ سکتا ہوں کہ ترکوں کو عالمِ اسلام کے متعلق اپنی ذمہ داریوں کا پورا پورا احساس ہے اور اندلس کو عالم اسلام سے الگ نہیں سمجھتے۔ لیکن وہ بھی سمجھتے ہیں کہ اندلس میں دشمنان اسلام کے خلاف کسی مؤثر اقدام سے پہلے ان کا عقب محفوظ ہونا چاہیے۔ اس لیے بحیرہ روم میں اطالیہ، جنیوا اور وینس کے جنگی بیڑوں پر فیصلہ کن ضربیں لگانا ضروری سمجھتے ہیں۔ آپ کو معلوم ہے کہ اگر ترکوں کا بیڑا بحیرہ روم میں موجود نہ ہوتا تو مصر سے لے کر مراکش تک کوئی اسلامی ریاست آزادی کا سانس نہ لے سکتی۔ مجھے یقین ہے کہ ترکی اور بربر بہت جلد بحیرہ روم میں اتنے طاقتور ہو جائیں گے کہ دشمن کا ہر ساحلی قلعہ ہماری توپوں کی زد میں ہو گا اور پھر اندلس کے مسلمانوں کو انہیں آواز دینے کی ضرورت پیش نہیں آئے گی۔ ہماری طرف سے چند ذمہ دار آدمیوں کا ایک وفد بحیرہ روم میں ترکوں کے امیر البحر کے پاس جا چکا ہے اور ایک ایسا مجاہد ان کا رہنما ہے جس نے حامد بن زہرہ کو اندلس کے ساحل پر اتارنے کے لیے ان کے دشمن کے دو جنگی جہاز تباہ کر دیے تھے۔“

ایک آدمی نے کہا۔ ”لیکن ہمیں یہ بتایا گیا تھا کہ ترک بحریہ کا وہ افسر جو حامد بن زہرہ کے ساتھ آیا تھا عنقریب کسی اجتماع میں کوئی اہم خبر سنائے گا۔“

سلمان نے جواب دیا۔ ”حضرات! اسے اندلس سے نکلنے کا موقع دینے کے لیے ہم اپنے اندرونی اور بیرونی دشمنوں کو یہ تاثر دینا ضروری سمجھتے تھے کہ وہ غرناطہ میں چھپا ہوا ہے۔ اب میں آپ کو یہ خوشخبری سنا سکتا ہوں کہ گذشتہ رات ساحل کے کسی مقام سے وہ اپنے جہاز پر سوار ہو چکا ہے۔ میں اس کی طرف سے آپ کو یہ مژدہ بھی سنا سکتا ہوں کہ جس دن آپ اعلانِ جہاد کر دیں گے اس سے چند دن بعد آپ یہ مژدہ بھی سن لیں گے کہ ترکوں کے جنگی جہاز ساحل پر دشمن کی کسی اہم چوکی پر گولہ باری کر رہے ہیں۔ لیکن اس وقت اہلِ وطن کو یہ احساس دلانا آپ کی پہلی ذمہ داری ہے کہ قومیں اپنی آزادی اور بقا کی جنگ میں صرف بیرونی اعانت کی امید پر ہی نہیں لڑتیں، یہ وہ مقدس فریضہ ہے جو انہیں ہر حالت میں پورا کرنا پڑتا ہے۔ ترک اور اہل افریقہ آپ کی مدد کے لیے ضرور آئیں گے

لیکن کاش! میں اس اطمینان کے ساتھ آپ کو خدا حافظ کہہ سکتا کہ غدّارانِ قوم آپ کو جانے کا موقع دینے سے پہلے دشمن کے لیے غرناطہ کے دروازے نہیں کھول دیں گے۔ اب میں آپ سے اجازت لینا چاہتا ہوں۔ اگر مجھے قلعے سے کوئی اہم بات معلوم ہوئی تو میں آپ کو فوراً اطلاع دینے کی کوشش کروں گا۔"

پھر وہ ولید سے مخاطب ہوا۔ "اب معزّز مہمانوں کو رُخصت کرنا تمہاری ذمہ داری ہے۔"

یوسف جلدی سے باہر نکل آیا اور اس کی بگھی پوری رفتار سے سڑک پر بھاگ رہی تھی۔

☆☆☆

ان واقعات سے قبل، یوسف کے مکان سے باہر جانب کوتوال کو ایک غیر متوقع حادثہ پیش آ چکا تھا۔ وہ دروازے سے چند قدم دور ہر آنے جانے والے کو بڑے غور سے دیکھ رہا تھا۔ سات مسلح آدمی، جن میں دو گھوڑوں

پر سوار تھے اس کے قریب کھڑے تھے اور وہ اپنے خیال کے مطابق ایک نہایت اہم ذمہ داری پوری کرنے والا تھا۔

ایک افسر نے اپنا گھوڑا بگھی کے قریب کرتے ہوئے کہا۔

"جناب! یہ جگہ ہمارے لیے موزوں نہیں۔ یوسف جیسے آدمی کو یہ احساس نہیں ہونا چاہیے کہ آدمی اس کے مکان پر پہرا دے رہے ہیں۔ کوتوال نے ہمیں ہدایت کی تھی کہ انہیں صرف یوسف کے مکان پر جمع ہونے والوں کی فہرست کی ضرورت ہے اور یہ کام ہمارے جاسوس کر سکتے ہیں۔"

"میں یہ جانتا ہوں۔" اس نے بے پروائی سے جواب دیا۔ "لیکن کوتوال کو ابھی تک یہ اطلاع نہیں ملی کہ ہمارے ہاتھ ایک بہت بڑا شکار آنے والا ہے۔ وہ اجنبی جو مخبروں کی اطلاع کے مطابق نہ تو غرناطہ سے تعلق رکھتا ہے اور نہ ہی کسی قبیلے کا سردار ہے۔ یقیناً انہیں جاسوسوں میں سے ایک ہو گا جو ہماری اطلاع کے مطابق حامد بن زہرہ کے ساتھ یہاں پہنچے تھے۔"

اچانک یوسف کے مکان سے اس فوجی افسر کی بگھی نمودار ہوئی جو کمان دار کے ایلچی کا پیغام لایا تھا لیکن چونکہ بگھی کے پردے گرے ہوئے تھے اور نائب کوتوال کے آدمی یہ نہ دیکھ سکے کہ اندر کون ہے، اس لیے انہوں نے آگے بڑھ کر بگھی روک لی۔

کوچوان غصّے کی حالت میں چلّایا۔ ”تم میری بگھی نہیں روک سکتے۔ اگر اپنی خیریت چاہتے ہو تو ایک طرف ہٹ جاؤ ورنہ یہ گستاخی تمہیں بہت مہنگی پڑے گی۔“

کوچوان کی اس جرأت نے دوسرے لوگوں کو اپنی طرف متوجہ کر لیا اور آن کی آن میں کئی آدمی وہاں جمع ہو گئے۔ نائب کوتوال نے اپنی بگھی سے اتر کر آگے بڑھتے ہوئے کہا۔ ”تم شور نہ کرو۔ ہم صرف یہ دیکھنا چاہتے ہیں بگھی کے اندر کون ہیں؟“

پھر اس نے دروازے کا پردہ اٹھا کر دیکھا تو فوجی افسر نے گرجتی ہوئی آواز میں کہا۔

”تم لوگ اتنے گستاخ ہو کہ اب تمہارے ہاتھوں فوج کی عزّت بھی محفوظ نہیں رہی۔ تم نے دو مرتبہ میری بگھی روکنے کہ کوشش کی ہے۔“

”جناب! اس بے ادبی پر میری معذرت قبول فرمائیے۔ بگھی کے پردے گرے ہوئے تھے۔ اس لیے ہم یہ نہ دیکھ سکے کہ اندر آپ۔۔۔۔۔۔۔“

فوجی افسر نے نائب کوتوال کو بات ختم کرنے کا موقع نہ دیا اور اس کی ناک پر ایک زوردار مکّہ رسید کرتے ہوئے بلند آواز میں بولا۔ ”کوچوان چلو!“

نائب کوتوال جو اپنے منہ پر ایک آہنی ہاتھ کی ضرب کھاتے ہی گر پڑا تھا، اب اپنے ساتھیوں کے سہارے فرش پر بیٹھا کراہ رہا تھا۔

ایک افسر نے گھوڑے سے اتر کر اس کے چہرے سے خون صاف کرتے ہوئے کہا۔ ”جناب! اگر آپ کا حکم ہو تو اس کا پیچھا کیا جائے؟“

نائب کوتوال نے جھنجھلا کر کہا۔ ”اب بکواس نہ کرو۔“ پھر وہ کپڑے جھاڑتا ہوا اٹھا اور اپنی بگھی پر سوار ہو کر چلّایا ”کوچوان کوتوال کے پاس چلو!“ ایک سپاہی نے آگے بڑھ کر پوچھا۔ ”جناب! ہمارے لیے کیا حکم

ہے؟"

"تم میری آنکھوں سے دور ہو جاؤ!"

آن کی آن میں اس کی بگھی ہوا سے باتیں کر رہی تھی اور نصف گھنٹے بعد کوتوال کے سامنے فریاد کرتے ہوئے اسے یہ بھی احساس نہ تھا کہ کمرے میں دو اور افسر کھڑے ہیں۔ وہ کہہ رہا تھا۔

"جناب! اب پانی سر سے گزر چکا ہے۔ وہ قلعے کے محافظ کا خاص آدمی تھا۔ یوسف سے مل کر آ رہا تھا۔ اس نے میری ناک توڑ ڈالی ہے۔"

کوتوال نے اطمینان سے جواب دیا۔ "میں یہ دیکھ سکتا ہوں۔ تمہیں یہاں آ کر اپنی مظلومی کا ثبوت دینے کے لے اپنے خون آلود کپڑے دکھانے کی ضرورت نہ تھی۔ لیکن میں یہ پوچھتا ہوں کہ تم نے برسرِ عام فوج کے ایک افسر سے الجھنے کی کوشش کیوں کی تھی؟ اور یہ کیوں سمجھ لیا تھا کہ لوگوں کے دلوں سے فوج کا احترام ختم ہو چکا ہے؟"

"جناب میں نے اس سے الجھنے کوشش نہیں کی۔ میں نے صرف بگھی کے

اندر جھانک کر دیکھا تھا۔"

کوتوال نے کہا۔ "ممکن ہے کہ اس نے تمہیں میرے نائب کی بجائے کوئی اور آدمی سمجھ لیا ہو؟"

"جناب! وہ مجھے اچھی طرح جانتا تھا۔ جب وہ یوسف کے گھر جا رہا تھا تو میں نے اسے روک کر چند باتیں بھی کی تھیں۔ اس وقت اسے قطعاً غصہ نہیں آیا تھا۔"

"تمہارا مطلب ہے کہ تم نے فوج کے ایک افسر کو دوبارہ روکنے کی کوشش کی تھی۔ اس صورت میں اگر وہ تمہارے سارے دانت توڑ دیتا تو بھی مجھے تعجّب نہ ہوتا۔"

"جناب دوسری مرتبہ جب سپاہیوں نے اس کا راستہ روکا تو بگھی کا پردہ گرا ہوا تھا۔ اور انہیں یہ معلوم نہیں ہو سکتا تھا کہ اندر کون ہے۔"

"میں فوج کے آدمیوں کو یہ حکم نہیں دے سکتا کہ وہ اپنی بگھیوں کے پردے اٹھا کر چلا کریں تاکہ تمہارے باقی دانت محفوظ رہیں۔"

”جناب! مجھے یہ معلوم ہوا تھا کہ یوسف کے گھر میں قبائل کے سردار جمع ہو رہے ہیں۔“

”اور تم بذاتِ خود وہاں پہنچ کر پہرہ دے رہے تھے؟“

”نہیں جناب! میری مستعدی کی یہ وجہ تھی کہ گشت کرتے ہوئے مجھے اطلاع ملی تھی کہ ایک اجنبی ایک بااثر آدمی کے مکان سے نکل کر بگھی پر سوار ہوا تھا اور اس کے بعد اسی حلیے کے اجنبی کو ہمارے جاسوسوں نے یوسف کے مکان میں جاتے ہوئے دیکھا ہے۔ پھر میں نے کچھ آدمی اس مکان کی طرف بھیج دیے تھے اور بذاتِ خود یوسف کے مکان کی طرف چلا گیا تھا۔ میرا خیال ہے کہ وہ انہی جاسوسوں میں سے ایک ہے جسے ہم کئی دنوں سے تلاش کر رہنے ہیں۔ مالک مکان کا بیٹا بگھی تک اس کے ساتھ دیکھا گیا تھا اور اس کے متعلق میں یقین سے کہہ سکتا ہوں کہ وہ حکومت کو پسند نہیں کرتا۔“

کوتوال نے سنجیدہ ہو کر کہا ”اب اطمینان سے سارے واقعات سناؤ!“

جب نائب نے اپنی ساری سرگزشت پوری تفصیل کے ساتھی سنائی تو کوتوال نے کہا۔ ”اب تم جاؤ اور یوسف کے گھر کی بجائے عبید اللہ کے گھر کی طرف زیادہ توجہ دو۔ بہر حال ہم پورے وثوق کے بغیر کوئی قدم نہیں اٹھا سکتے۔ لیکن اگر اس کا ٹھکانہ معلوم ہو جائے تو ہم بر وقت اسے گرفتار کر سکتے ہیں۔ یوسف کے گھر کے آس پاس تمہیں کسی سے الجھنے کی کوشش نہیں کرنی چاہیے اور دوسری جگہ بھی تمہاری ذمہ داری فی الحال صحیح معلومات حاصل کرنا ہے۔“

کوتوال کے نائب نے فاتحانہ انداز سے دوسرے افسروں کی طرف دیکھا اور کمرے سے باہر نکل گیا۔ دو منٹ بعد کوتوال کا نوکر کمرے میں داخل ہوا اور اس نے ادب سے سلام کرنے کے بعد ایک خط پیش کیا۔ کوتوال نے خط کھولتے ہی عتبہ کے ہاتھ کی تحریر پہچان لی۔ لکھا ہوا تھا۔

”میں ایک ناقابلِ یقین اطلاع ملنے پر سینٹا فے سے اپنے گھر آ گیا ہوں۔ رات میری غیر حاضری میں چند آدمیوں نے جن کے گھوڑوں کے نشان غرناطہ کی طرف جاتے ہیں، میرے گھر پر حملہ کیا تھا اور مجھے یقین ہے کہ

یہ لوگ سعید کے ساتھ آئے تھے۔ آپ جانتے ہیں کہ میں دو دن اور شہر میں داخل نہیں ہو سکتا۔ اس لیے آپ سعید کا ٹھکانا معلوم کریں۔ یہ بھی ہو سکتا ہے کہ وہ شہر میں داخل ہونے کی بجائے کترا کر اپنے گاؤں کی طرف نکل گیا ہو۔ میں اندلس کی آخری حد تک اس کا پیچھا کروں گا۔ مغربی دروازے سے باہر کوئی دو میل دور سینٹا فے کی سڑک پر میرا انتظار کریں تو ہماری ملاقات ہو سکتی ہے۔ ممکن ہے اس وقت تک مجھے مزید معلومات حاصل ہو جائیں۔"

کوتوال نے غضب ناک ہو کر کہا۔ "یہ خط کون لایا تھا اور کب لایا تھا؟"

"جناب! وہ دوپہر کے وقت آیا تھا۔"

"اور تم شام کے وقت مجھے یہ خبر دے رہے ہو؟"

"جناب! میں اس سے پہلے تین بار یہاں آ چکا ہوں لیکن ہر بار مجھے یہی جواب ملا کہ آپ دفتر سے باہر کسی اہم کام میں مصروف ہیں۔"

"بے وقوف! تم نے یہ خط کسی ذمہ دار افسر کے سپرد کیوں نہیں کیا تھا؟

میں تمہاری کھال ادھیڑ دوں گا۔"

"جناب! ایلچی نے تاکید کی تھی کہ میں یہ خط آپ کے سوا کسی اور کے ہاتھ میں نہ دوں۔"

کوتوال نے کہا۔ "تم اس وقت گھر جاؤ اور کہیں سے کوئی اور پیغام آئے تو مجھے فوراً اطلاع دو۔"

نوکر نے کہا۔ "جناب! آج کھانے کے لیے بھی آپ گھر نہیں آئے۔ بیگم صاحبہ بہت پریشان تھیں۔"

"ان سے کہو کہ میں بہت مصروف ہوں۔ اب جاؤ!"

☆☆☆

یوسف نے بگھی سے اترتے ہی کمان دار کی قیام گاہ کا رخ کیا۔ اچانک سامنے سے ایک نوجوان بھاگا ہوا آگے بڑھا اور اس نے کہا۔ "جناب! کمان دار شاہی محل چلے گئے ہیں اور یہ پیغام دے گئے ہیں کہ آپ سیدھے

بڑی ملکہ کے پاس تشریف لے جائیں۔“

یوسف جلدی سے مڑ کر دوبارہ بگھی پر سوار ہو گیا۔

چند منٹ بعد وہ محل کے ایک کمرے میں اپنے خسر اور الحمرا کے ناظم کے سامنے کھڑا تھا۔ بوڑھے آدمی نے اسے دیکھتے ہی کہا۔

”بیٹا! تم نے بہت دیر لگائی۔ بڑی ملکہ کئی بار تمہارے متعلق پوچھ چکی ہیں۔ یہاں مجھے تلاش کرنے کی بجائے ہمیں سیدھا ان کے پاس جانا چاہیے تھا۔“

یوسف نے کہا۔ ”لیکن میں یہ جاننا چاہتا ہوں کہ انہوں نے مجھے کس لیے بلایا ہے۔ قلعے کے محافظ نے بھی یہ پیغام بھیجا تھا لیکن وہ بھی اپنی قیام گاہ پر نہیں ملے۔“

”وہ یہیں کہیں اور کسی کام میں بہت مصروف ہیں، اب تم مزید وقت ضائع نہ کرو۔ ملکہ کے پاس جا کر تمہیں ہر سوال کا جواب مل جائے گا۔ میں تمہیں صرف یہ مشورہ دینا چاہتا ہوں کہ وہ تمہیں اپنا بیٹا سمجھتی ہیں اور

انہیں تم سے یہ امید ہو سکتی ہے کہ مصیبت کے وقت تم ان کا ساتھ نہیں چھوڑو گے۔ اب جاؤ! راستے میں خواجہ سرا تمہارا انتظار کر رہا ہو گا۔"

"بڑی ملکہ کی سب سے بڑی مصیبت ان کا بیٹا ہے۔ میں ابو الحسن کی بیوہ کا ہر حکم مان سکتا ہوں لیکن ابو عبد اللہ کی ماں کو خوش کرنا میرے بس کی بات نہیں۔ یوسف یہ کہہ کر کمرے سے باہر نکل گیا۔

تھوڑی دیر بعد وہ خواجہ سرا کی رہنمائی میں ایک کشادہ کمرے کے اندر داخل ہوا۔ ابو عبد اللہ کی والدہ جس کے مُرجھائے ہوئے چہرے پر غرناطہ کی تاریخ کے آخری باب کا عنوان لکھا ہوا تھا، دیوان پر بیٹھی ہوئی تھی۔

یوسف نے ادب سے سلام کیا اور دیوان سے چند قدم دور رُک گیا۔ ملکہ چند قدم دور رک گیا۔ ملکہ چند ثانیے اس کی طرف دیکھتی رہی۔ پھر اس نے ہاتھ سے اشارہ کیا اور وہ آگے بڑھ کر ایک صندلی پر بیٹھ گیا۔ ملکہ نے قدرے توقّف کے بعد کہا۔"خدا کا شکر ہے کہ تم آگئے ہو۔ جب انسان کا آخری وقت آتا ہے تو وہ بعض عزیزوں کو اپنے قریب دیکھنا چاہتا ہے لیکن

تمہیں دیکھنے کے لیے میری بے چینی کی چند اور وجوہات بھی تھیں جس میں تمہیں ناظم الحمرا کے ذریعے ایک ضروری پیغام بھیجنا چاہتی تھی، لیکن یہ ایسا معاملہ تھا کہ اسے براہ راست تم سے بات کرنے کا حوصلہ نہ ہوا اور میں نے خسر اور داماد کے تعلقات کی نزاکت کا احساس کرتے ہوئے تمہیں یہاں بلانے کی ضرورت محسوس کی۔ لیکن تم گھر میں نہیں تھے اور تمہاری بیوی کو یہ معلوم نہیں تھا کہ تم کہاں ہو۔ اب میں ابو عبداللہ کی ماں کی حیثیت سے نہیں بلکہ سلطان ابوالحسن کی ملکہ کی حیثیت سے چند باتیں کہنا چاہتی ہوں۔"

یوسف نے بوڑھی ملکہ کی طرف دیکھا اور پھر اس کی نگاہوں کے سامنے آنسوؤں کے پردے حائل ہو رہے تھے۔

"بیٹا!" ملکہ نے بھرائی ہوئی آواز میں کہا۔ "اگر مجھے تمہاری سرگرمیوں کا تھوڑا بہت علم نہ ہوتا تو بھی میرے لیے یہ سمجھنا مشکل نہیں تھا کہ ان دنوں تمہارے دل پر کیا گزر رہی ہے۔ میں تمہارے لیے دعائیں کیا کرتی تھی اور ان ساری مایوسیوں کے باوجود اپنے دل کو فریب دیا کرتی تھی کہ

شاید یہ ڈوبتی ہوئی کشتی اچانک کسی کنارے جالگے۔ لیکن اب میں تمھیں یہ بتانا چاہتی ہوں کہ ہمیں الحمرا چھوڑنے کی تیاری کرنے کے لیے صرف دو دن کی مہلت ملی ہے اور تیسرے دن وہ سورج جس نے آٹھ صدیاں قبل غازیانِ اسلام کو جبل الطارق پر پاؤں رکھتے دیکھا تھا، اس کے آخری تاجدار کو غرناطہ سے رخصت ہوتے دیکھے گا اور پھر شاید ہمیشہ کے لیے اس سرزمین پر ہمارے ماضی کے کھنڈرات اس ماں پر لعنتیں بھیجتے رہیں گے جس نے ابوعبداللہ کو جنم دیا تھا۔ یوسف! میں کتنی بدنصیب ہوں۔"

ملکہ بڑی مشکل سے اپنی سسکیاں ضبط کررہی تھی اور یوسف کی اتنی ہمّت نہ تھی کہ وہ اس کی طرف دیکھ سکتا۔ وہ گردن جھکائے ان دونوں کا تصور کررہا تھا جب ابوالحسن کی ملکہ قلعے کے برج پر کھڑی جہاد کے لیے جانے والے اور فتوحات کے میدانوں سے واپس آنے والے مجاہدوں پر پھول برسایا کرتی تھی۔

ملکہ نے سنبھلنے کی کوشش کرتے ہوئے کہا۔ "ہماری روانگی سے کچھ دیر بعد دشمن کی افواج غرناطہ میں داخل ہو جائیں گی۔ ہمیں اپنے ذاتی

ملازموں کے علاوہ فوج سے پانچ ہزار آدمی ساتھ لے جانے کی اجازت دی گئی ہے۔ لیکن۔۔۔" ملکہ نے دیوان سے ایک کاغذ اٹھا کر یوسف کی طرف بڑھا دیا۔ پھر چند ثانیے توقف کے بعد بولی۔ "یہ ان پچاس آدمیوں کی فہرست ہے جن کے متعلق یہ شرط رکھی گئی تھی کہ اگر ان میں سے کوئی ہمارے ساتھ رہنا چاہے تو اسے ہماری روانگی کے بعد کم از کم دو دن یا زیادہ سے زیادہ ایک ہفتہ اور یہاں رکنا پڑے گا۔ تم اس فہرست میں قلعے کے محافظ کے علاوہ اپنا نام بھی پڑھ سکتے ہو۔

ابو القاسم نے شیخ ابو عبد اللہ سے ملاقات کی تھی اور اسے قائل کر لیا تھا کہ غرناطہ کی فوج اور عوام کو پر امن رکھنے کے لیے ان با اثر لوگوں کو یہاں روکنا ضروری ہے۔ لیکن اس کے بعد جب مجھ سے سلطان کی گفتگو ہوئی تو میرے لیے یہ سمجھنا مشکل نہ تھا کہ ابو القاسم ان پچاس آدمیوں کو جن میں اکثر فوج کے سابق عہدہ دار ہیں اپنے لیے کتنا خطرناک سمجھتا ہے اور جب دشمن کی فوج غرناطہ پر قابض ہو جائے گی تو ان کے ساتھ کیا سلوک کیا جائے گا۔ چنانچہ میرے اصرار پر ابو عبد اللہ کو اپنے وزیر سے دوبارہ

ملاقات کرنی پڑی۔ میں اس ملاقات میں موجود تھی۔ اس نے بہت حیل و حجّت کی لیکن میری یہ دھمکی کارگر ثابت ہوئی کہ اگر تم نے ایک آدمی کو بھی اس کی مرضی کے بغیر یہاں روکنے کی کوشش کی تو میں یہ مسئلہ فوج کے سامنے پیش کر دوں گی اور تمہیں یہاں سے جانے کی اجازت دینے سے پہلے ان پچاس آدمیوں کو بھی خبر دار کر دیا جائے گا کہ ان کے کوئی پھند اتیار ہو رہا ہے۔

پھر ابو القاسم کو یہ کہنا پڑا کہ یہ محض ایک احتیاط تھی۔ لیکن اگر آپ نے اس سے کوئی اور نتیجہ اخذ کیا ہے تو میں یہ تجویز واپس لیتا ہوں۔

اس نے ہمارا یہ مطالبہ بھی تسلیم کر لیا ہے کہ لشکر سے جو پانچ ہزار آدمی ہمارے ساتھ جائیں گے، ان کا انتخاب بھی ہم خود کریں گے۔ اس کے علاوہ جو لوگ غرناطہ چھوڑ کر کہیں اور جانا چاہیں، ان سے بھی کوئی تعرض نہیں کیا جائے گا۔

مجھے یہ امید تو نہیں ہو سکتی کہ تم ابو عبد اللہ کے پاس رہنا پسند کرو گے لیکن

میں یہ ضرور کہوں گی کہ تمہیں غرناطہ میں نہیں رہنا چاہیے۔ میں جانتی ہوں کی تم آخری وقت تک شکست تسلیم نہیں کرو گے لیکن ایک سپاہی کو تلوار اٹھانے سے پہلے کھڑے ہونے کی ضرورت بھی ہوتی ہے۔ موجودہ حالات میں جب کہ ابو القاسم کے حامی دشمن کا ہراول دستہ بن چکے ہیں تمہاری مزاحمت کا نتیجہ یہ ہو گا کہ دشمن کا سامنا کرنے سے پہلے تمہیں خانہ جنگی کا خطرہ مول لینا پڑے گا۔ پھر جب فرڈنینڈ کا لشکر بزورِ شمشیر شہر میں داخل ہو گا تو یہاں مالقہ اور الحمہ کی تاریخ سے کہیں زیادہ شدّت کے ساتھ دہرائی جائے گی۔ اگر میرے سامنے یہ خطرات نہ ہوتے تو میں گزشتہ رات اپنے بیٹے کے ساتھ ابو القاسم کی گفتگو سنتے ہی اس کو قتل کروا دیتی۔

یوسف! تمہیں یہ سمجھانے کی ضرورت نہیں کہ قوم کی بیٹیوں کا کیا حشر ہو گا۔ میں جانتی تھی کہ غرناطہ کے سرکردہ لوگ قبائلی سرداروں سے صلاح و مشورہ کر رہے ہیں اور مجھے یہ اطلاع بھی مل چکی ہے کہ جب قلعے کے محافظ کا ایلچی تمہارے پاس گیا تھا تو وہ تمہارے گھر جمع ہو رہے تھے۔ لیکن

اب انہیں یہ بتانے کی ضرورت ہے کہ تمہیں طوفان آنے سے پہلے یہاں سے نکل جانا چاہیے۔ اب آزادی کی جنگ کے لیے تمہیں غرناطہ سے دور نئے قلعے تعمیر کرنے پڑیں گے۔" یوسف نے جواب دیا۔ "مجھے اس بات کا احساس تھا اور میں سردارانِ قبائل کو یہی مشورہ دے آیا ہوں کہ صبح ہوتے ہی یہاں سے روانہ ہو جائیں۔"

ملکہ نے کہا۔ "کل فوج کے چند دستوں کے علاوہ ہمارے ملازموں اور ان کے بال بچوں کا پہلا قافلہ یہاں سے روانہ ہو جائے گا اور ناظم کی خواہش ہے کہ اس کے گھر کے باقی افراد کے ساتھ تمہاری بیوی بھی روانہ ہو جائے۔ اب اگر تم اجازت دو تو اسے گھر جا کر تیاری کرنے کی ہدایت کر دی جائے۔ تم اپنے ساتھیوں کو بھی اطلاع بھیج دو۔ وہ اگر صبح نہیں تو اگلے روز دوسرے قافلے کے ساتھ جا سکتے ہیں۔ تم اگر مناسب سمجھو تو دو دن رک جاؤ، ورنہ ان کے ساتھ ہی روانہ ہو جاؤ۔"

یوسف نے کہا۔ "ان حالات میں میرے لیے اپنی بیوی کو قافلے کے ساتھ بھیجنے کے سوا اور کوئی چارہ نہیں اور بعض ساتھیوں کے متعلق بھی

میں یہ ضروری سمجھتا ہوں کہ وہ یہاں سے فوراً نکل جائیں۔ اگر انہیں کسی وجہ سے رات کے وقت روانہ نہ کیا جا سکا تو صبح قافلے کے ساتھ روانہ ہو جائیں۔ اپنے متعلق میں چند دوستوں سے مشورہ کرنے کے بعد ہی کوئی فیصلہ کروں گا۔ میں انہیں یہ تاثر نہیں دینا چاہتا کہ میں ذاتی خطرے سے بھاگ رہا ہوں۔ اب مجھے اجازت دیجئے۔"

"ٹھہرو!" ملکہ نے تالی بجاتے ہوئے کہا اور جب ایک کنیز برابر کے کمرے سے نمودار ہوئی تو اسے حکم دیا۔ "یوسف کی بیوی کو اندر بھیج دو۔"

چند ثانیے بعد یوسف کی بیوی کمرے میں داخل ہوئی اور اپنے شوہر کا چہرہ دیکھتے ہی اس کی آنکھوں میں آنسو امڈ آئے۔

ابو عبداللہ کی ماں نے کہا۔ "بیٹی! تمہارے آنسو غرناطہ کی تقدیر نہیں بدل سکتے۔ اب تم اپنے گھر جاؤ اور سفر کی تیاری کرو۔ تمہیں یوسف کے متعلق اس قدر مُضطرب ہونے کی ضرورت نہ تھی۔"

"لیکن۔۔۔۔۔۔۔۔" اس نے ڈوبتی ہوئی آواز میں کہا۔ "اگر انہوں

نے یہاں رہنے کا فیصلہ کیا ہے تو میں انہیں چھوڑ کر نہیں جاؤں گی۔"

"بیٹی! میں اس بات کی ذمہ داری لیتی ہوں کہ یوسف یہاں نہیں رہے گا۔ میں اس سے بات کر چکی ہوں۔ اسے یہ سمجھانے کی ضرورت نہیں کہ آج سے دو دن بعد اس کے لیے یہاں ٹھہرنا کتنا دشوار ہو جائے گا۔ اب تم فوراً اپنے گھر پہنچنے کی کوشش کرو۔ یوسف کو کچھ دیر یہاں رہنا پڑے گا۔"

وفا شعار بیوی اجازت طلب نگاہوں سے اپنے شوہر کی طرف دیکھنے لگی تو اس نے کہا۔ "معلوم نہیں کہ مجھے یہاں کتنی دیر رکنا پڑے گا۔ آپ جائیں، میں گھر میں ولید کے علاوہ چند آدمی بٹھا آیا ہوں۔ انہیں یہ بتا دیں کیا ان کو کچھ دیر میرا انتظار کرنا پڑے گا۔"

یوسف کی بیوی نے آگے بڑھ کر ملکہ کے ہاتھوں کو بوسہ دیا اور پھر ملتجی نگاہوں سے اپنے شوہر کو دیکھتی ہوئی کمرے سے نکل گئی۔

ملکہ نے یوسف سے مخاطب ہو کر کہا۔ "میں نے تمہیں جس کام سے روکا ہے وہ فوج سے تعلق رکھتا ہے۔ قلعے کا محافظ ہمارے ساتھ جانے پر رضا

مند ہے اور فوج کے چند عہدے داران لوگوں کی فہرستیں تیار کر رہے ہیں جنہیں ہم اپنے ساتھ لے جانا چاہتے ہیں۔ وہ اس معاملے میں تمہارا مشورہ ضروری سمجھتے ہیں۔"

یوسف نے جواب دیا۔ "میں آپ کے حکم کی تعمیل کروں گا۔ لیکن اگر فوج کو اس فیصلے کا علم ہو چکا ہے تو انہیں یہ سمجھانے کی ضرورت باقی نہیں رہتی کہ جب کوئی سلطنت ختم ہوتی ہے تو اس کی فوج بھی ساتھ ہی ختم ہو جاتی ہے۔ اب میں انہیں کس منہ سے کوئی مشورہ دے سکتا ہوں۔"

ملکہ نے جواب دیا۔ "میں صرف یہ چاہتی ہوں کہ جو لوگ رضاکارانہ طور پر ہمارا ساتھ دینا چاہتے ہوں ان کے انتخاب میں انتہائی احتیاط سے کام لیا جائے۔ کم از کم افسروں میں سے کوئی نہیں ہونا چاہیے جس پر فرڈنینڈ کے جاسوس ہونے کا شبہ ہو۔ "میں یہ جانتی ہوں کہ ہمارا ساتھ دینے والوں کی اکثریت ان لوگوں پر مشتمل ہو گی جن کے گھر بار غرناطہ سے باہر ہیں اور مقامی لوگوں کو ابو عبداللہ کی خاطر جلاوطن ہونے سے پہلے بہت کچھ سوچنا پڑے گا۔ لیکن میں ضرور جانتی ہوں کہ تم فوج کے جن نامور سالاروں

کے لیے فوری خطرہ محسوس کرو، ان کے نام غرناطہ چھوڑنے والوں کی فہرست میں شامل کر دیے جائیں۔

اگر مجھے یہ احساس نہ ہوتا کہ ہمارے بعد بہت سے لوگ غرناطہ سے باہر اپنے لیے کوئی جائے تلاش کرنے پر مجبور ہو جائیں گے تو میں پانچ ہزار آدمی ساتھ لے جانے کا مطالبہ نہ کرتی۔ وہ علاقہ جو دشمن نے میرے بیٹے کو تفویض کیا ہے، اس کے انتظام کے لئے پانچ سو آدمی بھی کافی ہیں اور اپنے بیٹے کی تمام خوش فہمیوں اور خود فریبیوں کے باوجود میں یہ سمجھ سکتی ہوں کہ وہاں ہمارا قیام عارضی ہو گا۔ طوفان کی ایک اور لہر ہمیں اندلس سے اٹھا کر افریقہ کے ساحل پر پہنچا دے گی۔ اس کے بعد اگر خدا نے اس بد نصیب قوم کی فریاد سن لی تو ممکن ہے کہ ایک نہ ایک دن کوہستانی قبائل کسی بیرونی اعانت کی امید پر اٹھ کھڑے ہوں اور انہیں تمہارے ساتھیوں میں سے ہی کوئی راہ نما مل جائے۔

یوسف! میں خود بھی سلطان ابو الحسن کے نامور سالاروں میں سے کسی کو یہ کہنے کی جرأت نہیں کر سکتی کہ اب ہمیں فرڈیننڈ کے ایک ادنیٰ باجگزار کی

ملازمت اختیار کر لینا چاہیے۔ میری آخری کوشش یہ ہے کہ جن مجاہدوں کے ساتھ یہ بدنصیب قوم اپنے مستقبل کی امیدیں وابستہ کر سکتی ہے۔ انہیں غرناطہ میں نہیں رہنا چاہیے۔ اب جاؤ! وہ تمہارا انتظار کر رہے ہیں اور میں اس بات کی ذمہ داری لیتی ہوں کہ ابو عبداللہ تمہارے کام میں کوئی مداخلت نہیں کرے گا۔

تھوڑی دیر بعد یوسف اپنے دل پر ایک ناقابلِ برداشت بوجھ لیے دو مسلح آدمیوں کی رہنمائی میں الحمرا میں اس کمرے کا رخ کر رہا تھا جہاں قلعہ دار اور اس کے ساتھی جمع تھے۔ تاہم سلمان، سعید، عاتکہ اور منصور کو فوراً غرناطہ سے روانہ کرنے کے متعلق اس کی بے چینی کس حد تک کم ہو چکی تھی۔

اندھیری رات کے مسافر

یوسف کی روانگی سے تھوڑی دیر بعد بحری فوج کے پانچ سابق عہدہ دار اس کے گھر پہنچ چکے تھے اور قریباً ایک گھنٹے بعد وہ سلمان اور عبدالملک کے ساتھ اپنے متعلق ضروری تفصیلات طے کر چکے تھے۔ اب انہیں الحمرا سے یوسف کی واپسی کا انتظار تھا۔

اچانک عبدالمنان اور جمیل گھبرائے ہوئے کمرے میں داخل ہوئے اور عبدالمنان ہانپتا ہوا سلمان سے مخاطب ہوا۔ ”خدا کا شکر ہے کہ آپ واپس نہیں گئے۔ عبیداللہ کے مکان کے آس پاس حکومت کے آدمی پھر رہے ہیں۔“

”انہیں سعید کے متعلق معلوم ہو چکا ہے؟“ سلمان اضطراب کی حالت میں اٹھ کر کھڑا ہو گیا۔

عبد المنان نے جواب دیا۔ ”نہیں۔ سعید کو کوئی خطرہ نہیں۔ پولیس صرف آپ کی شکل و صورت اور قد و قامت کے آدمی کو تلاش کر رہی ہے۔ مجھے یقین ہے کسی مخبر نے آپ کو ابو الحسن کے ساتھ ان کے گھر سے نکلتے دیکھ کر آپ کا پیچھا کیا تھا۔ پولیس کو آپ کے علاوہ اس بگھی اور کوچوان کا حلیہ بھی معلوم ہے جس پر آپ سوار ہوئے تھے۔“

ولید نے سوال کیا۔ ”تمہیں کس نے بتایا؟“

”میری معلومات کا ذریعہ پولیس کا ہی ایک افسر ہے جو اپنے چند اور ساتھیوں کی طرح در پردہ ہمارے لیے کام کر رہا ہے۔ وہ بچپن سے ابو الحسن کے بڑے بھائی کا دوست تھا اور میرے گھر کے قریب ہی رہتا ہے۔ اس نے مجھے یہ بتایا تھا کہ اب کوتوال کو ابو الحسن کے گھر سے نکلنے والے اجنبی کے متعلق دو اطلاعات ملی تھیں۔ پہلی یہ کہ وہ سڑک پر مسجد کے

قریب بگھی پر سوار ہوا تھا اور دوسری یہ کہ وہ بگھی سے اتر کر یوسف کے گھر چلا گیا تھا جہاں شہر کے کچھ لوگ اور قبائلی سردار جمع ہو رہے تھے۔" نائب کوتوال کو شہر میں گشت کرتے ہوئے یہ اطلاعات ملیں تو وہ خود بھی وہاں پہنچ گیا۔ یہاں اسے ایک غیر متوقع حادثہ پیش آیا۔ اس نے کسی فوجی افسر کی بگھی کی تلاشی لینے کی کوشش کی تو اس نے اسے۔۔۔!"

سلمان نے تلملا کر کہا۔ "آپ ہمیں پوری داستان سنانے کی بجائے دو لفظوں میں نہیں بتا سکتے کہ موجودہ صورتِ حال کیا ہے؟"

عبد المنان نے جواب دیا۔ "جناب! اس وقت یہ صورت ہے کہ پولیس کے آٹھ دس آدمی سادہ کپڑوں میں عبید اللہ کے مکان کے آس پاس گھوم رہے ہیں اور وہ گلی میں آنے جانے والوں سے ایک اجنبی کے متعلق پوچھ رہے ہیں۔ وہ دوست جس نے مجھے یہ اطلاع دی ہے کوتوال اور اس کے نائب کی گفتگو سن چکا تھا اور اس نے یہ تشویش ظاہر کی تھی کہ ان کو کسی شخص پر ترکوں کے جاسوس ہونے کا شبہ ہے۔"

”مجھے یہ خطرہ تھا کہ آپ واپس آ چکے ہوں گے اس لیے میں نے جمیل اور دوسرے ساتھیوں کو خبر دار کیا اور پھر چند رضا کاروں کو آپ کی حفاظت کے لیے روانہ کرنے کے بعد جمیل کے ساتھ ولید کے گھر پہنچا، لیکن ولید کے ابّا جان کو اس سے پہلے ہی پولیس کی نقل و حرکت کی اطلاع مل چکی تھی اور وہ احتیاطاً سعید اور اس کے ساتھیوں کو اپنے گھر لے آئے تھے۔ پھر جب میں نے انہیں یہ بتایا کہ پولیس سعید کو نہیں بلکہ آپ کو تلاش کر رہی ہے تو انہوں نے فوراً اپنی بگھی تیار کروائی اور ہمیں یہاں پہنچنے کا حکم دیا۔“

سلمان نے پوچھا۔ ”پولیس کے کسی آدمی نے ابوالحسن سے بھی کوئی بات کی ہے؟“

”نہیں! ابھی تک پولیس نے عبید اللہ کے دروازے پر دستک دینے کی جرأت نہیں کی اور باقی لوگوں کی طرح ابوالحسن بھی ولید کے والد کے گھر آ گیا ہے وہ سب یہی تاکید کرتے ہیں کہ آپ بلا تاخیر غرناطہ سے نکل جائیں اور راستے میں کسی محفوظ جگہ چھپ کر اپنے ساتھیوں کا انتظار

کریں۔ وہ موقع ملتے ہی آپ کے پاس پہنچ جائیں گے۔“

”میں راستے میں اس بات کا انتظام کر آیا ہوں کہ چند سوار شہر کے دروازے سے باہر پہنچ جائیں۔ یہ جانباز پہلی منزل تک آپ کا ساتھ دیں گے اور یہ اطمینان کر کے واپس آئیں گے کہ پہاڑوں کے کسی قبیلے کے سردار نے آپ کی اعانت کے لی تسلّی بخش انتظام کر لیا ہے۔ میں آپ کے لیے گھوڑا نہیں لا سکا لیکن اب آپ کو یہیں سے ایک اچھا گھوڑا مل سکتا ہے اور عثمان یا اس گھر کا کوئی نوکر اسے شہر سے باہر پہنچا دے گا اور ہم آپ کو بگھی سے لے جائیں گے۔“

چند لمحات کے لیے سلمان کی قوّت فیصلہ جواب دے چکی تھی۔ وہ اضطراب کی حالت میں کبھی عبد المنان اور کبھی دوسرے آدمیوں کی طرف دیکھ رہا تھا۔

عبد المنان نے اپنی جیب سے ایک کاغذ نکالا اور سلمان کو پیش کرتے ہوئے کہا۔ ”معاف کیجئے میں پریشانی کی وجہ سے آپ کو یہ خط دینا بھول گیا

تھا۔" سلمان نے کاغذ کھول کر پڑھا۔ یہ بدریہ کا ایک مختصر سا پیغام تھا اور شکستہ تحریر سے یہ ظاہر ہوتا تھا کہ یہ چند سطور انتہائی عجلت میں لکھی گئی ہیں:

"اندھیری رات کے مسافر!

اگر میں آپ سے کچھ کہنے کا حق رکھتی ہوں تو میری پہلی اور آخری التجا یہی ہے کہ آپ ماموں جان کا کہا مانیں۔۔۔۔ اور مجھے یقین ہے کہ اس مسئلہ میں چچا یوسف بھی ماموں اور سعید کے ہم خیال ہوں گئے کہ آپ کو اب کسی تاخیر کے بغیر غرناطہ سے نکل جانا چاہیے۔۔۔۔ آپ کو الوداع کہنا میرے لیے ہر حالت میں یکساں تکلیف دہ ہوتا لیکن اگر خدانخواستہ غدّاروں نے آپ کو گرفتار کر لیا تو یہ صدمہ صرف میرے لیے ہی نہیں بلکہ سعید اور عاتکہ کے لیے بھی ناقابل برداشت ہو گا۔ خدا کے لیے میرا کہا مانئے۔۔۔ اس دنیا میں کوئی ایسا بھی تو ہونا چاہیے جو آنکھوں سے دور رہ کر بھی زندگی کا ایک بڑا سہارا ہو۔۔۔۔ اگر وقت اجازت دیتا تو میرا یہ خط بہت طویل ہوتا لیکن باہر۔۔۔ آپ کے دوستوں کے لیے بگھی تیار

کھڑی ہے۔ ماموں جان، مجھے آوازیں دے رہیں ہیں اور میں ہمیشہ آپ کو آوازیں دیتی رہوں گی۔ خدا حافظ سلمان۔۔۔۔

بدریہ"

سلمان کچھ دیر اس شکستہ تحریر پر آنسوؤں کے دھبے دیکھتا رہا۔ پھر اس نے ایک گہری سانس لی اور خط ولید کی طرف بڑھا دیا۔ ولید نے خط پڑھنے کے بعد اسے واپس دیتے ہوئے کہا۔ "میں بدریہ سے متّفق ہوں، لیکن چچا یوسف ابھی تک واپس نہیں آئے اور ہم ان کے مشورے کے بغیر کوئی قدم نہیں اٹھا سکتے۔ بد قسمتی سے یہ وقت ایسا ہے کہ ہم انہیں الحمرا میں آسانی سے کوئی پیغام بھی نہیں بھیج سکتے۔"

معاً انہیں صحن میں بگھی کی کھڑ کھڑاہٹ سنائی دی۔ سلمان نے کہا۔ "شاید وہ آرہے ہیں۔"

وہ سب دروازے کی طرف دیکھنے لگے اور ولید اٹھ کر کمرے سے نکل گیا۔

بگھی رُک گئی اور پھر چند ثانیے بعد وہ ولید اور یوسف کی بیوی کی گفتگو سن رہے تھے۔

"چچا جان! آپ کے ساتھ نہیں آئے؟"

"نہیں! وہ اس وقت کسی ضروری کام سے الحمرا میں رُک گئے ہیں اور شاید انہیں ابھی وہاں کافی دیر لگ جائے۔ لیکن معزّز مہمانوں کے لیے انہوں نے یہ پیغام بھیجا ہے کہ وہ ان کا انتظار کریں۔" "چچی جان! آپ کچھ پریشان معلوم ہوتی ہیں۔ انہیں وہاں کوئی خطرہ تو نہیں؟"

"نہیں!" اس نے مغموم لہجے میں جواب دیا۔ کم از کم دو دن اور انہیں کوئی خطرہ نہیں۔"

"دو دن!" ولید کی آواز اس کے حلق میں ڈوب کر رہ گئی اور سلمان اور دوسرے ساتھی پریشانی کی حالت میں کمرے سے نکل کر برآمدے میں آ گئے۔

یوسف کی بیوی نہیں دیکھ کر آگے بڑھی اور اس نے لرزتی ہوئی آواز میں

کہا۔ ”مجھے اپنے شوہر کے مہمانوں کو پریشان نہیں کرنا چاہیے۔ لیکن مسئلہ ایسا ہے کہ میں اپنے مکان کی چھت پر جا کر دہائی دینا چاہتی ہوں کہ غرناطہ کی قسمت کا فیصلہ ہو چکا ہے اور دو دن بعد سلطان ابو عبد اللہ الحمرا خالی کر دے گا اور اس کے بعد دشمن کی فوجیں شہر میں داخل ہو جائیں گی۔ میرے شوہر کو ان حالات میں بھی کسی معجزے کا انتظار تھا لیکن اب شاید معجزات کا وقت گزر چکا ہے۔“

وہ آنسو پونچھتی ہوئی بالائی منزل کے زینے کی طرف بڑھی۔ سلمان اور اس کے ساتھی کچھ دیر سکتے کی حالت میں ایک دوسرے کی طرف دیکھتے رہے۔ بالآخر ولید آگے بڑھا اور اس نے اپنی سسکیاں ضبط کرتے ہوئے کہا۔ ”آپ اندر تشریف رکھیں میں اس بگھی پر الحمرا جا کر انہیں اطلاع دینے کی کوشش کروں گا۔“

لیکن اتنی دیر میں سلمان کا مدافعانہ شعور پوری طرح بیدار ہو چکا تھا۔ اس نے ایک فیصلہ کن لہجے میں کہا۔ ”نہیں! اگر وہ الحمرا میں اپنی مرضی سے رک گئے ہیں تو اس کا ایک ہی مطلب ہو سکتا ہے کہ وہ کسی اہم ذمہ داری کا

سامنا کر رہے ہیں۔ کم از کم میں ایسے وقت میں اپنے حصّے کی ذمہ داریاں پوری کرنے کے لیے انہیں پریشان نہیں کروں گا۔"

عبدالملک نے کہا۔ "میرا ابھی یہی مشورہ ہے کہ موجودہ حالات میں آپ کو ایک لمحہ بھی ضائع نہیں کرنا چاہیے۔ جب وہ تشریف لائیں تو ہم انہیں یہ بتائیں گے کہ آپ کے لیے غرناطہ سے نکلنا ناگزیر ہو گیا تھا۔ ہو سکتا ہے کہ ان سے ملاقات کے بعد ہم بھی آپ کے پیچھے پیچھے چل پڑیں ورنہ کل کسی وقت ضرور روانہ ہو جائیں گے۔"

سلمان ولید سے مخاطب ہوا۔ "ولید! اگر تم بیگم صاحبہ سے اجازت لے سکو تو مجھے ان کی بگھی کے علاوہ چار گھوڑوں کی ضروری ہے۔ بگھی باہر سڑک پر کسی جگہ سے واپس آ جائے گی۔ اس کے بعد گھوڑے بھی واپس بھیج دیے جائیں گے۔"

ولید نے جواب دیا۔ "بیگم صاحبہ سے اجازت لینے کی ضرورت نہیں۔ مجھے اس بات کا پورا اختیار ہے کہ آپ کو جس چیز کی ضرورت ہو، وہ آپ کے

حوالے کر دی جائے۔ میں ابھی گھوڑے تیار کرواتا ہوں۔" ولید باہر نکل گیا۔

سلمان نے جمیل سے مخاطب ہو کر کہا "تم باہر جا کر معلوم کرو! اگر آس پاس رضاکار موجود ہیں تو چار رضاکاروں کو بلا لاؤ۔ وہ فالتو گھوڑے شہر سے باہر لے جائیں گے۔"

"جناب! اس علاقے کے جانبازوں کو یہ ہدایت مل چکی ہے کہ جب تک انہیں یوسف کی طرف سے اجازت نہ ملے وہ اس وقت تک مکان کے قریب ہی موجود رہیں گے۔ میں انہیں ابھی بلاتا ہوں۔"

جمیل یہ کہہ کر وہاں سے چل دیا۔

عبد المنان جو ابھی تک خاموش کھڑا تھا۔ سلمان سے مخاطب ہوا "جناب! میرے لیے کیا حکم ہے؟"

سلمان نے آگے بڑھ کر پیار سے اس کے کندھے پر ہاتھ رکھتے ہوئے کہا۔ "دوستوں کو حکم نہیں دیا جاتا، ان سے صرف درخواست کی جاتی ہے اور

تم ایسے دوست ہو جس سے درخواست کرنے کی بھی ضرورت پیش نہیں آتی۔ تم میرے ساتھ باہر آؤ۔"

پھر وہ دوسرے آدمیوں سے مخاطب ہوا۔ "آپ اندر تشریف رکھیں۔ میں آپ کو خدا حافظ کہے بغیر نہیں جاؤں گا۔"

☆☆☆

تھوڑی دیر بعد سلمان ڈیوڑھی سے باہر نکل کر عبد المنان سے کہہ رہا تھا "عثمان تمہارے ساتھ آیا ہے؟"

"ہاں! وہ ابو نصر کے کوچوان کے ساتھ بیٹھا ہوا ہے۔"

سلمان نے کہا۔ "یہ عجیب بات ہے کہ جب مجھے کسی ہوشیار ساتھی کی ضرورت محسوس ہوتی ہے تو یہ ہونہار لڑکا میرے پاس پہنچ جاتا ہے۔"

"عثمان کے لیے اس سے بڑا انعام اور کیا ہو سکتا ہے کہ آپ اسے ایک ہونہار لڑکا سمجھتے ہیں۔ اس نے یہ فرض کر لیا ہے کہ آپ اسے ساتھ لے

جائیں گے اور میں اس سے وعدہ بھی کر چکا ہوں، اسے سمندر اور جہاز دیکھنے کا بہت شوق ہے!"

"اور آپ نے اپنے متعلق کیا سوچا ہے؟"

عبد المنان نے جواب دیا۔ "جب حشر بپا ہو جائے تو میرے جیسے لوگ صرف دیکھ سکتے ہیں۔ سوچ نہیں سکتے۔ اگر میں آپ کے عزائم اور حوصلوں کا ساتھ دے سکتا تو میرا جواب یہی ہونا چاہیے تھا کہ میں بھی آپ کے ساتھ جانا چاہتا ہوں۔ لیکن غرناطہ کے سقوط کے ساتھ میرے عزائم اور حوصلے ختم ہو جائیں گے اور میں صرف زندگی کے دن پورے کرنے کے لیے زندہ رہوں گا۔"

سلمان نے کہا۔ "بہرحال تمہیں سوچنے کے لیے کچھ وقت مل جائے گا۔ پھر اگر تمہارے خیالات میں کوئی تبدیلی آجائے تو یوسف تمہیں ساحل کے اس مقام کا پتا بتا سکے گا جس کے آس پاس میرا جہاز لنگر انداز ہو گا اور اس جہاز پر تمہارے لیے کافی جگہ ہو گی۔"

وہ باتیں کرتے ہوئے اصطبل کے قریب پہنچ چکے تھے جہاں نوکر گھوڑوں پر زینیں کسنے میں مصروف تھے۔ ولید باہر کھڑا تھا۔ اس نے سلمان کی طرف دیکھتے ہی کہا۔

"جناب! گھوڑے ابھی تیار ہو جائیں گے اور چند منٹ بعد رضا کار بھی یہاں پہنچ جائیں گے۔"

"ولید۔" سلمان نے کہا۔ "تم نے یہ نہیں پوچھا کہ میں فالتو گھوڑے کیوں لے جانا چاہتا ہوں۔"

"جناب! مجھے یہ پوچھنے کی ضرورت نہیں۔ مجھے معلوم ہے کہ آپ سعید اور اس کے ساتھیوں کے بغیر نہیں جائیں گے۔ لیکن یہ بات میری سمجھ میں نہیں آسکی کہ جب ہماری بگھی یہاں موجود ہے تو آپ دوسری بگھی کیوں لے جانا چاہتے ہیں۔"

"تمہیں یہ بھی معلوم ہو جائے گا۔ اب تم جاؤ اور یوسف کے اسلحہ خانے سے دو ترکش کمانیں، دو طمنچے اور کچھ بارود اُٹھالاؤ۔"

ولید نے کہا۔ ”جناب! اگر آپ ہمارے گھر جا رہے ہیں تو وہاں بھی آپ کو کافی اسلحہ مل سکتا ہے۔“

”میں صرف احتیاط کرنا چاہتا ہوں۔ ہو سکتا ہے کہ ہمیں تمہارے گھر کے راستے میں ہی ضرورت پیش آ جائے۔“

سلمان نے چند قدم آگے بڑھ کر عثمان کو آواز دی۔ وہ بگھی سے چھلانگ لگا کر اس کے قریب پہنچا تو اس نے کہا۔ ”عثمان! تمہیں جہاز دیکھنے کا شوق ہے؟“

عثمان نے پہلے اپنے آقا اور پھر سلمان کی طرف دیکھا۔ ”اگر آقا اجازت دیں تو میں آپ کے ساتھ جانا چاہتا ہوں۔ اس کی آنکھوں میں آنسو چھلک رہے تھے۔“

سلمان عبدالمنان سے مخاطب ہوا۔ ”اب آپ کو یہاں ٹھہرنے کی ضرورت نہیں۔ آپ ابو نصر کی بگھی پر سوار ہو کر ان کے گھر جائیں اور ان سے کہیں کہ سعید، عاتکہ اور منصور میرے ساتھ جانے کے لیے تیار

ہو جائیں اور جب ہماری بگھی مکان کے قریب پہنچے تو آپ فوراً دروازہ کھلوادیں۔ شہر کے دروازے تک آپ کو بھی ہمارے ساتھ چلنا پڑے گا۔ میں عام حالات میں سیدھا جنوب مشرق کا رُخ کرتا لیکن سعید کو ابھی آرام کی ضرورت ہے۔ اس لیے ہم بگھی اس کے گاؤں تک لے جائیں گے اور وہاں سے اس کے ساتھ رضاکاروں کو بھی واپس بھیج دیں گے۔ سعید کے گاؤں سے ہمیں کئی مددگار مل جائیں گے۔ دوسری بگھی راستے سے ہی واپس بھیج دی جائے گی۔"

عبد المنان نے کہا۔ شیخ یعقوب نے عثمان کو ایک بہت اچھا گھوڑا دیا تھا۔ آپ کے ساتھ جانے کے لیے گھوڑے کے علاوہ اچھے کپڑوں کی بھی ضرورت ہے۔ اس لیے اگر آپ اجازت دیں تو میں اسے راستے میں سرائے کے قریب اتار دوں۔ اس کے بعد وہ دروازے پر آپ کا انتظار کرے گا۔"

سلمان نے کہا۔ "ہاں! عثمان تم ان کے ساتھ جاسکتے ہو لیکن اگر تمہیں تیاری میں زیادہ دیر نہ لگی تو تم ایک کام اور بھی کرسکتے ہو۔"

عثمان نے جواب دیا۔ ”جناب اتنی دیر مجھے لباس تبدیل کرنے میں لگے گی، اتنی ہی دیر میں میرا آدمی گھوڑے پر زین کس دے گا۔ آپ حکم دیجیے۔“

تم سیدھے ابو یعقوب کے پاس جاؤ اور انہیں یہ پیغام دے کر سڑک پر واپس پہنچ جاؤ کہ ہم تھوڑی دیر تک یہاں سے روانہ ہو جائیں گے۔ فی الحال ہمارا یہی ارادہ ہے کہ ہم بگھیوں کو سڑک سے تھوڑی دور لے جائیں، اس لیے وہ چند سواروں کو روانہ کر دیں تاکہ اگر آگے کوئی خطرہ ہو تو وہ ہمیں راستے میں خبر کر دیں۔ یہ بھی ہو سکتا ہے کہ ہمیں سڑک چھوڑ کر ابو یعقوب کی بستی کا رُخ کرنا پڑے۔ تم نے راستے میں ایک اجڑا ہوا مکان دیکھا ہو گا جس کے قریب سڑک کا نشیب بارش کے پانی سے ایک نالہ بن جاتا ہے؟“

عثمان نے جواب دیا۔ ”جناب! آپ حکم دیں میں آنکھیں بند کر کے وہاں پہنچ سکتا ہوں۔“ ”جو رضاکار دروازے سے باہر جا چکے ہیں، ان سے کہو کہ وہ اس مکان کے پیچھے چھپ کر کھڑے رہیں۔“

سلمان یہ کہہ کر عبد المنان سے مخاطب ہوا "اس کو شہر سے نکلنے میں کوئی دقّت تو نہیں ہو گی؟"

"نہیں جناب! آپ مطمئن رہیں۔ ہم وہاں پورا پورا انتظام کر کے آئے ہیں۔ آؤ عثمان!"

وہ بھاگ کر بگھی پر سوار ہو گئے۔

☆☆☆

غرناطہ کا کوتوال اپنے بستر پر لیٹا دن بھر کے واقعات کے متعلق سوچ رہا تھا۔ اچانک کسی نے دروازے پر دستک دی۔

"کون؟" وہ غصّے میں اٹھ کر بیٹھ گیا۔

نوکر دروازہ کھول کر اندر داخل ہوا اور اس نے آگے بڑھ کر ایک انگوٹھی پیش کرتے ہوئے کہا۔ "جناب! باہر کوئی آدمی آپ سے ملنا چاہتا ہے۔ اس نے نشانی کے طور پر یہ انگوٹھی بھیجی ہے۔

کوتوال نے شمع کے قریب جا کر انگوٹھی دیکھنے کے بعد کہا ”وہ باہر کھڑے ہیں؟“ ”تم انہیں اندر کیوں نہیں لے آئے؟“

”جناب! اس وقت پہریدار آپ کی اجازت کے بغیر دروازہ کھولنے سے جھجکتا تھا اور اس کو بغلی سوراخ سے یہ انگوٹھی دینے والے نے بھی اپنا نام بتانے سے انکار کر دیا تھا۔ وہ یہ کہتا تھا کہ صرف یہ نشانی لے جاؤ، مجھے بہت جلدی ہے اور میں ایک ضروری پیغام دیتے ہی روانہ ہو جاؤں گا۔“

”وہ گدھا عتبہ کی آواز بھی نہیں پہچان سکا!“ کوتوال نے کہا۔ اور پھر جلدی سے جوتے پہنے اور ایک بھاری قبا کندھوں پر ڈالنے کے بعد کمرے سے باہر نکل گیا۔

تھوڑی دیر بعد پہریدار اس کی ڈانٹ ڈپٹ سن کر دروازہ کھول رہا تھا کوتوال جلدی سے باہر نکلا لیکن اتنی دیر میں ایک بگھی جو دروازے سے چند قدم دور سڑک کے کنارے کھڑی تھی حرکت میں آچکی تھی۔

”ٹھہرو! ٹھہرو! کوچوان! بگھی روکو!“ وہ پوری رفتار سے پیچھے بھاگ رہا

تھا۔ بگھی کوئی تیس قدم آگے جا کر رک گئی۔ بھاری بھر کم آدمی بری طرح ہانپا ہوا قریب پہنچا اور اس بگھی کے اندر جھانکتے ہوئے کہنے لگا۔ عتبہ خدا کی قسم! مجھے تمہارا پیغام بہت دیر۔۔۔"

وہ ان فقرہ پورا نہ کر سکا۔ آنکھ جھپکنے میں اس کی گردن سلمان کے آہنی ہاتھوں کی گرفت میں تھی۔ ولید نے اس کا بازو پکڑ کر اندر کھینچ لیا اور بگھی دوبارہ روانہ ہو گئی۔

جمیل نے اپنا خنجر اس کے سینے پر رکھ کر آہستہ سے دبا دیا اور اس کی رہی سہی ہمّت بھی جواب دے گئی۔

سلمان نے اس کی گردن سے اپنے ہاتھوں کی گرفت ذرا ڈھیلی کرتے ہوئے کہا۔ "دیکھو! اگر تم نے شور مچانے کی کوشش کی تو آواز نکالنے سے پہلے تمہاری گردن مروڑ دی جائے گی۔ ہم خنجر یا طمنچہ استعمال کر کے اس خوب صورت بگھی کو تمہارے خون سے غلیظ کرنا پسند نہیں کریں گے۔"

کوتوال نے کھانستے ہوئے بڑی مشکل سے کہا۔ "مجھے معلوم ہے کہ آپ کی

مرضی کے بغیر میری آواز حلق سے باہر نہیں آ سکتی۔ لیکن آپ کون ہیں؟ اور کیا چاہتے ہیں؟ میں آپ کے ہر حکم کی تعمیل کروں گا۔“

سلمان عقب سے بگھی کا پردہ اٹھا کر چند ثانیے سڑک کی طرف دیکھتا رہا۔ پھر کوتوال سے مخاطب ہوا۔

”تم سمجھ دار آدمی معلوم ہوتے ہو۔ میرا پہلا حکم یہ ہے کہ اگر پولیس کا کوئی آدمی اس بگھی کے قریب آنے کی کوشش کرے تو تم اسے دور سے آواز دے کر روک دینا۔ ضرورت کے وقت شاید تمہیں بگھی سے سر نکال کر یہ بھی کہنا پڑے گا کہ تم اپنے دوستوں کے ساتھ سفر کر رہے ہو۔ لیکن تمہاری آواز سن کر کسی کو یہ احساس نہیں ہونا چاہیے کہ تم خوف یا مجبوری کی حالت میں میرے حکم کی تعمیل کر رہے ہو۔ تمہاری غلطی کی سزا صرف تمہاری ذات تک محدود نہیں رہے گی، بلکہ تمہیں یہ بھی معلوم ہونا چاہیے کہ اس وقت ہمارے ساتھی تمہارے گھر کا محاصرہ کر چکے ہیں اور اگر انہیں کسی وقت یہ اطلاع ملی کہ ہماری بھی کا پیچھا کیا جا رہا ہے تو وہ تمہارے گھر کے کسی فرد کو زندہ نہیں چھوڑیں گے۔“

”جناب! مجھ پر رحم کیجئے۔ میں وعدہ کرتا ہوں کہ مجھ سے کوئی غلطی نہیں ہو گی۔“

سلمان نے اٹھ کر دروازے سے سر نکالتے ہوئے آواز دی۔ کوچوان بگھی کو آرام سے چلنے دو!“

پھر اس نے دوبارہ اپنی جگہ پر بیٹھتے ہوئے کہا۔ ”انشاء اللہ ہم تمہیں کسی غلطی کا موقع ہی نہیں دیں گے۔ اب تم بیٹھو اور اطمینان سے میرے ساتھ بیٹھ جاؤ۔ جمیل تم اس کے ہاتھ پاؤں جکڑ دو۔ لیکن اسے زیادہ تکلیف نہیں ہونی چاہیے۔“

کوتوال نے کسی حیل و حجّت کے بغیر حکم کی تعمیل کی اور سلمان نے قدرے توقّف کے بعد طمنچہ نکال کر اس کی کنپٹی پر رکھتے ہوئے کہا۔ ”اب میں تم سے ایک اور بات پوچھنا چاہتا ہوں۔ اگر تم نے ذرا سی بھی غلط بیانی سے کام لیا تو مجھے تمہارے سر میں ایک سوراخ کرنے کے بعد صرف اس بات کا افسوس ہو گا کہ میرا قیمتی بارود ضائع ہوا ہے۔“

”جناب!“ اس نے کانپتی ہوئی آواز میں کہا۔ ”میں آپ سے جھوٹ نہیں بولوں گا۔“

سلمان نے پوچھا۔ ”عتبہ کہاں ہے؟“

”جناب! وہ ویگا میں ہو گا۔“

”تمہیں اس نے کیا پیغام بھیجا تھا؟“

”وہ سہ پہر کے وقت شہر سے باہر مجھ سے ملنا چاہتا تھا لیکن اس کا پیغام مجھے چند گھنٹے بعد ملا۔“

”تمہیں یقین ہے کہ وہ شہر میں نہیں آیا؟“

”جناب! مجھے یقین ہے اگر وہ یہاں آنے میں خطرہ محسوس نہ کرتا تو وہ مجھے ملاقات کے لیے باہر نہ بُلواتا۔“

”لیکن اس کی نشانی ملنے پر تم نے جس بے قراری کا مظاہرہ کیا ہے اس سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ تم اس کے منتظر تھے!“

”جناب! میں نے یہ سمجھا تھا کہ اگر وہ خطرے سے بے پرواہ ہو کر یہاں آ گیا ہے تو یقیناً کوئی اہم معاملہ ہو گا۔“

”تمہیں معلوم نہیں تھا کہ وہ تم سے کیوں ملنا چاہتا ہے؟“

”جناب! اس نے اپنے خط میں صرف اتنا لکھا تھا کہ اس کے گھر میں کوئی غیر متوقع حادثہ پیش آ چکا ہے۔“

”بہت اچھا۔ اب تم خاموش بیٹھے رہو اور اس بات کا خیال رکھو کہ کہیں تمہارے گھر کو بھی کوئی حادثہ پیش نہ آ جائے۔“

☆☆☆

دس منٹ بعد طبیب ابو نصر کے مکان کی عالیشان ڈیوڑھی کا دروازہ کھلا۔ بگھی اندر داخل ہوئی اور نوکروں نے جلدی سے کواڑ بند کر دیے۔

پھر کوئی پانچ منٹ بعد دروازہ دوبارہ کھلا اور دو بگھیاں یکے بعد دیگرے گھر سے باہر نکل رہی تھیں۔ اگلی بگھی پر جو یوسف کے گھر سے آئی تھی، ایک

طرف سعید، عاتکہ کے سامنے سلمان کے پہلو میں کوتوال بیٹھا ہوا تھا۔ ان کے پیچھے دوسری بگھی پر ولید، جمیل اور عبدالمنان سوار تھے۔

وہ لمحات کتنی جلدی گزر گئے جب تاریک رات کے مسافر اپنے میزبانوں اور دوستوں سے رخصت ہو رہے تھے۔ وہ داستان کتنی طویل تھی جو صرف خدا حافظ کے الفاظ پر ختم ہو چکی تھی اور پھر وہ سکوت، جب سلمان نے ایک پاؤں بگھی کے پائدان پر رکھتے ہوئے بدریہ پر آخری نظر ڈالی تھی۔ زندگی کے کتنے نغموں اور سپنوں کے کتنے جزیروں کو اپنے دامن میں سمیٹ چکا تھا۔

بدریہ! بدریہ! بدریہ! وہ تصور میں آوازیں دے رہا تھا۔ اسے تیز رفتار گھوڑوں کی ٹاپ اور بگھی کے پہیوں کی کھڑ کھڑاہٹ میں بھی اس کی دبی دبی سسکیاں سنائی دے رہی تھیں۔ پھر اسے یوں محسوس ہوا جیسے کی دنیا اس کی نگاہوں سے اوجھل ہو گئی۔

”بھائی جان!“ ولید کہہ رہا تھا۔ ”اگر شہر سے باہر سواری کے لیے گھوڑے

موجود ہیں تو ہمیں بگھیاں واپس کر دینی چاہئیں۔ میں بالکل ٹھیک ہو گیا ہوں اور آپ کے ساتھ گھوڑے پر سفر کرتے ہوئے مجھے کوئی تکلیف نہیں ہو گی۔ ولید اور جمیل کو فوراً یوسف کے گھر پہنچ جانا چاہیے۔ میں یہ نہیں چاہتا کہ ہمارے محسنوں کو ان بگھیوں کی وجہ سے کسی الجھن کا سامنا کرنا پڑے۔"

سلمان نے جواب دیا۔ "میرا خیال تھا کہ جہاں تک سڑک جاتی ہے، تمہارے لیے بگھی پر سفر کرنا زیادہ آرام دہ ہو گا۔ لیکن اگر تم سواری کی تکلیف برداشت کر سکتے ہو تو ہم کئی اُلجھنوں سے بچ جائیں گے۔"

"بھائی جان! آج مجھے یہ بھی محسوس نہیں ہوتا کہ میں کبھی بیمار رہا ہوں۔ آج میں کچھ گھر سے اندر تیر اندازی کی مشق بھی کر چکا ہوں اور مجھے یہ اطمینان محسوس ہوا ہے کہ میں بھاگتے ہوئے گھوڑے سے بھی تیر چلا سکتا ہوں۔"

"میں آپ کے لیے دو طمنچے اور کمانیں بھی لے آیا ہوں۔ مجھے یہ اطمینان

نہیں تھا کہ آپ عبید اللہ کے گھر سے میرا سامان بھی لے آئیں گے۔"

سعید نے کہا۔ "اور اس آدمی کے متعلق آپ نے کیا سوچا ہے؟"

"یہ آدمی اب اتنا کچھ جان گیا ہے کہ ہم اسے چھوڑنے کا خطرہ مول نہیں لے سکتے۔ ہم شہر سے باہر نکل کر کوئی فیصلہ کریں گے۔" کوتوال نے کہا۔
"خدا کے لیے مجھ پر رحم کیجیے!"

"خاموش!" سلمان نے گرج کر کہا۔ "تمہارے منہ سے رحم کا لفظ سن کر حامد بن زہرہ کی روح کو تکلیف ہو گی۔"

کوتوال نے سہمی ہوئی آواز میں کہا۔ "جناب! حامد بن زہرہ کے قاتلوں سے میرا کوئی تعلق نہیں۔ میں آپ کو ان سب کے نام بتا سکتا ہوں اور خدا کی قسم میں جھوٹ نہیں بولوں گا!"

سلمان نے کہا۔ "دنیا میں ہر برے آدمی کی زندگی میں ایسا وقت آتا ہے جب اسے جھوٹ کہنے میں کوئی فائدہ نظر نہیں آتا لیکن تم میری توقع سے زیادہ بدباطن ہو۔ تم یحییٰ کو جانتے ہو، وہ تمہاری پولیس میں کام کرتا تھا؟"

”جی ہاں! لیکن وہ لاپتا ہے!“

”اگر اسے تمہارے سامنے پیش کر دیا جائے تو تم اس کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر یہ کہہ سکو گے کہ حامد بن زہرہ کے قاتلوں کے ساتھ تمہارا کوئی تعلق نہیں؟“

کوتوال کی نگاہوں کے سامنے پھر ایک بار موت کے اندھیرے چھا گئے۔ تھوڑی دیر بعد بگھی کی رفتار کم ہو گئی۔ سلمان نے باہر جھانک کر دیکھا۔ دوسری بگھی دروازے کے سامنے کھڑی تھی۔ عبدالمنان نیچے اتر کر اطمینان سے چند پہریداروں کے درمیان کھڑے ایک افسر سے باتیں کر رہا تھا اور دو آدمی دروازہ کھول رہے تھے۔ چند ثانیے بعد عبدالمنان بگھی پر بیٹھ گیا تو افسر بھاگتا ہوا سلمان کی بگھی کے قریب پہنچا اور اس نے کہا۔

”جناب! آپ اطمینان سے جا سکتے ہیں۔ اب آپ کو دروازے کے آس پاس پولیس کا کوئی آدمی نظر نہیں آئے گا۔ ہماری طرح انہیں بھی یہ اطلاع مل چکی ہے کہ دو دن بعد نہ غرناطہ کی سلطنت ہو گی اور نہ اس

سلطنت کی فوج اور پولیس ہو گی۔ آپ کے ساتھی سڑک پر انتظار کر رہے ہیں لیکن آپ کو دشمن سے محتاط رہنا چاہیے۔" سلمان نے دروازے سے باہر سر نکالتے ہوئے اس سے مصافحہ کیا اور پھر بگھی چل پڑی۔

☆☆☆

بگھیاں سڑک کے نشیب میں رک گئیں اور رضاکار شکستہ مکان کی اوٹ سے نکل کر ان نے گرد جمع ہو گئے۔ سلمان نے کوتوال کو دھکا دے کر نیچے پھینک دیا اور خود بگھی سے باہر نکل آیا۔ اتنی دیر میں اگلی بگھی کے سوار بھی نیچے اتر چکے تھے۔

عثمان جو اپنی کارگزاری ظاہر کرنے کے لیے سخت بے چین تھا، آگے بڑھ کر بولا "میں آپ سے آدھا گھنٹہ پہلے شیخ ابو یعقوب کی بستی سے واپس آگیا تھا، وہ یہ کہتے تھے کہ میرے آدمی آگے گاؤں کے لوگوں کو خبردار کرنے کے بعد آپ کے ساتھ شامل ہو جائیں گے اور سعید کے گھر تک آپ کا ساتھ دیں گے۔"

دوسرے آدمی نے کہا۔ ”جناب! ہم آپ کے لیے گھوڑے یہیں لے آئے ہیں۔

سلمان نے ولید سے مخاطب ہو کر کہا۔ ”یحییٰ کی روح اس اجڑے ہوئے مکان میں غرناطہ کے کوتوال کا انتظار کر رہی ہے۔ اسے وہاں لے جایئے!“

جمیل نے خنجر سے اس کے پاؤں کی رسی کاٹ ڈالی۔ دو آدمیوں نے اس کا بازو پکڑ کر اٹھایا اور ولید اسے ننگی تلوار سے ہانکنے لگا۔

کوتوال جو اب تک موہوم امیدوں کا سہارا لے رہا تھا، اپنا آخری وقت قریب دیکھ کر بلبلا اُٹھا۔ ”خدا کے لئے! مجھ پر رحم کرو۔ میں آپ کا ساتھ دینے کے لیے تیار ہوں۔ میں حامد بن زہرہ کے تمام قاتلوں کے نام بتا سکتا ہوں۔ آپ کو ابھی تک ابو القاسم کی آخری سازش کا علم نہیں۔ خدا کے لیے میری بات سنو! پرسوں دشمن کی فوج غرناطہ میں داخل ہو جائے گی۔ مجھے چھوڑ دو۔ میں عتبہ کو گرفتار کر کے آپ کے حوالے کر دوں گا،

مجھے معاف کرو۔ مجھ پر رحم کرو!“

کوتوال کی ٹانگوں نے اس کا بوجھ اٹھانے سے انکار کر دیا تھا اور اس کے گھٹنے زمین سے رگڑ کھا رہے تھے۔ پھر شکستہ مکان کے ایک تاریک کمرے سے اس کی آخری چیخ سنائی دی اور اس کے بعد فضا میں سکوت طاری ہو گیا۔

سلمان نے عبد المنان سے مخاطب ہو کر کہا۔ ”اب آپ بگھیوں پر واپس پہنچنے کی کوشش کریں اور ہمارے لیے گھوڑے لانے والے رضا کاروں کو بھی ساتھ لے جائیں۔“

پھر وہ اپنے ساتھیوں کی طرف متوجہ ہوا۔ آپ بھی فوراً اپنے گھوڑوں پر سوار ہو جائیں۔ میں اور عثمان آپ سے پچاس قدم آگے رہیں گے۔ بظاہر ہمیں کوئی خطرہ نہیں تاہم احتیاط ضروری ہے۔“

پانچ منٹ کے بعد بگھیوں اور گھوڑوں کے سوار مختلف سمتوں کا رُخ کر رہے تھے۔

تعاقب

جب وہ سڑک سے شیخ ابو یعقوب کی بستی کی طرف نکلنے والے راستے کے قریب پہنچے تو انہیں سامنے سے گھوڑوں کی ٹاپ سنائی دی اور سلمان نے گھوڑا روک لیا۔

سلمان نے عثمان نے کہا۔ ”تم فوراً پیچھے جا کر انہیں یہ کہو کہ وہ سڑک سے ایک طرف ہٹ جائیں۔

عثمان نے اپنا گھوڑا موڑ لیا۔ آن کی آن میں سواروں نے سلمان کے قریب پہنچ کر اپنے گھوڑوں کی باگیں کھینچ لیں اور ایک آدمی پوری قوّت سے چلّایا۔ ”ٹھہریے ٹھہریے! آپ کو آگے جانے میں خطرہ ہے۔“

سلمان کو یہ آواز مانوس محسوس ہوئی اور اس نے کہا۔ ”یونس! کیا بات ہے؟“

”جناب آپ کے دشمن اگلی بستی میں پہنچ چکے ہیں۔“ یونس یہ کہہ کر جلدی سے دوسرے سوار کی طرف متوجہ ہوا۔ ”تم واپس جا کر اپنے ساتھیوں کو اطلاع دو۔ میں ان کے ساتھ جاتا ہوں۔“

جب اس نے گھوڑوں کی باگ موڑلی تو یونس نے سلمان سے مخاطب ہو کر کہا۔ ”جناب! آپ ابو یعقوب کی بستی کی طرف مڑ جائیں۔ ہم عتبہ کے آدمیوں کو زیادہ سے زیادہ دیر روکنے کی کوشش کریں گے۔ جلدی کیجیے۔ میں سڑک سے کچھ دور جا کر آپ کو سارے حالات بتادوں گا۔“

سلمان نے اپنے ساتھیوں کو آواز دی اور وہ گھوڑے بھگاتے ہوئے اس کے قریب آ گئے۔ پھر اس نے کہا۔ ”ہمیں اپنا راستہ تبدیل کرنا پڑے گا۔ تم ہمارے پیچھے پیچھے آؤ!“

تھوڑی دیر بعد جب وہ سڑک سے تھوڑی دور اجڑی ہوئی بستی کے مکانات

کی اوٹ میں کھڑے تھے۔ یونس سلمان کو اپنی سر گزشت سنا رہا تھا۔

''ہم ابو یعقوب کی بستی سے دوسرے راستے اگلے گاؤں کی طرف آئے تھے۔ جب ہم گاؤں کے قریب پہنچے تو ہمیں راستے میں دو آدمی ملے جو شیخ ابو یعقوب کو یہ اطلاع دینے کے لیے جارہے تھے کہ مسلح سواروں کا ایک گروہ ان کے گاؤں میں داخل ہو چکا ہے اور وہ باقی رات وہیں گزارنا چاہتے ہیں۔ انہوں نے گاؤں کے ایک اجڑے ہوئے مکان پر قبضہ بھی کر لیا ہے۔ ان سے چند سوال پوچھنے پر ہمیں یہ معلوم ہوا کہ یہ لوگ جنوب کی طرف سے آئے تھے اور چونکہ شام کے وقت سواروں کے ایک بڑے گروہ کو جو مغرب کی سمت سے نمودار ہوا تھا، نالے کا پل عبور کرنے کے بعد اجڑے ہوئے قلعے کی طرف جاتے دیکھا گیا تھا۔ اس لیے گاؤں کے لوگوں کو خدشہ تھا کہ ڈاکوؤں کی کوئی بڑی جماعت اس علاقے میں لوٹ مار کرنا چاہتی ہے۔''

''اس کے بعد ہم گاؤں کے اوپر چکر لگا کر سڑک کے قریب پہنچے تو ہمیں گھوڑوں کی ہنہناہٹ سنائی دی اور احتیاطاً باہر ہی ایک باغ میں چلے گئے۔

پھر ہمیں چند سوار آہستہ آہستہ غرناطہ کا رخ کرتے ہوئے دکھائی دیے۔ آپ کو فوراً اطلاع دینا ضروری تھا لیکن ضحاک نے یہ خدشہ ظاہر کیا کہ اگر ہم نے ان سے آگے بھاگنے کی کوشش کی تو وہ ہمارا پیچھا کریں گئے۔ اس لیے ہم نے انہیں آگے نکلنے کا موقع دیا اور پھر سڑک پر بیٹھ کر ان کے پیچھے پوری رفتار سے گھوڑے چھوڑ دیے۔ وہ شاید ہمیں اپنے ساتھی سمجھ کر بھاگنے کی بجائے رُک گئے تھے۔ اس لیے ہم نے آن کی آن میں تین آدمیوں کو سڑک پر ہی ڈھیر کر دیا۔ پھر ہم نے بائیں جانب کھیتوں میں کچھ دور باقی آدمیوں کا تعاقب کیا اور ایک کو ضحاک نے نیزہ مار کر گرا دیا۔ جب ہم سڑک پر واپس آئے تو ایک زخمی قسطلہ کی زبان میں اپنے ساتھیوں کو آوازیں دے رہا تھا لیکن ہمیں اس سے پہلے ہی یقین ہو چکا تھا کہ وہ عتبہ کے آدمی ہیں۔ ہمیں افسوس ہے کہ ہم باقی دو آدمیوں کو موت کے گھاٹ نہیں اتار سکے۔ اب وہ گاؤں میں اپنے ساتھیوں کو خبر دار کر دیں گے۔ ضحاک کے ساتھ شیخ ابو یعقوب کے پانچ اور آدمی آپ کو اس راستے سے نکل جانے کے لیے زیادہ سے زیادہ وقت دینے کے لیے رک گئے ہیں۔ ضحاک نے ایک آدمی کو میرے ساتھ روانہ کرتے ہوئے یہ کہا

تھا کہ دشمن کو آپ تک پہنچنے کے لیے ہماری لاشوں پر سے گزرنا پڑے گا۔"

سلمان نے سعید سے کہا۔ "سعید تم عاتکہ اور منصور کے ساتھ فوراً نکل جاؤ اور ابو یعقوب کی بستی میں ہمارا انتظار کرو۔ عثمان تمہاری رہنمائی کرے گا۔"

اور سعید تذبذب کی حالت میں کبھی سلمان اور کبھی عاتکہ کی طرف دیکھ رہا تھا۔ "جاؤ سعید۔ میرا کہا مانو!" اس نے گرجتی ہوئی آواز میں کہا۔ "اور عاتکہ! تم کیا سوچ رہی ہو؟ یہاں کوئی قلعہ نہیں اور تمہیں اس بات کا ثبوت دینے کی ضرورت نہیں کہ تم ایک بہادر لڑکی ہو۔ جب میرا ترکش خالی ہو جائے گا تو میں تمہیں لڑائی میں حصّہ لینے سے منع نہیں کروں گا۔ تھوڑی دیر میں ضحاک اور اس کے ساتھی یہاں پہنچ جائیں گئے اور مجھے یقین ہے کہ عتبہ کے آدمی اس کا پیچھا کر رہے ہوں گے۔ پھر مجھے ان کا مقابلہ کرنے کے لیے تمہاری اعانت سے زیادہ اس اطمینان کی ضرورت ہو گی کہ تم ان کے ہاتھ نہیں آ جاؤ گی۔ خدا کے لیے جاؤ! تمہارے اس

تذبذب کی وجہ سے کئی جانیں ضائع ہو جائیں گی۔" انہوں نے گھوڑوں کو ایڑ لگادی۔

سلمان اپنے ساتھیوں کی طرف متوجہ ہوا۔ "ساتھیو! اپنے گھوڑے آس پاس کے مکانات کے اندر ہانک دو۔ ہو سکتا ہے کہ دشمن کی تعداد ہم سے بہت زیادہ ہو۔ اس لیے تمہاری فتح کا انحصار اس بات پر ہے کہ تمہارا کوئی تیر رائیگاں نہ جائے۔ جو مکان راستے سے زیادہ قریب ہیں، ان کی چھتوں پر چڑھ جاؤ اور تیر چلانے سے پہلے میرے طمنچے کی آواز کا انتظار کرو۔ یونس تم سڑک پر جا کر اپنے بھائی اور اس کے ساتھیوں کا انتظار کرو اور انہیں اس طرف لے آؤ۔ مجھے ڈر ہے کہ وہ اس خیال سے آگے نکل جائیں کہ ہم ابو یعقوب کی بستی کی طرف روانہ ہو چکے ہیں اور ہمیں مزید وقت دینے کے لیے دشمن کی توجہ دوسری طرف مبذول کرنے کی ضرورت ہے۔ اب ہم جتنی جلدی دشمن سے نبٹ لیں اس قدر باقی سفر میں ہماری مشکلات کم ہو جائیں گی۔ اس لیے ہماری کوشش یہ ہونی چاہیے کہ عقبہ کے آدمی تمہارے پیچھے پیچھے یہاں پہنچ جائیں اور یہ ضروری ہے کہ تم

ہمارے پیچھے رکنے کی بجائے بستی کے آخری مکان کے پیچھے پہنچ جاؤ۔"

"جناب میں سمجھ گیا ہوں۔ انہیں یہاں لانے کے لیے ہم بستی تک جانے سے بھی دریغ نہیں کریں گے۔" یونس نے یہ کہہ کر اپنے گھوڑے کو ایڑ لگا دی۔ وہ کوئی دس منٹ تک ان کا انتظار کرتے رہے۔ بالآخر کوئی دس منٹ تک ان کا انتظار کرتے رہے۔ بالآخر یونس چھ آدمیوں کے ساتھ واپس پہنچ گیا اور اس کے ساتھ ہی سلمان کو ان کا تعاقب کرنے والوں کے گھوڑوں کی ٹاپ سنائی دینے لگی۔

بالآخر سات سوار نمودار ہوئے اور پوری رفتار سے بستی کے آخری مکان کی اوٹ میں چلے گئے اور اس کے ساتھ ہی انہیں سواروں کے ایک بڑے گروہ کے گھوڑوں کی ٹاپ سنائی دینے لگی۔ چند ثانیے بعد جب بیس پچیس آدمی ان کے تیروں کی زد میں آ گئے تو سلمان نے طمنچہ چلا دیا اور پھر ان پر تیروں کی بارش ہونے لگی۔ وہ بربری، ہسپانوی اور عربی زبانوں میں دہائی مچا رہے تھے۔ اگلے سواروں نے مڑنے کی کوشش کی اور ان کے گھوڑے تاریکی میں اپنے ساتھیوں کے گھوڑوں سے ٹکرا گئے۔ چند

سواروں نے سراسیمگی کی حالت میں آگے نکلنے کی کوشش کی تو ان پر بستی کے آخری مکان میں چھپے ہوئے سواروں نے تیر چلادیے۔

چند آدمی بچ کر نکل گئے لیکن تاریکی میں ان کی صحیح تعداد کا اندازہ کرنا مشکل تھا۔ دو منٹ کے اندر اندر یہ لڑائی ختم ہو چکی تھی اور سلمان اطمینان سے باہر نکل کر اپنے ساتھیوں سے کہہ رہا تھا۔ ”تمہیں لاشیں گننے کی ضرورت نہیں۔ صرف زخمیوں کو ٹھکانے لگادو۔“

ایک آدمی اپنے گھوڑے کی باگ تھامے سلمان کے قریب پہنچا اور اس نے کہا۔ ”جناب! میں ضحاک ہوں۔ چند سواروں نے آگے نکلے کی کوشش کی تھی۔ ہم نے ان میں سے تین کو ٹھکانے لگادیا۔ لیکن میرا خیال ہے کہ ان میں سے ایک زخمی ہو چکا تھا۔“ اگر آپ مجھے اجازت دیں تو میں احتیاطاً آگے چلا جاؤں۔“

سلمان نے جواب دیا۔ ”ہمارے ساتھی ابو یعقوب کی بستی میں پہنچ چکے ہوں گے۔ اس لیے ہمیں ایک یا دو آدمیوں کے متعلق فکر مند ہونے کی

ضرورت نہیں۔ وہ یقیناً راستے سے اِدھر اُدھر بھاگنے کی کوشش کریں گے۔"

معاً انہیں دور سے یکے بعد دیگرے دو دھماکوں کی آوازیں سنائی دی اور سلمان نے جلدی سے اپنے گھوڑے پر کودتے ہوئے کہا۔ "ضحاک تم میرے ساتھ آسکتے ہو لیکن باقی ساتھیوں کو اپنا کام ختم کر کے اطمینان سے ہمارے پیچھے آنا چاہیے۔ یہ دھماکے ہمارے ساتھیوں کا کارنامہ معلوم ہوتے ہیں اور مجھے ڈر ہے کہ وہ کہیں غلط فہمی میں ہم پر تیر نہ چلادیں۔"

پھر وہ قدم قدم پر عثمان کو آوازیں دیتا ہوا بستی سے آگے بڑھا۔ کچھ دور جا کر انہیں عثمان کی آواز سنائی دی۔ "جناب ہم یہاں ہیں اور پھر آن کی آن میں وہ ایک ٹیلے کے قریب عاتکہ اور اس کے ساتھیوں کو دیکھ رہا تھا۔ دو لاشیں ان کے قریب پڑی ہوئی تھیں۔ وہ چند ثانیے خاموش رہا۔ عاتکہ نے قدرے سہمی ہوئی آواز میں کہا۔ "بھائی جان! آپ ہمیں بے وقوف کہہ سکتے ہیں لیکن آپ کے سوا کہاں جاسکتے ہیں؟ ہمیں یہ اطمینان کیسے ہو سکتا تھا کہ آنے والی صبح کا اجالا ہمارے لیے اس رات کی تاریکی سے زیادہ

بھیانک نہیں ہو گا اور پھر میں حامد بن زہرہ کے بیٹے اور نواسے کو یہ کیسے سمجھا سکتی تھی کہ انہیں اپنے محسن کا انتظار کرنے کی بجائے اس کے حکم کی تعمیل کرنی چاہیے۔" دخترِ غرناطہ اپنی زندگی میں پہلی بار ایک کمسن بچی کی طرح پھوٹ پھوٹ کر رو رہی تھی۔

"عاتکہ!" سلمان نے گھٹی ہوئی آواز میں کہا۔ "میں تمہیں بے وقوف نہیں کہہ سکتا۔ کاش ان آنسوؤں سے اس بد نصیب قوم کے اعمال کی سیاہی مل سکتی۔ سعید! میں تم سے بھی خفا نہیں ہو سکتا لیکن تم میری بے چینی کی وجہ سمجھ سکتے ہو۔ سعید نے کہا۔ "بھائی جان! ہمارے لیے ابو یعقوب کی بستی میں پہنچ جانا یا راستے میں چھپ جانا ایک جیسا تھا۔ ہم ٹیلے کے پیچھے چلے گئے تھے اور شاید اس میں بھی کوئی مصلحت تھی کہ منصور نے آگے بڑھنے سے انکار کر دیا تھا۔ ان کے دو سواروں کی آہٹ پا کر ہم نے اپنے گھوڑے عثمان کے سپرد کر دیے اور راستے کے قریب پہنچ کر پتھروں کی آڑ میں چھپ گئے۔ طمنچے چلانے سے پہلے ہمارے لیے یہ اطمینان کرنا ضروری تھا کہ وہ کہیں ہمارے آدمی نہ ہوں۔ پھر ان میں سے ایک آدمی

جو پہلے سے زخمی معلوم ہوتا تھا۔ گھوڑے سے اتر کر قسطلہ کی زبان میں اپنے ساتھی سے کچھ کہہ رہا تھا۔ وہ اسے قریب تھے کہ ہم انہیں پتھر مار مار کر بھی گرا سکتے تھے۔"

سلمان نے کہا۔ "سعید! ہم ایک بڑی فتح حاصل کر چکے ہیں اور ہماری کامیابی کی ایک وجہ یہ نوجوان ہے۔" پھر وہ اپنے ساتھی سے مخاطب ہوا۔ "ضحاک میں تمہارا شکر گزار ہوں لیکن مجھے تم سے اتنی امید نہ تھی۔"

ضحاک نے جواب دیا۔ "جناب یہ میرا فرض تھا ایک آدمی برا ہو سکتا ہے۔ لیکن آپ جیسے محسن کا ناشکر گزار نہیں ہو سکتا۔"

"لیکن اب میں تمہارا مقروض ہو چکا ہوں۔"

"جناب! اگر آپ چاہیں تو یہ قرض ابھی اتار سکتے ہیں۔ صرف میری چھوٹی سی درخواست قبول کر لیجیے۔"

"اور وہ چھوٹی سی درخواست کیا ہے؟"

”جناب! میں یونس اور میری بیوی آپ کے ساتھ جانا چاہتے ہیں۔“

”تمہیں معلوم ہے کہ ہم کہاں جا رہے ہیں؟“

”جناب! مجھے یہ جاننے کی ضرورت نہیں۔“

”اور تمہارا باپ؟“

”جناب! یہ انہی کی خواہش ہے کہ ہم آپ کے ساتھ چلے جائیں۔““لیکن وہ ابو یعقوب کی بستی میں نہیں رہ سکتے۔“

”جناب! وہ پہاڑوں میں اپنے آقا کے کسی عزیز کے پاس پناہ لے لیں گے۔ اگر وہ سفر کے قابل ہوتے تو ہم انہیں بھی ساتھ لے جاتے۔“

”بہت اچھا۔ میں تمہاری کوئی درخواست رد نہیں کر سکتا۔ تم جاؤ اور اپنی بیوی سے کہو کہ وہ تیار ہو جائے۔ عثمان! تم بھی اس کے ساتھ جاؤ اور شیخ ابو یعقوب کو میرا پیغام دو کہ ہم رات ختم ہونے سے پہلے ایک منزل طے کر لینا چاہتے ہیں۔ ہمارا فوری خطرہ دور ہو چکا ہے اور اب میں رضا کاروں کو

آگے لے جانے کی ضرورت محسوس نہیں کرتا۔"

☆☆☆

جب سلمان کے باقی ساتھی بھی پہنچ گئے تو وہ ابویعقوب کی بستی کی طرف روانہ ہو گئے اور پھر تھوڑی دیر بعد ابو یعقوب چند آدمیوں کے ساتھ گاؤں سے باہر ان کا استقبال کر رہا تھا۔ سلمان نے گھوڑے سے اتر کر ابو یعقوب سے مصافحہ کیا اور غرناطہ کے رضاکاروں سے مخاطب ہوا۔ "اب ہم سعید کے گاؤں جانے کی بجائے یہاں سے سیدھے پہاڑوں کی طرف نکل جائیں گے۔ اس لیے آپ یہیں سے لوٹ جائیں اور فوراً غرناطہ پہنچنے کی کوشش کریں اور جو لوگ بگھی پر ہمارے ساتھ آئے تھے، انہیں یہ بتا دیں کہ اب ہم دوسرے راستے سے جا رہے ہیں۔ جو لوگ ہمارے پیچھے آئیں گے انہیں شیخ ابو یعقوب سے ہماری اگلی منازل کی اطلاع مل جائے گی۔ اب وقت ضائع نہ کیجیے!"

انہوں نے خدا حافظ کہہ کر گھوڑوں کی باگیں موڑ لیں اور وہ کچھ کی رات

کی تاریکی میں ان کے گھوڑوں کی ٹاپ سنتا رہا۔

ابو یعقوب نے سلمان کے کندھے پر ہاتھ رکھتے ہوئے کہا۔ "بیٹا! بعض مہمان ایسے ہوتے ہیں جنہیں الوداع کہتے ہوئے بہت تکلیف ہوتی ہے لیکن میں آپ سے چند منٹ بھی باتیں نہیں کر سکا، میں نے آپ کی اطلاع ملتے ہی ایک آدمی آگے روانہ کر دیا ہے تاکہ اگلی بستیوں کے لوگوں کو اطلاع مل جائے۔ ضحاک اور یونس کے علاوہ بستی سے چار سوار آپ کے ساتھ جائیں گے۔ آگے پہاڑی کی چڑھائی بہت سخت ہے اور آپ کو بہت احتیاط سے چلنا پڑے گا۔ سعید کی صحت سے متعلق میں بہت فکر مند تھا لیکن یہ ایک مجبوری ہے۔ اگلی منزل پر آپ کو آرام کے لیے کافی وقت مل جائے گا اور انشاء اللہ وہاں سے آگے بھی کسی گھر کے دروازے حامد بن زہرہ کے بیٹے نصیر کی بیٹی کو دوبارہ آواز دینے کی ضرورت پیش نہیں آئے گی۔"

سلمان بوڑھے سردار کو خدا حافظ کہہ کر گھوڑے پر سوار ہو گیا۔

☆☆☆

عتبہ اور اس کے ساتھی ویران قلعے کے صحن میں الاؤ کے گرد بیٹھے ہوئے تھے کہ اچانک کونے کے برج کی طرف سے آواز آئی۔ ”جناب! ایک سوار آرہا ہے۔“

”اسے آنے دو۔“

چند ثانیے بعد سوار اندر داخل ہوا اور اس نے بلند آواز میں کہا۔ ”جناب! ہمارے آدمی اس گاؤں سے کہیں جا چکے ہیں اور میں نے باقی تین سواروں کو آگے بھیج دیا ہے۔“

”تم نے گاؤں کے لوگوں سے معلوم کیا تھا؟“

”جناب! گاؤں کے لوگ اس قدر خوفزدہ تھے کہ کسی نے باہر آکر ہم سے بات کرنے کی بھی جرأت نہیں کی۔“

”یہ کیسے ہو سکتا ہے۔ میں نے انہیں سختی سے ہدایت کی تھی کہ سڑک پر

گشت کرنے کے لیے چھ سات سواروں کی ضرورت نہیں۔"

ایک آدمی نہ کہا۔ "جناب!وہ کسی اجڑے ہوئے مکان کے اندر دبک کر سو گئے ہوں گے۔"

سوار بولا۔ "تمہاراخیال ہے کہ تمہارے سوا ساری دنیا بیوقوف ہے؟ میں نے نے ایک مکان کے آگے جاکر انہیں آوازیں دی تھیں۔"

ایک اور آدمی نے قسطلہ کی زبان میں کہا۔ "کیا یہ ضروری ہے کہ جن لوگوں کو آپ تلاش کر رہے ہیں وہ اس طرف آئے ہی نہ ہوں؟"

عتبہ نے تلملا کر کہا۔ "میں تمہیں بتا چکا ہوں کہ اب تک غرناطہ کے گوشے گوشے میں یہ خبر پہنچ چکی ہو گی کہ ہماری فوجیں شہر میں داخل ہونے والی ہیں اور اس کے بعد وہ لوگ جنہوں نے میرے گھر ڈاکہ ڈالنے کی جرأت کی تھی یہاں ایک لمحہ بھی ٹھہرنے کی جرأت نہیں کریں گے۔

"لیکن غرناطہ سے بھاگنے کے اور بھی تو راستے ہو سکتے ہیں۔"

"اگر انہوں نے فوراً بھاگنے کی کوشش کی ہے تو رات کے وقت وہ اپنی بستی کے سوا کسی اور طرف نہیں جائیں گے۔"

"اس صورت میں کیا یہ بہتر نہیں تھا کہ ہم ان کی بستی پر قبضہ کر لیتے؟"

"اگر یہ کام تم اپنے ذمے لینے کے لیے تیار ہو تو میں خوشی سے تمہیں اجازت دیتا ہوں۔ لیکن وہاں ان کی ایک آواز پر آس پاس کی بستیوں سے سینکڑوں آدمی جمع ہو جائیں گے۔"

"ہاں! دو دن بعد یہ سارا علاقہ ہمارے رحم و کرم پر ہو گا اور میں تمہیں اس وقت اس بستی کے سردار کے گھر ٹھہرا سکوں گا۔ اب خاموشی سے بیٹھے رہو!"

عتبہ نے اضطراب کی حالت میں ٹہلنا شروع کر دیا۔ ایک گھنٹہ بعد ایک اور سوار چیختا ہوا وہاں پہنچا اور پھر عتبہ کو اپنے ساتھیوں کو کوچ کی تیاری کا حکم دینے والا تھا، انتہائی سراسیمگی کی حالت میں اس کی سرگزشت سن رہا تھا۔

"جناب! ہمیں یہ معلوم نہ تھا کہ یہ علاقہ دشمن سے بھرا ہوا ہے۔ انہوں نے ہمارے کئی ساتھیوں کو موت کے گھاٹ اتار دیا ہے اور میرے علاوہ صرف تین یا چار آدمی ہی اپنی جانیں بچانے میں کامیاب ہوئے ہیں۔"

عتبہ نے غصّے کی حالت میں اپنے ہونٹ کاٹتے ہوئے کہا۔ "کیا تم پر اس گاؤں میں حملہ ہوا تھا؟"

"نہیں۔ انہوں نے ہم پر گاؤں سے کچھ دور باہر حملہ کیا تھا۔"

"بیوقوف! یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ وہ سب گاؤں چھوڑ کر چلے گئے ہوں۔"

"نہیں جناب! ہم نے آپ کے حکم کے مطابق گشت پر سواروں کی ایک ٹولی بھیجی تھی لیکن دشمن کے ایک گروہ نے جو گاؤں سے تھوڑی دور گھات لگائے ہوئے تھا ان پر حملہ کر کے چار آدمیوں کو قتل کر دیا تھا۔ دو آدمیوں نے واپس آ کر ہمیں اطلاع دی کہ حملہ کرنے والوں کی تعداد سات آٹھ آدمیوں سے زیادہ نہ تھی۔ پھر ہم نے ان کا تعاقب کیا اس کے بعد وہ ہمیں اپنے پیچھے لگا کر اس جگہ لے گئے جہاں اب لاشوں کے انبار

لگے ہوئے ہیں۔"

"میں نے دشمن کے گھیرے سے نکلتے ہوئے صرف دو سواروں کو مغرب کی طرف غائب ہوتے دیکھا تھا۔ ان میں سے ایک سوار جو زخمی تھا میرے ساتھ آ رہا تھا سڑک سے پیچھے دور وہ اپنے گھوڑے سے گر پڑا۔ آپ کو فوراً اطلاع دینا ضروری تھا۔ لیکن میرے لیے اسے جان کنی کی حالت میں چھوڑنا ممکن نہ تھا۔ میں اسے اپنے گھوڑے پر لاد کر کچھ درختوں کے ایک جھنڈ کے پیچھے لے گیا اور اس امید پر اس کے پاس بیٹھا رہا کہ شاید کوئی ساتھی اس طرف آ نکلے اور میں زخمی کو اس کے سپرد کر کے آپ کے پاس پہنچنے کی کوشش کروں مگر جب میں اسے اپنے گھوڑے پر ڈالنے کی کوشش کر رہا تھا تو مجھے محسوس ہوا کہ وہ ٹھنڈا ہو چکا ہے۔ اس کے بعد وہاں سے روانہ ہوتے ہی مجھے دور سے دشمن کے گھوڑوں کی ٹاپ سنائی دی۔"

عتبہ نے پوچھا۔ "رات کے وقت تمہیں یہ کیسے معلوم ہوا کہ وہ دشمن کے آدمی ہیں۔"

اس نے قدرے تلخ ہو کر جواب دیا۔ ”جناب! ہمارے ساتھی دوبارہ زندہ نہیں ہو سکتے تھے اور گھوڑوں کی ٹاپ سے میرے لیے یہ اندازہ لگانا مشکل نہ تھا کہ انہیں قتل کرنے والے غرناطہ کا رُخ کر رہے ہیں۔“

”تم نے واپس آتے ہوئے کسی کو دیکھا تھا؟“

”نہیں! میں سڑک کی طرف جانے کی بجائے ایک طویل چکر کاٹنے کے بعد نالے کے پل پر پہنچا تھا۔“

وہ کچھ دیر خاموشی سے ایک دوسرے کی طرف دیکھتے رہے۔ بالآخر عتبہ نے کہا۔ ”میں نے تم میں سے ہر آدمی کو تیس ڈوکٹ (ڈوکٹ سپین کے ایک سکے کا نام ہے) دینے کی پیش کش کی تھی۔ اب میں ساٹھ ڈوکٹ دینے کا وعدہ کرتا ہوں۔ مجھے یقین ہے کہ جن لوگوں کو ہم تلاش کر رہے ہیں وہ واپس نہیں گئے۔ ہو سکتا ہے کہ وہ ہماری آمد سے پہلے اس سے آگے نکل گئے ہوں۔

طلوع آفتاب کے وقت سلمان اور اس کے ساتھی پہاڑ کے دامن میں ایک دشوار گزار راستہ طے کر رہے تھے۔ ان کے پیچھے حد نگاہ تک پہاڑیوں اور وادیوں کے نشیب و فراز صبح کے دھندلکوں میں ڈوبے ہوئے تھے۔ تھکے ہوئے گھوڑے سنبھل سنبھل کر قدم اٹھا رہے تھے۔ سوار سخت سردی کے باعث ٹھٹھر رہے تھے۔ سعید اپنے گھوڑے کی زین پر سر جھکائے بیٹھا تھا۔

سلمان نے مڑ کر اس کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔ ”سعید! تم ٹھیک تو ہو؟“

”میں بالکل ٹھیک ہوں۔“ سعید نے سر اٹھا کر جواب دیا۔

سلمان دوسری طرف متوجہ ہوا۔ ”ضحاک یہ راستہ بہت خراب ہے۔ تم اتر کر ان کے گھوڑے کی باگ پکڑ لو۔“

ضحاک نے جلدی سے اتر کر اپنا گھوڑا یونس کے سپرد کیا اور آگے بڑھ کر سعید کے گھوڑے کی باگ پکڑ لی۔

سمیعیہ عاتکہ کے پیچھے آ رہی تھی۔ اس نے گھوڑا آگے کرتے ہوئے کہا۔

”دیکھیے! سردی بہت زیادہ ہے۔ آپ میری شال بھی لے لیں!“

وہ سفر کے دوران دوسری بار یہ پیشکش کر رہی تھی۔

عاتکہ نے جواب دیا۔ ”نہیں سمیعیہ! تم اپنی شال اپنے پاس رکھو مجھے دو شالوں کی ضرورت نہیں۔“

کچھ دور آگے جا کر وہ بل کھاتی پگڈنڈی کے ایک موڑ سے ایک تنگ وادی کی طرف اترنے لگے اور ایک گھنٹہ بعد بربر چرواہوں اور کسانوں کی ایک بستی سے باہر چند آدمی ان کا خیر مقدم کر رہے تھے۔

بستی کے رئیس کو دو گھنٹے قبل ان کی آمد کی اطلاع مل چکی تھی۔ شدید سردی اور تھکاوٹ کے باعث سعید کا برا حال تھا۔ گھوڑے سے اتر کر اپنے میزبان کے گھر جاتے ہوئے اس کے پاؤں ڈگمگا رہے تھے۔ سلمان نے اس کو سہارا دیتے ہوئے کہا۔ ”سعید! ہمارے سفر کا مشکل حصّہ ختم ہو چکا ہے، اب اس بستی میں تمہیں آرام کے لیے کافی وقت مل جائے گا۔ انشاء اللہ اس کے بعد ہم اطمینان سے سفر کر سکیں گے۔“

بستی کے رئیس نے پوچھا۔ ”حامد بن زہرہ کے صاحبزادے کون ہیں؟“

”وہ یہی ہیں! مگر ابھی تک ٹھیک نہیں ہوئے۔“ سلمان نے سعید کی طرف اشارہ کیا۔ بوڑھے آدمی نے جلدی سے آگے بڑھ کر سعید کو گلے لگا لیا۔

تھوڑی دیر بعد عاتکہ اور سمیعیہ گھر کی عورتوں کے ساتھ کھانا کھا رہی تھیں اور دوسرے کمرے میں ایک وسیع دستر خوان پر باقی مہمانوں کے علاوہ بستی کے چند آدمی بھی بیٹھے ہوئے تھے۔ منصور جو سب سے زیادہ بشاش نظر آتا تھا اپنے ماموں کے ساتھ بیٹھا ہوا تھا۔ کھانے سے فارغ ہوتے ہی میزبان نے اپنے ساتھیوں سے کہا۔ ”مہمان بہت تھکے ہوئے ہیں۔ انہیں آرام کرنے دیں۔“

انہوں نے خشک گھاس پر بچھی ہوئی چٹائیوں کے اوپر بستر لگا دیے اور سعید نے ایک بستر پر لیٹتے ہوئے سلمان سے کہا۔ ”تھوڑی دیر آرام کرنے کے بعد میں تازہ دم ہو جاؤں گا۔ اس کے بعد میں چاہتا ہوں کہ ہم رات ہونے سے پہلے چند کوس اور آگے نکل جائیں۔“

رئیس نے کہا۔ ”ابھی آپ کو کافی دیر آرام کرنا پڑے گا! آپ اطمینان سے سو جائیں۔ یہاں آپ کو کوئی خطرہ نہیں۔ ہمارے آدمی بستی کے باہر تمام راستوں پر پہرا دے رہے ہیں۔ آسمان پر بادل چھائے ہوئے ہیں ممکن ہے کہ آج بارش یا برف باری بھی شروع ہو جائے۔“

سلمان ابو یعقوب کی بستی سے آنے والے ساتھیوں کی طرف متوجہ ہوا۔ آپ بھی دوپہر تک آرام کر لیں اور اس کے بعد بے شک یہاں سے واپس روانہ ہو جائیں۔

ایک آدمی نے جواب دیا ”جناب! ہمارے سردار یہ سننے کے لیے بے چین ہوں گے کہ آپ بخیریت یہاں پہنچ گئے ہیں۔ اس لئے ہمیں اجازت دیجیے!“

سلمان انہیں رخصت کرنے کے لیے رئیس کے ساتھ باہر نکلا تو ضحاک اور یونس بھی ان کے ساتھ ہو لیے۔ پھر تھوڑی دیر بعد جب ابو یعقوب کے آدمی گھوڑوں پر سوار ہو چکے تھے تو ضحاک نے بستی کے رئیس سے

کہا۔ ”جناب! ہم باہر نوکروں کے ساتھ ہی ٹھہر جائیں گے۔“

سلمان نے کہا۔ ”ضحاک! وہ کمرہ ہم سب کے لیے کافی ہے۔“

اس نے جواب دیا۔ ”نہیں جناب! میں گستاخی نہیں کر سکتا اور پھر ہم میں سے کسی نہ کسی کو جاگتے رہنا بھی تو ضروری ہے۔“

بستی کے رئیس نے انہیں ایک آدمی کے ساتھ باہر ہی دوسرے مکان میں بھیج دیا۔ تھوڑی دیر بعد سلمان واپس آیا تو سعید اور عثمان بھی گہری نیند سو رہے تھے۔

منصور نے کہا۔ ”چچا جان! طبیب نے ماموں کو سونے سے پہلے ایک دوا کھانے کی تاکید کی تھی۔ دوا کی تھیلی خالہ عاتکہ کے پاس ہے۔ میں لے آؤں؟“

”نہیں! اب انہیں جگانا مناسب نہیں اور تم بھی سو جاؤ!“ سلمان یہ کہہ کر لیٹ گیا۔

”چچا جان!“ منصور نے اس کے قریب دوسرے بستر پر لیٹتے ہوئے کہا۔ ”میں نے اسماء سے کہا تھا کہ جب میں بڑا ہو جاؤں گا تو آپ مجھے جہاز لے دیں گے اور پھر میں کسی دن غرناطہ آؤں گا۔ اس نے کہا تھا کہ اگر نصرانی تمہیں پکڑ کر لے گئے تو تم کیا کرو گے؟ میں نے اس سے وعدہ کیا تھا کہ میں چچا جان کی طرح ایک بہت بڑا جہاز ران بنوں گا اور دشمن کے تمام جہاز تباہ کر دوں گا۔ لیکن وہ رو رہی تھی اور اس کی امّی ان کی آنکھوں میں بھی آنسو آ گئے تھے۔ خالہ عاتکہ کہتی تھیں کہ اسماء کی امّی جان ایک فرشتہ ہیں۔ انہوں نے ماموں سعید کی جان بچائی ہے۔ چچا جان! انہیں غرناطہ میں کوئی خطرہ تو نہیں؟“

سلمان کے دل سے ایک ہوک اٹھی اور اس نے گھٹی ہوئی آواز میں جواب دیا۔ ”مجھے یقین ہے کہ تم ایک دن بہت بڑے جہاز ران بنو گے اور اسماء تم پر فخر کیا کرے گی۔ لیکن اب تم سو جاؤ!“

منصور خاموش ہو گیا۔ سلمان کچھ دیر بے چینی کی حالت میں کروٹیں بدلتا رہا بالآخر اسے نیند آ گئی۔

ساتھ ہی دوسرے کمرے میں سمیعیہ عاتکہ کے قریب لیٹی آہستہ آہستہ باتیں کر رہی تھی۔ "بہن میں آپ کے پاؤں دبا دوں؟" "نہیں سمیعیہ! تم آرام سے سو جاؤ۔ ہماری اگلی منزل بھی بہت کٹھن ہو گی۔"

"خدا کی قسم! مجھے آپ کی وجہ سے محسوس بھی نہیں ہوا کہ میں کتنا سفر کر چکی ہوں۔ آپ کو معلوم ہے کہ جب ضحاک نے یہ اطلاع دی تھی کہ ہم آپ کے ساتھ ہی جا رہے ہیں تو میں نے گھر کی عورتوں سے کیا کہا تھا؟"

"کیا کہا تھا تم نے؟"

"میں نے کہا تھا کہ میں اپنی شہزادی کی کنیز بن کر جا رہی ہوں۔"

عاتکہ کے دل پر ایک دھچکا سا لگا اور اس نے بڑی مشکل سے کہا۔ "سمیعیہ! تمہیں تو ان سے یہ کہنا چاہیے تھا کہ اندلس کی ایک بدنصیب بیٹی کے لیے اپنے وطن کی زمین تنگ ہو گئی اور تم اس کی دلجوئی کے لیے ساتھ جا رہی ہو۔"

سمیعیہ کو کچھ اور کہنے کا حوصلہ نہ ہوا۔

☆☆☆

سلمان گہری نیند سے بیدار ہوا تو باہر بارش کا شور سنائی دے رہا تھا۔ سعید اور منصور ابھی تک سو رہے تھے۔ اس نے آگے بڑھ کر سعید کی پیشانی پر ہاتھ رکھ کر دیکھا تو اس کا جسم قدرے گرم محسوس ہوا، تاہم آرام سے سوتے دیکھ کر وہ اپنے دل میں یہ اطمینان محسوس کر رہا تھا کہ بارش کی وجہ سے وہ باقی دن اور اگلی رات بھی آرام کر سکے گا اور اگر برف گرنی شروع ہو گئی تو ان کے رہے سہے خدشات بھی ختم ہو جائیں گئے۔

اس نے ڈیوڑھی میں جا کر نوکر کو وضو کے لیے پانی لانے کا اشارہ کیا اور پھر تھوڑی دیر بعد واپس آ کر کمرے کے ایک کونے میں عصر کی نماز ادا کرنے کے بعد دوبارہ اپنے بستر پر لیٹ گیا۔ سعید نے کروٹ بدل کر آنکھیں کھول دیں اور جلدی سے اٹھ کر بیٹھ گیا۔

”میرا خیال ہے کہ میں بہت دیر تک سویا ہوں۔ آپ مجھے جگا کیوں نہ دیا؟ ہمیں شام ہونے سے پہلے چند کوس آگے نکل جانا چاہیے تھا۔“

سلمان نے کہا۔ ”سعید تم آرام سے لیٹے رہو! باہر بارش ہو رہی ہے اور شاید برف باری بھی شروع ہو جائے۔ تمہاری طبیعت کیسی ہے؟“

”میری تھکاوٹ دور ہو چکی ہے اور اب مجھے برف اور بارش میں چند میل سفر کرتے ہوئے تکلیف نہیں ہو گی۔“

سلمان نے کہا۔ ”لیکن میں بلاوجہ تمہیں زحمت نہیں دینا چاہتا۔“

برابر کے کمرے کا دروازہ کھلا اور عاتکہ نے آگے بڑھ کر سعید کے ہاتھ میں دوا کی ایک پڑیا دیتے ہوئے کہا۔ ”مجھے اچانک دوا کا خیال آیا تھا لیکن آپ سو رہے تھے۔ طبیب نے سختی سے ہدایت کی تھی کہ آپ کو ناغہ نہیں کرنا چاہیے۔ میں ابھی دودھ لاتی ہوں۔“

یہ کہہ کر وہ واپس چلی گئی۔ تھوڑی دیر بعد وہ دوبارہ کمرے میں داخل ہوئی اور سعید کو گرم دودھ کا پیالہ پیش کر دیا۔ دوا کھانے کے بعد ابھی وہ دودھ پی ہی رہا تھا کہ بستی کے رئیس نے ڈیوڑھی کی طرف کھلنے والے دروازے پر دستک دی۔

سلمان نے دروازہ کھولا تو بوڑھے آدمی نے کھڑے کھڑے کہا۔

”میں آپ کو یہ بتانے آیا تھا کہ اس موسم میں آپ سفر نہیں کر سکیں گے۔ کل اگر موسم ٹھیک ہو گیا تو میں آپ کو روکنے کی کوشش نہیں کروں گا۔ لیکن آج آپ کسی صورت میں آگے نہیں جاسکتے۔“

سلمان نے کہا۔ ”آپ کا شکریہ! لیکن ہم پہلے ہی یہی فیصلہ کر چکے ہیں۔“ بوڑھا سردار واپس چلا گیا اور سعید نے سلمان سے مخاطب ہو کر کہا۔ ”مجھے بار بار ایسا محسوس ہوتا ہے کہ میں موت سے بھاگ رہا ہوں۔“

”نہیں سعید! قدرت ہماری مدد کر رہی ہے۔ مجھے یقین ہے کہ اب تمہیں کوئی خطرہ نہیں۔“ سعید نے جواب دیا۔ ”جب ایک قوم پر تباہی نازل ہوتی ہے تو کسی ایک فرد کا زندہ رہنا کوئی معنی نہیں رکھتا۔“

وہ کچھ دیر خاموشی سے ایک دوسرے کی طرف دیکھتے رہے، پھر سلمان نے کہا۔ ”سعید! کچھ روز قبل میں یہ سوچ بھی نہیں سکتا تھا کہ چند افراد کے گناہ پوری قوم کو ہلاکت کے دروازے تک لے آئیں گے!“

"یہ چند افراد ہمارے اجتماعی گناہوں کی سزا ہیں۔"

سعید نے جواب دیا۔ "ہر راستے کی ایک آخری منزل ہوتی ہے۔ ہم جس راستے پر صدیوں سے گامزن تھے اس کی آخری منزل یہ نہیں ہو سکتی تھی۔ ہم پر بے خبری کی حالت میں اچانک مصیبت نہیں آئی۔ بلکہ ہم ایک ایک قدم چل کر اس منزل پر پہنچے ہیں۔ ہم نے اس آگ لیے اپنے ہاتھوں سے ہی ایندھن جمع کیا تھا۔

اندلس میں ہمارے عروج وزوال کی داستان آٹھ صدیوں میں پھیلی ہوئی ہے۔ ہمیں معلوم ہے کہ جب ہم صراطِ مستقیم پر گامزن تھے تو ہمیں کس طرح نوازا گیا تھا اور ہم نے اجتماعی سلامتی کے تقاضوں سے منہ پھیر لیا تو ہم پر کتنی قیامتیں آٹوٹی ہیں۔ جب ہم ایک قوم تھے، ہمارا ایک مرکز اور ایک پرچم تھا، ہم جبل الطارق سے لے کر اندلس کی آخری حدود تک ہر رزم گاہ میں اللہ کی نصرت کے معجزات دیکھا کرتے تھے۔ لیکن جو شاخیں ایک تن آور درخت سے کٹ جاتی ہیں، انہیں بالآخر تند و تیز آندھیاں اڑا کر لے جاتی ہیں۔ جس عمارت کی بنیادیں اکھڑ جاتی ہیں انہیں پیوندِ زمین

ہونے کے لیے صرف ایک ہلکے سے زلزلے کی ضرورت ہوتی ہے۔

ہماری سمعی اتحاد کی واحد بنیاد ہمارا دین تھا اور ہم یہ سمجھ سکتے تھے کہ جس قدر ہمارے نظریاتی حصار کی بنیادیں کمزور ہوتی جائیں گی اسی قدر ہم انتشار اور لا مرکزیت کا شکار ہوتے جائیں گے۔ قرطبہ ہمارا سیاسی اور روحانی مرکز تھا اور ہم اسی دن تباہی کے راستے پر گامزن ہو چکے تھے جب ہم نے اس عظیم ملّی حصار کو قبائلی اور نسلی عصبیتوں کی رزم گاہ بنالیا تھا۔

مجھے آپ کے سامنے ان دنوں کی داستانیں بیان کرنے کی ضرورت نہیں۔ جب اہلِ عرب نے اپنے اسلاف کے بطن سے ہزاروں میل دور یہ جانتے اور سمجھتے ہوئے دورِ جاہلیت کی قبائلی عصبیتوں کو از سر نو زندہ کیا تھا کہ اندلس کے سوا ان کے لیے کوئی اور جائے پناہ نہیں اور آپ ان ادوار کی تاریخ سے بھی واقف ہیں جب عرب، بربر اور اسپینی مسلمان ایک دوسرے سے برسرِ پیکار تھے۔

ہم پر لا مرکزیت اور انتشار کا ایک ایسا دور بھی آیا تھا جب اس ملک میں

تین خلافتیں قائم ہو گئی تھیں۔ اس کے بعد ملوک الطوائف قوم کی ہڈیوں پر اپنے عشرت کدے تعمیر کر رہے تھے تو ہم یہ دیکھ سکتے تھے کہ شمال میں عیسائی ریاستوں کے اتحاد سے کلیسا کی وہ قوت جنم لے رہی تھی جس کا پہلا اور آخری ہدف اندلس کے مسلمانوں کو بننا تھا۔ لیکن ہماری قسمت ان طالع آزماؤں کے ہاتھوں میں تھی جن کے نزدیک اندلس ایک وطن نہیں ایک شکار گاہ تھی جسے وہ کئی حصوں میں تقسیم کر چکے تھے پھر ان کی چھوٹی چھوٹی شکار گاہوں میں باہر کے وہ قد آور درندے گھس آئے جن کے دانت زیادہ تیز تھے۔ چنانچہ انہوں نے پسپائی اختیار کی۔

پھر دو صدیوں کی فوجی، سیاسی، ذہنی اور اخلاقی پسپائی کے بعد غرناطہ ہماری آخری جائے پناہ تھی لیکن ماضی کی تاریکیوں نے یہاں بھی ہمارا پیچھا نہ چھوڑا۔ ہم اپنے پروردگار سے یہ شکوہ نہیں کر سکتے کہ اس گئی گزری حالت میں بھی جب کبھی ہم نے جادۂ مستقیم کی طرف قدم اٹھایا تھا تو اس میں ہمیں اپنے انعام کا مستحق نہیں سمجھا تھا۔‘‘

سعید یہاں تک کہہ خاموش ہو گیا اور سلمان اس کی طرف دیر تک دیکھتا

رہا۔ اسے ایسا محسوس ہوتا تھا کہ حامد بن زہرہ کی روح اچانک اس خاموش طبع انسان کے وجود میں آچکی ہے۔

☆☆☆

رات کے پچھلے پہر بارش تھم گئی اور تھوڑی دیر بعد وہ روانہ ہو چکے تھے۔ بستی کے تین آدمی گھوڑوں پر اور چار پیدل ان کے ساتھ جا رہے تھے۔ بستی کے سردار نے سعید کو سردی سے بچنے کے لیے ایک پوستین نذر کرنے کے علاوہ اپنے مہمانوں کے لیے صبح کا کھانا بھی ایک سوار کے سپرد کر دیا تھا۔

کوئی میل بھر آگے دوسری پہاڑی کی چڑھائی شروع ہو گئی۔ ان کے گھوڑے سنبھل سنبھل کر قدم اٹھا رہے تھے۔ پیادہ آدمیوں نے سعید اور منصور کے گھوڑوں کی باگیں پکڑ رکھی تھیں۔

کوئی دو گھنٹے سفر کرنے کے بعد وہ ایک ایسے مقام پر پہنچ چکے تھے جہاں سے ایک گہرا کھڈ دو پہاڑوں کو جدا کرتا تھا اور بلندی کے ساتھ ساتھ

بتدریج تنگ ہوتا جارہا تھا۔ چڑھائی بہت سخت تھی۔ ہر آن کسی گھوڑے کے کھڈ کی طرف پھسل جانے کا اندیشہ تھا۔

قریباً تین میل سفر کرنے کے بعد کھڈ کی چوڑائی صرف پچاس فٹ رہ گئی تھی اور سامنے تھوڑی دور رسّوں کا پل صاف دکھائی دیتا تھا۔ آگے راستہ نسبتاً کشادہ تھا اور کھڈ کی گہرائی میں وہ ندی کا شور سن سکتے تھے۔

پل کے قریب پہنچ کر سلمان نے اپنے رہنما سے سوال کیا۔ ”وہ بستی اب کتنی دور ہے؟“

”جناب! آپ کو پہاڑ عبور کرنے کے بعد کچھ دور نیچے جانا پڑے گا۔ آگے راستہ ٹھیک ہے۔ اگر اس پل سے آپ کے گھوڑے سے گزر سکتے تو آپ کو اتنا چکر کاٹنے کی ضرورت ہی پیش نہ آتی۔ کھڈ کے پار تین چار میل کے فاصلے پر وہ بستی ہے جہاں آپ کل پہنچیں گے۔“ تین میل چلنے کے بعد سلمان کو کھڈ کے آخری کونے کے اوپر پہاڑ کی چوٹی کے قریب سواروں کی ایک دھندلی سی جھلک دکھائی دی تو اس نے اپنے ساتھیوں کو گھوڑے

موڑنے کا حکم دیا۔

تھوڑی دیر بعد وہ دوبارہ رسّوں کے پل کے قریب پہنچ چکے تھے۔

سلمان نے گھوڑے سے کودتے ہوئے کہا۔ ”سعید! تم گھوڑے یہاں چھوڑ کر پل کے پار پہنچ جاؤ! میں نے پہاڑ کی چوٹی کے قریب چند سواروں کی ایک جھلک دیکھی ہے۔ اگر وہ اس طرف آئے تو ہمیں بہت جلد یہ معلوم ہو جائے گا کہ وہ کون لوگ ہیں اور کیا چاہتے ہیں۔ بہر حال جب تک میں آواز نہ دوں تمہارا چھپ کر بیٹھنا ضروری ہے۔“

”عثمان! تم بھی ان کے ساتھ جاؤ! اور عاتکہ! میں شاید زندگی میں پہلی اور آخری بار تمہیں بھی یہی حکم دے رہا ہوں۔“

”عاتکہ آؤ!“ سعید نے پل کی طرف بڑھتے ہوئے کہا۔ دخترِ غرناطہ نے بے بسی کی حالت میں سلمان کی طرف دیکھا اور منصور کا ہاتھ پکڑ کر پل کے پیچھے چل پڑی۔ چند ثانیے بعد ان کے پیچھے سمیعہ اور عثمان بھی پل عبور کر رہے تھے۔

پچھلی بستی کے ایک نوجوان نے سلمان کے قریب ہو کر کہا۔ ”جناب! کھڈ کے اس پار اس چٹان سے ذرا آگے ایک غار ہے۔ اگر آپ اجازت دیں تو میں آپ کے ساتھیوں کو وہاں پہنچا دوں گا؟“

”کتنی دور؟“ سلمان نے جلدی سے سوال کیا۔ نوجوان نے سامنے ایک بلندی کی طرف اشارہ کرتے ہوئے جواب دیا۔ ”جناب! اس چٹان سے بالکل قریب گھنی جھاڑیوں کے باعث آپ کو یہاں سے اس کا راستہ نظر نہیں آئے گا۔ آپ کے ساتھی وہاں چھپ کر دشمن کی نگاہوں سے محفوظ رہ سکتے ہیں۔“ سلمان نے کہا۔ ”بہت اچھا۔ تم وہاں جاؤ! اور انہیں پہنچ کر واپس آنے کی بجائے اگلی بستی میں اطلاع دینے کی کوشش کرو۔ انشاء اللہ ہم چند گھنٹے دشمن کی توجہ اپنی طرف مبذول رکھیں گے اور سعید کو تاکید کرے جاؤ کہ وہ غار سے باہر آنے کی کوشش نہ کرے۔“

نوجوان نے پوری رفتار سے بھاگتے ہوئے پل عبور کیا اور آن کی آن میں سعید کے ساتھیوں سے جا ملا۔ سلمان نے بستی کے دوسرے آدمی کی طرف متوجہ ہو کر کہا۔ ”اب تم میں سے دو آدمی گھوڑوں کو کچھ دور پیچھے

لے جائیں۔ گھوڑے تنگ راستے پر اِدھر اُدھر نہیں بھاگ سکتے۔ اس لیے ایک آدمی انہیں آگے اور دوسرا پیچھے سے روک سکتا ہے۔ باقی میرے ساتھ آئیں!"

☆☆☆

پھر سلمان، یونس اور بستی کے باقی چار آدمی پل سے کچھ دور آگے جا کر پہاڑ پر چڑھنے لگے اور راستے سے میں چالیس فٹ کی بلندی پر پتھروں اور جھاڑیوں کی آڑ میں چھپ گئے۔ ضحاک ان سے ذرا آگے جا کر کوئی ڈیڑھ سو فٹ کی بلندی پر ایک چٹان پر لیٹ گیا۔

کوئی گھنٹہ بھر وہاں سکوت طاری رہا۔ پھر ضحاک نے چٹان سے ایک پتھر لڑھکاتے ہوئے آواز دی۔ "وہ آرہے ہیں۔"

دس منٹ بعد وہ گھوڑوں کی ٹاپ سن رہے تھے اور پھر آن کی آن میں وہ ان کے تیروں کی زد میں آچکے تھے۔ چار سوار زخمی ہو کر گر پڑے اور دو زخمیوں نے اپنے ساتھیوں کے پیچھے گھوڑے موڑ لیے۔ ایک سوار کا گھوڑا

بدحواس ہو کر اچھلا اور پھسل کر کھڈ میں جا گرا۔ اس کے بعد باقی سواروں کو آگے بڑھنے کی ہمّت نہ ہوئی۔ وہ کچھ دیر جا کر زور زور سے آوازیں دے رہے تھے۔ ضحاک چلایا۔ ”جناب وہ کھڈ کی دوسری طرف منہ کر کے اشارے کر رہے ہیں۔“

سلمان نے کھڈ کے پار نظر دوڑائی اور اچانک ایک ثانیہ کے لیے اس کا خون منجمد ہو کر رہ گیا۔ چٹان سے دائیں طرف کچھ فاصلے پر چند آدمی جھاڑیوں کی آڑ لیتے ہوئے نیچے اتر رہے تھے۔

وہ بھی پہاڑ سے اترنے لگا اور پوری قوّت سے چلّایا۔ ”پل کے پار چلو۔ پل کے پار چلو!“

آن کی آن میں وہ نیچے اتر کر پل کی طرف بھاگ رہا تھا۔ معاً اسے طمنچے چلنے کی آواز سنائی دی اور تھوڑی دیر بعد جب وہ پل عبور کر رہا تھا تو چار آدمی جو پہاڑ سے کھڈ کی طرف اتر رہے تھے واپس مڑ کر دوبارہ پہاڑ پر چڑھنے کی کوشش کرتے دکھائی دیے۔

سلمان نے ان میں سے ایک آدمی کو تیر مار کر گرادیا۔ اور اپنے ساتھیوں کو باقی تین آدمیوں کا تعاقب کرتے چھوڑ کر سعید اور عاتکہ کو آوازیں دیتا ہوا چٹان کی طرف بڑھا۔

"وہ اس طرف ہیں۔ ادھر دیکھیے۔" سمیعیہ جھاڑیوں سے سر نکال کر چلّانے لگی۔ "وہ سب عتبہ کا پیچھا کر رہے ہیں۔"

سلمان نے اوپر کی طرف دیکھا عتبہ کوئی تیس گز اوپر چٹان پر چڑھنے کی کوشش کر رہا تھا اور سعید اس کا پیچھا کر رہا تھا۔ پھر ذرا نیچے اسے عثمان اور ساتھ ہی منصور دکھائی دیا۔

سلمان کے لیے یہ اندازہ لگانا مشکل نہ تھا کہ عتبہ اور سعید دونوں زخمی ہیں۔

"عاتکہ! عاتکہ!!" وہ پتھروں اور جھاڑیوں کو چھانتا ہوا آگے بڑھا اور سمیعیہ نے چیخیں مارتے ہوئے کہا۔ "عاتکہ زخمی ہے۔"

سلمان نے ایک نظر عاتکہ کی طرف دیکھا وہ ایک جھاڑی کے پیچھے پڑی

ہوئی تھی اور اس کا لباس خون میں تر بتر تھا۔ ایک ثانیہ کے لیے سلمان کی آنکھوں تلے اندھیرا چھا گیا۔ پھر وہ ایک جنوں کی سی حالت میں چٹان کے اوپر چڑھ رہا تھا۔ اس کے دل سے چیخیں نکل رہی تھیں۔ لیکن اس کے ہونٹ سلے ہوئے تھے۔

چٹان پر کوئی چالیس گز اوپر ان کی ہمّت جواب دے چکی تھی۔ وہ سیدھی چڑھائی بڑی مشکل سے ایک ایک قدم گھسیٹ رہے تھے۔

سلمان چلّایا۔ "عتبہ! عتبہ! اب تم بچ کر نہیں جاسکتے۔ عثمان! تم منصور کو نیچے لو چلو!" اور پھر وہ تیزی سے اوپر چڑھتے ہوئے آوازیں دے رہا تھا۔ "سعید ٹھہر جاؤ! میں آرہا ہوں۔ عتبہ اب بچ کر نہیں جا سکتا۔ تم نیچے آ جاؤ!"

لیکن سعید نے کوئی جواب نہ دیا۔ وہ اپنی ساری قوّت چٹان پر چڑھنے میں صرف کر رہا تھا۔ سلمان ابھی کوئی پندرہ فٹ نیچے تھا کہ سعید نے عتبہ کی ٹانگ پکڑلی۔ اس نے ٹانگ کو جھٹکا دے کر سعید کی گرفت سے آزاد ہونے

کی کوشش کی، اس کشمکش میں عتبہ کے ہاتھ سے پتھر چھوٹ گیا اور پھر آنکھ جھپکنے میں وہ دونوں پچاس ساٹھ گز نیچے گرے۔ تھوڑی دیر بعد سلمان سعید کی لاش کو عاتکہ کے پاس لٹا رہا تھا۔ اس کے سینے اور بازو پر تلوار کے تین زخموں کے نشان پہلے سے موجود تھے اور اب چٹان سے گرنے کے باعث اس کی کوئی ہڈی سلامت نہ رہی تھی۔

عاتکہ ابھی تک سسک رہی تھی۔ اس کے پہلو میں ایک تیر اور سینے میں ایک خنجر پیوست تھا۔ اس نے سعید کی لاش دیکھی اور پھر آنکھیں بند کر لیں۔

سلمان نے قریب بیٹھ کر اس کی نبض پر ہاتھ رکھ دیا۔

عاتکہ نے آنکھیں کھول کر ڈوبتی ہوئی آواز میں کہا۔ ”مجھے معلوم تھا وہ زندہ واپس نہیں آئے گا۔ سعید میرے بغیر زندہ نہیں رہ سکتا تھا۔ اب کوئی ہمارا پیچھا نہیں کرے گا۔ اور کسی کو ہمارا بوجھ اٹھانے کی ضرورت نہیں ہو گی۔“

وہ مسکرانے کی کوشش کر رہی تھی مگر اس کی آنکھوں میں آنسو چھلک رہے تھے۔ ”عتبہ بھاگ تو نہیں گیا؟ میرے طمنچے کی گولی نشانے پر لگی تھی لیکن ظالم بہت سخت جان ہوتے ہیں۔“

”وہ مر چکا ہے عاتکہ! میں اسے اچھی طرح دیکھ آیا ہوں۔ اس سے کان پر تمہارے تیر کی پرانی نشانی موجود تھی۔“

”سلمان! میرے بھائی!“ اس نے سلمان کا ہاتھ پکڑتے ہوئے کہا۔ ”آپ اتنے اچھے کیوں ہیں؟ سعید کہتا تھا کہ اب میرے لیے سلمان کے احسانات کا بوجھ اٹھانا قابلِ برداشت ہوتا جا رہا ہے۔“ پھر اس نے دوسرے ہاتھ سے سعید کا بے جان ہاتھ پکڑ لیا۔

”سعید! اب تم اپنے دوست سے یہ کہہ سکتے ہو کہ میں زندگی کے ہر بوجھ سے آزاد ہو چکا ہوں۔“ اس کی نگاہیں منصور کے چہرے پر مرکوز ہو کر رہ گئیں۔ سمیعہ نے اسے اپنی ٹانگوں سے چمٹا رکھا تھا۔

چند ثانیے بعد وہ دوبارہ سلمان کی طرف متوجہ ہوئی۔ ”بھائی جان! بھائی

جان!! اب اس دنیا میں آپ کے سوا منصور کا کوئی نہیں۔ جتنی جلدی ہو سکے اسے لے کر آپ یہاں سے نکل جائیں اور ہمیں اسی جگہ دفن کر دیجیے۔"

سلمان خاموش تھا۔ اس کی آنکھوں سے آنسو ٹپک رہے تھے۔

عاتکہ نے اکھڑے کھڑے چند سانس لینے کے بعد کہا "آپ کو معلوم ہے کہ میری آخری خواہش کیا ہے؟"

"عاتکہ!" سلمان نے کرب انگیز لہجے میں کہا۔ "میں تمہاری ہر خواہش پوری کروں گا۔"

"میں چاہتی ہوں جب ترکوں کا جنگی بیڑا آئے تو میری روح اندلس کے ساحل پر اس کا استقبال کر رہی ہو۔" اور بدریہ آپ کے لیے پھولوں کے ہار اٹھائے کھڑی ہو۔ وہ ایک عظیم عورت ہے۔ پر وقار اور عظیم! آپ اسے بھول تو نہیں جائیں گے؟"

"نہیں! ہر گز نہیں!" اس نے کانپتی ہوئی آواز میں جواب دیا۔

نقاہت کے باعث عاتکہ کی آواز آہستہ آہستہ ڈوب رہی تھی۔ وہ کچھ دیر آنکھیں بند کیے بے حس و حرکت پڑی رہی۔ پھر اچانک اس نے آنکھیں کھولیں۔ اس کے ساتھ ہی اس کے منہ سے خون کی دھار بہہ نکلی اور اس نے اپنا سر سعید کے سینے پر رکھ دیا۔

"سعید! سعید!! میں تمہارے پاس ہوں۔۔۔ سعید سعید!! سعید!!!" اس نے آخری بار جھرجھری لی اور اس کے ساتھ ہی ایک ڈوبتی ہوئی آواز ہمیشہ کے لیے خاموش ہو گئی۔

"عاتکہ! عاتکہ!!" سلمان بے چارگی کی حالت میں اس کی نبضیں ٹٹول رہا تھا مگر اندھیری رات کے دونوں مسافر اپنا سفر ختم کر چکے تھے۔

وہ اٹھا، اپنی قبا نوچی اور ان کے سرد جسموں پر ڈال کر تاریکیوں کے گہرے بادلوں میں ڈوب گیا!

سیر انوادا کے دامن میں بکھرنے والے اجالے، شب تاریک کی آمد سے

پہلے رختِ سفر باندھ رہے تھے۔ مگر، وہ بدستور اپنے خیالوں میں گم تھا۔ ماضی اور حال کے دریچوں میں جھانک رہا تھا کہ اس کے کانوں میں ایک مانوس آواز ٹکرانے لگی "آقا! آقا!!" سلمان کو یوں محسوس ہوا جیسے کوئی اسے خواب سے بیدار کر رہا ہے۔ وہ سنبھلا تو اسے عثمان جھنجوڑ رہا تھا۔ "یہ دیکھیں دو لاشیں!"

"وہ کسی طرف سے آئے تھے؟"

اس نے کرب انگیز لہجے میں عثمان سے پوچھا۔

عثمان نے اپنے آنسو پونچھتے ہوئے جواب دیا۔ "جناب ہمیں معلوم نہیں۔ ہم غار کے اندر چلے گئے تھے اور انہوں نے ہمیں ایک کونے میں بٹھا دیا تھا۔ پھر وہ اچانک غار کے سامنے آ گئے۔ منصور کی خالہ اور ماموں جان نے ان پر تیر چلا دیے۔ اس کے بعد وہ جھاڑیوں کی آڑ میں رینگتے ہوئے پیچھے ہٹنے لگے تو خالہ عاتکہ نے منصور کے ماموں سے کہا کہ میرے باپ کا قاتل زندہ نہیں جا سکتا اور وہ تیر چلاتے ہوئے غار سے باہر نکل آئے۔

اب عتبہ نے اپنے ساتھیوں کو حملہ کرنے کا حکم دیا۔ منصور کے ماموں نے کمان پھینک کر تلوار نکال لی اور ان پر ٹوٹ پڑا۔ یہ دو آدمی انہوں نے ہی قتل کیے تھے۔ لیکن وہ خود بھی بری طرح زخمی ہو چکے تھے۔ عتبہ کو منصور کی خالہ کے طمنچے کی گولی لگی تھی لیکن اس نے جھاڑی کی اوٹ سے تیر چلا دیا اور دوسرے آدمی نے انہیں خنجر مار کر گرادیا۔ میں اور منصور غار سے نکل آئے اور ہم نے خالہ عاتکہ کے قاتل کو تیروں سے گھائل کر دیا تھا۔ ان دو آدمیوں میں سے بھی ایک زخمی ہونے کے بعد اٹھنے کی کوشش کر رہا تھا لیکن سمیعیہ نے اس کے سر پر پتھر مار کر ہلاک کر دیا تھا۔ پھر عتبہ جو طمنچے کی گولی لگنے سے زخمی ہوا تھا اچانک جھاڑیوں سے نکل کر بھاگا تو منصور کے ماموں لہولہان ہونے کے باوجود اس کے پیچھے ہو لیے۔“

سلمان کچھ دیر خاموش کھڑا رہا، پھر اس نے جلدی سے منصور کو اٹھا کر گلے لگایا اور وہ سیلاب جو اب تک اس کی آنکھوں میں رکا ہوا تھا اچانک بہہ نکلا۔ کچھ دیر بعد پڑوس کی بستی سے تیس چالیس آدمی وہاں پہنچ چکے تھے اور سہ پہر کے وقت سعید اور عاتکہ کی قبروں پر مٹّی ڈالی جارہی تھی اور

پھر جب سورج مغرب کی طرف بلند پہاڑ کی اوٹ میں روپوش ہو چکا تھا تو وہ شہیدوں کو اپنی آخری دعاؤں اور آنسوؤں کا نذرانہ پیش کرنے کے بعد گھوڑوں پر سوار ہو رہے تھے۔

☆☆☆

دوسرے روز وہ سیر انوادا کی برفانی چوٹیوں سے کترا کر اس سلسلہ کوہ میں سفر کر رہے تھے جس کی ڈھلانیں ساحل سے جا ملتی ہیں۔

ایک دن بعد دوپہر کے وقت انہیں ساحل سے آٹھ میل دور ایک بستی میں داخل ہوتے ہی دوسرے لوگوں کے ساتھ عبد الملک اور اس کے ساتھی دکھائی دیے اور سلمان کو معلوم ہوا کہ وہ ابو یعقوب کی بستی میں ان کا انتظار کرنے کی بجائے، جدا جدا راستوں سے وہاں پہنچ گئے تھے۔

عبد الملک نے اس عرصے میں صرف پندرہ بیس ساحلی علاقوں میں دشمن کے جہازوں کی نقل و حرکت سے متعلق تمام معلومات مہیا کر رکھی تھیں بلکہ آس پاس کے علاقے سے از خود پچیس تجربہ کار ملّاحوں کو بھی جمع کر

لیا تھا۔ یہ نوجوان ملّاح بڑے تپاک سے آگے بڑھ بڑھ کر سلمان سے مصافحہ کر رہے تھے اور اس کے ہاتھ چوم رہے تھے۔

کھانا کھانے کے بعد سلمان نے تنہائی میں عبد الملک سے گفتگو کرتے ہوئے کہا "ہمیں زیادہ سے زیادہ تین دن اور اپنے جہاز کا انتظار کرنا پڑے گا۔ تم چند قابلِ اعتماد آدمیوں سے لکڑی اور سوکھی گھاس کے گٹھے اٹھوا کر مشرق کی طرف بستی سے پیچھے دور لے جاؤ اور وہاں بلند ترین پہاڑیوں پر ایک قطار میں تھوڑے تھوڑے فاصلے پر چار الاؤ جلا دو ایک الاؤ رات کا پہلا پہر ختم ہونے کے بعد بجھ جانا چاہیے۔ اس کے بعد تمہیں دوسرا الاؤ آدھی رات تیسرا پچھلے پہر اور چوتھا صبح ہوتے ہیں بجھا دینا چاہیے۔ اگلی رات الاؤ جلانے اور بجھانے کی ترکیب ان سے مختلف ہو گی۔ لیکن روشنی کسی ایسی ڈھلوان میں نہیں ہونی چاہیے کہ ساحل کے آس پاس سے نظر آ سکے۔ انشاء اللہ تیسری شب اگر موسم خراب نہ ہوا اور کوئی وجہ نہ ہوئی تو آدھی رات اور پچھلے پہر کے درمیان کسی وقت بھی ہمارا جہاز اس ساحل پر پہنچ جائے گا۔ یہ پورا ہفتہ ہمارے وہ جہاز سمندر میں گشت کرتے رہیں

گے۔“

☆☆☆

عثمان بھاگتا ہوا آیا اور اس نے کہا۔ ”جناب جمیل کے ساتھ دو سوار آ رہے ہیں۔“

وہ اٹھ کر باہر نکلے تو جمیل اور اس کے ساتھی بستی کے سردار کے مکان کے سامنے گھوڑوں سے اتر رہے تھے۔ سلمان نے کہا۔ ”میرا خیال تھا کہ تم یوسف کے ساتھ رہو گے۔“

”ہمیں انہوں نے تاکید کی تھی کہ جب پہلا قافلہ الفجارہ کے قریب پہنچے تو ہم دوسرے راستے سے عورتوں اور بچوں کو لے کر آپ کے پاس پہنچ جائیں، چنانچہ پانچ خواتین اور گیارہ بچوں کے علاوہ سات آدمی بھی ہمارے پیچھے آ رہے ہیں۔“

”ولید تمہارے ساتھ نہیں آیا؟“

”نہیں! وہ اپنے والدین اور عزیزوں کو دوسرے قافلے کے ساتھ الفجارہ پہنچانے کے بعد کوئی فیصلہ کرے گا۔ ہاں! یوسف کی بیوی قافلے کے ساتھ آرہی ہیں۔“

سلمان نے پوچھا۔ ”قافلہ کب تک پہنچ جائے گا؟“

”جناب انشاء اللہ وہ پرسوں صبح تک یہاں پہنچ جائیں گے۔ ہمیں یہ ڈر تھا کہ کہیں آپ کا جہاز ہم سے پہلے ہی روانہ نہ ہو جائے۔ اس لیے میں آپ کو اطلاع دینے چلا آیا ہوں۔“ سلمان نے کہا۔ ”انہیں اب یہاں آنے کی ضرورت نہیں۔ تم اسی وقت واپس چلے جاؤ! اور میری طرف سے یہ پیغام دو کہ وہ راستہ ہی میں ساحل سے کچھ دور کسی محفوظ جگہ رک جائیں اور کل سے آدھی رات کے بعد پہاڑ کی چوٹی پر الاؤ جلاتے رہیں۔ ہمارے پاس وقت بہت تھوڑا ہو گا۔ اس لیے تمہیں ساحل سے بالکل قریب رہنا چاہیے۔ اب تم جاؤ اور اپنے تھکے ہوئے گھوڑوں کی جگہ ہمارے گھوڑے لے جاؤ! وہ نسبتاً تازہ دم ہیں۔“

تھوڑی دیر بعد جمیل روانہ ہو چکا تھا۔

واپسی

تیسرے روز آدھی رات کے قریب ایک جنگی جہاز ساحل سے کچھ دور لنگر ڈالے کھڑا تھا اور ایک کشتی سلمان کو لانے کے لیے ساحل کی طرف روانہ ہو چکی تھی۔

ایک گھنٹہ بعد جہاز کے افسر اور ملّاح اپنے کپتان اور اس کے ساتھیوں کا مسرت کے نعروں سے استقبال کر رہے تھے۔

سلمان کچھ دیر خاموشی سے اپنے ان جانثاروں کو دیکھتا رہا اور یہ سکوت اس وقت ٹوٹا جب جہاز کے نائب کپتان نے سوال کیا۔

”جناب! آپ غرناطہ سے کیا خبر لائے ہیں؟“

سلمان کے دل پر ایک چرکا سا لگا اور اس نے گفتگو کا موضوع بدلنے کے لیے منصور کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا۔

”میرے دوستو! میں آپ لوگوں کو جو اہم ترین خبر سنانا چاہتا ہوں وہ یہ ہے کہ مجھے جس بزرگ کو غرناطہ پہنچانے کے لیے بھیجا گیا تھا، ان کا نواسہ آپ سے جہاز رانی سیکھنے کا عزم لے کر آیا ہے۔ میں امید کرتا ہوں کہ آپ اسے مایوس نہیں کریں گے۔ اور یہ معزّز حضرات جو آپ میرے ساتھ دیکھ رہے ہیں، اہلِ غرناطہ کی طرف سے امیر البحر کے لیے ایک اہم پیغام لے کر جا رہے ہیں۔ غرناطہ کا ایک اور چھوٹا سا قافلہ جس میں چند معزّز خواتین اور ان کے بچّے شامل ہیں یہاں سے چند میل دور ہمارا انتظار کر رہا ہے۔ میں یہ چاہتا ہوں کہ جہاز کا ایک حصّہ خواتین اور بچّوں کے مخصوص کر دیا جائے اور باقی دوسرے مہمانوں کے لیے اور ان کو آرام پہنچانے میں بھی کسی بخل سے کام نہ لیا جائے۔ مجھے معلوم ہے کہ تم غرناطہ کے حالات معلوم کرنے کے لیے بے چین ہو، لیکن تھکے ہوئے مسافروں کو جہاز پر سوار ہوتے ہی آرام کی ضرورت ہو گی۔ اس وقت تم ان سے

کوئی اور سوال پوچھو گے تو تمہیں آنسوؤں کے سوا کوئی جواب نہیں ملے گا اور شاید میری حالت بھی ان سے مختلف نہیں۔ اس وقت میں آپ کو تاریخ کے ایک عظیم ترین المیے کی ساری تفصیلات نہیں سنا سکتا۔ صرف اتنا کہہ سکتا ہوں کہ غرناطہ پر دشمن کا قبضہ ہو چکا ہے۔“

یہ کہتے ہوئے سلمان کی آواز بیٹھ گئی اور اس کے ساتھی اضطراب کی حالت میں اپنے اولوالعزم رہنما کی طرف دیکھ رہے تھے۔ کسی کو اس سے کچھ اور پوچھنے کی ہمت نہ ہوئی۔

سلمان نے اپنے نائب کو چند ہدایات دیں اور عرشے پر آہستہ آہستہ ٹہلنا شروع کر دیا۔ جہاز کھلے ساحل کے ساتھ ساتھ مغرب کا رُخ کر رہا تھا اور تین گھنٹے بعد ملّاح دوبارہ لنگر ڈال رہے تھے۔

تھوڑی دیر بعد مسافروں کو لانے کے لیے دو کشتیاں روانہ ہو چکی تھیں۔

طلوعِ سحر کے وقت سلمان ساحل سے چند میل دور عرشے کے جنگلے کے ساتھ کھڑا جنوب کے پہاڑوں کی طرف دیکھ رہا تھا جن کے پیچھے کوسوں دور ایک ویرانے میں وہ عاتکہ اور سعید کی قبریں چھوڑ آیا تھا۔

گزشتہ چند دنوں میں وہ کتنی بار سوتے جاگتے ان قبروں کا طواف کر چکا تھا۔ کتنے آنسو تھے جو وہ اپنے ساتھیوں سے چھپ چھپ کر بہا چکا تھا۔

پھر ان ویرانوں سے آگے وہ غرناطہ کے پر شکوہ ایوانوں، بارونق بازاروں اور گلیوں کو دیکھ رہا تھا۔ اندلس کی تاریخ کے کتنے ہی اجالے اور اندھیرے تھے جو ایک ایک کرکے اس کی نگاہوں کے سامنے گزر رہے تھے۔

وہ ساحل کی ان سنگلاخ چٹانوں سے دور مجاہدین اندلس کے ان قافلوں کو بھی دیکھ رہا تھا جن کی راہوں کے گرد و غبار میں فرزندانِ اسلام کے ماضی کی عظمتیں پوشیدہ تھیں اور پھر وہ ان لمحات کا تصور کر رہا تھا جب فرڈ نینڈ کی افواج غرناطہ میں داخل ہو رہی تھیں۔ وہ طارق اور عبد الرحمٰن کی

بیٹیوں کی آہ و بکا اور اس خطے کے ان بوڑھوں اور جوانوں کی ذلّت و رسوائی کے دِلخراش مناظر دیکھ سکتا تھا جن پر رحم اور بخشش کے سارے دروازے بند ہو چکے تھے اور پھر وہ ان غدّاروں کے قہقہے بھی سن سکتا تھا جو ایک مدّت سے دُشمن کے استقبال کی تیاریاں کر رہے تھے۔

اندلس کے پُر شکوہ ماضی اور اندوہناک حال کی ساری داستانیں اسے ایک خواب اور ایک وہم محسوس ہو رہی تھیں۔

اور پھر جیسے کوئی ڈوبتا ہوا انسان تنکوں کا سہارا لے رہا ہو، اسے بدریہ کا خیال آیا اور چند ثانیے اس کی حالت اس مسافر کی سی تھی جو رات کے اندھیرے میں ایک لق و دق صحرا میں جھانکنے کے بعد اچانک افق پر صبح کا تارا دیکھ رہا ہو۔ اس کے کانوں میں دیر تک عاتکہ کے آخری الفاظ گونجتے رہے۔

میں چاہتی ہوں کہ جب ترکوں کا جنگی بیڑا آئے تو میری روح اندلس کے ساحل پر ان کا استقبال کر رہی ہو اور بدریہ آپ کے لیے پھولوں کے ہار

اٹھائے کھڑی ہو۔ وہ ایک عظیم عورت ہے۔ پُر وقار اور عظیم۔ آپ اسے بھول تو نہیں جائیں گے ؟

اس کا دل بری طرح دھڑک رہا تھا۔ ”بدریہ! بدریہ!! میں تمہیں کیسے بھول سکتا ہوں؟“ اور پھر وہ اپنی زندگی کی دو تاریک راتوں کا تصور کر رہا تھا۔ ایک وہ رات تھی جب اس نے پہلی بار بدریہ کے گھر میں قدم رکھا تھا اور دوسری وہ جب ابو ناصر کے گھر میں اسے خدا حافظ کہہ رہا تھا۔ اور ان دو راتوں کے درمیان کتنے ہی واقعات تھے جو اب داستان ماضی بن چکے تھے۔

سلمان کو دیر تک اپنے گرد و پیش کا کوئی احساس نہ تھا اور پھر کسی نے اس کے کندھے پر آہستہ سے ہاتھ رکھتے ہوئے کہا۔ ”سلمان!“ وہ چونکا اور بدریہ کی آواز اس کی روح کی گہرائیوں تک اترتی چلی گئی۔ اس نے مُڑ کر دیکھا اور دونوں کی نگاہوں کے درمیان آنسوؤں کے پردے حائل ہو گئے۔ اسماء اس کے پیچھے کھڑی تھی۔

سلمان نے جلدی سے اسے اٹھا کر گلے لگا لیا۔

"چچا جان!" اس نے سسکیاں لیتے ہوئے پوچھا۔ "منصور کہاں ہے؟"

"میری بیٹی۔ وہ سو رہا ہے۔" سلمان یہ کہ کر بدریہ کی طرف متوجہ ہوا۔ "کیا آپ کو پتا چل گیا ہے کہ ہم پر کیا بیتی ہے؟"

اس نے اثبات میں سر ہلاتے ہوئے جواب دیا۔ مجھے عثمان نے جہاز پر سوار ہوتے ہی تمام واقعات سنا دیے تھے۔

وہ کچھ دیر خاموش رہے۔ دونوں کی نمناک آنکھیں جنوب کے پہاڑوں میں کوئی چیز تلاش کر رہی تھیں۔

پھر عثمان نے اطلاع دی۔ "جناب! ایک خاتون آپ کو یاد فرما رہی ہیں۔ وہ کہتی ہیں کہ میں آپ کو کوئی ضروری پیغام دینا چاہتی ہوں۔"

بدریہ نے کہا۔ "وہ خاتون چچی خالدہ ہوں گی۔ ٹھہریے! میں بھی آپ کے ساتھ چلتی ہوں۔"

"چچی خالدہ؟"

"وہ یوسف کی بیوی ہیں۔"

پھر وہ جہاز کے ایک کمرے میں داخل ہوئے جہاں ایک معمر اور باوقار خاتون ان کا انتظار کر رہی تھیں۔

خالدہ نے کہا۔ "انہوں نے مجھے تاکید کی تھی کہ میں یہ خط بذاتِ خود آپ کے ہاتھ میں دوں۔ لیجئے!" سلمان خط کھول کر پڑھنے میں مصروف ہو گیا۔ یوسف نے لکھا تھا:

"میرے ساتھی! اس سے پہلے کہ میرا خط آپ کو ملے۔ ابو عبد اللہ غرناطہ کی کنجیاں فرڈنینڈ کو پیش کر چکا ہو گا۔ اور اس کے بعد ہمارا کوئی وطن نہیں ہو گا۔ فرزندانِ غرناطہ دھاڑیں مار مار کر رو رہے ہوں گے۔ بزرگانِ دین کی سفید ڈاڑھیاں آنسوؤں سے تر ہوں گی اور دختران اندلس اپنے سر کے بال نوچ رہی ہوں گی۔

میں نے دیکھا ہے کہ جب طوفان آ رہا ہو تو پرندے اچانک خاموش ہو

جاتے ہیں۔ یہی حالت آج اہلِ غرناطہ کی ہے۔ آج میں نے ان لوگوں کو بھی گم سم دیکھا ہے جو سینٹافے کا راستہ کھل جانے پر مسرّت کے نعرے لگایا کرتے تھے۔ آج غرناطہ کا ہر آدمی دوسرے آدمی سے یہی سوال کرتا ہے کہ اب کیا ہو گا؟

میں بھی آخری قافلے کے ساتھ نکل جاؤں گا۔ وہ دِلخراش مناظر نہیں دیکھ سکوں گا جن کے تصوّر سے میری روح لرزتی ہے۔ مجھے معلوم نہیں کہ جو لوگ آپ کے ساتھ جا رہے ہیں، وہ اپنے مقاصد میں کس حد تک کامیاب ہوں گے۔ لیکن ایک بات واضح ہے کہ ان کے جلد یا بدیر لوٹنے سے کوئی فرق نہیں پڑے گا۔ اور اگر آپ یہاں پہنچتے ہی واپس چلے جاتے تو بھی شاید کوئی فرق نہ پڑتا۔ اب غرناطہ ہمارے ہاتھوں سے جا چکا ہے۔

اور اس کے بعد ہماری تمام اُمّیدیں کوہستانی جنگجو قبائل کے ساتھ وابستہ ہیں۔ اس لیے میں آپ کے ساتھیوں کو یہ پیغام دینا ضروری سمجھتا ہوں کہ جب تک زمانہ ایک نئی کروٹ نہیں لے لیتا اور قبائل منظّم اور متحد ہو کر اجتماعی جدوجہد کے قابل نہیں ہو جاتے، اس وقت تک انہیں واپس آنے

کی بجائے وہیں رہنا چاہیے۔

میرے عزیز!

ہم پر ایک ایسا وقت بھی آ سکتا ہے جب اندلس کے مقہور و مجبور مسلمانوں کے لیے ہجرت کے سوا کوئی چارہ نہ ہو، ایسی صورت میں اگر ہمارے لیے ہجرت کے راستے بھی کھلے رہ سکیں تو بھی آپ لوگوں کا ایک بہت بڑا کارنامہ ہو گا۔

سر دست میں اندلس نہیں چھوڑ سکتا، اس لیے آپ میری بیوی کو مراکش تک پہنچانے کا انتظام کر دیں۔ وہاں اس کے رشتے دار موجود ہیں۔ باقی لوگ بھی مراکش یا الجزائر میں اپنے عزیزوں کو تلاش کر لیں گے۔

زمانے کے طوفانوں میں ہمیں بعض اوقات یہ بھی خیال نہیں رہتا کہ زندگی کی کئی راحتیں تھیں جو ہم وقت کے بے رحم ہاتھوں سے چھین سکتے تھے۔

میرے دوست! ولید سے ملاقات کے بعد مجھے اس بات پر حیرت ہوئی

تھی کہ تم بدریہ کو غرناطہ چھوڑ آئے ہو۔ کیا مجھے یہ کہنے کی ضرورت تھی کہ مستقبل کی آندھیوں کا سامنا کرنے کے لیے تمہیں ایک دوسرے کے سہارے کی ضرورت ہے۔

یوسف"

سلمان نے خط پڑھ کر بدریہ کے ہاتھ میں دے دیا۔

چند ثانیے اس کے چہرے پر سرخ و سپید لہریں دوڑتی رہیں۔ پھر اس کی آنکھوں میں آنسو امڈ آئے۔